تاریخ مسلمانانِ پاک و ہند

www.KitaboSunnat.com

مغلوں کے زوال سے قیامِ پاکستان تک

سید ہاشمی فرید آبادی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ادارہ معارف اسلامی لاہور

یہ ادارہ اسلامی علوم و معارف کی ترویج و تحقیق کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ اس کی بنیاد دور حاضر کے عظیم مفکر، قائد تحریک اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے جولائی ۱۹۶۳ء میں رکھی تھی اور اس کا پہلا مرکز کراچی میں قائم کیا گیا تھا۔ بعد ازاں فروری ۱۹۷۹ء میں مولانا مرحوم نے لاہور کو اس کا دوسرا مستقر بنایا۔ اب کراچی اور لاہور کے ادارہ معارف اسلامی کے دونوں مرکز داخلی طور پر خود مختارانہ اور مقصدی اور آئینی طور پر ہم آہنگی سے کام کر رہے ہیں۔

عصر حاضر کے تقاضوں کی رعایت سے بلند پایہ لٹریچر شائع کرنے کے علاوہ محترم مؤسس کے پیش نظر خاص مقصد یہ تھا کہ اسلامی موضوعات پر کام کرنے والے مصنفین اور محققین کے لئے ایسا سازگار اور پرسکون ماحول مہیا کیا جائے جس میں وہ پورے انہماک اور فراغت کے ساتھ اپنی کوششیں جاری رکھ سکیں۔

بحمدللہ اپنے یوم تشکیل ہی سے یہ ادارہ ان دونوں مقاصد کے لئے نہایت خوبی سے کام کر رہا ہے۔ اب تک جو منصوبے زیر عمل آ چکے ہیں ان کا مجمل سا خاکہ یہ ہے:

۱ - مختلف موضوعات کی بہت سی بلند پایہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور یہ سلسلہ تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔

۲ - ایسے مصنفین کا پُرخلوص تعاون حاصل کرنے میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ہے جو نئی کتابیں تصنیف کرنے اور دیگر زبانوں کی اہم کتابیں اردو میں ترجمہ کرنے کے علاوہ اردو زبان میں شائع شدہ بہترین کتابوں کو عربی، انگریزی، فارسی، فرانسیسی، جرمن اور سواحلی زبانوں میں منتقل کرنے کا کام کر رہے ہیں۔ ایسی کتابوں میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی کتب کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔

۳ - مصنفین، محققین اور طلبا کے استفادے کے لئے ایک لائبریری کی بنیاد رکھ دی گئی ہے جس میں اردو کے علاوہ عربی اور دوسری زبانوں کی ضروری کتابیں جمع کی جا رہی ہیں۔

۴ - اردو اور انگریزی کے اخبارات و جرائد کے تراشوں سے بہت احتیاط اور توجہ کے ساتھ ایسا ریکارڈ تیار کیا جا رہا ہے جس سے کسی بھی موضوع پر کام کرنے والے مصنفین اور محققین استفادہ کر سکتے ہیں۔

ان مساعی کو بہت وقیع قرار نہیں دیا جا سکتا لیکن یہ بات اعتماد سے کہی جا سکتی ہے کہ ملتِ اسلامیہ جن مشکلات و مسائل سے دوچار ہے ان سے عہدہ برآ ہونے اور اتحاد و ترقی کی کوششوں کو آگے بڑھانے میں یہ حقیر مساعی ضرور معاون ثابت ہوں گی اور انشاءاللہ ان میں روز بروز اضافہ ہوتا جائے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مغلوں کے زوال سے قیامِ پاکستان تک

تاریخ مسلمانانِ پاک و ہند

(حصہ دوم)

سیّد ہاشمی فرید آبادی

ادارۂ معارفِ اسلامی، لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یکے از مطبوعات ادارۂ معارف اسلامی ، لاہور

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

نام کتاب ——— مغلوں کے زوال سے قیام پاکستان تک
(تاریخ مسلمانان پاک و ہند حصہ دوم)

نام مصنف ——— سید ہاشمی فرید آبادی

مطبع ——— شاد سنز لاہور

قیمت ——— ۱۲۰ روپے

اشاعتِ دوم ——— ۱۰۰۰، جون سنہ ۱۹۹۰

04802

تقسیم کنندہ :

المنار بک سنٹر، منصورہ، ملتان روڈ، لاہور

ڈاک کوڈ ـــ ۵۴۵۷۰ ـــــ ٹیلیفون نمبر ۴۳۰۰۳۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست

پیش لفظ ۴۲

عرضِ ناشر ۴۳

باب اوّل — آثارِ زوال ۴۵

عالمگیر کی وسیع سلطنت ۔ مغرب میں جمہوریت کا ظہور

شاہ عالم بہادر شاہ اوّل : ۴۷

باپ کی تقسیم سلطنت ۔ جنگ جو محمد اعظم اور مراقی کام بخش ۔ جنگ سرائے جاجو ۔ دکن پر بادشاہ کی فوج کشی ۔ کام بخش کا مارا جانا ۔ دکن کا نائب صوبیدار داؤد خاں ۔

سکھوں کی یورش : ۵۰

سکھوں کی ابتدا ۔ گرو نانک صاحب ۔ ان کی تعلیم ۔ پانچویں جانشین ۔ گرو ارجن کا قتل ۔ گرو تیغ بہادر ۔ آخری گرو دہر گوبند ۔ شاہ عالم کی فوج میں ۔ بندا بیراگی ۔ دیہات میں وحشیانہ مظالم ۔ تادیبی مہم ۔ بندا کی فراری ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہادر شاہ کی وفات اور تازہ خانہ جنگی : ۵۳

شاہ عالم کا ورود لاہور میں۔ انتقال ۱۷۱۲ء میں منجھلا بیٹا عظیم الشان۔ بڑے بھائی معز الدین جہاندار شاہ سے لڑائی اور عزقابی عظیم الشان کے فرزند فرخ سیر کا دعویٰ بادشاہی۔ سید حسن عبداللہ اور سید حسین علی کی سازش۔ فرخ سیر کی پیش قدمی۔ جہاندار شاہ کا طوائف اور سازندوں کے ساتھ لٹنے آنا۔ آگرے کے قریب شکست اور فراری۔ دہلی میں گرفتاری اور قتل۔

بادشاہ گر سادات : ۵۶

سادات بارہہ۔ عالم گیر کی وصیت۔ فرخ سیر کا سید بھائیوں کو وزارت اور سپہ سالاری دینا۔ اختلاف کے اسباب۔ سید عبداللہ کا دیوان رتن چند۔

بادشاہ گری بادشاہ کشی بن جاتی ہے : ۵۹

بادشاہ اور سید وزیروں کی کشاکش۔ اجیت سنگھ راجہ جودھپور حسین علی کا دکن جانا۔ داؤد خاں پنی سے جنگ۔ پنی کے قتل پر بادشاہ کی آزردگی۔ حسین علی کی واپسی اور فرخ سیر کو قید، پھر قتل کرنا۔ رفیع الدرجات کو تخت پر بٹھانا۔ جزیے کی موقوفی۔ رفیع الدرجات کی وفات۔ رفیع القدر شاہ جہان ثانی کی جانشینی اور وفات۔ ناصر الدین محمد شاہ کی تخت نشینی ۱۷۱۹ء

بادشاہ گروں کا خاتمہ : ۶۳

تورانی امیر شہزادہ نیکو سیر۔ عالم گیر کی اولاد کا شجرہ۔ نظام الملک کی سیدوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے علانیہ مخالفت۔ مالوے اور دکن میں سید سرداروں کی شکست ۔ نظام الملک کا دکن پر قبضہ۔ سید حسین کا خون۔ سید عبداللہ قطب الملک سے جنگ۔ سادات کی شکست اور بادشاہ گری کا خاتمہ (حاشیہ) بندا بیراگی کی دوبارہ شورش۔ گرفتاری اور قتل۔ خافی خاں کی چشم دید روایات سے جھوٹے افسانوں کی تردید۔

عہدِ محمد شاہی : ۶۸

محمد شاہ کی آزاد بادشاہی۔ دادی مہرپرور۔ نظام الملک کی وزارت۔ برداشتہ خاطر دہلی سے واپسی۔ "محمد شاہ رنگیلے کی دہلی"

نادر شاہ کا حملہ : ۷۱

نادر شاہ کی فوج کشی کے اسباب۔ قندھار کا محاصرہ اور الحاق۔ محمد شاہ کے "ایرانی" اُمرا۔ صوبہ کابل کا ہاتھ سے نکل جانا۔ نظام الملک کی طلبی دکن سے۔ نادر کی آمد پنجاب میں۔ زکریا خاں صوبیدار لاہور سے صلح اور دہلی پر فوج کشی۔

شاہ جہان آباد کی پہلی تاراجی : ۷۳

نظام الملک کا دفاعی منصوبہ۔ برہان الملک سعادت خاں کا خود رائی سے نادر کی فوج پر حملہ اور گرفتاری۔ اس کی بے وفائی۔ نادر شاہ کا دھوکے سے نظام الملک اور بادشاہ کو حراست میں لینا۔ دہلی پہنچ کر قتل عام اور غارتگری۔ نادر کے بیٹے کی شادی مغل شہزادی سے ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب دوم — مغل بادشاہی کی تباہی ۷۹

حملۂ نادری کے اثرات. مرکزی حکومت کی کمزوری اور بدنظمی. بے قابو عناصر. بادشاہی کا بھرم. انگریزی تاریخ نویسوں کی غلط نگاری. احمد شاہ ابدالی کا پنجاب پر حملہ. سرہند میں شکست اور پسپائی. محمد شاہ کی وفات ۱۷۴۸ء. اس کا نااہل جانشین احمد شاہ. اس کی ماں اودھم بائی اور جاوید خواجہ سرا. نظام الملک کی وفات. اس کا پوتا غازی الدین عماد الملک

بادشاہ کی قید اور کور سازی : ۸۴

عماد الملک کی فتنہ طرازیاں. جاٹوں اور مرہٹوں سے سازش. علماء سے بادشاہ کے خلاف فتویٰ. بادشاہ کو محبوس اور معزول کرنا. عزیز الدین عالمگیر ثانی کی تخت نشینی (۵۴ء). صوبۂ پنجاب کا ابدالی سیادت قبول کرنا. وزیر صفدر جنگ کا انتقال. دہلی آگرے میں جاٹ کسانوں کا زور. بے قابو روہیلے. مرہٹوں کا عروج.

احمد شاہ ابدالی : ۸۶

عماد الملک کا اچانک چھاپہ لاہور پر. احمد شاہ ابدالی کے ابتدائی حالات اور جنگی اوصاف. مملکت افغانستان. اس کا دعویٰ پنجاب و دہلی پر. لشکر کشی اور شہر دہلی کو دو مہینے تک لوٹنا.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرہٹوں کی دخل اندازی : ۸۹

ابدالی کے انتظامات ۔ کابل کو واپسی ۔ عمادالملک کا پنجاب پر مرہٹوں کو بلانا ۔ نجیب الدولہ روہیلہ وزیر جنگ کا دہلی سے ہٹ جانا ۔ بادشاہ (عالمگیر ثانی) کا عبرتناک قتل ۔

پانی پت کی تیسری لڑائی : ۹۰

ابدالی حملے کے تازہ محرکات ۔ سرہند اور دہلی کے معرکے ۔ مرہٹوں کا زبردست لشکر ۔ دہلی میں ان کا داخلہ ۔ کرنال پر پیش قدمی ۔ ابدالی کا دوبارہ جمنا اتر کر مقابلے میں آنا ۔ مرہٹوں کی پانی پت میں مورچہ بندی ۔ ابراہیم گاردی کی فوج اور توپ خانہ ۔ حاشیہ (ابراہیم گاردی کی نسبت) ۔ مرہٹوں کی جنگ اور سخت ہزیمت (۱۷۶۱ء)

مرکز سلطنت کی بربادی : ۹۴

ابدالی کے ارادے ۔ فوج کا واپسی پر اصرار ۔ شہزادہ عالی گہر (شاہ عالم ثانی) کے حق میں بادشاہی کا اعلان ۔ بے وارثی دہلی کی کامل تاراجی ۔

شاہ عالم ثانی : ۹۶

تخت نشینی بہار میں ۔ ضروری اوصاف کی کمی ۔ شہزادگی میں دہلی سے بھاگنا ۔ نجیب الدولہ اور شجاع الدولہ کی مہمانداری ۔ محمد قلی کی رفاقت ۔ بنگالے پر فوج کشی ۔ انگریزوں کی گھبراہٹ ۔ عظیم آباد کے قریب سے شہزادہ کی پسپائی ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنگالے سے واپسی بے بسی اور موت : ١٠٠

شاہ عالم کے لقب سے تخت نشینی (١٧٦٠ء) کام گار خاں کی معرکہ آرائی۔ میر جعفر کی معزولی۔ میر قاسم کا بادشاہ کو سالانہ پیش کش۔ الٰہ آباد میں وقت گزاری۔ میر قاسم کا انگریزوں کے ہاتھ سے اخراج۔ بکسر کی لڑائی۔ بنگالے کی دیوانی انگریز تاجروں کے نام۔ نجف خاں کا شاہ عالم کو دہلی لانا اور ذوالفقار الدولہ کے لقب سے وزارت کرنا۔ غلام قادر روہیلہ کا بادشاہ کو اندھا کرنا۔ سندھیا کا اسے قتل کرنا اور وکالت شاہی کی سند پانا۔ انگریزوں کی لڑائیاں اور غلبہ مرہٹوں پر۔ بادشاہ کا انگریزوں کے قبضے میں آ جانا۔

باب سوم۔ ملوک طوائف ١٠٥

بنگالہ : ١٠٦

محمد ہادی مرشد قلی خاں عالم گیری دیوان بنگالہ۔ مرشد آباد کی بنا اور ترقی۔ اپنے زمانے کے لندن پر فضیلت مرشد قلی کی انگریزوں پر سخت نگرانی خطاب جعفر خاں۔ لاولد وفات پر داماد شجاع الدولہ کا جانشین ہونا۔ سرز بنگالہ میں اڑیسہ اور بہار کی شمولیت۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیم آزاد صوبہ دار : ۱۰۹

نام اور سنینِ حکومت ۔ شجاع الدولہ کی وفات ۔ نائب صوبیدار بہار علی وردی کا اس کے بیٹے کو شکست دینا ۔ مہابت جنگ کے خطاب سے بنگالہ کی صوبیداری ۔ مرہٹوں سے لڑائیاں ۔ اولاد نرینہ نہ ہونے کے باعث نواسے (سراج الدولہ) کو ولی عہد بنانا ۔ مہابت جنگ کی وفات اور سراج الدولہ کی مسند نشینی ۔

انگریزوں کی سازش : ۱۱۲

نواب کے مخالفین سے کلکتہ کے انگریزوں کا ساز باز ۔ خلاف معاہدہ کلکتے کی مورچہ بندی ۔ سراج الدولہ کی فوج کشی ۔ انگریز عامل ڈریک کا فرار ہونا ۔ شہر اور قلعے کی تسخیر ۔ انگریز قیدیوں کی جاں بخشی اور رہائی (حاشیہ) بلیک ہول کی جھوٹی تہمت ۔ کلائیو اور واٹسن کا دوبارہ فوج لے کر آنا ۔ نواب سے صلح ۔ کلکتے کی واگزاری ۔ انگریزوں کی سازش میر جعفر سے ۔ دکھاوے کی فوج کشی ۔ میر مدن کی جاں نثاری سراج الدولہ کی مرشد آباد کو پسپائی ۔ میر جعفر کا پوری فوج سے علانیہ انگریزوں کا خیر مقدم کرنا ۔ جنگ پلاسی کی فتح کے جھوٹے اشتہار ۔

میر جعفر اور میر قاسم : ۱۱۷

سراج الدولہ کی گرفتاری ۔ قتل اور لاش کی تشہیر ۔ میر جعفر کی مسند نشینی ۔ انگریزوں کو بے حساب انعام واکرام ۔ "کلائیو کا گدھا" کہلانے لگا تھا ۔ میرن کی ظالمانہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بد عاشیاں اور موت۔ کلائو کے ولایت جانے پر انگریزوں کا میر جعفر کو معزول اور اس کے داماد میر قاسم کو مسند نشین کرنا۔ میر قاسم سے انگریزوں کی ناراضی پر مؤرخ بینؔ کا تبصرہ۔ میر قاسم کا مرشد آباد سے مونگھیر منتقل ہونا انگریزوں کا اسے معزول اور میر جعفر کو دوبارہ صوبیدار بنانا۔ میر قاسم کی شکست اور شاہ عالم کے پاس جانا۔ شجاع الدولہ کی دغابازی۔ میر جعفر کی وفات۔ انگریزوں کا بنگالے پر پورا قبضہ ہو جانا۔

مغربی پاکستان (سندھ) ۱۲۱

مرکزی حکومت کی کمزوری۔ میاں نور محمد کلہوڑہ۔ کلہوڑوں کی حکومت۔ تالپور قبیلے کا عروج۔ ان کی تین شاخیں۔

دولتِ آصف جاہی:

خاندان آصف جاہی۔ میر قمر الدین نظام الملک۔ مرہٹوں سے معرکے اور مفاہمت۔ دکن میں دیرپا ریاست کی بنا۔ اولاد اور جانشین۔ فرانسیسیوں کی سازش اور کاٹ ہیں۔ ناصر جنگ کی فوج کشی۔ غداروں کے ہاتھ سے ہلاکت۔

آصف جاہ ثانی: ۱۳۲

مرہٹوں سے مقابلے۔ نئی طرز پر فوج اور آتشیں اسلحہ کی تیاری۔ انگریزوں کی کامیاب سازش۔ ارکاٹ کے معرکے۔ والاجاہی خاندان۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دولت خداداد میسور : ۱۳۶

اس ریاست کی خصوصیات ۔ حیدر علی کی تدریجی ترقی ۔ مشرق و مغرب کی طرف فتوحات ۔ انگریزوں سے کامیاب جنگ مدراس پر یلغار ۔

شیر میسور ٹیپو سلطان : ۱۴۰

حیدر علی کے اوصاف ۔ جانشین بیٹا فتح علی عرف ٹیپو سلطان ۔ شاہانہ تزک و احتشام ۔ ہمسایوں کی رقابت اور جنگ ۔ انگریزوں کی جتھہ بندی ۔

دولت خداداد کا خاتمہ : ۱۴۲

ٹیپو کے خلاف سازشیں ۔ انگریزوں کی جتھہ بندی ۔ میسور پر فوج کشی ۔ سلطان کی شہادت ۱۷۹۹ء (حاشیہ) میسور کی خوش حالی ۔

دو آب اور اودھ کی دولائی : ۱۴۵

برہان الملک کی صوبیداری ۔ اپنے بادشاہ سے بے وفائی اور موت ۔ داماد صفدر جنگ کی جانشینی ۔ اس کا فرزند نواب شجاع الدولہ ۔ انگریزوں سے شکست اور اتحاد ۔ روہیلوں پر فوج کشی ۔ شجاع الدولہ کی وفات ۔ انگریزوں کا دخل اور جبری استحصال ۔ مصنوعی شاہی کا خطاب ۔

روہیلوں کی ریاستیں : ۱۵۰

سرحدی قبائل کی آبادی دو آب میں ۔ نواب محمد خاں بنگش بانی فرخ آباد ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والی داودھ سے معرکے۔ روہیل کھنڈ خاص کی ریاست (آنولہ) حافظ رحمت خاں رئیس بریلی۔ نجیب الدولہ کا خاندان۔

باب چہارم اخلاق، مذہب، زبان ۱۵۵

مسلمانوں کی عیش پسندی۔ اخلاقی زوال۔ اربابِ نشاط کی کثرت۔

عقائد۔ ۱۵۹

ایرانی اثرات۔ شیعہ ریاستیں۔ محرم۔ عُرس۔ میلاد۔

شاہ ولی اللہ کی اصلاحی تحریک: ۱۶۱

مذہبی اصلاح کی دو تحریکیں۔ شاہ ولی اللہ کا خاندان۔ سفرِ حجاز۔ واپسی پر جہاد بالقلم۔ قرآن و حدیث کی خدمات۔ تصوف اور علم کلام پر تصانیف عالیہ۔ اصلاحِ معاشرت۔ سیاسی رجحان۔

شاہ صاحبؒ کے جانشین: ۱۶۶

شاہ عبدالعزیزؒ۔ شاہ رفیع الدینؒ۔ شاہ عبدالقادرؒ صاحب کے مذہبی کام۔ قرآن مجید کے اردو ترجمے۔ مدرسہ رحیمیہ کے وسیع فیوض و برکات۔

مشاہیر علماء اور مشائخ: ۱۷۰

مدرسہ فرنگی محل لکھنؤ۔ ملا نظام الدین۔ علامہ بحر العلوم۔ سلطان المدارس۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سید مرتضیٰ بلگرامی ۔ اور علامہ آزاد کی شہرۂ آفاق تصانیف ۔ میر شیر علی قانع ۔
سراج الدین علی خاں آرزو ۔

چند مشائخ صوفیہ : ۱۰۳

مرزا مظہر جانِ جاناںؒ ۔ مستفیدوں کا وسیع حلقہ ۔ شہادت ۔ شاہ فخرالدین
کا خاندان ۔ صوفی قمرالدین ۔ میر ناصر عندلیب اور میر درد ۔

نئی قومی زبان : ۱۷۷

مسلمان آباد کاروں کی مخلوط زبان ۔ پنجاب میں اُردو ۔ "زبان دہلوی" اُچھ
اور ٹھٹے کی پرانی شہادتیں ۔

زبان پنکھ پھیلاتی ہے : ۱۸۲

محمد تغلق شہر دہلی کو دکن منتقل کرتا ہے ۔ مہاجرین اپنی شمالی بولی پھیلاتے
ہیں ۔ دکن اور بنگال کے مسلمانوں میں اسی مخلوط زبان کے تحریری شواہد ۔
کبیر کی زبان ۔ بہاؤالدین باجن اور خوب محمد گجراتی ۔ لودھی امیروں کی زبان
فتح پانی پت کا "ہندی" قطعۂ تاریخ ۔

دکنی ادبیات : ۱۸۶

مخلوط ہندی سب سے پہلے بیجاپور میں سرکاری زبان بنائی جاتی اور
عربی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے ۔ وہاں کے اہلِ قلم صوفیہ ۔ ڈاکٹر عبدالحق
کی بیش بہا تحقیقات ۔ بیجاپور اور گولکنڈے کے نامی شعرا ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد افضل پانی پتی۔ تصنیف جس میں تاریخی شواہد سے زبان کا پھیلنا دکھایا ہے۔

جدید اُردو کا ظہور : ۱۹۰

ہندی، ہندوی، دکنی، گجری، قدیم اُردو کے مختلف نام ہیں۔ یہی مخلوط زبان ہندوستان کے ہر حصے میں مغل سلاطین سے پہلے مسلمان بولتے تھے۔ ضیاء الدین خسرو کی خالق باری۔ ملا عبدالواسع کی صمد باری اور غرائب اللغات ہی اُردو کا پہلا شاعر ولی گجراتی۔ دکن، مدراس، میسور، سرحد اور بنگال میں اُردو کا رواج۔

باب پنجم غیر مسلم طاقتیں ۱۹۴

مسلمانوں کی حکومت کا اثر ہندو آبادی پر۔ سکھوں اور مرہٹوں کا خروج۔ پست اقوام کے نفسی انقلاب کی علامت ہے۔

مرہٹوں کی نشوونما : ۱۹۴

نئی تحقیق سے وہ دراوڑی نسل کے شودر ہیں۔ ملک عنبر کے زمانے سے فوجوں میں بھرتی۔ مغل بادشاہوں کے بار بار حملوں سے مرہٹہ کسان تک لڑنا سیکھ گئے۔ ساہو جی بھونسلا کی ترقی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرہٹہ پیشواؤں کا دور :

۱۹۹

سیواجی کے پوتے راجہ ساہو کے برہمن وزیر۔ رفتہ رفتہ موروثی حاکم بن جاتے ہیں۔ سید حسین کی اُن سے مُراعات۔ باجی راؤ پیشوا کا سمجھوتہ نظام الملک سے۔ دہلی پر چھاپا۔

مرہٹوں کا عروج :

۲۰۲

تیسرا پیشوا بالاجی باجی راؤ۔ مالوے میں دخل حاصل ہونا۔ نظام صلابت جنگ پر نمایاں فتح۔ دہلی اور پنجاب میں نفوذ۔ پانی پت کی ہزیمت۔

مرہٹہ جتھے کا انتشار :

۲۰۴

سندھیا کا اقتدار شمالی مالوے اور دہلی میں۔ پونا کی مرکزیت کا زوال الگ الگ ریاستیں۔ ایک ایک کر کے انگریزوں سے مغلوب ہونا۔ کمزوری کے بنیادی اسباب۔

سکھوں کا زور شور پنجاب میں :

۲۰۶

سکھ فرقے کی قبولیت پست اقوام میں۔ گرو گوبند کا انہیں جنگی گروہ بنانا ان کی مثلیں یا جتھے۔ بدنظمی کے زمانے میں لوٹ مار۔ احمد شاہ ابدالی کی سخت تادیب۔ آلا سنگھ عامل سرہند

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مہاراجہ رنجیت سنگھ : ۲۰۹

سکھوں میں باہمی نا اتفاقی۔ رنجیت سنگھ کی ابتدائی ترقی۔ لاہور پر قبضہ انگریزوں سے معاہدہ۔ ملتان اور کشمیر کی فتح۔ اہل کابل کی خانہ جنگی۔ سکھوں کا سندھ کے پار تک نفوذ۔ سید احمد صاحب بریلوی کی تحریک جہاد۔ رنجیت سنگھ کی وفات کے ساتھ حکومت کا شیرازہ بکھر جانا۔

فرنگی قومیں سواحل ہند پر :

اسپین و پرتگال کی بحری الوالعزمی۔ امریکہ اور ہندوستان کے بحری راستے کا انکشاف۔ جزیرہ گوآ پر قبضہ۔ ان کی ترکتازی اور زوال۔

پرتگال کے فرنگی رقیب : ۲۱۴

یورپ میں تجارتی اور مذہبی رقابت۔ ولندیزوں کا غلبہ۔ فرانس کی تجارتی کمپنی پھل پھیری میں۔ اس کا ملکی معاملات میں حصہ لینا۔

دوپلے کے منصوبے : ۲۱۶

فرانسیسی عامل دوپلے کی ہوس ملک گیری۔ مدارس کے انگریزوں سے لڑائی۔ نظام الملک کے نواسے مظفر جنگ اور ارکاٹ کے مدعی چندا صاحب سے سازش۔ دربار دکن میں رسوخ۔ موسیو بوسے۔ شمالی سرکاریں انعام میں پانا۔ برطانیہ اور فرانس کی جنگیں یورپ میں۔ ہندوستان میں انگریزوں کی کامیابی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۲ باب ششم انگریزوں کی آمد ابتدائی مقبوضات ۲۲۰

انگریزوں کی بحری سرگرمیاں۔ ایشیائی تجارت کے لیے پرتگیزوں سے لڑائیاں۔ انگلستان کے سفیر مغل دربار میں۔ تجارتی کوٹھیاں سورت اور مدراس میں۔ ملک گیری کے منصوبے۔ عالمگیر کے حکم سے تجارتی کارخانے بند عمال قید میں۔ انگریز کمپنی کی بحری جنگ مغل بادشاہ سے۔ ذلت اور نقصان۔ اظہار عجز و ندامت پر تجارت کی اجازت۔ آیندہ پچاس برس تک انگریزوں کا سیاسی معاملات سے اجتناب۔

پیش قدمی، دست درازی : ۲۲۵

فرانسیسیوں سے خوف و حسد کے باعث محمد علی کا ساتھ دینا۔ کلائیو کا ارکاٹ پر اچانک حملہ۔ بنگال میں انگریزوں کی ریشہ دوانیاں۔ اہل حکومت کے نفاق سے فوری کامیابیاں۔

دیوانی بن کر حکومت آتی ہے : ۲۲۸

میر جعفر کے بعد انگریز کمپنی کا دیوانی انتظام بنگالے میں۔ زر ستانی نے ملک میں شدید قحط۔ وارن ہیسٹنگز کمپنی کا پہلا صدر والی حکومت برطانیہ کی کمپنی کے معاملات میں مداخلت تنظیمی قانون مجریہ ۱۷۷۳ء۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرنگی سوداگر جنگ کے میدانوں میں : ۲۲۱

ہندوستان کے موروثی امراء اور والیانِ ریاست کی عیش پرستی ـ انگریزوں کا مقابلہ مسلمان سپاہی زادوں نے کیا یا ہندوؤں کی نوخیز پنج قوموں نے۔ پہلی جنگ مرہٹہ۔ حیدر علی کا انگریزوں کو ذلت آمیز شکستیں دینا۔ راجہ بنارس اور بیگمات اودھ پر وارن ہیسٹنگز کی بیداد۔ پارلیمنٹ کا اعلان ۱۷۸۴ء۔

ویلزلی کے منصوبے اور فتوحات ۲۳۷

فتحِ میسور۔ مزید الحاقات۔ ریاستوں سے معاونت کا معاہدہ۔ دوسری جنگِ مرہٹہ۔ جرنیل لیک کی کامیابیاں شمالی ہند میں۔ شاہ عالم سے ہندوستان کی دیوانی کی سند۔

جنگ مرہٹہ کے آخری معرکے : ۲۴۱

جسونت راؤ ہلکر اور امیر خاں۔ مکن درہ کا معرکہ۔ ویلزلی کی معزولی ہلکر سے کمپنی کی صلح۔ نتائج۔

باب ہفتم تاجری تاجوری بن جاتی ہے ۲۴۷

اہلِ یورپ کی جفاکشی کے ثمرات۔ بھاپ سے کام لینا۔ مشین کا دَور۔ جہازرانی کی ترقی۔ برطانیہ کا عروج۔ انیسویں صدی عیسوی میں ممالک ہند

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر تسلط۔ جنگ نیپال۔ اسباب وواقعات۔

پنڈارے۔ مرہٹوں سے آخری جنگ : ۲۵۴

ایک لاکھ بیس ہزار انگریزی فوج۔ راجپوتانے، مالوے کی ریاستوں کا قبولِ سیادت۔ پیشوا پر ظلم۔ اس کی گرفتاری اور جلاوطنی۔ ویلزلی کے منصوبے کی تکمیل۔

تازہ محاربات ومقبوضات : ۲۵۸

(۱) برما (۲) پنجاب۔ رنجیت سنگھ کے جانشین۔ انگریزوں سے لڑائیاں لاہور پر "عارضی" قبضہ۔ کشمیر کا سودا گلاب سنگھ سے۔ ہزارہ اور ملتان کے معرکے۔ پنجاب کا الحاق۔ انگریزوں کی بے روک غارتگری۔

سندھ کی پامالی : ۲۶۳

میرانِ سندھ سے "تجارتی" معاہدہ۔ کابل پر فوج کشی کے ضمن میں سندھ کی جبریہ باجگزاری۔ دو لڑائیوں کے بعد ملک پر قبضہ۔

معاملاتِ افغانستان : ۲۶۶

احمد شاہ درّانی کے جانشین۔ خانہ جنگیاں۔ بارک زئیوں کا اقتدار۔ انگریزوں کا منصوبہ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنگ تباہی، پسپائی: ۲۶۸

شاہ شجاع درانی کی رفاقت میں کابل پر چڑھائی۔ دوست محمد خاں کا تخلیہ کابل۔ افاغنہ کا فرنگیوں سے قومی جنگ کرنا۔ الیگزینڈر برنیس کا قتل۔ اکبر خاں سے صلح کی گفتگو۔ انگریز سفیر میک ناٹن کا مارا جانا۔ انگریزوں کا دب کر صلح کر لینا اور فوج کی دوبارہ لشکر کشی۔ شجاع کا قتل۔ دوست محمد خاں کا کابل پہنچنا انگریزوں کا تخلیہ۔ جنگِ کابل کی قومی نوعیت۔

امن کی "فتوحات": ۲۷۳

ڈلہوزی کا خبطِ ملوکیت۔ قانونِ استقراض۔ برار کا استحصال۔ اودھ کی شاہی کا ظالمانہ خاتمہ۔

کمپنی کے آئین و انتظام: ۲۷۶

مال گزاری۔ بنگالے کا دوامی بندوبست۔ طمع کا نتیجہ۔ رعیت واڑی بندوبست انگریزی عدالت۔ اس کے چند نمونے۔ تعلیم۔ دہلی کالج۔

فوجی تنظیم: ۲۸۱

ابتدائی تنظیم۔ ویلزلی کے زمانے کی بڑی فوج۔ دیسی سپاہیوں کا تناسب۔ ان کی بعض شورشیں۔ بریلی کا بلوہ۔ کمپنی کے زمانے کا اچھا سلوک۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۸ باب ہشتم سید احمدؒ صاحب کی تحریک ۲۸۵

سید احمد صاحب کی تحریکِ جہاد کی خصوصیت۔ ابتدائی حالات۔ شاہ عبدالعزیزؒ سے استفادہ۔ امیر خاں کی فوج میں چند سال۔ دہلی میں شاہ اسمٰعیل کا بیعت کرنا وطن کو واپسی۔ دوآب میں تحریکِ اصلاح۔

حج کا سفر: ۲۹۰

بعض وقتی محرکات۔ الہ آباد۔ بنارس۔ کلکتے میں آپ کا قافلہ۔ حجاز میں دو سال سے زیادہ قیام۔ ہندوستان کو مراجعت۔

جہاد کا اعلان و آغاز: ۲۹۲

پنجاب میں سکھوں کے مظالم۔ رنجیت سنگھ کی جنگی قوت کا عروج۔

جنگی معرکے۔ امامت۔ شرعی حکومت: ۲۹۵

سید صاحب کی ٹونک اور دہلی میں تیاریاں۔ جنوبی پنجاب، سندھ، بلوچستان کے راستے کابل سے نواحِ پشاور میں پہنچنا (۱۸۲۶ء) سکھوں سے پہلا معرکہ۔ سید صاحب کی امامت کا اعلان۔ مقامی پٹھان رئیسوں کی مخالفت۔ رنجیت سنگھ سے مل کر مجاہدین پر حملے۔ مہیار کا سخت معرکہ۔ سلطان محمد والیٔ پشاور کا قبولِ اطاعت۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقامی سرداروں کی بغاوت : ۲۹۹

پشاور و مضافات میں حکومتِ شرعی۔ ملاّ حکام کا عقدِ بیوگان پر اصرار۔ پٹھانوں کا ایکا کر کے نئے عمّال کو قتل کر دینا۔ سید صاحب کی مایوسی۔ افغانی ولایت کو چھوڑ کر کشمیر کے ارادے سے ضلع ہزارہ میں جانا۔

بالاکوٹ کی ہزیمت : ۳۰۱

سکھوں کی لشکر کشی۔ بالاکوٹ پر مجاہدین کو گھیرنا۔ سید صاحب کا حملہ اور شہادت شاہ اسمٰعیل اور اکثر مجاہدین کا شہید ہونا۔

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ : ۳۰۳

ابتدائی حالات۔ وعظ گوئی۔ بدعات کے خلاف زبردست تقریریں۔ پنجاب کا دورہ۔ قلمی جہاد۔ کتاب تقویت الایمان۔

تحریکِ اصلاح کے بعد کی لہریں : ۳۰۶

بقیۃ السیف مجاہدین کا مرکز ستھیانہ۔ سید صاحب کے بعض مشہور خلفا۔

مولانا ولایت علی عظیم آبادی : ۳۰۸

سید صاحب سے بیعت۔ ریاضتِ شاقہ۔ قطعۂ ردِ شرک۔ دکن میں اصلاحی خدمات۔ سید صاحب کے بعد ان کی تحریک اور مجاہدین ستھیانہ کی دوبارہ تنظیم۔ ہزارہ میں گلاب سنگھ سے لڑائی۔ اس کے حلیف انگریزوں کے ہاتھ میں گرفتاری۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ربانی" کے بعد جہاد بالسیف سے کنارہ کشی۔

تحریکِ اصلاح کی مختلف شاخیں: ۳۱۱

سید صاحب نے انگریزی حکومت سے جنگ نہیں کی۔ کمپنی کی حکومت نے ان کی سکھوں کے خلاف تحریکِ جہاد کو نہیں روکا۔ پنجاب میں انگریزی تسلط سے یہ جہاد بھی ضروری نہ رہا۔ تحریک سے عسکریت خارج۔ آپس کے مناظرے باقی رہ گئے۔ "فرقہ" اہلِ حدیث" کا ظہور۔

مجاہدینِ سرحد: ۳۱۴

مولانا ولایت علی کے بھائی "عنایت علی" سیمانہ ہیں۔ انگریزوں کو کفار نہ بی قرار دیتے ہیں۔ اپنے انتقال تک انگریزی علاقے پر حملے کرتے رہے۔ انگریزوں کو پانچ سال میں سولہ تادیبی مہمات چڑھانی پڑیں۔

باب نہم برطانی ملوکیت ۳۱۷

ہنگامہ ۱۸۵۷ء: ۳۱۸

آخر زمانے کی دہلی۔ انگریز "نیاب" حالات "غدر" کے انگریزی ماخذ (سر) سید مرحوم کا رسالہ "اسبابِ بغاوتِ ہند"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسباب و واقعات : ٣٢١

انگریز حکام کی بے خبری ۔ دیسی فوج کی بد دلی ۔ عام رعایا کی نفرت کے اسباب ۔ ڈلہوزی کی جابرانہ ملک ستانی ۔ انگریزوں کی فرعونیت ۔ زر کشی سے ہندوستان کی خوش حالی کا افلاس میں بدل جانا ۔ پادریوں کی تبلیغ کی شدت ۔ حکام کا سرپرستی کرنا ۔ چربی لگا کر کارتوس فوج میں رائج کیا جانا ۔ سپاہیوں کی بدظنی اور حکم عدولی ۔ میرٹھ کی فوج کا بگڑ جانا ۔ انگریز افسروں کو مار کر دہلی جانا ۔

جنگی مرکز (۱) دہلی : ٣٢٧

شہر میں بدنظمی ۔ بخت خاں روہیلے کی آمد اور انتظام ۔ انگریزوں کی پنجابی فوج ۔ گولہ باری ۔ فتح دہلی ۔ مغل بادشاہی کا خاتمہ ۔

(۲) لکھنؤ : ٣٣٠

ریذیڈنسی کا تخلیہ ۔ حضرت محل ۔ احمد اللہ شاہ ۔ انگریزوں کی تازہ فوج ۔ لکھنؤ پر دوبارہ قبضہ ۔

(۳) کانپور ، مالوہ وغیرہ : ٣٣٣

دھونڈو پنت نانا صاحب کا انتقام ۔ تانتیا توپی ۔ جھانسی کی رانی کی مردانہ وار لڑائیاں ۔ دوسرے مقامات کی شورشیں ۔ بڑی ریاستوں کی " وفاداری " ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انگریزوں کا انتقام : ۳۳۶

قابو یاب انگریزوں کا وحشیانہ انتقام۔ دہلی میں قتل عام۔ بادشاہ کے بیٹوں کا قتل۔ مقتولوں کی تعداد کا تخمینہ۔ بہادر شاہ کی معزولی اور جلا وطنی۔

ملتِ اسلامیہ سے عداوت : ۳۳۹

یورپ کی نئی قومیں۔ اسلام دشمنی کے اسباب۔ ہندوستان میں انگریزوں کی مسلم کشی کے چند ثبوت۔

مجاہدینِ سرحد پر فوج کشی : ۳۴۴

ستھیانہ کی بحالی کی کوشش۔ انگریزوں کی بڑے پیمانے پر فوجی مہم۔ امبیلا کی گھاٹی۔ فوج کی ناکامی۔ دیوانی عمّال کی قبائل میں نفاق انگیزی۔ بعد کی مہمات۔ ہنٹر کا تبصرہ۔

مقدمۂ بغاوت ۶۴-۱۸۶۳ء : ۳۴۷

مقدمے کے ایک ملزم کی خود نوشتہ رُوداد۔ وہابی فرقے کی عام دار و گیر۔ مقدمۂ انبالہ کی عجیب کیفیت۔ ملزمین کی حیرت انگیز بہادری اور ایمانداری۔

ضمیمہ باب نہم ۳۵۳

رسالہ اسباب بغاوت ہند از (سر) سید احمد خاں

اسباب سرکشی کی پانچ اصلیں :-

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) غلط فہمی رعایا یعنی برعکس سمجھنا تجاویز کو۔
(۲) جاری ہونا ایسے آئین و ضوابط کا جو ہندوستانیوں کے عادات کے مناسب نہ تھے یا ان کی مضرت کا باعث تھے۔
(۳) ناواقف رہنا حکومت کا رعایا کے اصلی خیالات و مصائب سے۔ اور رعایا کی بیزاری۔
(۴) ترک ہونا ان امور کا حکومت کی طرف سے جو ہندوستان میں واجب اور لازم تھے۔
(۵) بدانتظامی اور بے اہتمامی فوج کی۔

باب دہم — نیا دور نیا نظام — ۲۹۴

ہندوستان کی حکومت براہِ راست برطانی وزارت کے ہاتھ میں۔ شاہانِ برطانیہ کے نام اور سنین ہند کی پہلی انگریز ملکہ ٹوریا۔ فوج کی نئی تنظیم۔

نئی حکومت: — ۳۹۷

حکومت کے نئے جمہوری اصول۔ برطانی ملوکیت کی نفسی کمزوری۔

ابتدائی مجالس وضع قوانین: — ۴۰۱

وضع قوانین میں رعایا کی شرکت کا اصول۔ مجالس بلدیات ۱۸۹۲ء کا قانون منٹو مورلے اصلاحات ۱۹۰۹ء۔ ۱۹۱۹ء کی نئی تجاویز۔ انتخابات و اختیارات کی وسعت۔ اس انقلابی اقدام کی وجوہ۔ انگریز ملوکیت پسندوں کی مخالفت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور مایوسی ۔

مواصلات : ۴۰۵

پکی سڑکیں۔ ریل کا آغاز اور تیز توسیع۔ نہر سویز کا اجرا مغربی تجارت اور خیالات کا پھیلنا۔

ملکی انتظامات : ۴۰۸

صوبے اور اضلاع ۔ انڈین سول سروس ۔

پولس اور انگریزی عدالت : ۴۱۱

پولس کی اہمیت۔ دائرہ دخل کی توسیع۔ عدالت کی نئی تنظیم۔ قوانین تعزیرات ہند ۔ اور ضابطہ فوجداری۔ دادرسی کی طوالت۔ عدالتی زبان انگریزی ۔ پیشہ وکالت ۔ نئے طریق عدالت کی خرابی ۔

طب حفظان صحت وغیرہ : ۴۱۵

حفظان صحت کے شہری انتظام۔ مغربی طب اور ادویہ کا رواج۔ محکمہ آثار قدیمہ۔ برطانی عہد کے خوف ناک قحط۔ وسائل آبپاشی۔ مردم شماری۔

دوسری جنگ افغانستان : ۴۱۹

برطانی ملوکیت کا انتہائی عروج۔ کابل میں خانہ جنگی۔ امیر شیر علی کا روس کی طرف میلان۔ لارڈ لٹن کا اعلان جنگ۔ امیر یعقوب خاں سے صلح نامہ ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افغانی عوام کا انحراف۔ انگریزی سفیر کا قتل۔ انگریزوں کی فوج کشی یعقوب خاں کی صلح جوئی۔ اُس کے بھائی ایوب خاں کا حملہ۔ عبدالرحمٰن خاں انگریزوں کا اُسے امیر کابل تسلیم کر کے واپس ہونا۔

متفرق مہمات، الحاق برما : ۴۲۴

شمالی مغربی سرحد کے جنگی استحکام۔ جنگ تیراہ۔ مصالحانہ نفوذ کی حکمت عملی۔ برما پر فوج کشی اور الحاق۔

دیسی ریاستیں : ۴۲۶

سکم، بھوٹان پر تسلط۔ دربار قیصری کے اثرات ریاستوں پر۔ مسلمانوں کی ریاستیں۔

باب یازدہم — دورِ سرسید ۴۲۹

انگریزی تعلیم : ۴۳۰

مکالے کی تعلیمی تجاویز۔ انگریزی تعلیم کی سست رفتار۔ وُڈ کا تعلیمی مراسلہ ہنگامۂ ۱۸۵۷ء کے بعد کی تیز ترقی۔

مسلمان اور انگریزی : ۴۳۲

انگریزوں کی پہلی حکمت عملی کہ مسلمانوں میں تعلیم نہ پھیلے۔ مسلمانوں میں انگریزی سے بے توجہی کے اسباب۔ حکومت کی روش میں تبدیلی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سید احمد خاں: ۴۳۷

خاندانی حالات۔ انگریزوں کی ملازمت۔ کتاب "آثار الصنادید"۔ "آئینِ اکبری" کی تصحیح و تحشیہ۔

انقلاب ۱۸۵۷ء کے عمیق تاثرات: ۴۳۹

دہلی اور مسلمانوں کی تباہی کا سخت صدمہ۔ مسلمانوں کو انتقام سے بچانے کی کوشش۔ وفادار مسلمانوں کی خدمات۔ "وہابی" فرقے کی وکالت۔

اصلاح کے ابتدائی مراحل: ۴۴۴

"تبیین الکلام" کی تالیف۔ "سائنٹی فک سوسائٹی" کی تاسیس۔ سید صاحب کی اخبار نویسی۔ دیسی زبان میں یونیورسٹی کی تحریک۔

سفرِ یورپ: ۴۴۷

برطانیہ کے عروج کا لندن۔ ولیم میور کی کتاب کا جواب (خطباتِ احمدیہ)

مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی تاسیس: ۴۵۱

نئی تعلیم و تہذیب پھیلانے کا جوش۔ "مدرسۃ المسلمین" کی تجویز۔ اس کے لیے روپے کی فراہمی۔ علی گڑھ میں نئے کالج کا آغاز۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذہبی افکار میں ہل چل : ۵۳ص

تعمیر کالج میں سید صاحب کی محنت دریوزہ گری در در ے اصلاحِ اخلاق و معاشرت کی مہم ۔ رسالہ تہذیب الاخلاق ۔ سید صاحب سے مولویوں کی ناراضی ۔ قرآن شریف کی تفسیر لکھنے کی وجہ خود سید صاحب کی زبانی ۔ نیا علمِ کلام ۔ نثرِ اردو ۔

سید صاحب کا سیاسی مسلک : ۵۹ص

سید صاحب کی اسلامی محبت ۔ سیاسی دوربینی ۔ انگریزوں سے موالات کا مقصد رہنا بتی حکومت میں مسلمانوں کو خطرہ ۔ فرقہ وارانہ تعصبات کا ظہور ۔ کانگریس سے مخالفت کی وجوہ ۔

آخری ایام ۔ رحلت ۔ جانشین : ۶۵ص

انجمنِ دفاعِ مسلمین ۔ مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی ترقی اور سیاسی مرکزیت ۔ سید صاحب کا انتقال ۔ تحریک اصلاح مذہب کے اثرات مابعد ۔ مہدی علی محسن الملک سید صاحب سے گہری عقیدت ۔ علی گڑھ کالج کی خدمات ۔ سیاسی سرگرمیاں ۔ لارڈ منٹو کے پاس وفد لے جانا مسلم لیگ کی تاسیس (ڈھاکہ)

مولانا الطاف حسین حالی : ۷۲ص

ابتدائی تعلیم ۔ لاہور میں قیام مشہور تصانیف ۔ قومی شاعری ۔ مسدس کی انقلاب انگیز نظم مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کا تصور ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مدرسہ اسلامیہ دیوبند : ۴۷۶

بنائے مدرسہ ۔ مولانا محمد قاسم ؒ ۔ آریہ اور عیسائیوں سے مناظرے ۔ دیوبند کی ترقی ۔ مولانا کی وصیت ۔ ندوۃ العلماء ۔ مولانا شبلی کا بنا کردہ دار المصنفین ۔

باب دوازدہم برّ اعظم کا سیاسی تموّج ۴۸۱

بیسویں صدی کے قریب انگریزی زبان اور خیالات کی اشاعت ۔ جمہوری طرزِ حکومت کا مطالبہ ۔ لارڈ رپن کی ہمدردی ۔ البرٹ بل ۔

نیشنل کانگرس ۴۸۴

مسٹر ہیوم کا سیاسی انجمن بنانا ۔ کانگرس کے مقاصد ۔ ابتدائی اعتدال اور محدود اثرات ۔ برطانی ملوکیت کا غرور ۔ انقلابی تحریک ۔ کرزن کی تقسیم بنگال سے بنگالی ہندوؤں میں اشتعال ۔ بم افگنی اور چند انگریزوں کا قتل ۔ تقسیم بنگال کی منسوخی ۔ مگر بنگالیوں کو انگریز کی ٹھنڈی مار ۔

قیام مسلم لیگ

ہندو شورش کو دبانے کے لیے انگریزوں کا مسلمانوں کو تھپکنا ۔ جداگانہ انتخابات کا حق ۔ انگریزوں کی رفاقت کا زور شور ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناراضی کے اسباب ۴۹۱

چند نئے اخبار۔ مولوی وحید الدین سلیم۔ مولانا ظفر علی خاں۔ حضرت ابو الکلام آزاد، مدیر الہلال۔ مولانا محمد علی۔ سید فضل الحسن حسرت موہانی۔ تقسیم بنگال کی تنسیخ سے مسلم اکابر کی ناراضی۔ کانپور کی مسجد کا قضیہ۔ جنگ ہائے طرابلس وبلقان۔

میثاقِ لکھنؤ ۴۹۷

یورپ کی پہلی جنگ عظیم۔ علی برادران کی نظر بندی۔ بمبئی میں لیگ کی قرارداد کہ کانگرس کے ساتھ مفاہمت کی جائے۔ میثاقِ لکھنؤ ۱۹۱۶ء۔ سیاسی اصلاحات ۱۹۱۹ء میں مسلمانوں کے حقوق۔

رعایا کی سازشیں اور حکومت کی سختیاں : ۴۹۹

انگریزوں کی جنگ میں شکستیں۔ مولانا عبید اللہ سندھی۔ "سرخ رومال کی سازش"۔ ہندو مسلم فسادات۔ کٹار پور میں ہندو سنیاسی مسلمانوں کو زندہ آگ میں جلواتے ہیں۔ انگریزوں کی جنگ یورپ میں کامیابی۔ ہندوستان میں سختیاں، "رولٹ ایکٹ"۔

سرکار کے ظلم کا کڑوا پھل : ۵۰۳

جنگ میں ہندوستان سے جان و مال کی کثیر امداد۔ "سیاہ" روہوں میں انگریزوں سے نفرت۔ سلطنتِ عثمانیہ کی تباہی پر مسلمانوں میں کہرام۔ "کالے قانون"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے خلاف جلسے۔ حکومت کا جبر و تشدد۔ گاندھی جی کی "ستیا گرہ" کا آغاز۔ جلیانوالہ باغ کا قتلِ عام ۱۹۱۹ء۔

ترکِ موالات کا طوفان : ۵۰۵

قتلِ عام کی سرکاری تحقیقات۔ کانگرس اور لیگ کا اجلاس امرتسر۔ مجلس "خلافت"۔ جمعیتہ العلماء۔ حکیم اجمل خاں۔ ترکِ موالات کا اعلان کانگرس اور لیگ کی طرف سے دسمبر ۱۹۲۰ء میں۔ اس کے مقاصد اور تدابیر۔ تحریکِ ہجرت۔ کابل کے امیر امان اللہ خاں کی جنگ اور آزادی انگریزوں سے۔ احمد آباد کے سیاسی اجتماع۔ مولانا حسرت کی تحریک۔ جنگ بے ہتھیار کا زور شور۔ گاندھی جی کا اُسے ایک دم روک دینا۔

تحریکِ خلافت کا خاتمہ : ۵۱۰

کمال پاشا کی کامیابی اور ترکی خلافت کو خود ختم کر دینا۔ ہندوستان میں تحریک کا خاتمہ۔ شدھی اور سنگھٹن کے فساد۔ مسٹر جناح کے مصالحت کے لئے چودہ امور۔

باب سیزدہم پاکستان تخیّل سے حقیقت کی طرف ۵۱۵

خلافت کے بعد مسلمانوں کی بعض سیاسی جماعتیں۔ علامہ مشرقی کی خاکسار تحریک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آئینی اصلاحات ۳۵ء : ۵۱۸

سائمن کمیشن ۔ آغا خان کی مسلم کانفرنس ۔ کانگرس اور لیگ کی انقلابی آوازیں ۔ لندن کی گول میز کانفرنس ۔ ہندو مسلمانوں کی نااتفاقی ۔ کُل ہند وفاق کا نقشہ ۔ حق انتخاب و اختیارات کی توسیع ۔

صوبوں میں کانگرسی راج : ۵۲۲

ریاستوں کا وفاق میں شرکت سے انکار ۔ کانگرس کی اکثریت چھ صوبوں میں ہندو وزارت اور نشۂ حکومت ۔ گاندھی جی کی بدلی ہوئی روش ۔ مسلمانوں سے عناد اور بدسلوکی ۔ پیرپور کمیٹی کی تحقیقات ۔

سی ۔ پی کے واقعات : ۵۲۶

گاندھی جی کا قیام اسی صوبے میں ۔ فرقہ وارانہ فسادات ۔ الیواچاندور کا خوفناک واقعہ ۔ چیف جسٹس کا یادگار فیصلہ ۔

قومی زبان کا مناقشہ : ۵۲۹

اُردو سے دشمنی ۔ گاندھی جی کی "ہندی اور ہندستانی" ۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کی سخت مزاحمت ۔ گاندھی جی کے اقدام کا مسلمانوں پر گہرا اثر ۔

ظہور اقبالؒ : ۵۳۱

اقبال کی عظیم شخصیت ۔ احیائے اسلام کا نامۂ ۔ الٰہ آباد لیگ میں خطبہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صدارت ۱۹۳۰ء مسلمانوں کی جداگانہ مملکت کا مطالبہ "پاکستان" کا نام اور تخیل کی تبلیغ۔

قائداعظم جناح : ۵۳۵

ابتدائی زندگی۔ آزادی اور قوم پرستی۔ ہندوؤں سے مایوسی۔ مسلم لیگ کی تنظیم جدید۔ لکھنؤ کا اجلاس ۱۹۳۷ء۔ "یوم نجات"۔ لاہور میں لیگ کی تاریخی قرارداد ۱۹۴۰ء۔

باب چہاردہم تقسیم ہند ۵۴۱

دوسری جنگ عظیم۔ ہٹلر کی فتوحات۔ ہندوستان میں بڑے پیمانے پر بھرتیاں۔ معاشی اثرات۔

سعی اصلاح کا برعکس نتیجہ : ۵۴۴

کانگریس والوں سے مصالحت کی کوشش۔ کرپس کی تجاویز۔ کانگریس پر الٹا اثر۔ اہنسا کی بجائے جنگی نعرے۔ اکابر کانگریس کی گرفتاری۔

مسلم لیگ کا فروغ : ۵۴۷

حکومت سے پہلی ٹکر۔ دہلی میں شاندار اجلاس۔ کراچی۔ قائداعظم پر ایک خاکسار کا حملہ۔ گاندھی جناح ملاقات۔ دو قومی نظریہ۔ ویول کی شملہ کانفرنس۔ کانگریس کے مسلمان سلیف۔ گفتگو کی ناکامی۔ تازہ انتخابات کا فیصلہ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آزادی اور تقسیمِ ہند کے مؤیدات : ۵۵۰

جنگِ عظیم کا اختتام۔ برطانیہ میں "مزدور" فریق کی وزارت۔ انتخابات میں جمیعۃ العلماء کا لیگ کی سخت مخالفت کرنا۔ لیگ کی مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں کامل اور صوبوں میں نمایاں کامیابی۔ وزرائے برطانیہ کا وفد۔ قائداعظم کی پشاور کی تقریر، نومبر ۴۵ء۔ مسلم قائدین کا میثاقِ دہلی ۴۶ء۔

عبوری دور کی خونی ندیاں : ۵۵۴

وزرائے برطانیہ کی تجاویز، آزادی۔ کانگرس کی مسرت پھر ناراضی۔ لیگ کا اجلاس بمبئی ۴۶ء، انگریز سے ترکِ تعاون۔ کانگرس کا دوڑ کر حکومت قبول کرنا۔ کلکتہ بمبئی کے خونریز فساد۔ بہار میں وسیع پیمانے پر مسلمانوں کا قتل۔ گڑھ مکتیسر کی خونریزی۔

آخری برطانی فیصلہ : ۵۵۹

لیگ کی "مجلسِ عمل" عبوری حکومت میں شرکت۔ پنجاب میں کانگرس کی نجویہ سازش وہاں کے مسلمانوں کی قانون شکنی۔ وزیراعظم برطانیہ کا اعلان فروری ۴۷ء۔

فیصلے کی تعمیل : ۵۶۲

ماؤنٹ بیٹن کا تقرر۔ تقسیمِ ہند کے نقشے کی منظوری پارلیمنٹ سے۔ بنگال و پنجاب کی تقسیم کا فیصلہ۔ والیانِ ریاست کی مایوسی۔ ماؤنٹ بیٹن کی شتاب روی۔ پاکستان کی جداگانہ مملکت کا اعلان کراچی میں ۱۴ اگست ۴۷ء۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب یازدہم **پاکستان** ۵۶۷

سکھوں کا پیچ و تاب مسلمانوں سے جنگ کے منصوبے۔ انگریز حکام کی شرکت۔ امرت سر اور لاہور میں خونی فساد۔ مسلم اکابر کی بے عملی۔ عام مسلمانوں کا زبردست مقابلہ۔

مشرقی پنجاب کا المیہ: ۵۷۰

سکھ اور ہندوؤں کا اتحاد۔ غیر مسلم ریاستوں کی سازشیں۔ بھرت پور کی جاٹ مہاسبھا۔ ریاست الور میں قتل عام۔ مشرقی پنجاب میں مسلم کشی کی باقاعدہ تیاریاں۔ سرکاری عمال کا شریک سازش ہونا۔

سکھ ریاستوں میں قتل عام: ۵۷۴

پٹیالہ، کپور تھلہ کے خونی آشام راجے۔ مسلم آبادی کا صفایا۔

دارالسلطنت دہلی: ۵۷۶

فسادات کا آغاز مارچ ۴۷ء سے۔ شہر کے بیرونی محلوں پر حملے، آتش زنی، قتل عام۔ فوج اور پولس کا علانیہ ساتھ دینا۔ وزیر داخلہ پٹیل کا خوش ہونا۔ مسلم شہریوں کا پرانے قلعہ میں پناہ لینا۔ وہاں کے شدید مصائب۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جبری نقل مکانی :

۵۷۸

آزادی کے دو مہینے کی لانظمی اور خونریزی۔ مہاتما گاندھی کا دہلی آنا۔ مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کا جبری اخراج۔ راستے میں حملے۔ عورتوں، بچوں، کمزوروں پر غیر مسلم بہادروں کے وحشیانہ ظلم۔ اس شیطانی بربریت کی دو مثالیں۔

مسلمانوں کی نئی حکومت :

۵۸۲

"پاکستان" اسم بامسمّٰی تھا۔ نئے سرے سے حکومت کی تنظیم کرنی پڑی۔ دارالملک کراچی۔ وہ مقام جہاں ہندوستان میں سب سے پہلے اسلام کا پرچم لہرایا۔ اس کا صحیح نام۔

تنظیم مملکت :

۵۸۵

بے سروسامانی۔ مہاجرین اور جنگ کشمیر کی دشوار ذمہ داری۔ سال بھر میں حکومت کا پورا کارخانہ تیار ہو جانا۔ مالیات، تجارت، مواصلات وغیرہ کا انتظام۔

قائد اعظم کا انتقال :

۵۸۷

ان کی سخت محنت، بیماری اور انتقال، ستمبر ۱۹۴۸ء۔ اُن کا مرتبہ تاریخ میں۔

بھارت کی عداوتیں :

۵۸۸

مسلمانوں پر حملے جاری رہے۔ کشمیر کے راجا کا بھارت سے الحاق کا شعبدہ۔ پاکستان میں جنگ کی تیاری۔ مقدمہ مجلس اقوام میں۔ جوناگڑھ کا معاملہ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حیدر آباد کی مسلم ریاست سے حسد اور عناد۔ ۴۸ء میں فوجی حملہ مسلمانوں کی خونریزی اور تباہی۔ بھارت کے مسلمان۔

پاکستان کے ابتدائی سنین : ۵۹۵

مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ۔ پنجاب میں افراتفری۔ لیاقت علی خاں کی وزارت۔ مجلس مندوبین کی تعداد وقوت کی کمی۔ لیاقت علی خاں کا قتل۔

آفاتِ ارضی وسماوی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیش لفظ

تاریخ کی دوسری جلد پچھلے سال (۱۹۵۲ء) تیار ہو گئی تھی، مگر مطبع نے بڑی دیر اور بدمعاملگی کی کہ قانونی کارروائی کی نوبت آئی۔ اب ستمبر ۱۹۵۳ء میں طباعت کی تکمیل ہوئی اور کتاب ناظرین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ ان چند ماہ میں پاکستان کی وزارت گورنر جنرل بالقابہم کے خاص حکم سے شکست ہوئی اور عزت مآب محمد علی صاحب (سفیر امریکہ) نے نئی وزارت بنائی۔

ریاست کشمیر میں شیخ عبداللہ صاحب کی وزارت سے معزولی اور قید کیا جانا اس لیے قابل ذکر ہے کہ وہ ہندوستان کی رفاقت اور پاکستان کی مخالفت میں بہت سرگرم رہے تھے۔ پنڈت نہرو صاحب نے اُن کی گرفتاری کی وجہ یہ بیان کی کہ کشمیر کے نمائندوں کی اکثریت شیخ صاحب کے خلاف ہو گئی، لہٰذا بھارت کی فوج کو جبراً انہیں ہٹانے اور قید میں ڈالنے کی ضرورت ہوئی! ــــ جمہوری آئین پر عمل کرنے کا یہ نیا طریقہ دنیا کو بھارت سے سیکھنا چاہیے۔ فقط

سیّد ہاشمی فرید آبادی

کراچی۔ یکم اکتوبر ۱۹۵۳ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عرضِ ناشر

سید ہاشمی فرید آبادی مرحوم و مغفور کی تصنیف تاریخ مسلمانانِ پاک و ہند کی دوسری جلد قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ اردو زبان میں برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے احوال و کوائف پر بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور ان میں بعض بہت وقیع ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب ایک انفرادی شان لیے ہوئے ہے۔ اس کی ایک بڑی خوبی تو واقعات کے لحاظ سے اس کا مکمل ہونا ہے۔ دوسرے فاضل مصنّف کا قومی و ملّی لیکن منصفانہ نقطۂ نظر، کہ انہوں نے واقعات قلم بند کرتے ہوئے اپنے قاری کو ایسی روشن فضا تک پہنچایا ہے جہاں وہ برصغیر کے مسلمانوں کے عروج اور زوال دونوں کے اسباب سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ تاریخ نویس خاص رنگوں کی عینکیں لگانے کے باعث جن کمزوریوں کا شکار ہو جاتے ہیں ہاشمی صاحب ان میں مبتلا نہیں ہوئے۔ انہوں نے پہلے روایت کی صحت کا پورا پورا اہتمام کیا ہے اور پھر درایت کی ترازو میں تول کر صفحۂ قرطاس پر رقم کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس تاریخ کی ایک بڑی خوبی اس کا نہایت شگفتہ اسلوبِ نگارش بھی ہے۔ اس کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری اردو زبان کی لذت اور عظمت دونوں سے آشنا ہوتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ پہلا ایڈیشن کراچی کے ایک بہت معروف ادارے نے شائع کیا تھا اور کسی وجہ سے کچھ ایسی اغلاط رہ گئی تھیں جن کی درستی ضروری تھی۔ ہم نے بہت توجہ سے نظر ثانی کے بعد اسے شائع کیا ہے۔ خاص مقامات پر حواشی کا اضافہ بھی کیا گیا ہے اور یوں اس کی خوبیوں میں بالیقین اضافہ ہو گیا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں ادارۂ معارف اسلامی، لاہور کی اس پیشکش کو پسند کیا جائے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب اوّل

آثارِ زوال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آثارِ زوال

عالمگیرؒ نے اتنی بڑی سلطنت میراث میں چھوڑی جس کی مثال ممالک ہند کی شاہی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ بہ شمولِ کابل، اس کا رقبہ کم و بیش پندرہ لاکھ مربع میل، آبادی بیس کروڑ کے قریب تھی۔ چین کے سوا، غالباً دنیا کی کسی ہم عصر سلطنت میں اتنے انسان شخصِ واحد کے حلقہ بگوش نہ تھے جتنے بادشاہِ دہلی کی رعایا شمار ہوتے تھے۔ بے شبہہ یہ ان موروثی بادشاہوں کی غیر معمولی ہمت و قابلیت کا ثبوت تھا، مگر تاریخ کا اُستاد یہ نکتہ سمجھا گیا ہے کہ ان کی تدبیر و تقدیر اسی وقت تک یاوری کرتی رہیں جب تک شمشیر ہاتھ میں اور نیزہ بغل میں رہا۔ باریک بین اہلِ نظر نے ایک اور مشاہدہ یہ کیا ہے کہ جن کے قدم آگے نہیں بڑھتے، زمانہ اُن کو ایک جگہ ٹکنے نہیں دیتا، پیچھے دھکیل دیتا ہے۔ فطرت کے قانون میں محض قیام اور جمود کی گنجائش نہیں ہے۔

دوسرے یہی اٹھارویں صدی عیسوی وہ زمانہ ہے جب کہ مغربی یورپ میں شخصی بادشاہی کے اُفق پر بغاوت کا گرد و غبار نمودار ہوا، موروثی اقتدار کی خرابیاں نہ صرف دیکھی گئیں، بلکہ دکھائی جانے لگیں۔ شاہانہ استبداد و خودرائی کی بجائے ضابطے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قانون کی عمل داری کا قدم آیا۔ علم و دولت کی افزائش سے پادری اور زمیندار کا اجارہ ٹوٹا۔ وہ طبقے جنہیں یہ نیا سرمایہ ہاتھ لگا تھا ملکی انتظام و حکومت میں بھی حصہ طلب کرنے لگے۔ یہ جمہوریت کی ایک مبہم، ضعیف سی ابتدا تھی، لیکن اس نے مطلق العنانی کو انگشت نما ضرور کر دیا۔ بادشاہ کی صفات "آٹو کریٹ"، "ڈیس پوٹ" جیسے الفاظ میں نفرت و ناگواری کا اثر بھر دیا۔

ان خیالات کو ایشیا تک پہنچنے میں بڑی مدت اور مسافت طے کرنی پڑی، مگر جہاں تک ممالکِ ہند کا تعلق ہے، معلوم ہوتا تھا خود قدرت سازش میں شریک ہے اور زوالِ بادشاہی کا راستہ تیار کر رہی ہے۔

شاہ عالم بہادر شاہ اوّل :

مرحوم بادشاہ (عالم گیر) نے سلطنت اپنے تین بیٹوں میں تقسیم کر دی تھی، بلکہ اسی تقسیم کے مطابق اپنی زندگی ہیں کابل سے بنگال تک شمالی ممالک بڑے بیٹے محمد معظم کے سپرد کیے۔ وسطِ ہند اور گجرات محمد اعظم کو سونپ دیے اور جنوبی جزیرہ نما کا حاکم سب سے چھوٹے فرزند کام بخش کو بنا دیا تھا۔ یہی دونوں احمد نگر سے قریب تھے۔ باپ کے انتقال کی خبر سنتے ہی دونوں نے خود مختاری کا اعلان کیا اور اعظم نے دارالحکومت آگرہ پر یلغار کی کہ ہو سکے تو بڑے بھائی سے پہلے وہاں کے خزانے سمیٹ لے اور جنگی ساز و سامان پر قبضہ جما لے۔ کام بخش کو بعض امیروں نے شہ دی، غالباً راجپوتوں کی کمک لانے کا یقین دلایا تھا، مگر یہ مراقی شہزادہ عیش و عشرت کا دلدادہ تھا۔ حیدر آباد ہی میں بیٹھ کر کاغذ کے گھوڑے اور خیال کے سوار دوڑاتا رہا۔ اصلی مقابلہ معظم و اعظم کے درمیان ہُوا۔ اعظم نہایت جنگ جُو، تُند خو، شہزادہ تھا۔ بڑا بھائی لڑائی سے بچنا چاہتا تھا۔ مصالحت کا پیام بھیجا اور یہاں تک کہا کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو ملک حضرت خلد مکاں (عالم گیر) نے تم کو دیے ہیں، اُن پر اکتفا نہیں کرتے تو اور علاقہ بھی نذر کر دوں گا کہ جنگ و خونریزی کی نوبت نہ آئے۔ اعظم نہ مانا، گوالیار سے آگرہ پر پیش قدمی کی[1]

باپ کی وفات اور بھائی کے جارحانہ ارادے کی خبر سُن کر معظم پشاور سے بعجلت لاہور آیا اور عین وقت پر آگرہ پہنچ گیا۔ اس کے مزاج کی سادگی اور نرمی سے رعایا خوش تھی۔ فیاضی نے فوج کا دل ہاتھ میں لیا۔ آگرہ کے شاہی خزانوں کے منہ کھول دئے[2]۔ بے دریغ روپیہ خرچ کیا اور بہترین اسلحہ سے لشکر سجا کر اعظم کے مقابلے میں آیا۔ لڑائی شہر سے کوئی پندرہ میل جنوب میں سرائے جاجو کے میدان میں ہوئی (ربیع الاول ۱۱۱۹ھ م ۱۷۰۷ء) اسّی ہزار شمالیوں سے مالوی لڑنے والے تیس ہزار بھی نہ تھے، لیکن

---

[1] ہم عصر مورخ خافی خاں کا بیان ہے کہ بڑے بھائی کا مراسلہ اعظم کو پڑھ کر سنایا گیا تو اُس نے کہا: "شاید اس ہوش باختہ نے 'گلستان' بھی نہیں پڑھی جس میں حضرت سعدیؒ نے فرمایا ہے کہ 'دہ درویش در گلیمے بخسپند و دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجند'۔"

[2] خافی خاں لکھتا ہے کہ آگرے کے خزانے میں عالم گیر کا اندوختہ تیرہ کروڑ روپیہ نقد جمع تھا جو اس موقع پر محمد معظم بہادر شاہ کے کام آیا (۲۔ صفحہ ۵۷۸) الفنسٹن صاحب نے اپنی 'تاریخ ہند' میں تحریر کیا ہے کہ آخر زمانے میں عالم گیر کی آمدنی کم اور خزانہ اتنا خالی ہو گیا تھا کہ فوجی اخراجات ہی پورے نہ ہوتے تھے۔ اسی جھوٹ کے تودے پر بعد کے انگریز 'مورخوں' نے بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کر دی ہیں جو طلسم ہوش ربا کے خیالی قلعے معلوم ہوتی ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعظم کی بہادری بہادر شاہیوں کا منہ پھیرے دیتی تھی۔ اس کا چھوٹا بیٹا عالی تبار باپ کے ساتھ عماری میں سوار تھا۔ وہی جنگ کے جوش سے بے قرار ہوا جاتا تھا کہ ہاتھی سے کود کر میدان میں در آئے اور تیموری شجاعت کے جوہر دکھائے۔ اتنے میں تقدیر کی کمان سے ایک تیر چھوٹا اور اعظم کی عین پیشانی میں پیوست ہو گیا۔ اس کے گرتے ہی فوج کی صفیں اُلٹ گئیں۔ سرداروں نے ہتھیار ڈال دیے۔

اسی " تخت کی جنگ " کے سلسلے میں بہادر شاہ اجمیر سے آگے تک بڑھا اور اُودے پور و جودھ پور کے راجاؤں سے از سرِ نو اطاعت کے پیمان اور جزیے کی وصولی کا انتظام کیا۔ پھر کام بخش کو پیام بھیجا کہ بیجاپور اور گول کنڈے کی سابقہ ریاستیں تمہارے حصے میں آئی ہیں، تم شوق سے حکومت کرو، لیکن خطبہ اور سکہ بادشاہِ دہلی کا جاری ہونا چاہیے اور سالانہ پیش کش جو وہ ریاستیں ادا کرتی تھیں، اس میں فرق نہ پڑنا چاہیے۔

شمالی ہند اور دکن کو ایک چھتر کے نیچے لانے کا یہ منصوبہ تاریخی زمانے میں مسلمان بادشاہوں نے باندھا اور بالآخر عالمگیر نے پورا کر دکھایا تھا۔ شاہ عالم بہادر شاہ اسی بنیاد پر دکن کی شہنشاہی کا دعویٰ رکھتا تھا اور حق یہ ہے کہ مغلیہ انتظامات نے، خلجی اور تغلق عہد کی نسبت اسے منوانا بھی سہل تر بنا دیا تھا۔ مغلوں کے سامنے دکن کی خود مختاری اور جداگانہ بادشاہی کو ملک عنبر جیسے بلند حوصلہ اور جاں باز مدبّر مشکل سے قائم رکھ سکے تھے۔ نادان و نوجوان کام بخش کیا سنبھال سکتا تھا۔ خودسری سے بڑے بھائی کو مخاصمانہ جواب لکھے، لیکن جب وہ اسّی ہزار کا لشکر لے کر چڑھا تو والیٔ حیدر آباد کے سپاہی تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے اپنے گھروں میں جا چھپے۔ کام بخش کے رفیقوں کی تعداد پوری ایک ہزار بھی نہ تھی۔ معمولی زد و خورد سے منتشر ہو گئے۔ کام بخش نے کاری زخم کھایا اور عالمِ عدم کی راہ لی۔ (۱۱۱۹ھ م ۱۷۰۸ء) بادشاہ نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملک دکن کی صوبیداری، عہد کے نامی سپہ سالار ذوالفقار خاں کو عنایت کی تھی۔ اُس نے داؤد خاں کو نائب مقرر کیا اور خود بادشاہ کی معیت میں دہلی چلا گیا۔ یہ پٹھان سردار پنی کے عرف سے معروف، شرافت میں ہیرا اور دلاوری میں شیر تھا لیکن سیاسی بصیرت سے خالی اور دور اندیشی کے وصف سے عاری تھا۔ دکن میں مرہٹوں کے ساتھ ایسی عنایتیں، رعایتیں کیں کہ اس قوم کے زخم بھر گئے، حوصلے نئے سرے سے تازہ ہو گئے۔

سکھوں کی شورش :

بادشاہ، دکن سے خاندیس و مالوہ ہوتے ہوئے راجپوتانہ پہنچے اور اجمیر میں مقیم تھے کہ سرہند میں سکھوں کے فتنہ و فساد اور خونریزی کی خبریں موصول ہوئیں۔ یہ ابتدا میں محض ایک مذہبی یا صوفی فرقہ تھا جس کے پہلے مرشد بابا نانک صاحب (دسویں صدی ہجری کے اوائل) میں گزرے ہیں۔ وہ اُنہی ہندو مصلحین میں شمار ہوتے ہیں جو اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہوئے۔ مورتی پوجا اور جات پات کی زنجیر توڑ دی اور خدا کی توحید اور انسانی مساوات کا علانیہ پرچار کیا۔ بابا نانک مکہ معظمہ کی زیارت کو بھی گئے تھے جسے لوگ ان کے اسلام کی شہادت میں پیش کرتے ہیں۔ ان کے عارفانہ اقوال اور بھجن جو سکھوں کی مقدس کتاب گرنتھ صاحب میں محفوظ ہیں جا بجا اسلامی تعلیم کی جھلک دکھاتے اور مسلمان صوفیہ کی بولیاں سناتے ہیں۔ اُن کے دو عزیز ترین چیلوں میں بھی ایک مسلمان قوال بھائی بالا کا نام بلند ہے۔ بابا صاحب کا انتقال ہمایوں بادشاہ کے عہد میں ہوا، لیکن اُن کے جانشینوں کی باقاعدہ گدی بن گئی۔ نیچ قوم کے ہندو جن میں مسلمانوں کے اقتدار سے جان آگئی تھی، کثرت سے اس فرقے میں شریک ہوئے۔ جہاں اوّل اوّل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اونچ نیچ اور چھوت چھات کا جھگڑا نہ تھا اور گرو کے سب چیلے بھائیوں کی طرح مل جل کر رہتے تھے۔

اکبر بادشاہ کے عہد میں امرتسر کا بڑا گردوارہ تعمیر ہوا جو آج بھی سکھوں کا سب سے مقدس مقام سمجھا جاتا ہے۔ پانچویں گرو، ارجن بہت مالدار مشہور تھے۔ ایک انگریز مورخ تعریض کرتا ہے کہ وہ دین کے ساتھ دنیا کا بیوپار خوب جانتے تھے[1]

جب شہزادہ خسرو آگرہ سے بھاگ کر پنجاب آیا اور جہانگیر کو معلوم ہوا کہ گرو ارجن بھی اس کی رفاقت پر کمربستہ ہوئے تھے، تو بادشاہ نے بڑا بھاری جرمانہ کیا، مگر کہتے ہیں گرو جی نے قید میں سخت عذاب جھیلے، کھال دی مال دینا گوارا نہ کیا، حتیٰ کہ جان سے گزر گئے۔ اسی وقت سے یہ فرقہ گویا درویشی کی کٹیا چھوڑ کر سیاست کے میدان میں نکل آیا۔ اُن دنوں ہتھیار لگانا، سپاہی بن جانا کچھ مشکل نہ تھا۔ رفتہ رفتہ سکھوں کی ایک فوج تیار ہو گئی اور دو تین مرتبہ فساد مچایا۔ عالمگیر کے عہد میں گرو تیغ بہادر، اسم بامسمّیٰ نکلے جب قانون کے شکنجے میں کھنچے تو درویشی کی ڈھال کام نہ آئی۔ قتل و قزاقی کے الزام میں مارے گئے۔ ساتھیوں کو لاہور کی نواح سے نکالا گیا اور اسی کے بعد ان کی بستیاں جالندھر کے شمالی پہاڑوں میں پھیلیں اور ستلج کے پار تک اپنا پنتھ پھیلانے لگیں۔ دسویں گرو ہرگوبند ایک جمعیت کے ساتھ خود بادشاہی لشکر میں بھرتی ہوئے، جسے شاہ عالم اوّل کام بخش کے خلاف لے کر دکن گیا تھا۔ وہاں تو کسی جنگ کی نوبت نہ آئی، لیکن ہرگوبند ایک خانگی نزاع میں مارے گئے اور ان کے چیلوں نے سمادھ کے ساتھ وہ گردوارہ بنایا جو ابھی تک ناندیڑ (ریاست حیدرآباد) میں موجود ہے۔

ہرگوبند جی کے خاتمے پر گرو ملنے بنانے کا سلسلہ ختم ہوا، لیکن انہی کے ایک چیلے

---

[1] اوکس فورڈ ہسٹری، ص ۴۰۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے جو شاید گرو کے مرنے کی خبر پنجاب لایا تھا، خود ہرگوبند کا روپ دھارا اور اپنے مذہب کے معنی ہی قتل دنہب تجویز کیے جس کا درویش مزاج بابا نانک نے غالباً کبھی تصوّر بھی نہ کیا تھا۔ سکھوں کے اس جھوٹے یا سچّے پیشوا کا نام بندا (یعنی عبدِ ضعیف ؟) اور "بیراگی" (یعنی تارکِ دنیا) تحریر ہے! لوٹنے، خون کرنے کی یہ راگنی سرہند کی نواح میں چھیڑی گئی تھی اور وہاں کا قلعہ دار ایک اتفاقی گولی کا نشانہ ہوا، تو اس کی بے سری جمعیت پراگندہ ہوگئی۔ سکھ لٹیروں نے قصبۂ سرہند کو لوٹ لیا اور صدہا بے گناہ شہری بلا وجہ اور بے دریغ مار ڈالے۔ اس قتل عام میں زن و مرد، بوڑھے بچے کا کوئی امتیاز نہ تھا، بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ کمزور نہتّوں کو مارنا بھی سکھوں کی بہادری میں داخل ہوگیا تھا۔

سرہند میں ان آشفتہ سروں کا قبضہ ہونے سے ایک طرف سہارن پور، دوسری طرف شمال میں قصبہ سلطان پور تک انہیں صاف میدان مل گیا اور کئی مہینے اس علاقے کے دیہات کو تباہ و تاراج کرتے رہے۔ ان کے وحشیانہ مظالم کے واقعات جو بعد کے انگریزوں نے مختلف ذرائع سے فراہم کیے، پڑھ کر آج بھی آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں[1]۔ یہ سچ ہے کہ سلطان پور و سہارن پور کی باقاعدہ فوجوں کے مقابلے سے وہ بہت جلد فرار ہوگئے، لیکن ان کی تعداد اتنی بڑھ گئی تھی کہ یہ مقامی دستے تعاقب کرنے سے قاصر تھے اور دیہات و قصبات پر سکھ گھاڑوں کو کوئی روکنے والا نہ تھا۔ تاآنکہ خود بادشاہ اجمیر سے واپس آیا اور شہزادہ رفیع الشان سکھ باغیوں کی سرکوبی پر مامور ہوا۔ شاہی لشکر سے چند آویزشیں ہوئیں۔ سکھوں نے کہیں جم کر مقابلہ نہ کیا۔ نہ جنونِ مذہبی نے ان کا ساتھ دیا۔ بھاگ بھاگ کر پہاڑوں میں جا چھپے۔ بندا بہادر

---

[1] مثلاً دیکھو کننگ ہم کی "تاریخِ سکھاں"۔ اروِن، سڈنی اودن وغیرہ کی کتابیں مغلوں کے عہدِ زوال پر۔ نیز "اوکس فورڈ ہسٹری"، ص ۴۵۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے لوہ گڑھ کے قلعے میں پناہ لی اور سامانِ خورونوش کی کمی ہوئی تو خود بھیس بدل کر فرار ہوگیا۔ ساتھی گرفتار کر لیے گئے اور یہ شورش فرو ہوگئی۔ (۱۱۲۱ھ م ۱۷۱۰ء)

بہادر شاہ کی وفات اور تازہ خانہ جنگی :

اس فساد کے رفع دفع ہونے کے بعد بادشاہ نے تاراج علاقے کا دورہ کیا۔ اُجڑے دیہات کی آبادی اور نقصانات کی تلافی کے فیاضانہ انتظام کیے۔ پھر لاہور آکر کئی مہینے ٹھیرا اور یہیں ستر اکہتر سال کی عمر میں وفات پائی (محرم ۱۱۲۳ھ م ۱۷۱۲ء) وہ نہایت نیک مزاج بادشاہ تھا، لیکن مروّت، کمزوری کے اور سادہ دلی، نادانی کے درجے تک بڑھی ہوئی تھی۔ ظریفوں نے "شاہِ بے خبر" نام رکھ دیا تھا۔ اُس عہد کی تاریخیں پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ تیموری دربار میں پہلی مرتبہ اُمرا کی خود غرضی اور باہمی رقابت، شاہی مواخذے سے بے خوف ہوئی اور حدِّ اعتدال سے نکل جانے کا راستہ ڈھونڈ رہی ہے۔ زوالِ بادشاہی کے یہ اشارے اگر مخفی تھے تو شاہ عالم بہادر شاہ اوّل کی جانشینی کا تقدیری فیصلہ صاف صاف اعلان تھا کہ اب مغلیہ سلطنت کی خیر نہیں۔ موروثی مطلق العنانی کا سورج ڈھال پر آچلا ہے!

مرحوم بادشاہ کے چار بیٹوں میں سب سے لائق اور باپ، دادا دونوں کا چاہیتا شہزادہ عظیم الشان تھا جس نے عالمگیر کی آغوش میں جہاں داری کی تربیت پائی۔ بہت دن اس کا دبیر (یا سکرٹری) رہا، پھر بنگالہ کے وسیع صوبے کا حاکم مقرر ہوا۔ وہ بھائیوں میں منجھلا، لیکن وجاہت میں سب سے بڑا تھا۔ باپ کی زندگی میں شاہی فرمان اس کے دستخطوں سے جاری ہوتے تھے۔

بہادر شاہ کے انتقال پر حسبِ معمول وراثت کا جھگڑا ہوا۔ عظیم الشان کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لشکر میں اس کی بادشاہی کی نوبت بجنے لگی تھی، مگر سپہ سالار ذوالفقار خاں نے بڑے بھائی کی پشت پناہی کی اور تدبیر کی کمند سے چھوٹے بھائیوں کو بھی رفاقت میں پھانس لیا۔ عظیم الشان فوجی جمعیت لے کر بڑے بھائی پر چلا اور اسے بھگا کر ذوالفقار خاں کو قبضے میں لانا چاہتا تھا کہ ہاتھی پر توپ کا گولا لگا۔ وہ دیوانہ وار بھاگا اور عماری سمیت سر کے بل راوی میں گرا کہ پھر نہ ابھرا اور بادشاہی خاندان کی عظمت و شان کو لے ڈوبا۔ کئی اور شہزادوں کے سر قلم ہوئے تب بڑے بھائی نے معزالدین جہاندار کے لقب سے تاج شاہی سر پر سجایا۔ شاداں و فرحاں دہلی کی راہ لی کر بڑے پیمانے پر جشن منائے۔ اس کی باقی زندگی اور بادشاہی، جشن منانے ہی میں گزر گئی اگرچہ یہ زمانہ پورے ایک سال تک بھی ممتد نہیں ہوا۔

اسی سال شوال (۱۱۲۳ھ) کے مہینے میں خبر آئی کہ عظیم الشان کا فرزند فرخ سیر بہار سے چلا۔ بے لڑے بھڑے شاہی فوج پر غالب آ گیا اور اب آگرہ پر زد ڈال رہا ہے۔ وہ دراصل بنگالے میں باپ کی طرف سے نائب صوبیدار مقرر کیا گیا تھا، مگر نااہل، بے پروا ثابت ہوا۔ دادا (شاہ عالم بہادر شاہ) نے دربار میں حاضر ہونے کا حکم بھیجا کہ معناً معزولی کا فرمان تھا۔ فرخ سیر بنگالے سے رخصت ہوا۔ خفت کے باعث پٹنہ میں وقت گزاری کر رہا تھا کہ دادا کے مرنے کی خبر پہنچی۔ بہار کا نائب صوبہ سید حسین علی شہر کے باہر گیا ہوا تھا۔ فرخ سیر نے اپنے حکم سے نقارے بجوائے، اپنے باپ عظیم الشان کی بادشاہی کا اعلان کرا دیا۔ ادھر سید حسین پٹنہ آیا، اُدھر دوسری خبر پہنچی کہ عظیم الشان لاہور میں مارا گیا اور جہاندار شاہ نے تاج سر پر رکھتے ہی کئی بھائی بھتیجوں کے گلوں پر چھری پھروا دی۔ فرخ سیر کی گرفتاری یا قتل کا فرمان بھی غالباً دربارِ شاہی سے موصول ہو چکا تھا کہ حسین علی اور اس کے بھائی حسن علی نے یہ سازش پکائی کہ خود فرخ سیر کو تختِ بادشاہی پر بٹھایا اور فوج لے کر اسے چچا سے لڑانے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لے چلے۔ دہلی سے ایک لشکر سرکوبی کے لیے بھیجا گیا لیکن اس کا کوئی ایسا سردھرا نہ تھا کہ مختلف سپہ داروں کو قابو میں رکھتا۔ شاہی لشکر کھجوا ہے کے مقام تک آیا جہاں چوّن برس پہلے شجاع اور سادات بارہہ کو اورنگ زیب نے سخت شکست دی تھی، لیکن وہ تخت کے لیے خود لڑا، خطروں میں پڑا تھا۔ جہاندار شاہ نے محفلِ عیش سے قدم باہر نہ دھرا۔ آگے بڑھی ہوئی فوج ہٹ گئی۔ پھر خود بادشاہ امیروں کے کہنے سُننے سے آگرہ بچانے چلا بھی تو طوائف اور سازندوں کا ایک لشکر جلو میں تھا۔ شہر کے باہر حریف سے آمنا سامنا ہوا۔ کثرتِ تعداد اور جنگی سازوسامان سے سپاہ کا غلبہ یقینی نظر آتا تھا، لیکن مخالف سردار جان سے ہاتھ دھو کر لڑنے آئے تھے۔ شکست وفرار کی کسی صورت میں بھی انہیں سلامتی کی امید نہ تھی۔ مایوسانہ جاں بازی سے ہٹ ہٹ کر ڈٹتے اور گِر گِر کر سنبھلتے رہے۔ حسن علی کا ایک دستہ چکّر کھا کر شاہی لشکر کی پُشت پر نکل آیا جہاں حضور کی رنڈیاں اور ڈوم ڈھاڑی رقص وسرود کی مشق کر رہے تھے۔ ان کے چند خیمے تیروں کا نشانہ بنے تھے کہ رہ زنانِ ہوش کے حواس خطا ہو گئے۔ سازندوں میں کلّی اور طوائف میں بھگدڑ پڑ گئی۔ جہاندار شاہ کی خاص منظورِ نظر لال کور اپنی رتھ میں چڑھ کر بھاگی۔ جہاں پناہ بھی مضطربانہ حکم احکام دے کر اُس کے ساتھ شہر آگرہ میں چھُپے۔ سارے لشکر میں شور مچ گیا کہ بادشاہ نے پیٹھ دکھائی۔ فوج والوں کو کیا پڑی تھی کہ سر کٹواتے۔ اُنہیں جہاندار شاہ اور فرخ سیر میں فرق کرنا کسی نے نہیں سکھایا تھا۔ جو تخت پہ آ جائے، اس کی اطاعت اور اپنی تنخواہ سے غرض تھی۔

اس طرح فرخ سیر نے یہ لڑائی اور وراثتِ بادشاہی جیت لی۔ (ذوالحجہ ۱۱۲۴ھ م ۱۷۱۳ء) جہاندار شاہ کو جو بھاگ کر دہلی پہنچا خود وزیرِ سلطنت اسد خاں نے دہلی کے قلعے میں نظربند کر لیا تھا۔ یہیں فرخ سیر کے فوجیوں نے گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ ذوالفقار خاں سے کہ اپنے زمانے کا ممتاز سپہ سالار تھا، جاں بخشی کے حلفیہ قول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرار کیے گئے تھے، لیکن وہ لشکر میں حاضر ہوا تو گرفتار کر کے قتل کرا دیا گیا[۱] اور اس کے بوڑھے باپ اور سلطنت کے سب سے معزز امیر جملۃ الملک اسد خاں کی وہ تذلیل کی گئی کہ مرنے سے بدتر ہو گیا۔ نئے سال ۱۱۲۴ھ م ۱۷۱۳ء سے نئی بادشاہی اور اسی کے ساتھ ایک نئی سیاست کا آغاز ہوا۔

بادشاہ گر سادات:

سلطنتِ دہلی کے پہلے دور میں زیدی سادات کا ایک گروہ دو آبہ گنگ و جمن میں بسا اور کثرتِ اولاد کی برکت سے کئی ضلعوں میں پھیل گیا تھا۔ مشہور ہے کہ اوّل اوّل ان کے بارہ خاندان بارہ مواضع میں آباد ہوئے اور انہی سے آیندہ نسلیں "ساداتِ بارہہ" کہلائیں۔ خوش عقیدہ مسلمان انہیں آنکھوں پر بٹھاتے تھے۔ ملوک و

---

[۱] ذوالفقار خاں کا اصلی نام، اسمٰعیل اور باپ (اسد اللہ خاں) کا ابراہیم تھا۔ جہاندار شاہ کی شکست کے بعد ذوالفقار خاں دکن جانا چاہتا تھا جہاں "ہندوستان" والے اس کا کچھ نہ بگاڑ سکتے تھے، مگر اسد اللہ خاں نے مغل بادشاہوں کی نمک حلالی اور وفا شعاری کے جوش میں اسے روکا اور فرخ سیر کی اطاعت کرنے پر مجبور کیا۔ جب ذوالفقار نئے اقتدار کی بے رحمی کا شکار ہوا تو مشہور ہے کہ دل فگار باپ نے ایک قطعۂ تاریخ کہا جس کا آخری شعر یہ تھا:

ہاتفِ شامِ غریباں بادو چشمِ خوں فشاں ۔۔۔ گفت" ابراہیم اسمٰعیل را قربان نمود

۱۱۲۴ھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امرا عزت و رعایت سے پیش آتے تھے۔ زمینداری نے انہیں رفتہ رفتہ تعلیم و تمدن کی دنیا سے بے گانہ، اکھڑ دیہاتی بنا دیا، لیکن جفاکیشی اور دلاوری میں فرق نہ آنے دیا تھا۔ سلاطینِ مغل کے عہد میں ہندوستان کے بہترین لڑنے والوں میں شمار ہوتے تھے اور سپہ گری کے زینے سے سلطنت کے اونچے اونچے مدارج تک چڑھنے لگے تھے۔ یہ بھی اورنگ زیب کی کشف و کرامت نہیں تو بصیرت کا کمال تھا کہ اخلاف کو وصیت کی تھی کہ ساداتِ بارہہ کی عزت حُرمت ضرور کرنا، مگر وہ سیاست و ملک داری میں دخیل نہ کیے جائیں کہ مبادا ان کی سیادت کا امتیاز اور اِدھر سلطنت کا انضباط قائم رکھنا دشوار ہو جائے[1]۔ اولاد نے اس نصیحت کی پروا نہ کی۔ نتیجہ ساداتِ بارہہ اور سلاطینِ مغلیہ دونوں کے حق میں تباہ کن ثابت ہوا۔

شاہ عالم اوّل نے جن سرفروشوں کی مدد سے تاجِ شاہی خریدا، اُن میں ساداتِ بارہہ کے تین بھائی پیش پیش تھے۔ چھوٹا، نورالدین علی، شہزادہ معظم کی جنگ میں جان سے گیا۔ بڑا عبداللہ حسن علی اور منجھلا حسین علی الٰہ آباد اور بہار کے نائب صوبیدار مقرر ہوئے۔ حکومت کے اسی مزے نے انہیں فرخ سیر کی مدد پر اکسایا اور جان کی بازی کھیل کر تخت کے مرکز تک پہنچایا۔ نئے بادشاہ نے فوج کی بخشی گری (یعنی وزارت) حسین علی کے سپرد کی۔ امام الملک خطاب، امیر الامرائی (یعنی سپہ سالاری) کا منصب عنایت کیا۔ بڑے بھائی سید عبداللہ کو خطاب قطب الملک اور وزارتِ عظمیٰ عطا ہوئی۔ بادشاہ کے نزدیک یہ ان کی گزشتہ خدمات کا کافی انعام اور آئندہ اطاعت و وفاداری کی ضمانت تھی، لیکن آغازِ کار میں فرخ سیر نے جیسی منت سماجت سے کام لیا اس نے اِن سیدھے سیدوں کی نظر میں اسے حقیر کر دیا تھا اور یہ بھی

---

[1] دیکھو منتخب اللباب ج ۲ ص ۶۰۰۔ مآثر الامرا، ص ۳۲۳ وغیرہ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حقیقت تھی کہ انہی کی قوتِ بازو سے اُس نے بادشاہی پائی۔ دونوں بھائی اسے اپنا احسان مند، بلکہ دست نگر سمجھتے تھے اور غالباً یہی ہوس رکھتے تھے کہ فرخ سیر آخر تک ان کے اشارے پر چلتا رہے گا۔ یہ ذہنیت بادشاہی کی دنیا میں غداری سمجھی جاتی ہے اور حق یہ ہے کہ مطلق العنانی کے آئین سے مطلق سازگاری نہیں رکھتی۔ جلد ہی مغل بادشاہ اور سید وزیروں میں اختلاف و کشاکش کی نوبت آگئی۔ تاجپوشی کے ساتھ بہت سے پرانے رفیق اور شہزادگی کے ندیم پایۂ تخت میں پہنچے اور بڑے بڑے عہدوں کی کرسیوں پر بٹھائے گئے تھے۔ یہ سیدوں کو کچھ خاطر میں نہ لاتے تھے، بلکہ بادشاہ کو اُن کے خلاف اُبھارتے رہتے تھے۔ حریفِ سادات گروہ کا سرخیل قاضی عبداللہ تورانی تھا کہ جہاں گیر نگر (ڈھاکہ) کی مسندِ عدالت سے ترقی پائی، میر جملہ خان خاناں کے خطاب سے معزز ہوا، بادشاہ کی مُہر تحویل میں دی گئی اور اپنی داد و دہش سے عام و خاص میں بڑی قبولیت حاصل کی، لیکن دفاترِ شاہی، وصولِ مال گزاری اور خزانہ، سیّد عبداللہ قطب الملک کے قبضۂ اختیار میں تھے۔ وہ لااُبالی سا آدمی معلوم ہوتا ہے جسے رُتبے کی بلندی عیّاشی کی پستیوں میں دھکیل رہی تھی، مگر اس کا دیوان رتن چند ایک ہی کائیاں اور قابو چی بنیا تھا۔ چند ہی روز میں خزانے پر ایسے قاعدے ضابطے کے قُفل چڑھائے کہ اچھے اچھے عہدیداروں کا، دیوان جی کی استمالت کے بغیر کام نہ چلتا اور وظائف و مناصب کا روپیہ نہ نکلتا تھا۔ انتہا یہ کہ خاص بادشاہی محاصل و مداخل میں اپنے دخل کا پنجہ گڑا دیا۔ دربار و محل سرا کے مصارف تک محض شاہی عہدیداروں کے حکم سے ادا نہ کرتا تھا، بلکہ خوب جھکاتا اور سب کو اپنی یا قطب الملک کی منظوری کا پابند بناتا تھا۔[1]

---

[1] رتن چند تنخواہیں تقسیم کرتے کرتے خود عہدے تقسیم کرنے لگا (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بادشاہ گری بادشاہ کشی بن جاتی ہے :

شاہ و وزیر کی درپردہ کشاکش نے بڑا نقصان یہ پہنچایا کہ بڑے بڑے حکام اور والیانِ ریاست میں خودسری کی ہوا بھرنے لگی۔ جودھ پور کے راجا اجیت سنگھ نے سیدوں کی سیادت نہیں مانی اور اسی آڑ میں سرکشی پر آمادہ ہوا۔ یہ جسونت سنگھ کا دہی جھوٹا، یا سچا لڑکا تھا جسے دُرگ داس، عالمگیر کے عہد میں لے کر بھاگا اور جودھ پور اور اودے پور میں فساد کی آگ بھڑکائی تھی۔ اجیت کی بہادری کے گیت جادو ناتھ سرکار نے گائے ہیں۔ راجپوتوں کے انگریز بھاٹ کرنل ٹاڈ نے سُر ملایا ہے، لیکن اجیت پہلے شاہ عالم، بہادر شاہ اوّل کے سامنے ہمت ہار گیا تھا، اب امیر الامرا سید حسین سے ایسا مرعوب و مغلوب ہوا کہ خراج کی رقوم حاضر کر دیں اور ڈولے میں اپنی بیٹی فرخ سیر سے بیاہ دی[۱]۔ ہم عصر اہلِ قلم نے شادی کی دھوم دھام کے نقشے کھینچے ہیں۔ خود بادشاہ برات لے کر امیر الامرا کی حویلی پر آئے اور اس کے بھائی قطب الملک نے باپ کی طرف سے لڑکی کو رخصت کیا (۱۱۲۵ھ) کچھ عرصے بعد اجیت سنگھ دربار میں باریاب اور شاہی اعزاز و اکرام سے سرفراز ہوا، لیکن رفاقت، بادشاہ کی بجائے طاقت ور سادات کی مفید نظر آئی۔ فرخ سیر ازرہِ اعتماد راجا سے ساز باز کرتا تھا۔ ایک دو

(حاشیہ گزشتہ صفحہ)

تھا۔ ایک دفعہ کسی قاضی کے تقرر کی منظوری لینے دیوان خانۂ وزارت میں آیا۔ کسی امیر نے مسکرا کر پوچھا کہ راجا صاحب اب آپ اسلامی قاضی بھی مقرر کرنے لگے؟ کہا "صاحب دنیا کا بندوبست کر لیا اب دین کے انتظامات کی فکر ہے"۔

[۱] منتخب ج ۲ صـ ۷۲ ۔ مآثر الامراء ج ۱ صـ ۳۲۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مخفی خط بھی لکھے تھے، وہ اس نے چپکے سے سیدوں کے حوالے کر دیے۔ آخر میں ایک مصالحت کی شکل یہ نکل آئی تھی کہ بادشاہ میر جملہ وغیرہ مخالفوں کو دربار سے دور کرے اور سید حسین "شش صوبہ دکن" کی بڑی صوبیداری پر اورنگ آباد چلا جائے، لیکن پہلے تو داؤد خاں پنّی نے بادشاہ کے اشارے سے امیر الامرا کا راستہ روکا۔ سندھیا وغیرہ کئی مرہٹوں کو بڑی بڑی جاگیریں دلوائی تھیں وہ بھی پنّی کے دامن سے لپٹے ہوئے ساتھ آئے، مگر واقعی جنگ وجاں بازی داؤد کے حصے میں آئی۔ وہی برہان پور کے قریب لڑ کر مارا گیا[۱]۔ امیر الامرا نے دکن کی بساط پر اپنے مہرے جمائے۔ مرہٹوں کو پہلے سے زیادہ رعایتیں دے کر بادشاہ سے توڑ لیا۔ ظاہراً اپنی قوت مضبوط کی۔ دراصل سلطنت کی بنیادیں کھوکھلی کر دیں[۲]۔ اُدھر بادشاہ کی سیدوں سے بیزاری، دلی کاہش اور مخالفانہ کاوش کے

---

[۱] یہ لڑائی، رمضان ۱۱۲۸ھ م ۱۷۱۶ء میں ہوئی۔ داؤد خاں کے مارے جانے کی خبر سُن کر بادشاہ کو بہت رنج ہوا۔ قطب الملک سے کہا ایسے نامی سردار کو امیر الامرا نے ناحق مار ڈالا۔ قطب الملک نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ حضور کی خوشی تو یہ تھی کہ میرا بھائی اس پٹھان کے ہاتھ سے مارا جاتا!

(منتخب التاریخ۔ ۲ صـ ۵۵)

[۲] شاہ عالم بہادر شاہ کے وارثوں نے شاہی خاندان کو چند ہی سال میں جیسا رسوا اور ذلیل کیا اس کی ایک شہادت یہ ہے کہ میر غلام علی آزاد تک پچاس برس بعد یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ سادات بارہہ تخت پر قبضہ کر لیتے تو شاید ان کا خاندان، تیموریوں سے زیادہ عرصے تک بادشاہی کرتا۔

(مآثر الامرا۔ ا صـ ۳۲۱)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نئے نئے روپ دکھاتی تھی۔ امرائے قدیم بارہہ کے گنواروں سے دل برداشتہ اور کلّہ بہ کلّہ لڑنے کی قابلیت رکھتے تھے، مگر بادشاہ کی ذاتی بزدلی اور تلوّن کے کرشمے دیکھ کر میدان میں نکلنے، سپہ گری دکھانے کی جسارت نہ کرتے تھے، البتہ ملک میں یہ افواہیں برابر اڑتی رہتی تھیں کہ فرخ سیر نے وزارت اور سیادت کا خاتمہ کر دیا۔ فلاں امیر فوج لے کر قطب الملک کی حویلی پر جا چڑھا۔ فلاں جماعت نے راستے میں گھیر لیا۔ عید گاہ میں کام تمام کر دیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ قطب الملک نمک مرچ لگا کر سب خبریں بھائی کو دکن بھیجتا رہتا تھا۔ وہ ایک ہی جنگ جو، آتش خو سیّد تھا، افواہ کی آندھیوں سے اور بھڑکتا تھا۔ آخر لشکرِ کثیر اور مرہٹہ کمکیوں کی فوج ردلیف لے کر دہلی کا رخ کیا۔ شہر کے باہر پڑاؤ ڈالا۔ دربار میں حاضری کی ایسی سخت شرطیں کیں اور بادشاہ کو ماننی پڑیں کہ قلعے پر عملاً سادات کا قبضہ ہو گیا۔ پھر بھی اطمینان نہ ہوا تو بادشاہ کو حرم سرا سے گھسیٹ کر قید میں ڈالا۔ اندھا کر نے، زہر دینے کی کوششیں کیں۔ بڑی مشکل سے پھانسی دے کر جان نکالی اور اس کی بجائے شاہ عالم بہادر شاہ کے ایک مدقوق پوتے رفیع الدرجات کو بادشاہ بنایا۔ تخت نشینی کی رسم اس گھبراہٹ میں ادا ہوئی کہ غریب کو کپڑے تک بدلنے کی فرصت نہ ملی۔ پائے تخت میں جشن تاجپوشی کی بجائے کہرام پڑا ہوا تھا۔ مرزا عبدالقادر بیدل جیسے گوشہ نشین عارف کا مصرعۂ تاریخ عام ناراضی کا نقشہ دکھانے میں پتھر کی لکیر بن گیا ہے کہ ع

سادات بوے نمک حرامی کردند

ۓ سیّد عبداللہ قطب الملک مسجد فتح پوری کے سامنے جس محل میں رہتا تھا، وہ ہمارے زمانے، لیعنی کوئی دو سو برس تک " نمک حرام وزیر کی حویلی " کہلاتا رہا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرخ سیر کے قید وقتل کی ایک اور سچی تاریخ "فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ" کی آیۂ کریمہ سے برآمد ہوتی ہے (۱۱۳۱ھ م ۱۷۱۹ء) وہ کیسا ہی نااہل و نالائق تھا، اکبر و عالمگیر جیسے ناموں کا جانشین تھا۔ سیدوں کے ہاتھ سے مجرموں کی طرح گرفتار ہو کر مارے جانے سے ملک میں سناٹا چھا گیا۔ دہلی کے عوام قاتلوں کو علانیہ گالیاں دیتے، ان کی سواریوں پر پتھراؤ کرتے تھے۔ سادات بارہہ کے لوگوں، بلکہ رفیقوں کا شہر میں اکیلے دکیلے نکلنا مخدوش ہو گیا تھا۔ ان رفیقوں میں بھی اجیت کی مٹی بہت پلیت ہوئی کہ بیٹی بیاہ کر داماد کے قاتلوں سے مل گیا تھا۔ بارے ہندو سیٹھ ساہوکاروں تاجروں، زمینداروں کو اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ راجا اجیت سنگھ اور دیوان رتن چند نے مل کر جزیہ جو عالمگیر کے زمانے میں از سر نو عائد ہوا تھا، وہ موقوف کرا دیا۔

رفیع الدرجات کی چند روزہ بادشاہی اسلامی ہند کی تاریخ میں شاید اس لیے بھی دو چار سطر کی مستحق رہے گی کہ تخت نشینی کے پہلے دن، دیوان وزارت سے پہلا اعلان جزیے کی تنسیخ کا شائع ہوا، لیکن معلوم ہوتا ہے بادشاہ کی جسمانی علالت کو سیدوں کی جابرانہ نگرانی کی کوفت نے ترقی دی اور چند مہینے کے اندر گھل گھل کے مر گیا اور اسی کی پیروی دوسرے بھائی رفیع القدر نے کی جسے شاہ جہاں ثانی کے شاندار لقب سے سیدوں نے شطرنج کا بادشاہ بنایا تھا۔ تب انہوں نے ایک اور تیموری شہزادے روشن اختر کو اختیار کیا جو تاریخ میں ابوالفتح ناصر الدین محمد شاہ کے نام سے خاندان کا ڈھلتا سورج بن کر چمکتا ہے۔ (تخت نشینی ماہ ذوقعدہ ۱۱۳۱ھ م ۱۷۱۹ء)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بادشاہ گروں کا خاتمہ :

روشن اختر تاج پوشی کے وقت ۱۸ سال کا گبھرو جوان تھا۔ اس کو انتخاب کرنا بھی سیدوں کی دلی پریشانی کا غماز رہے۔ لوگ طعنہ دیتے تھے کہ ان غاصب نمک حراموں نے ایک بادشاہ کو جان سے مارا، پھر جان کرا ایسے شہزادوں کو تخت پر بٹھایا جو بستر مرگ پر بیٹھے تھے اور واقعی مردہ بہ دست زندہ کے مصداق رہے، مگر عوام کی نکتہ چینی سے کہیں بڑھ کر ایک خلش یہ تھی کہ پرانے مغل امیر علانیہ سیدوں کے اقتدار کے خلاف صف بستہ ہونے لگے۔ یہ بیشتر سنت والجماعت فرقے سے تعلق رکھتے تھے اور اکثر شیعہ مورخوں نے انہیں "تورانی" لکھ کر وطنی تعصب کا اظہار کیا ہے۔

ایک تازہ تشویش یہ لاحق ہوئی کہ جے پور کے راجا جے سنگھ نے غالباً اپنے جودھ پوری ہم چشم کی رقابت میں شہزادہ نیکو سیر[1] کی رفاقت پر کمر باندھی جو سلطنت کا مدعی بن کر میدان میں آیا اور اکبر آباد (آگرہ) کے قلعے پر قابض ہو گیا تھا۔ جے سنگھ کو سیدوں نے ڈرا کر، سمجھا کر اپنا رفیق بنا لیا اور بدعقل نیکو سیر بھی محمد شاہ کی تخت نشینی سے پیشتر ہی اسیر کر لیا گیا، لیکن اب "تورانی" امیروں کی دلی نفرت فساد کی آگ بن کر بھڑکی۔

---

[1] وہ عالمگیر بادشاہ کا پوتا تھا۔ مناسب ہو گا کہ ان آخری مغل تخت نشینوں کا کرسی نامہ ناظرین کے سامنے رکھ دیا جائے :

(کرسی نامہ آئندہ صفحے کے حاشیہ پر ملاحظہ فرمائیں)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نواب نظام الملک[1] صوبیدارِ مالوہ نے سیدوں کی قیادت سے جان چھڑائی۔ اسیر گڑھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اورنگ زیب عالمگیر غازی

- ۱۔ شاہ عالم بہادر شاہ اوّل (۱۱۱۸ تا ۱۱۲۳ھ م ۱۷۱۱ء)
  - ۲۔ معز الدّین جہاں دار شاہ (۱۱۲۳ھ)
    - ۸۔ عزیز الدّین عالمگیر ثانی (۱۱۶۷ تا ۱۱۷۴ھ م ۱۷۶۰ء)
  - عظیم الشان
    - ۳۔ فرخ سیر (۱۱۲۴ تا ۱۱۳۱ھ م ۱۷۱۹ء)
  - رفیع الشان
    - ۴۔ رفیع الدرجات (چند ماہ۔ ۱۱۳۱ھ)
    - ۵۔ رفیع الدّولہ (شاہ جہاں ثانی) (چند ماہ) (۱۱۳۱ھ م ۱۷۱۹ء)
    - ظہیر الدّین ابراہیم
  - جہاں شاہ
    - ۶۔ روشن اختر محمد شاہ (۱۱۳۱ تا ۱۱۶۱ھ م ۱۷۴۸ء)
      - ۷۔ مجاہد الدّین احمد شاہ (۱۱۶۱ تا ۱۱۶۷ھ م ۱۷۵۴ء)
- محمد اکبر
  - نیکو سیر

(شاہ عالم ثانی (تا ۱۲۱۸ھ م ۱۸۰۳ء۔ انگریزوں کے حصولِ دیوانی تک)

۱؎ مکمل حاشیہ آئندہ صفحہ پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور برہان پور کے مستحکم قلعے خود قلعہ داروں نے اسے حوالے کر دیے۔ اسی کے قریب سیدوں کا سپہ سالار بخشی صفدر علی لڑ کر مارا گیا اور کچھ روز بعد بالا پور (برار) کے زبردست معرکے میں یہی حشر عالم علی کا ہوا جو حسین علی کا عزیز قریب اور ممالک دکن میں اس کا قائم مقام تھا۔ وہ اورنگ آباد سے بڑا بھاری لشکر لایا اور نہایت بہادری سے جنگ کی، مگر تقدیر نے حریف کی اعلیٰ تدبیر کا ساتھ دیا۔ جنوبی ممالک میں سیادت کی بساط الٹ گئی۔ مالوے اور دکن کے وسیع صوبوں پر نظام الملک کا قبضہ ہوگیا۔ (۱۱۳۲ھ م ۱۷۲۰ء)

قطب الملک اور امیر الامرائے بادشاہ کے ساتھ آگرہ میں تھے جب کہ ان شکستوں کی دل شکن خبریں ملیں۔ سیاسی پریشانی میں غم کی تلخی اور ایک تہائی سلطنت ہاتھ

(صفحہ گزشتہ کا حاشیہ ۱)

میر قمر الدین المتخاطب بہ نواب نظام الملک کر آگے چل کر حیدر آباد دکن کی آصف جاہی حکومت کا بانی ہوا۔ عالم گیر کے مشہور و مقبول امیر شہاب الدین فیروز جنگ کا فرزند تھا۔ فیروز جنگ نے بیجاپور کی فتح میں کار نمایاں انجام دیے۔ اس کے باپ (خواجہ عابد قلیچ خاں) نے گول کنڈے کے محاصرے میں زخمی ہو کر جان قربان کی۔ بیٹے نے پہلے چین قلیچ خاں کا جدی خطاب پایا۔ پھر عالم گیر کے بعد خطاب نظام الملک سے وزارت کے درجے تک ترقی کی۔ سیدوں کے دور میں وہ عزلت کے زاویے کو شہرت کے مدارج پر ترجیح دینے لگا تھا اور مالوے کی صوبیداری میں بھی ان کے خلاف اقدام کرنے سے پیچھے ہٹتا رہا، مگر کچھ تو مغل امیروں اور درباریوں نے ابھارا کچھ سادات کے تشدد نے لڑنے پر آمادہ کر دیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے نکل جانے کی تلخ کامی کا اضافہ ہوگیا۔ اپنی خاص جماعت کے سوا دوسرے خواص و عوام کی مخفی عداوت چھپی ہوئی نہ تھی۔ امیر الامرا نے دکن پر فوج کشی کا ارادہ کیا تو صدہا سپاہی اور سردار بہانے بنا نے، جان چُرانے لگے۔ سید حسین کو سارے جاہ و جلال کے باوجود تنہا مقابلے میں جانے کی جرأت نہ ہوئی۔ دم دلاسے دے کر بادشاہ کو ساتھ لیا۔ سید عبداللہ قطب الملک کو دہلی بھیجا کہ پائے تخت میں رہ کر سیادتِ بارہہ کی جھکتی دیوار کو سنبھالے رہے۔ خود لشکر شاہی سے جانبِ دکن کوچ شروع کیا، مگر چند ہی منزل چلا تھا کہ ایک مُغل امیرزادے نے عرضی پیش کرنے کے بہانے خنجر گھونپ دیا اور خود بھی سادات کے ہاتھ سے مارا گیا (ذوالحجہ ۱۱۳۲ھ) سیدوں نے لشکر گاہ میں بلوہ مچا دیا تھا، مگر یہ بے سری فوج تھی۔ اُدھر نوجوان بادشاہ نے موقع غنیمت جانا، مغل امیروں کو انتظام سپرد کیا۔ انہوں نے دو تین دن میں سادات کے فساد کو دبا لیا۔ چند سرخیل سید مارے گئے۔ بہت سے بھاگ کر دہلی چلے آئے۔ لشکرِ شاہی بھی علانیہ قطب الملک اور باقی ماندہ سادات کا خاتمہ کرنے کے ارادے سے پائے تخت کی طرف پلٹ پڑا۔[1]

اِس یاس انگیز حالات میں بھی سید عبداللہ قطب الملک نے ہمت نہ ہاری بلکہ ہارے جواری کی طرح جان و مال کی آخری بازی لگانے کی ٹھان لی۔ تلاش سے بہادر شاہ

---

[1] امیر الامرا سید حسین علی کا قتل اعتماد الدولہ محمد امین کے اشارے سے ہوا۔ وہ نظام الملک کے دادا خواجہ عابد (قلیچ خاں اوّل) کا بھتیجا اور بڑا بارسوخ امیر تھا۔ مؤلف "سیر المتاخرین" نے اسے متعصب سُنّی تورانی بتا کر جگہ جگہ سب و شتم کا ثواب حاصل کیا، مگر یہ بھی اقرار کیا ہے کہ حسین علی کے قتل کی سازش میں محمد امین نیشاپوری (جو بعد میں سعادت خاں برہان الملک معروف ہوا اور شاہانِ اودھ کا بانی خاندان مانا گیا) برابر کا شریک و ہمراز تھا۔ (جلد دوم)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوّل کا ایک پوتا ظہیر الدین اس خطرناک چوسر کی نرد بننے پر آمادہ ہوگیا۔ اسے لباس شاہی پہنا کر سلطان ابراہیم کے نام سے تختِ طاؤس پر بٹھایا۔ خزانۂ دولت کو پانی کی طرح بہایا اور ایک فوجِ کثیر بھرتی کر کے محمد شاہ سے لڑنے آیا۔[1] دہلی اور متھرا کے وسط میں حسن پور کے قریب سخت جنگ ہوئی۔ نئی بھرت کی قلعی تو پہلے ہی گھمسان میں کھل گئی۔ شام ہوتے ہوتے تین چوتھائی سپاہی غائب تھے۔ صرف ساداتِ بارہہ اور چند ہزار باوفا رفیق رہ گئے۔ یہ خستہ درماندہ آرام لینے کے لیے پڑے تھے کہ چودھویں کے چاند نے غمازی کی۔ مغل آتش انداز رات بھر خیمہ وخواب گاہ پر گولے برساتے رہے۔ صبح ہوئی تو سادات پھر جان توڑ کر لڑے کچھ مارے گئے۔ زیادہ تر خستہ و زخم دار پکڑے گئے۔ انہی میں قطب الملک اور دو روزہ بادشاہ ابراہیم بھی تھا۔ ان کی جاں بخشی کی گئی۔ مشہور ہے کہ آئندہ سال مخالف امیروں نے قطب الملک کو زہر دلوادیا اور بادشاہ گری کے ساتھ اس کی قید اور ذلت کی زندگی کا دور ختم ہوا۔

ان بارہہ کے سیدوں نے خود کوئی دیرپا فائدہ نہ اٹھایا۔ فقط رسوائی کمائی اور بے شبہ سلطنتِ مغلیہ کو نقصان پہنچایا۔ گزشتہ نو سال تک بادشاہ کو دبانے اور اپنا اقتدار بچانے کی جدّوجہد کرتے رہے۔ کنبے برادری کے لوگوں کو ضرور بڑھایا، چڑھایا مگر وہ سپاہ گری جانتے تھے۔ حکومت سنبھالنا انہیں نہ آتا تھا۔ اس تمام مدت میں رعایا کی حفاظت اور بزور قابلیت امن و انتظام قائم رکھنے کا کوئی قابلِ ذکر

---

[1] خافی خاں ان دنوں دارالسلطنت میں موجود اور سرکاری دفتروں میں آمدورفت رکھتا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ قطب الملک نے ایک مہینے کے اندر نوے ہزار سوار فراہم کر لیے تھے۔ (۲ صـ ۹۱۵)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واقعہ پیش آیا تو وہ سکھوں کی دوبارہ سرکوبی ہے۔ سو یہ کام بھی لاہور کے صوبیدار عبدالصمد خاں "تورانی" کے ہاتھوں سرانجام ہوا۔[۱]

عہدِ محمد شاہی:

شروع سال ۱۱۳۳ھ (مطابق نومبر ۱۷۲۰ء) سے محمد شاہ کی اصلی، آزاد بادشاہی کا آغاز ہوا۔ بڑی دھوم دھام کے جلسے ہوئے، جلوس نکلے۔ ملک میں عام طور پر خوشی منائی گئی۔ نوجوان بادشاہ اپنی دادی، یعنی شاہ عالم بہادر شاہ کی بیوہ، ملکہ مہرپرور

---

[۱] بندا بیراگی جو شاہ عالم بہادر شاہ کے زمانے میں بھاگ کر چھپ گیا تھا، فرخ سیر کے عہد میں دوبارہ نمودار ہوا اور نہتی رعایا پر پہلے سے زیادہ ظلم توڑے، مگر اس مرتبہ گھیرا گیا تو فراری کا موقع نہ پا سکا اور اپنے کئی ہزار خونی چیلوں کے ساتھ گرفتار ہوا (۱۱۲۵ھ م ۱۷۱۴ء) بہت سے لوگ جن کے بال بچوں کو ان ظالموں نے طرح طرح کی تکلیفیں دے کر مارا تھا، لاہور میں جمع تھے۔ قیدیوں کی وہاں تشہیر کرائی گئی، تو انہوں نے انتقام کی آگ سے بے قرار ہو کر بلوہ کر دیا۔ صوبیدار نے بمشکل روکا۔ باغیوں کے ایک گروہ کو خود سزائے موت دی۔ باقی باغی اور بندا بیراگی دہلی بھیجے گئے اور بادشاہی حکم سے انہیں ویسے ہی عذاب دے کر مارا گیا جیسے انہوں نے بے گناہ رعایا کو دیے تھے۔ یہ افسانے کہ انہیں زندہ چنوایا گیا، غلط ہیں۔ خافی خاں نے ان کی تشہیر و قتل کا واقعہ بچشمِ خود دیکھا اور تفصیل سے پوری کیفیت بیان کی ہے۔

(دیکھو منتخب۔ ۲ صفحہ ۶۶)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی آغوشِ محبت میں پلا تھا۔ یہ ہوش مند خاتون جب تک زندہ رہی اسے عقل و اعتدال کے راستے پر چلایا اور جہاں تک ممکن تھا، آئینِ بادشاہی کے بیمار جسم کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ سادات گردی نے لوگوں میں بادشاہ پرستی کا جذبہ تازہ کر دیا تھا۔ بارہہ والوں کے نکال باہر کیے جانے سے مغلوں کے قدم ڈگمگا کر جم گئے تھے کہ آئندہ، تختِ دہلی تو بہت اونچا تھا، کسی کو دور کی زمین میں بھی خود مختاری کی مسند بچھانے کی جرأت نہ ہوئی، البتہ امارت و وزارت کی کش مکش نے دربار کو دنگل بنا دیا تھا جہاں دن رات سیاسی پہلوان داؤ پیچ کرتے اور اسی کے اثر سے بیرونی صوبوں میں بھی اُکھاڑ پچھاڑ، بلکہ کبھی کبھی مار دھاڑ ہوتی رہتی تھی۔

محمد شاہ کو نظم و نسق کی گتھیاں سلجھانے کا دماغ نہ تھا۔ شروع میں وزارت اعتماد الدولہ محمد امین خاں کے سپرد کر دی تھی۔ اس کا پہلے ہی سالِ جلوس میں انتقال ہو گیا۔ نظرِ انتخاب نظام الملک پر پڑی اور سچ یہ ہے کہ سادات کو اکھاڑنے اور مغل بادشاہی کو پھر جمانے میں اس کا بڑا حصہ تھا، لیکن جب وہ دکن سے دہلی آیا اور دربارِ شاہی کو قدیم آئین پر مہذب و مرتب کرنے کی کوشش کی تو لاأُبالی بادشاہ کو اُس کی ثقاہت سے وحشت ہونے لگی۔ خوشامدی مصاحبوں نے بہکایا کہ وزیر آپ کا اتالیق بن گیا ہے، آپ کو لڑکا سمجھتا ہے۔ مسخروں نے نقلیں بنا بنا کر اس کے سنجیدہ آداب و اوضاع کا خاکہ اُڑایا، تاکہ اس کی توقیر بادشاہ کے دل میں اور قدم دارالسلطنت میں قائم نہ رہ سکیں۔ انہیں اپنے فاسد مقاصد میں خاصی کامیابی ہوئی۔ نظام الملک دل برداشتہ دلّی سے چلا گیا۔ (۱۱۳۴ھ م ۱۷۲۲ء) انہی دنوں سلطنت کی سیاہ بختی سے ملکہ مہرپرور کی شمعِ حیات گُل ہوئی اور محل سرا کا انتظام بادشاہ کی رضاعی بہن رحیم النسا، بنتِ محمد درویش کی جھولی میں آ گیا۔ شاہی محلات عیّاشی کے تکیے بن گئے۔ جہاں پناہ کا زیادہ وقت زنان خانے میں گزرنے لگا۔ احکامِ سلطانی رحیم النسا کی معرفت نافذ ہونے لگے۔ شاہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُہر اُسی کی تحویل میں دی گئی، پھر اسی کے دستخط اجرائے کار کے کفیل ہوئے۔ اس کے توسط کے بغیر بڑے بڑے کام ملتوی پڑے رہتے۔ غرض دیکھتے دیکھتے یہ درویش زادی دولت کی ماتا بن گئی۔ ایک مدت بعد جب روشن الدولہ بخشی کے منہ پر رشوت ستانی کی کالک لگی، تو رحیم النسا بھی مجرم کی محرم راز پائی گئی اور محل سرا سے نکال دی گئی۔

بادشاہ کا شوقِ تعمیر و تزئین بھی عیش پرستی کی لاگ سے خالی نہ تھا۔ "حیات بخش" اور "مہتاب باغ" گویا اس لیے بنائے تھے کہ افکارِ سلطنت کی بو تک وہاں نہ آئے لیکن یہ فائدہ ضرور ہوا کہ اس کی پیروی میں دس بارہ سال کے اندر، دہلی کے باہر بیسیوں نئے باغ تیار ہوگئے۔ بادلی سے مہرولی تک مشجر کا حاشیہ لگ گیا اور یہ قیاس تاریخی شواہد پر مبنی ہے کہ نہ صرف مناظر و مذاق، بلکہ شہر کا موسم تک بدل گیا۔ کثرتِ اشجار سے اتنی بارش ہونے لگی کہ ماضی و مستقبل کے اوسط سے غالباً کہیں زیادہ تھی۔

اوّل اوّل محمد شاہ کو شکار کا شوق تھا، لیکن جب خود ہی شاہد و شراب کا صید ہُوا تو اس وسیع کارخانے کے ملازم بے کار، شکاری جانور تک سست و از کار رفتہ ہوگئے رعایا دینِ ملوک پر چلا کرتی ہے۔ بادشاہ کو عیش و عشرت پر مائل دیکھا تو امیر وزیر، عامی خاصی سبھی ادھر جُھک پڑے۔ دارالسلطنت دہلی میں اربابِ نشاط کی وہ ریل پیل اور اسبابِ عیش کی ایسی فراوانی ہوئی کہ پیرس و پیکن اس کے سامنے پھیکے پڑ گئے۔ استنبول و قاہرہ پست نظر آنے لگے۔ متمدن دنیا میں ان دنوں یہی چند شہر دہلی کی ٹکر کے سمجھے جاتے تھے۔ بارھویں صدی ہجری (اٹھارویں عیسوی) کا لندن مغلوں کے بعض صوبائی شہروں تک سے دولت و آبادی میں فروتر مرتبہ رکھتا تھا۔ محمد شاہ رنگیلے کی دہلی سے اسے کچھ نسبت نہ تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نادر شاہ کا حملہ:

سادات بارہہ کو ازرہِ ظرافت وطعن "باہری" کہتے تھے۔ ان اندرونی حریفوں کی چیرہ دستی کے بعد خاندانِ مغلیہ پر دوسری ضرب واقعی باہر والوں نے لگائی۔ نادر شاہ کے حملے کو بعض ہم عصر مورخ، دربارِ دہلی کے ایرانی اُمرا کی سازش وغداری کا کرشمہ بتاتے ہیں[۱]۔ عجب نہیں یہ بدظنی بعد میں یقین کے درجے تک اُس وقت پہنچی ہو جب کہ برہان الملک سعادت خاں حملہ آوروں سے جاملا اور اُنہیں خاص پایۂ تخت میں چڑھا لایا، ورنہ نادر شاہ کا پاکستان (سرحد و پنجاب) کی سرحدوں تک بڑھنا، ایران کے اندرونی سلسلۂ واقعات کی ایک کڑی تھی۔ اس زنجیر کا پہلا فقرہ مغربی افغانستان کی ایرانیوں سے جنگ و بغاوت ہے کہ بارہویں صدی کے آغاز میں شروع ہوئی اور باغیوں کے سرخیل میرویس نے قندھار چھین لیا۔ غلزئی[۲] قوم کی آزاد حکومت کی بنیاد ڈالی۔ ایرانیوں کی تادیبی مہمات

---

[۱] اس عہد کی بہت سی تاریخیں کامل یا ناقص حالت میں سلامت ہیں، ان کی بڑی تعداد یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہے۔ سرہنری ایلیٹ نے ہی ساٹھ سے زیادہ تصانیف بہم پہنچائی تھیں جن میں زیرِ نظر عہد کے متعلق 'تاریخ چغتائی' 'تاریخ ہندی'، 'جوہر صمصام'، 'تذکرہ انندرام'، 'تاریخ احمد شاہ' 'بیانِ واقع'، لائقِ ذکر ہیں۔ (دیکھو ایلیٹ۔ جلد ہشتم) نادر شاہ کے میر منشی مرزا مہدی کے نادر نامہ اور "واقعہ خرابی دہلی" سے بھی راقم الحروف نے یہ فصلیں لکھنے میں مدد لی ہے۔

[۲] راورٹی کی تحقیق میں یہ لوگ خلجی ترکوں کی نسل اور "غلزئی" اسی لفظ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناکام ہوئیں، تو مدت کے دبے ہوئے افغان ایسے شیر ہوئے کہ آگے بڑھ کر ہرات و خراساں کو لقمہ بنایا۔ دلیس کے بیٹے محمود نے غزنوی ہم نام کی یاد تازہ کر دی کہ خاص پلہ تخت اصفہان میں اپنا جھنڈا گاڑا (۱۱۳۵ھ) ایرانی سورج پر ایسی نحوست کا ستارا چھایا کہ شاہانِ صفوی کے تخت پہ آیندہ چھ برس تک غلزئی چڑلے سلطانی کرتے رہے۔

آخر ایران کے دن پھرے۔ افغانیوں کے مقابلے میں ایک خراسانی گڈریا کہ ابتدا میں رہزنی سے لڑائی کی مشق کرتا تھا، طہماسپ صفوی کا رفیقِ طریق ہو گیا اور اہلِ وطن میں خودداری، سرفروشی کی روح پھونک دی۔ یہ نادر قلی تھا جس نے اغیار سے مُلک خالی کرایا اور پھر فوجی سرداروں کے اتفاق رائے سے رعایا کی چوپانی کا ذمہ اٹھایا۔ (۱۱۴۸ھ ۱۷۳۶ء) اس نے قزل باش یعنی "سرخ کلاہوں" کی ایک جرار فوج تیار کی۔ ہرات کو لڑکر چھینا، قندھار کا محاصرہ کیا اور سال بھر کی ناکہ بندی اور سخت آویزشوں کے بعد یہ مستحکم حصار پھر ایران کی حدود میں داخل کر لیا۔ غالباً اسی طویل محاصرے کے دوران میں نادر شاہ کو دربارِ دہلی کی بدنظمی اور ابتری کا اندازہ ہوا کہ اُن دنوں یہ سارا شہر ایک وسیع خرابات کا نمونہ بن گیا تھا۔

نظام الملک کے دکن رخصت ہونے کے بعد اکثر بڑے عہدے ایرانی یا ہندوستانی امیروں کے حصے میں آ گئے تھے۔ فوج کا حاکمِ اعلیٰ امیر الامرا خان دوران ں، سپہ گری میں جتنا فائق تھا علم و عقل کے میدان میں اتنا ہی کوتاہ دست ثابت ہوا۔ نادر شاہ کے قندھار سے کابل پر فوج کشی کی خبر آئی تو خوب ہنسا۔ خبر لانے والوں سے کہا: "تمہارے مکان بہت اونچے پہاڑوں پر ہوں گے کہ اتنی دور سے نادر کے قزل باشوں کو دیکھ لیتے ہو؟" بعض درباری کہتے تھے کہ یہ سب زکریا خاں تورانی صوبیدارِ لاہور کی کارستانی ہے کہ جھوٹی خبریں اڑاتا اور نادر شاہ کی طرف سے مصنوعی قاصد بھجواتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب کابل سے پے در پے لوگ فرار ہو کر پائے تخت پہنچے اور یقین ہوا کہ یہ صوبہ سلطنتِ دہلی کے ہاتھ سے چھن گیا، تو نادر شاہ کے مراسلوں کا جواب دینا یاد آیا۔ نادان وزیروں میں دیر تک اسی پر عقل آزمائی ہوتی رہی کہ جواب دیں تو اس غاصب لٹیرے کو القاب کیا لکھیں! وہ شہنشاہِ ہندوستان کی مساویانہ مخاطبت کے لائق کہاں ہے!! بارے محمد شاہ کو ہوش آیا۔ تاکید کے ہرکارے دوڑائے اصرار کے پروانے اُڑائے۔ نظام الملک آصف جاہ کو دکن سے بلوایا اور انتظام جنگ کی زمام حوالے کی۔[۱]

اس عرصے میں سنا کہ صوبیدارِ کابل جو پہلے ہی پشاور میں مقیم تھا اور کچہری کی بجائے زیادہ وقت مصلے پر گزارتا تھا، خیبر کے معرکے میں مجروح و اسیر ہوا۔ نادر شاہ نے بڑھ کر پشاور پر قبضہ کر لیا۔

آصف جاہ برابر عرض کر رہا تھا کہ جب تک خود بدولت زحمت نہ فرمائیں گے کوئی سپاہ اور سپہ دار حملہ آوروں سے عہدہ برآ نہ ہو گا۔ حقیقت میں شخصی بادشاہی کے جواز کی دلیل ہی یہ ہوتی تھی کہ بیرونی دشمن کے مقابلے میں خود بادشاہ میدان میں آئے اور اپنی سلطنت کے لیے جان کی بازی لگائے۔

غرض لشکرِ شاہی کو کوچ کا حکم صادر ہوا۔ بڑی دھوم دھام سے پیش خیمہ شہر کے باہر

---

[۱] آصف جاہ کا پائے تخت میں آنا عام طور پر اطمینان و مسرت کا باعث ہوا۔ یہ قطعۂ تاریخ اس کی نشانی ہے: ؎

صد شکر کہ ذاتِ دیں پناہی آمد ۔۔۔ رونق دہِ مُلکِ بادشاہی آمد

تاریخ رسید نش بگوشم ہاتف ۔۔۔ گفت: آیتِ رحمتِ الٰہی آمد

۱۱۵۰ھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نکلا اور بادلی کی منزل پر نصب کرایا گیا، مگر یہ مئی جون (۱۷۳۸ء) کا زمانہ تھا (= ربیع الاوّل ۱۱۵۱ھ) جب کہ لاہور کا ریگستانی راستہ دن کے وقت بھوبل بن جاتا ہے۔ اس مصیبت کے تصوّر نے اُن امیروں کو سراسیمہ کر دیا جو سورج چڑھنے سے پہلے تہ خانوں میں اُتر جاتے تھے۔ انہوں نے پھر چرب زبانی کی کہ بھلا نادر شاہ کی یہ تاب کہاں کہ اس دولتِ عظمیٰ کی طرف نگاہِ گرم سے دیکھے؟ افغانستان کے پہاڑوں میں چند روز ٹکریں مار کر واپس ہو جائے گا۔ محمد شاہ اُن سب سے بڑھ کر آرام کا خوگر، دل آرام کا گرویدہ تھا، شہر ہی میں رہا۔ بادلی کے میدانوں میں جنگی جھنڈے ساری گرمیوں کھڑے خالی پھڑپھڑاتے رہے۔ نادر شاہ کو اطمینان ہو گیا کہ یہ سب دکھاوے کی باتیں ہیں۔ اہلِ ہند لڑائی سے گھبراتے ہیں۔ اٹک، جہلم، چناب تینوں دریا عبور کیے۔ لاہور کو آکر گھیر لیا۔ صوبیدار زکریا خاں، دہلی کی مدد آنے سے مایوس ہو چکا تھا۔ دو تین دفعہ لڑا۔ بالآخر ایسی شرطوں پر شاہِ ایران کی اطاعت قبول کر لی کہ اُس کے عہدے اور لاہور شہر پر آنچ نہ آئی۔ نادر نے خاص پلے تخت پر پیش قدمی کی۔

شاہجہان آباد کی پہلی تاراجی

نادر شاہ کی اس جسارت کا صحیح سبب مختلف اخبار و آرا کے ڈھیر میں دب گیا ہے۔ غالباً وہ یہ سمجھتا تھا کہ عیش کا مارا محمد شاہ جنگ کی جوکھوں میں نہیں پڑے گا۔ معقول تاوان سے حملہ آوروں کا منہ بھر دے گا۔ یہی لالچ سُرخ پوشوں کو ایڑ لگاتا ہوا پنجاب کے میدانوں تک لایا تھا کہ ان دنوں خود ایران کی مالی حالت خراب تھی۔ جو نیا لشکر مرتب ہوا اور پے در پے لڑائی میں مصروف رہا اس کے مصارف مشکل سے پورے ہوتے تھے اور قندھار و کابل، بلکہ پشاور و لاہور میں بھی غارت گری کا ارمان نہ نکلا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انبالہ سے چند منزل بڑھے تھے جب سنا کہ فی الواقع بادشاہِ دہلی میدان میں آیا اور بڑا بھاری توپ خانہ ساتھ لایا ہے۔ اُس کے مورچے سر کرنے کی قزل باشوں میں ہمت نہ تھی، چکر کھا کے آگے بڑھنا مخدوش تھا۔

اس پریشانی میں غیب سے کمک یہ آئی کہ اودھ کا صوبیدار سعادت خاں برہان الملک اپنی فوج کے ساتھ شاہی لشکر میں پہنچا اور بادشاہ اور وزیر دونوں کی ممانعت کے باوجود، مورچہ بندی کے باہر ایرانیوں سے جا بھڑا۔ سپہ سالار خان دوراں خاں مدد کو دوڑا تھا، وہ تو زخمی ہو کر مارا گیا، برہان الملک نے اس طرح گرفتار ہونا قبول کیا کہ لوگ سمجھے وہ پہلے سے نادر شاہ کے ساتھ ساز رکھتا ہے۔ خلافِ حکم میدان میں نکلنا پھر ایک قزل باش سوار کے للکارنے پر ہتھیار ڈال دینا اس شبہے کو تقویت دیتے تھے کہ اپنے ہم وطن ایرانیوں کے مقابلے میں اس نے ہندوستان کے سُنّی بادشاہ کا ساتھ چھوڑ دیا۔[1] لیکن اگر یہ گرفتاری محض جوشِ تہور اور جلد بازی کا نتیجہ تھی، تو بھی کوئی شک نہیں کہ قید ہو کر اس نے اپنے ولی نعمت سے بے وفائی کی اور علانیہ نادر شاہ کا آلۂ کار بن گیا۔

سعادت خاں کے ٹوٹ کر مل جانے سے بھی شاہی مورچے نہیں ٹوٹے۔ زیادہ دن غیر ملک میں ٹھیرنا حملہ آوروں کی احتیاط اور مصلحت کے خلاف تھا۔ وہ دریائے سندھ کے پار کا علاقہ اور دو کروڑ تاوانِ جنگ لے کر صلح پر آمادہ ہو گئے، مگر صلح نامے کی تکمیل

---

[1] دیکھو "واقعہ خرابیٔ دہلی" جس میں ان واقعات کو صحت و وضاحت سے قلم بند کیا گیا ہے۔ صفحہ ۳۹ و ۴۶۔ نیز "تاریخ مظفر" وغیرہ۔ تیسرے باب میں اس کی وفات کی دو تاریخیں ہم نے نقل کی ہیں۔ وہ بھی اس الزام کی یاد دلاتی ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بعد نادر شاہ نے دوبارہ آصف جاہ کو بلوایا، پھر دھوکا دے کر وزیر و بادشاہ دونوں کو حراست میں لے لیا۔ قزلباشوں کے چند دستے آگے گئے۔ دہلی کے قلعے اور شاہی کارخانوں پر اپنا پہرا لگا دیا۔ ان کی رہنمائی اور سرگروہی کی خدمت برہان الملک سعادت خاں نے انجام دی۔ نادر شاہ بادشاہ کا ناخواندہ مہمان بن کر قلعے میں داخل ہوا اور قریب قریب تمام زر و جواہر، نادر و بے بہا سامان جس میں شاہ جہاں کا تختِ طاؤس ہی کروڑوں کا مال تھا، سمیٹ لیا۔ (۹ ذو الحجہ ۱۱۵۱ھ م ۱۷۳۹ء)

یہ واقعات کچھ ایسے چھپے ڈھکے اور اتنی جلد گزرے کہ اُن دنوں جب کہ اخبار چھپنے اور اطلاعات کے فوراً شائع ہونے کے وسائل نہ تھے، اہل ملک ایک طرف پائے تخت دہلی کے عام باشندے بھی اچھی طرح نہ سمجھے کہ سلطنت پر کیا سانحہ بیت گیا، مگر دوسرے دن عید الاضحیٰ کی دعا میں خطیب نے محمد شاہ کے ساتھ نادر شاہ کو بھی ہندوستان کا فرماں روا بتایا، تو شہر میں کہرام بپا ہو گیا۔ بازاروں میں قزلباش سپاہی سیر کرتے پھر رہے تھے۔ ممکن ہے تمرّد سے پیش آئے ہوں کہ دل جلے شہریوں نے اُن کی گُندی کر ڈالی[1]۔ نادر کو قتل عام اور غارت گری کا حیلہ مل گیا۔ چاندنی چوک کی سُنہری مسجد کو خوں ریزی کا مرکز بنا کر بندگانِ خدا پر وہ قیامت توڑی جس میں جوان و پیر، تندرست و بیمار، معصوم بچے اور زنانِ پردہ نشین، کسی کی رعایت نہیں کی۔

---

[1] بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ کسی بھنگڑ نے نادر کے مارے جانے کی گپ ہانکی تھی جس پر لوگوں نے اس کے سپاہیوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ محمد حسین آزاد نے اسے جیسا چٹ پٹا بنا دیا ہے وہی اس کی واقعیت سے بدگمان کرنے کو کافی ہے۔ سیر المتاخرین وغیرہ تاریخیں فریقانہ جذبات سے ایسی متاثر ہیں کہ ان کی شہادت احتیاط سے جانچے بغیر لائقِ سماعت نہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قلعے کے سامنے ہی بڑے بڑے چوک، بازار، دریبے بیش بہا سامان اور نادر ترین مصنوعات کی منڈیاں تھیں۔ شمال میں امرائے کبار کی حویلیاں عیش و تجمل کے اسباب سے دلہنوں کی طرح آراستہ کھڑی تھیں۔ قزل باشوں نے شہر کے انہی حصوں کو جی بھر کے لوٹا اور جگہ جگہ آگ لگا دی۔ قتل عام تو دوپہر، یعنی آٹھ نو گھنٹے ہی جاری رہا جس میں کام آنے والوں کا کم سے کم تخمینہ تیس ہزار کیا گیا ہے[1]۔ لیکن خانہ تلاشی اور لوٹ کا سلسلہ کئی دن بلکہ ہفتوں تک چلا۔ ماہِ صفر ۱۱۵۲ھ میں غارت گردں کا قافلہ لد پھند کر واپس گیا تو نادر شاہ کے میر منشی مرزا مہدی کا اندازہ ہے کہ ایرانی کروڑوں روپے کے جواہر و زیورات، بیش بہا ظروف و پارچہ، ہاتھی، گھوڑے، اونٹ اور مختلف ساز و سامان کے علاوہ کم سے کم پندرہ کروڑ روپیہ نقد لے کر ایران پلٹے تھے[2]۔

نادر شاہ نے قتلِ عام کی چنگیزی سنّت عیدِ قرباں کے تیسرے یا چوتھے دن ادا کی تھی۔ شہر کربلا کا نمونہ اور ذی الحجہ، محرّم کا مہینہ بن گیا تھا، لیکن عبرت کا تماشا دیکھیے کہ خون کی یہ ہولی کھیل کر نادر قلی نے اپنے منجھلے بیٹے کی محمد شاہ کی بیٹی سے شادی رچائی، تو گھر گھر طبلے کھڑکنے لگے۔ ناچ رنگ، جلسے، دعوتیں۔ جہاں دیکھو محفلِ رقص و سرود برپا ہے۔ بھانڈ خود اپنے سپاہیوں، سرداروں کی نقلیں دِکھا رہے ہیں۔ تماشائی شرمانے کی بجائے قہقہے لگا رہے ہیں!

---

[1] یہ نادر نامہ کا اندازہ ہے۔ دوسری مقامی تاریخوں میں مقتولوں کی تعداد ایک لاکھ تک بتائی گئی ہے۔ واضح رہے کہ اس وقت شاہ جہاں آباد نئی دہلی کہلاتا تھا۔ پرانی دہلی سے (جسے انگریزوں نے پھر نیا کیا) مل کر اس کی مردم شماری دس لاکھ سے یقیناً زیادہ تھی۔

[2] تذکرہ انندرام، واقعۂ خرابیٔ دہلی، وغیرہ عصری تصانیف میں جواہرات اور اقمشہ کی قیمت کا تخمینہ پچاس کروڑ، اور زرِ نقد جسے ایرانی لُوٹ کر لے گئے، ساٹھ کروڑ تک تحریر ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب دوم

مُغل بادشاہی کی تباہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مغل بادشاہی کی تباہی

نادر شاہ کے حملے نے مُغل بادشاہ کی نا اہلی کا ڈھنڈورا پیٹ دیا۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ خود محمد شاہ اتنا رنجیدہ تھا کہ راگ رنگ سے توبہ کی۔ اربابِ نشاط کو موقوف کر دیا۔ ممکن ہے یہ توبہ اگلی برسات میں ہوا ہو گئی ہو، لیکن حقیقت یہ ہے کہ "سولپشت کے بادشاہ" ہندوستان جنت نشاں کے فرماں رواکو حملۂ نادری اور خاص دارالسلطنت کی غارت گری سے جتنی خفت ہوئی ہو، وہ کم تھی۔ ایک آفاقی قزاق کا چند ہزار سوار لے کر ملک میں گھس آنا، "قلعۂ معلیٰ" میں آکر دندنانا، عید کی نماز میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوانا۔ گویا ڈنکے کی چوٹ مُغل بادشاہی کے خاتمے کا اعلان کرنا تھا۔

بنگال و دکن کے وسیع صوبے بجائے خود سلطنت اور کئی کئی صوبوں کے مجموعے تھے۔ بہادر شاہ اوّل کے بعد ہی وہاں کے والیوں کی اطاعت رسمی سی رہ گئی تھی۔ اب یہ رسم بھی دکھاوا نظر آنے لگی۔ مرہٹوں کی ظاہری فروتنی ان کی باطنی سرکشی کی فقط آڑ بن رہی تھی۔ لوٹ مار کا نسلی جذبہ انہیں بغاوت کا رستہ دکھاتا تھا اور یہ قوم اب اپنی مرکزی قیادت کے قابو سے باہر ہوئی جاتی تھی۔ نادر کے حملے سے سندھ پار کے علاقے، بلکہ وادیٔ کشمیر بھی ایرانیوں کے قبضے میں آئی یا نہ آئی، دہلی کے مغلوں کے ہاتھ سے ضرور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نکل گئی۔ سندھ کے قبائل، کلہوڑے، داؤدپوترے، تال پور وغیرہ باہمی زور آزمائیوں میں مصروف ہو گئے۔ اکثر علاقے میں بدنظمی پھیل گئی۔ خود پنجاب کے نظم و نسق کی کلیں ڈھیلی ہو گئیں۔ فرخ سیر کے عہد میں سکھوں کے مذہبی جنون کو تلوار کی فصد سے فرو کیا گیا تھا۔ ان کی دوردست بستیوں میں دوبارہ وحشت کے آثار پیدا ہونے لگے۔ پائے تخت کے قریب آگرہ کی نواح میں جاٹوں کی آبادی اور خوش حالی میں ترقی ہوئی۔ بڑے بڑے زمینداروں نے گڑھ بنائے، راجگی کے ٹھاٹ جمانے شروع کیے۔ مقامی حکام سے باربار سینہ زوری، گردن کشی کرنے لگے۔ قندھار و کابل پر نادر شاہ کے حملے اور تسلط نے وہاں کے صدہا افغانی اور بلوچی خاندانوں کو اکھاڑ دیا۔ ان میں بہت سے بہتے ہوئے دوآب تک پہنچے اور گنگا پار کے علاقوں میں اتنی کثرت سے آباد ہوئے کہ یہ علاقہ ہی سرحدی روہیلوں کے نام سے روہیل کھنڈ موسوم ہو گیا۔ یہ ایک اور جنگ جو بے قابو عنصر تھا جس نے آئندہ سلطنت کی بوسیدہ عمارت کی اینٹیں اکھاڑنے اور اسے ملبے کا ڈھیر بنانے میں حصہ لیا۔

آثار ضعف و زوال کے باوجود مغلوں کی عظیم سلطنت کا شیرازہ بکھرنے میں خاصی دیر لگی۔ شمالی صوبوں کے نکل جانے کے سوا محمد شاہ کی زندگی میں ہندوستان کے کسی رئیس راجا، قوم یا قبیلے کو علانیہ تخت دہلی کی اطاعت کی زنجیر تڑانے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس وقت مرہٹوں نے سب سے زیادہ قوت و جمعیت بہم پہنچائی تھی اور مغل امیروں کے باہمی عناد و رقابت کی بدولت گجرات اور مالوے میں پنجے جما رہے تھے، لیکن نادر شاہ کے جانے کے بعد انھوں نے بھی بادشاہ سے عہد وفاداری کی تجدید کی اور دوسرے صوبیداروں کی طرح دہلی کے خالی خزانے کی معموری میں زر پیش کش بھیج کر ضرلج گزاری کا حق ادا کیا۔[1]

[1] دیکھو گرانٹ ڈف کی تاریخ مرہٹہ۔ ا ص ۴۵۶ (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غرض محمد شاہ نے مرتے دم تک بادشاہی کو نباہ دیا۔ "سیر المتاخرین" کا بیدرد مؤلف بھی یہ اقرار کیے بغیر نہ رہ سکا کہ: "در عہدِ او خلق بہ آسائش زندگی نمود و تا زمان دولتش بہ ہر صورت سلطنت را آبروئے دو قرے در نظر ہا بود ۔۔۔" [1] (ص ۵۲۶) حتی کہ اپنے مرض الموت میں بھی ایک معقول فوج اور توپ خانہ شہزادہ ولیعہد احمد اور قمر الدین وزیر کی قیادت میں، احمد شاہ ابدالی سے لڑنے کے لیے بھیجا اور

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

بنگال میں علی وردی خاں مہابت جنگ نے سرفراز خاں سے لڑ جھگڑ کر صوبیداری حاصل کی، لیکن اقرارِ اطاعت کو ادائے خراج سے ثابت کرتا رہا۔ (ریاض السلاطین ص ۳۲۵، "سیر المتاخرین" ص ۹۴۴ وغیرہ) برہان الملک سعادت خاں جس نے بادشاہ سے بے وفائی کی رسوائی کمائی، نصیب کی نحوست سے انہی دنوں سرطان کا شکار ہوا۔ اودھ کی سرداری اس کے داماد صفدر جنگ کو ملی۔ وہ دربار میں برابر حاضر رہا۔ ان واقعات کو یہاں یادداشت بنانے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ انگریز تاریخ نویس اورنگ زیب کے بعد ہی سلطنتِ مغلیہ کا خاتمہ منانے لگتے ہیں۔ اسمتھ نے ڈھٹائی کے وثوق سے یہاں تک لکھا ہے کہ "اورنگ زیب کی وفات سے سترہ سال کے اندر سلطنت ٹوٹ پھوٹ گئی" (اوکس ہسٹری ص ۴۵۶) حالانکہ محمد شاہ کی وفات کے بھی پچاس برس بعد ہم انگریزوں کو اس کے وارث سے "دیوانی" کی سندیں حاصل کرتے دیکھتے ہیں۔

حاشیہ صفحہ ہذا [1]

ترجمہ: اُس (محمد شاہ) کے عہد میں عوام بہ آسائش زندگی گزارتے تھے، اس کے جیتے جی حکومت کی آبرو اور وقار نظروں میں برقرار رہا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے سرہند کی جنگ میں اس مشہور افغانی سپہ سالار کو شکست دی (ربیع الاول ۱۱۶۱ھ م ۱۷۴۸ء) ابدالی کو کچھ عرصے کے لیے پنجاب سے ہاتھ دھونے پڑے لیکن قضاو قدر کے محاسب نے اس جیت کی ایسی بھاری قیمت لگائی کہ دولت مغلیہ کا دیوالہ نکل گیا، یعنی قمرالدین وزیر اس معرکے میں کام آیا۔ اُس کی جگہ برہان الملک سعادت خاں کا داماد اور بھانجا صفدر جنگ سرلشکر اور وزیر سلطنت نامزد ہوا۔ اسے بیرونی دشمنوں کی بجائے اندرونی حریفوں سے زیادہ بیر تھا۔ معین الملک صوبیدار پنجاب کی اعانت نہ کی۔ ابدالیوں کا دل جاتے جاتے کشمیر و پنجاب کی پہاڑیوں میں چھا گیا۔

اس سے بڑھ کر انقلاب یہ کہ دوسرے ہی مہینے (ربیع الثانی ۱۱۶۱ھ) میں محمد شاہ نے رحلت کی۔ مجاہد الدین احمد شاہ سلطنت کا وارث ہوا جو کم اہل باپ کا ناخلف بیٹا تھا۔ ہفتوں بلکہ مہینوں حرم سرا سے باہر نہ نکلتا۔ اندر اس کی ماں اودھم بائی نے آفت اٹھائی تھی۔ باہر جاوید خواجہ سرا کی آقائی تھی۔ اس مجلس حکومت سے وزیر صفدر جنگ رفتہ رفتہ اتنا زچ ہوا کہ ایک روز دعوت میں بلا کے جاوید کو نابود کر دیا، مگر بادشاہ سے بھی ایسی بگاڑلی کہ پھر پائے تخت میں ٹکنا دشوار ہو گیا۔

سلطنت کو تقدیر کی ایک اور ٹھوکر یہ لگی کہ محمد شاہ کے پیچھے نظام الملک آصف جاہ دنیا سے رخصت ہوا۔[۱] مرحوم کا خلفِ اکبر شہاب الدین دربارِ دہلی میں

---

[۱] وزیر (قمرالدین)، محمد شاہ اور آصف جاہ اسلامی سلطنت ہند کے تین ستون ایک ہی سال ہجری میں ڈھے گئے۔ اس اندوہناک حادثے کی میر غلام علی آزاد نے بے بہا تاریخ نکالی ہے: ؎

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باپ کا قائم مقام تھا۔ وہ کچھ مدت بعد ولایت دکن کی مسندِ وراثت لینے اورنگ آباد چلا اور نوجوان بیٹے غازی الدین کو اپنا نائب بنا گیا، مگر قضائے الٰہی سے راستے میں ملکِ بقا کی راہ لی۔ عہدِ انحطاط کے دستور کے مطابق غازی الدین سولہ برس کی عمر میں خطاب عماد الملک اور باپ کے عہدے (بخشیٔ ممالک) کا وارث قرار پایا۔ پھر اس فتنے نے وہ وہ فیل وزارت کے لیے مچائے کہ خود بادشاہی بازیچۂ طفلاں بن گئی۔ صفدر جنگ کی اصل خدمت اور قوت اودھ کی صوبیداری تھی۔ اس کے مغربی اضلاع میں رُہیلوں کے ریلوں نے صفدر جنگ کا پائے ہمت لنگ اور عقل کی آنکھوں کو ایسا اندھا کیا کہ رُہیلوں سے لڑنے کے لیے مرہٹوں کو مدد پر بلایا۔ یہ قزاق مذاق، سُبک پا قوم ہر بہانے قدم جمانے کے فن میں طاق تھی۔ ایک دفعہ دوآب میں کیا آئی کہ اُس کی رَد پنجاب تک دوڑ گئی اور وہاں ابدالی کی سیاست سے جا ٹکرائی۔

بادشاہ کی قید اور کور سازی:

ساداتِ بارہہ نے پہلی دفعہ مطلق العنان بادشاہی کے ہتھکڑی لگائی۔ سلاطین دہلی کو قید و قتل کیا۔ مغلیہ سلطنت کی جڑیں ہلا دی تھیں۔ آلِ تیمور کو اس تہلکے سے خاندانِ آصف جاہ کے افراد نے بچایا۔ اب اسی خاندان کے ایک فرد نے مغل تاجداروں کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سہ رکنِ مملکتِ ہند از جہاں فتند	فتاد، حیف سہ دُرِّ یگانہ از کفِ دہر
برائے رحلت ایں ہر سہ یافتم تاریخ	"نماند شاہِ زماں و وزیر و آصفِ دہر"

۱۱۶۱ھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس طرح ذلیل و سرنگوں کیا، وہ دیکھنے والوں کو نیرنگیٔ روزگار اور نفسیاتِ انسانی تلوّن کا آئینہ دکھاتا ہے۔ یہ سیاست کا بے باک شاطر غازی الدین عماد الملک (ثالث) تھا۔ کہ صفدر جنگ کے خانہ خالی کرتے ہی، اپنی بساط جمائی۔ رُہیلوں سے ساز باز کیا۔ مرہٹوں کو صفدر سے توڑ لیا۔ نواحِ دہلی و اکبر آباد کے جاٹوں سے جبراً مالگذاری وصول کرنے گیا۔ پھر انہی کے سرگرد ہوں کو رئیس و راجا بنا کے اپنے زیرِ اثر خاص تخت گاہ پر چڑھا لایا۔ اس جوڑ توڑ سے اوّل تو صفدر جنگ کو وزارت سے بے دخل کیا اور آگے چل کر خود بادشاہی کی بنیاد اکھیڑ دی۔ احمد شاہ بادشاہ کی ذاتی مالگذاری کے راستے بند، فوج دفتر کافور، اقتدار خالصے لگا۔ پھر بھی راج ہٹ باقی تھی۔ نیا وزیر خان خاناں انتظام الدولہ رشتے میں غازی الدین کا ماموں، عمر اور وجاہت میں افزوں تھا۔ بلند پرداز، جاہ پرست بھانجے کے آگے اس کا سر نہ جھکا۔ تب غازی الدین مرہٹوں کی فوج کو حلیف بنا لایا۔ پہلے وزیر کو اپنے اختیار سے برطرف کیا۔ پھر ایک مجلس منعقد کی جس میں عمائد و امرائے کم، مگر علماء اور سربرآوردہ شہری شریک ہوئے۔ غازی الدین خاں نے زوردار تقریر کی[۱] احمد شاہ کی نالائقی، بدکرداری پر گواہی دلوائی۔ علماء سے فتویٰ لیا کہ یہ نابکار فرمانروا معزولی کے قابل ہے۔ یہ اسلامی حکم لے کر غالباً غیر مسلم حلیفوں کے ذریعے احمد شاہ کو محبوس و مقید کیا۔ اس کی اور اس کی شوخ دیدہ ماں دونوں کی، دونوں آنکھیں نکلوا دیں۔

---

[۱] افسوس ہے پوری تقریر کسی تاریخ یا تذکرے میں ہمیں نہیں مل سکی۔ حاضرینِ جلسہ کی تعداد بھی پچاس ساٹھ سے زیادہ نہ تھی۔ غازی الدین کی خوش بیانی۔ غیر معمولی ذہانت اور علمی قابلیت کا سب معاندین اعتراف کرتے ہیں۔ ایسے اوصاف اور اونچے مرتبے کا آدمی تخریب میں ساعی ہو تو ظاہر ہے کہ کیا کچھ نقصان نہ پہنچائے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چلا اور

بن جہاندار شاہ) کو عالمگیر ثانی کے لقب سے اپنے لاثانی

(۱۱۶۷ھ م ۱۷۵۴ء)

سین الملک والئ پنجاب کا انتقال ہوا۔ وہ چار سال تک ابدالیوں کو اپنی قوت و شجاعت سے روکے رہا تھا۔ آخر میں مجبور ہو کر اطاعت قبول کی تو بھی عزت و حکومت بحال رہی تھی۔ اب اس کی بیوہ اور نابالغ بیٹے کے نام صوبیداری کی سند احمد شاہ ابدالی نے بھجوائی۔ یہ اس حقیقت کا باضابطہ اعلان تھا کہ پنجاب کا دہلی سے تعلق ٹوٹ گیا۔

اسی طرح صفدر جنگ کو وزارت کی لاگ دارالسلطنت کی طرف لگا لگا کے لاتی تھی، وہ اسی سال مرا اور شجاع الدولہ اس کا وارث ہوا تو اودھ، بلکہ آگے کے مشرقی صوبے مرکز سے منقطع ہو گئے۔ دکن پہلے ہی بہت دور تھا۔ وہاں کے مرہٹے نہ صرف آزادی کا دم بھرتے تھے، بلکہ اب خود شمالی ہند پر حملے کرتے تھے۔ دہلی کے شمال مشرق میں رہیلے سردار کسی سرکار دربار کے قابو میں نہ تھے۔ جانب جنوب جاٹ زمیندار راجگی کے دعویدار بنے۔ جس طرح ممالک دکن میں وہاں کے مسلمان بادشاہوں نے مرہٹوں سے ہل چھڑوا کر تلوار چلانی سکھائی تھی، جاٹوں کو امرائے دہلی کی اندھی رقابت نے سپہ گری، سرکشی کے راستے دکھائے جب حکومت کا وارث کوئی نہ رہا تو دربان اور جاٹ کسان اس کے مالک بن گئے۔ اکبر آباد کے محلوں میں گائے بھینس باندھنے اور فرش مرمر پہ گوبر لیپنے لگے۔

احمد شاہ ابدالی:

غازی الدین کو ملک و مال آسانی سے ملنے کی ایک صورت یہ نظر آئی کہ ہرات کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چیلے سے پنجاب پر فوج لے کر چلا۔ معین الملک مرحوم کی ایک لڑکی سے اس کی نسبت قرار پا چکی تھی، اب اس کی ماں سے عقد و رخصت کا مطالبہ کیا۔ اس غریب نے بڑے ساز و سامان کے ساتھ بیٹی کو جالندھر بھیج دیا کہ چالاک دست داماد آگے قدم نہ بڑھائے۔ داماد نے یکایک ایک دستہ فوج بھیج کر ساس کو سوتے میں پکڑوا بلایا اور پنجاب کی صوبیداری اپنے گرگے آدینہ بیگ خاں کے نام لکھ دی۔

دغا کی بازی کھیلنے میں غازی الدین بہت بے باک شاطر تھا، لیکن تلوار کے سامنے ایسی چالیں نہیں چل سکتیں۔ احمد شاہ ابدالی کو دہلی میں طوفانِ بے تمیزی بپا ہونے کی خبریں ملیں تو سیلاب کی طرح اٹک سے پار ہوا اور قابوچی کمینوں کو خس کی طرح بہاتا ہوا جمنا تک پہنچ گیا۔ یہ وہ افغانی سردار ہے جس کے اقبال کا ستارہ فراست نے چمکایا اور سپہ سالاری کو فنِ حرب کی مہارت نے چار چاند لگائے۔ بعض انگریز مصنف یورپ کے ہمعصر جرنیلوں کی صف میں احمد شاہ کو لاتے اور اس کا قد نکلتا ہوا دکھاتے ہیں[1] سب سے بڑھ کر ناموری کا سبب یہ کہ موجودہ دولتِ افغانستان کا نقشہ اسی نے تیار کیا اور دنیا کی تاریخ اور جغرافیے میں پہلی مرتبہ افاغنہ کی آزاد وطنی بادشاہی کا نام ثبت کرا دیا۔

ابتدا میں ابدالی (یا دُرّانی) قبائل نے اپنے ہمسایہ غلزئیوں کی مخالفت میں نادر شاہ کی رفاقت کی اور صلے میں ان اضلاع کی عمل داری حاصل کی تھی۔ ۱۱۶۰ھ میں نادر شاہ اندرونی سازشوں کی بھینٹ چڑھا۔ ایران کے جنوب مشرقی صوبے ڈالیوں کے پکے پھل کی طرح ابدالیوں کی جھولی میں گر رہے۔ ان کی سب سے بڑی برادری سدوزئی اور اس کا سرگروہ احمد خاں تھا۔ قندھار میں، جس کے لیے بار بار ایرانی خون کی

---

[1] دیکھو کین اور سٹنی اووان کی تاریخیں زوالِ سلطنتِ مغلیہ پر۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دھاریں بھی تھیں، اس کی تخت نشینی کی رسم ادا ہوئی۔ شمال میں بلخ اور دوسری طرف کشمیر و سندھ تک مقامی حکام نے احمد شاہ ابدالی کا خطبہ پڑھوایا۔ یہ دولتِ خداداد اور عظیم قوت ہاتھ آئی تو ابدالیوں نے پنجاب پر بس نہیں کیا، بلکہ دہلی تک نادر شاہی اقدام کی تجدید کرنی چاہی۔ ان حرص کے دعاوی کو مغلیہ دربار کی بدنامی، تحریک دیتی تھی۔ احمد شاہ کی فوج پانچوں ندیاں اُتر آئی تھی۔ جب کہ سرہند پر اسے مغلوں نے شکست دی جس کا حال اوپر ہماری نظر سے گزر چکا ہے۔ معین الملک جب تک زندہ تھا، پنجاب افغانوں کی دست بُرد سے بچا رہا اور احمد شاہ کی مروّت و مصلحت اندیشی سے مستفید ہوا۔ مرحوم صوبیدار کی بیوہ کو اُس نے منہ بولی بیٹی بنایا اور اس کا نابالغ لڑکا مرا تو پھر بھی ولایتِ پنجاب کی سند اسی خاتون کو عطا کر دی تھی۔ اب جو اس کی گرفتاری اور غازی الدین کی عیاری سنی تو پھر افغان بادشاہ نہ رک سکا۔ ایک بڑے لشکر سے دہلی پر فوج کشی کی۔ ادینہ بیگ تو اس کی آمد کی دھمک سن کر ہی دُم ہو گیا۔ پہاڑیوں میں چھپ کر جان بچائی۔ خود غازی الدین خاں نام کا غازی تھا مطلب کے دوستوں نے برے وقت میں آنکھیں پھیر لیں۔ کوئی پناہ دینے کا روادار نہ ہوا۔ ناچار اسی خوش دامن کا آنچل تھاما جس کی ردائے حکومت کھسوٹ کر لایا اور یہ خوف ناک طوفان بپا کرایا تھا۔ بڑی خوشامد درآمد سے خطا بخشوائی۔ آئندہ اطاعت کے قول قرار کیے۔ غرض وزیر و شاہ کی جان اور برائے نام منصب بچ گئے، لیکن لاوارثی دہلی کی دولت کو بھوکے افغانی نہ چھوڑ سکتے تھے۔ کامل اطمینان سے دو مہینے تک شہر کو لوٹا۔ خانہ تلاشی بلکہ جامہ تلاشی میں بھی کوئی رو رعایت جائز نہ رکھی۔ بڑے بڑے امیروں کو محتاج فقیر بنا دیا۔ عمائدِ شہر کی وہ دہ خواریاں، دل آزاریاں ہوئیں کہ بعض شریف خودکشی کر کے مر گئے۔ بہت سے منہ دکھانے کے قابل نہ رہے اور وطنِ عزیز کی سکونت چھوڑ کر جدھر سینگ سمائے، نکل گئے۔ یہ بربادی اور خانہ خرابی وسط سن ۱۱۷۰ھ (مطابق ۱۷۵۷ء) کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واقعات ہیں۔ یہی وہ منحوس سال ہے جب تقدیر کی سازش اور فریب کی تدبیر سے انگریزوں نے پلاسی کا معرکہ جیتا اور بنگالے میں اپنے قدم جما لیے۔

مرہٹوں کی دخل اندازی:

احمد شاہ ابدالی نے شجاع الدولہ والیٔ اودھ کو بھی ڈرایا دھمکایا، قدامت کے حقوق اور وقت کی مصلحت کے واسطے دے کر بادشاہ دہلی کی وفاداری کا اقرار لیا۔ دوسری طرف غازی الدین کو قابو میں رکھنے کے لیے روہیلہ سردار نجیب الدولہ خاں کو بادشاہ کا محافظ اور امیر الامرا، یعنی وزیر جنگ مقرر کیا۔ واپسی میں صوبہ پنجاب کی حکومت اپنے بیٹے تیمور کے تفویض کی کہ آدینہ بیگ کو سر نکالنے نہ دے جو اُن دنوں جنگلی سکھوں میں بندا بیراگی کی طرح پھر شورش کی آگ بھڑکا رہا تھا۔

ابدالی کے انتظام سب اچھے اور حکومت دہلی کی بہتری کے لیے تھے، لیکن غازی الدین حکمرانی کا دیوانہ تھا۔ اسے بادشاہ کی مداخلت گوارا نہ تھی۔ کسی امیر وزیر کی شرکت کیا برداشت کرتا۔ ایک مری ہوئی سلطنت اور لٹی ہوئی دولت کی طمع میں سازش و آویزش کیے گیا۔ اس تخریبی کام میں مرہٹے اُس کے بہترین حلیف ثابت ہوئے۔

ہم ان کے از سر نو اٹھنے اور قوت پکڑنے کا حال ایک اگلے باب میں یک جا مطالعہ کریں گے۔ یہاں یہ لکھنا کافی ہے کہ نظام الملک آصف جاہ اوّل کے بعد، مغربی ہند، شمالی دکن اور مالوے میں انہی کا حکم چلنے لگا تھا۔ اندور و گوالیار میں دہلی سے دو ہفتے کی راہ پر ان کے دو طاقت ور مرکز قائم ہو گئے تھے۔ لوٹ مار کی لاگ فوجی بھرتی کا "لاسا" تھی جو انتشار و بدنظمی کے دور میں ہزاروں بے سر سپاہیوں کو ان کے دامِ اطاعت میں پھنسا لاتا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہی دنوں شجاع الدولہ نے رُہیلوں کی کمک سے مرہٹوں کو دوآب سے مار بھگایا تھا جب کہ موقع شناس غازی الدین خاں نے انہیں پنجاب کی طرف لپکایا اور آدینہ بیگ کی رہنمائی میں یہ گھار پہلی دفعہ ستلج پار کے میدانوں میں داخل ہوئی۔ ان کے بے تعداد لشکر کی آمد سُن کر تیمور پنجاب چھوڑ کر ہٹ گیا۔ آدینہ بیگ کو قضا نے چھٹی نہ دی۔ حملہ آوروں نے ایک مرہٹہ سردار کو لاہور کا صوبیدار مقرر کیا اور دہلی پر پلٹ پڑے (۱۱۷۲ھ ۱۷۵۹ء) نجیب الدولہ اس بیرونی یورش اور اندرونی سازش کی تاب نہ لایا۔ دہلی سے دست بردار ہوگیا۔ بادشاہ (عالم گیر ثانی) کو دھوکے سے فیروز شاہ کے کوٹلے میں بلوا کر غازی الدین خاں نے قتل کرادیا۔ لاش جمنا کی ریتی پر سارے دن بے گور وکفن پڑی رہی۔ رات کے اندھیرے میں چند شہزادوں نے ڈرتے ڈرتے اٹھوایا اور اُس رفیع الشان مقبرے کے ایک کونے میں گڑوا دیا جہاں خاندان مغلیہ کا ایک مورثِ اعلیٰ (ہمایوں) خوابیدہ ہے۔

مقتول کا فرزند شہزادہ عالی گہر پہلے ہی لڑ بھڑ کر غازی الدین کے پنجے سے نکل گیا تھا۔ وہ شجاع الدولہ کی تائید اور بعض ہمت والوں کی رفاقت سے بہار پہنچا اور بنگالے میں قسمت آزمائی کے منصوبے باندھ رہا تھا کہ باپ کے قتل کی خبر عظیم آباد کے قریب ملی۔ وہیں اس کی بے ملک و مال تخت نشینی کی نوبت بجوائی گئی۔ (۱۱۷۳ھ)

پانی پت کی تیسری لڑائی:

کئی حکومتوں، ریاستوں کی درخواستیں، صدہا مظلوموں کی عرضیاں احمد شاہ ابدالی کے پاس پہنچ چکی تھیں۔ پنجاب سے افغانیوں کی پسپائی نے اس کے غیظ وغضب کا پارہ اور چڑھا دیا۔ تیسری مرتبہ پھر غزنوی سنت یاد کی۔ تازہ دم، چیدہ لشکر لے کر پاکستان میں داخل ہوا۔ مرہٹے جس آسانی سے قابض ہوئے تھے اُسی سبک پائی سے پنجاب چھوڑ کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

04802

پیچھے ہٹے اور سرہند میں پڑاؤ لگایا، مگر افغانی ہراول کی پہلی ٹکر سے گھبرا کر بھاگے اور دہلی پہنچ کر دم لیا، البتہ راستے کی رہی سہی آبادیوں کو برباد و خراب کرتے گئے تھے کہ افغانی فوج کو رسد ملنی مشکل ہو جائے۔

احمد شاہ ابدالی نے خود سیدھا راستہ اختیار نہ کیا۔ بالائی جمنا سے سہارن پور کے ضلعے میں اترا۔ وہیں نجیب الدولہ سے ملاقات کی۔ پھر یکا یک دوبارہ جمنا اتر کر دہلی پر جا گرا۔ اس یورش نے تیز پا مرہٹوں کو بھاگنے کی بھی مہلت نہ دی اور ان کے ہزاروں آدمی مارے گئے۔ غازی الدین پہلے ہی بھرت پور کے جاٹوں میں جا چھپا تھا۔ ابدالیوں نے لاوارثی دہلی میں تھوڑی سی فوج تعینات کی اور پورا لشکر دوآب میں ہٹا لائے جہاں رسد رسانی اور شجاع الدولہ سے رسل رسائل میں آسانی تھی۔

دکن میں ان دنوں مرہٹوں کے تیسرے پیشوا بالاجی کا ستارہ اوج کمال پر تھا۔ ناگ پور، بڑودہ، اندور، گوالیار کے چاروں مرہٹہ رئیس کہ بجائے خود صاحبانِ ملک و لشکر تھے اس کے زیر فرماں آ گئے تھے۔ حکومت پونا کو وہ اقتدار حاصل تھا جو نہ کبھی پہلے میسر آیا نہ کبھی آئندہ نصیب ہوا۔ عروج کا سب سے اونچا زینہ ادگیر کی فتح تھی جس میں نظام وقت (صلابت جنگ) نے سخت شکست کھائی اور بیجا پور و دولت آباد تک کے اضلاع مرہٹوں کے حوالے کرنے پر مجبور ہوا (۱۱۷۳ھ م ۱۷۶۰ء)۔

اس کامیابی کی پونا میں خوشیاں منائی جا رہی تھیں جب کہ احمد شاہ ابدالی کی آمد اور پے در پے مرہٹوں کی ہزیمت کی خبریں پہنچیں۔ دہلی میں جو مار لگی اس نے مار دم بریدہ کی طرح انہیں بے تاب کر دیا۔ ایک زبردست لشکر جس میں لڑنے والوں کا شمار کم سے کم ایک لاکھ اور بھیر و بنگاہ کے ساتھ، قریب قریب تین لاکھ بتایا گیا ہے، مغربی گھاٹ سے امنڈتا ہوا چلا اور جنوبی راجپوتانے کو پامال کرتا دہلی پہنچ گیا۔ پیشوا کا نوجوان بیٹا وسواس راؤ اس فوجی اجتماع کا سرلشکر اور اس کا چچا (سدا شیو راؤ، بھاؤ) اصلی منتظم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا جس کی سپہ سالاری کے دکن بھر میں ڈنکے بج گئے تھے۔ [1]

دہلی سے ابدالی فوج ہٹ گئی اور حکم کے مطابق کنج پورہ (کرنال) میں اپنی دوسری جنگی چوکی سے جا ملی۔ شہر پر جہاں پہلے ہی ویرانی کی حکمرانی تھی مرہٹوں کا قبضہ ہو گیا۔ سداشیو بھتیجے کو ہاتھی پر بٹھا کر فاتحانہ شان شوکت سے شاہی قلعے میں لایا اور بعض راویوں کا بیان ہے کہ اسی کی بادشاہی کا نقارہ بجوانے کا قصد کیا۔ لوگوں نے سمجھایا کہ اصلی حریف سے لڑائی باقی ہے، اس کا خاتمہ کر لیجیے تو پھر آپ کا دعویٰ تسلیم کرنے میں کسی کو انکار کی مجال نہ رہے گی۔ بھاؤ نے لشکر کو کرنال کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ وہ ابھی چند منزلیں ہی گیا تھا کہ یکایک افغانیوں کے چڑھی ہوئی جمنا کو باغ پت کے سامنے سے پار کرنے کی خبر ملی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ رہیلوں کے علاوہ شجاع الدولہ کا لشکر ابدالیوں کے ساتھ نہیں تو پیچھے پیچھے ضرور آ رہا ہے۔ مرہٹے گھبرا گئے۔ بڑھ کر دریا پر روکنے، لڑ پڑنے کی بجائے پانی پت کی شہر پناہ کا سہارا لیا۔ پورے لشکر گاہ اور قصبے کے گرد ایک گہری اور بیس گز چوڑی خندق کھود کر مورچہ بند کیا۔ اس کے چاروں طرف فرنگی ساخت کی توپیں لگا دی گئیں۔ یہ اُن توپوں سے جو سوا دو صدی پہلے بابر خود ڈھال کر لایا اور انہی میدانوں میں ابراہیم لودھی کے لشکر پر گرجیں برسیں، کہیں زیادہ تیز کار، دور کار تھیں۔ اتفاق سے اب کے اس توپ خانے اور ایک تربیت یافتہ پیادہ فوج کا سپہ سالار بھی ابراہیم گاردی نامی تھا جس نے فرانسیسی ماہروں سے فنِ حرب اور نئے قواعد جنگ کی تعلیم پائی اور صرف تنخواہ کی خاطر مسلمان بھائیوں پر گولے برسانے مرہٹوں کے ساتھ آیا تھا۔ اُس نے بڑی

---

[1] بھاؤ، بالاجی پیشوا کا چچیرا بھائی تھا۔ زیرِ نظر عہد میں جب پیشوا نے ڈھلتی عمر کو چڑھتی جوانی کے مشاغل کے وقف کر دیا تو سارے اختیارات اسی بھاؤ کے ہاتھ میں آ گئے تھے۔ (اوکس ہس صـ ۴۶۱، گرانٹ ڈف ۲)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مستعدی، نمک حلالی سے یہ خدمت انجام اور اسی میدان میں اپنی جان دی۔

اُن کے مقابلے میں سات آٹھ میل کے فاصلے پر احمد شاہ نے پڑاؤ ڈالا۔ درخت کاٹ کاٹ کر صرف ایک باڑ سامنے لگادی گئی۔ ڈیروں کی قطار میں سب سے آگے خود شاہ کا سُرخ رنگ خیمہ نصب کیا گیا جو دور دور سے نمایاں نظر آتا تھا۔ مرہٹوں کی ایک فوج دریا کے پار لوٹ مار کرنے، رسد روکنے کے لیے آئی تھی، لیکن ایک نیم مسلح افغانی دستہ چوروں پر موربن کر گرا اور بھلگتے بھاگتے بھی صدہا مرہٹے مارے گئے۔ یہ چھوٹا سا معرکہ بھاؤ کے حق میں مصیبت کا پہاڑ ثابت ہوا۔ دشمن کی سربراہی کے راستے کھل گئے، مرہٹوں کے عظیم لشکر میں اجناس کا توڑا پڑ گیا۔ خندق اور مورچے خود اُن کے واسطے قید خانے کا حصار بن گئے۔ شجاع الدولہ کے ذریعے صلح کی سلسلہ جنبانی کی۔ سرہند تک تمام علاقہ افغانوں کے حوالے کرنے پر تیار ہوئے۔ درّانی اس مفت کرم داشتن کو کہاں مانتا تھا۔ شجاع الدولہ کو کہلا بھیجا تم ہندی لوگ آپس میں جو چاہو مول تول کرو، لڑائی کا بیوپار کرنا میں جانتا ہوں، اُس کا چُکتا میری تلوار سے ہوگا۔

جب لشکر میں رسد کی کمی اور گندگی کی بیشی برداشت سے باہر ہوگئی اور چُھپ کر نکل جانے کا راستہ نہ رہا تو مجبور ہو کر بھاؤ نے ایک ہی پلڑے میں ساری طاقت رکھ دی۔ مرہٹہ لشکر کا مورچوں سے نکلنا سُن کر درّانی بادشاہ نے صفیں آراستہ کیں اور شروع میں صرف غنیم کا پرجوش ریلا روکتا رہا۔ یہ بوجھ زیادہ تر دائیں بازو پر پڑا جہاں رُہیلہ حلیف بڑی جانبازی سے لڑے۔ شجاع الدولہ کی فوج میسرے میں تھی۔ اس نے عملاً کوئی حصہ نہ مدافعت میں لیا نہ حملہ کرنے میں افغانیوں کا ساتھ دیا، لیکن مرہٹے اپنے زور میں خود ہی اس قدر آگے نکل آئے تھے کہ ان کا دایاں بازو درّانیوں کی زد میں آگیا اور چند پے درپے ضربوں نے اس کے حواس بگاڑ دیئے۔ دوپہر کا سورج ڈھلتے ڈھلتے بھاؤ کی مردِ مزاجی کافور ہوگئی۔ دو تفنگیوں میں ابراہیم گاردی کی قواعد دانی کا بھرم کھل گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وسواس راؤ زخمی ہو کر گرا، تو ساری فوج ہی پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ میلوں تک افغانی سوار ان کا پیچھا کرتے اور قید و قتل کرتے رہے۔ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کا دیہاتیوں نے شکار کیا۔ مشہور ہے کہ ہوسِ سلطنت کی اسی ایک بازی میں کوئی دو لاکھ مرہٹہ سپاہیوں اور ساتھیوں نے جان ہار دی۔ پانی پت کی یہ تیسری جنگ جمادی الثانی ۱۱۷۴ھ م جنوری ۱۷۶۱ء) میں واقع ہوئی [۱]

مرکزِ سلطنت کی بربادی:

پانی پت کا خونریز معرکہ پہلی دو لڑائیوں سے جو تاریخ میں اسی کے نام سے منسوب ہیں، نقصانِ جان میں زیادہ خونریز اور نتائج کے اعتبار سے زیادہ انقلاب انگیز ثابت ہوا۔ اکثر انگریز مؤرخ اسے اپنی قوم کے آئندہ بابِ کشورستانی کا مقدمہ قرار دیتے ہیں۔ اور کوئی شک نہیں کہ پھر اہلِ ہند سارے ہندوستان میں اپنی مرکزی حکومت آج تک نہ قائم کر سکے۔ مرہٹوں کے جتھے کا اس جنگ نے بندھن توڑ دیا۔ پونا کے پیشوا کی امامت ختم کر دی۔ بعض مسلمان اہلِ تصنیف نے اسے شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے خواب کی تعبیر بتایا ہے کہ مشرکین کے غلبے سے مسلمانوں کو نجات حاصل ہوئی، مگر کسی قوم کی سیاسی تنظیم کو دین و دانش کا معیار سمجھا جائے تو درانی فتح کے بعد بھی اسلامی ہند میں بہتری کے آثار نمودار نہیں ہوئے۔ ایک خیال شائع ہوا تھا کہ افغان بادشاہ مغلوں کے تخت کا وارث اور ایک تازہ دم خاندان کا مورث بن جائے گا، لیکن احمد شاہ کو ایسا میلان تھا بھی تو اس کی فوجوں نے گردن کشی کی اور خاصا ہنگامہ بپا کر دیا۔ غور و ہرات کے یہ جفاکش

---

[۱] مصرع "شاہِ درانی نمودہ باز فتح" مادہ تاریخ ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنگ آزما ہندوستان میں ایک ہی سال کی کڑی گرمی اور بڑی برسات آزما کر باز دعویٰ رکھنے پر تُل گئے۔ دُرّانی بادشاہ کو خواہی نخواہی ملک خدا کے حوالے کر کے واپس جانا پڑا۔ صرف کشمیر و پنجاب اور سندھ کے صوبوں کا اپنی سلطنت سے الحاق کیا۔ تختِ دہلی پر مقتول بادشاہ کے بیٹے عالی گہر کا حق تسلیم کیا۔ جو تاریخ میں شاہ عالم ثانی کے لقب سے مشہور ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اس اعلان کے وقت وہ بہار میں تھا۔ پایۂ تخت شاہ جہان آباد پر خزاں چھائی ہوئی تھی۔ شہر پناہ کے باہر، بلیسیوں محلّے، مضافات کی بستیاں کہ نجف گڑھ، مہرولی اور فرید آباد تک بسی ہوئی تھیں، قریب قریب ویران، چرخ و شغال کے مسکن بن گئیں یا گوجر، جاٹ، میو، جوان پر ڈاکے ڈالتے تھے، وہاں آ رہے۔ نادر گردی، ابدالیوں کی تاراجی، جاٹوں، مرہٹوں کی بار بار غارت گری میں ہزاروں شہری، دوسری دنیا میں، اور ان سے کہیں زیادہ پردیسوں میں جا بسے۔ ایک گروہ کثیر بھاگ کر میوات کے پار موضع کاماں میں سرکیاں ڈالے پڑا رہا۔ جب نجف خاں نے رُہیلوں کو ہٹا کر بادشاہ کی طرف سے اپنا عمل دخل قائم کیا تب یہ خانہ خراب دوبارہ اپنے گھروں میں آ بسے۔ انہی صدمات سے دہلی کی مسلمان آبادی میں کمی آتی رہی اور اسلامی تہذیب کا یہ عظیم قُبّہ جگہ جگہ سے شق ہونے لگا۔ ان بوسیدہ و فرسودہ آثار پر آیندہ ایک صدی تک انگریزوں کی کُدال بجی۔ پاکستان و بھارت کا یہ سب سے بزرگ مرکز بگڑتا اور مٹتا چلا گیا اور ملّی نقطۂ نظر سے اُس کے ضعف و زوال کا عمل ابھی تک جاری ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاہ عالم ثانی :

میر تقی میرؔ اپنے تذکرے "ذکرِ میرؔ" میں شاہ عالم ثانی کی بادشاہی کو محض "تہمت" قرار دیتے ہیں۔ دوسرے معاصرین بدنامی کی سیاہی سے، اور بعد کے انگریز حقارت کے ڈنک سے اس کے حالات لکھتے ہیں۔ یہ مثل کسی سابق بادشاہ کے لیے بنی تھی کہ "بادشاہی شاہ عالم؛ از دہلی تا پالم" وہ اس مغل بادشاہ پر چسپاں کر دی گئی، لیکن سر و سامان کی کمی اور زور و زر کی نایابی کے باوصف، وہ بابر و اکبر کے نام و نسب کا وارث تھا۔ موجودہ پاکستان (مغربی) کو چھوڑ کر بھارت کے اکثر ممالک میں اسی کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ جنوبی ہند کے اقطاعِ مدت سے مغل حکومت کی دسترس سے دور و بیروں ہو گئے تھے، مگر وہاں بھی کسی رئیس و راجا کو ہمت نہ پڑی کہ علانیہ اپنی خود مختاری کا نقارہ بجائے۔[1] حکم چلے نہ چلے ملک بھر میں سکہ وہی چلتا تھا جس پر یہ شعر کندہ ہو کہ ؎

حامیٔ دینِ محمدؐ باشد از فضلِ اللہ
بادشاہِ ہفت کشور شاہ عالم بادشاہ[2]

---

[1] مہاد اجی سندھیا کا فرانسیسی سپہ سالار دبوئنی یہ لکھ کر تعجب کرتا ہے کہ شاہ عالم ثانی جیسے بے اقتدار بادشاہ کا اتنا رعب جنوبی ہندوستان میں باقی تھا۔ دیکھو کین کی کتاب "سندھیا" ص۹۱

[2] وِلسنڈ اسمتھ نے "لارڈ" کلائیو کے مقابلے میں شاہ عالم ثانی کا ذکر اہانت آمیز الفاظ میں کیا ہے جیسا کہ ادنیٰ اقا لوچیوں کا دستور ہے۔ اُس رقم کو جو دیوانی بنگال

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحے پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہلِ ہند کی شاہ پرستی، قدامت شناسی معروف و مشہور ہے۔ ملک میں سرفروش سپاہی اور کاروان سرداروں کی بھی کمی نہ تھی، مگر گرتی عمارت کو اٹھانے اور بگڑتی تقدیر کو بنانے کے لیے جس قوت و تدبیر کی ضرورت ہے وہ اس موروثی بادشاہ کے حصے میں نہ آئی تھی۔ اُسی پر تیمور کے بزرگ خانوادے کی حکومت کا، اور خود آئینِ بادشاہی کا ہندستان میں خاتمہ ہوا۔ اسی سے تاریخ ایک قیمتی نصیحت حاصل کرتی ہے۔ وہ یہ کہ رعایا کتنی ہی مسکین و مطیع کیوں نہ ہو، اُس کی خودداری اربابِ حکومت سے امتیازی اوصاف کا مطالبہ کرتی ہے اور جن میں یہ اوصاف نہ ہوں ان کی طرف سے قدیمی پرستاروں کے ایمان بگڑ جاتے ہیں۔ اقتدار کا سنگھاسن چھِن جاتا ہے۔ اسی مصلحت سے ہم نے شاہ عالم کی آوارگی میں اس کا ساتھ دینا اور حیاتِ رائیگاں کے سوانح پڑھنا گوارا کیا۔

۱۱۷۱ھ میں جب احمد شاہ ابدالی پہلی مرتبہ دہلی کو لوٹ کر واپس ہوا اور عماد الملک نے مرہٹوں کی مدد سے نجیب الدولہ کا شہر میں ٹکنا دوبھر کر دیا، تو بادشاہ (عالم گیر ثانی) کے اشارے سے شہزادہ ولی عہد عالی گوہر پایۂ تخت سے باہر نکلا کہ عماد بدنہاد

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

کا معاوضہ قرار پائی تھی، وظیفہ یا سالیانہ (= اینوائٹ) بتایا ہے۔ ایک اور صریح غلط بیانی یہ ہے کہ کوڑا اور الٰہ آباد کے اضلاع انگریز سوداگروں نے شاہ عالم کو دلوائے تھے۔ (ص ۵۰) انگریزی کی دوسری درسی تاریخوں میں اسی قسم کی شیخیاں ہانکی گئی ہیں جن سے تاریخ کی صورت بگڑ جاتی ہے۔ بایں ہمہ انہیں یہ ماننا پڑا کہ کمپنی بہادر سکہ شاہ عالم ہی کا چلاتی رہی اور اس کے بعد بھی ایک زمانے تک انگریز گورنر جنرل نام نہاد مغل بادشاہ کو نذریں گزرانتے رہے (ادکس ہس ص ۶۴۲)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے نیچے دبنے سے بچ جائے اور ہو سکے تو ایسی فوجی قوت بہم پہنچائے کہ اس موذی وزیر کے پنجے سے بدنصیب باپ کو رہائی نصیب ہو۔ چوکنے عماد الملک سے یہ ارادے چھپے نہ رہے۔ اس نے شہزادے کو گھیر کر گرفتار کرنے کا انتظام کیا۔ عالی گہر نے سر ہتھیلی پر رکھا، محصور حویلی کی دیوار توڑ کر جمنا میں کشتی ڈال دی۔ چند رفیق تلوار کے گھاٹ، مگر وہ لڑتا بھڑتا دریا کے پار اُتر گیا۔ سہارن پور میں نجیب الدولہ نے کئی مہینے مہمانی کی، لیکن مرہٹوں کے لشکر دہلی اور دوآب کے کناروں تک اُمنڈ آئے تھے، ان کے بہاؤ کے رخ چڑھنا مشکل نظر آیا۔ اسی سال "فریبی" فرنگیوں نے صوبیدارِ بنگال کو قتل کرایا اور میر جعفر کو غاصبانہ قبضہ دلایا تھا، لہذا رائے ہوئی کہ اگر شہزادہ بنگال پہنچ جائے تو ان غداروں کو مزاحمت کی مجال نہ ہوگی اور وہاں کی دولت اور آبادی کی کثرت ایک بڑی فوج فراہم کرنے کی کفیل ہو جائے گی۔

شہزادہ اودھ آیا تو شجاع الدولہ نے بڑھ کر استقبال کیا۔ ایک سو ایک اشرفی نذر گزرانی۔ نقد و جواہر کے علاوہ ہاتھی، گھوڑے، اسلحہ اور باربرداری کے چھکڑے پیش کیے۔ یہ بھی یقین دلایا کہ کمک لے کر بنگالے میں حاضر ہوں گا۔[1] ہم عصر مورخ ان دنوں

---

[1] "سیر المتاخرین" جلد سوم۔ مصنف کا باپ دہلی سے شہزادے کے ہمراہ چلا اور اس کا خاص مشیر تھا۔ بنگالے میں خود وہ موجود اور وہاں کی سرکار میں روشناس تھا۔ ان اوراق کے لکھنے میں زیادہ تر اسی کتاب (جلد دوم، احوالِ بنگالہ اور جلد سوم) سے مدد لی گئی ہے۔ مصنف (غلام حسین طباطبا) انگریزوں کا طرفدار، بلکہ مخبر بتایا جاتا ہے۔ اور شاہ عالم وغیرہ اکابرِ ہند کا حقارت سے تذکرہ کرتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو حیلہ سازی بتاتا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ شہزادہ اودھ سے ٹلے اور الٰہ آباد کے حاکم محمد قلی خاں کو ساتھ لے کر بہار و بنگال چلا جائے۔ محمد قلی شجاع الدولہ کا عم زاد بھائی اور جاہ جُو، تند خُو سردار تھا۔ والیٔ اودھ اسے کچھ خوف کچھ مروّت سے قابو میں رکھ سکتا تھا۔ لہٰذا بڑھا دے دے کر بنگالے پر چڑھایا۔ چند دستے فوج بھی ہمراہ کر دی۔ محمد قلی خاں نے دو بڑی توپیں الٰہ آباد کے قلعے سے اُتار کر ساتھ لیں۔ اوائل ۱۱۷۳ھ م ۱۷۵۹ء میں یہ لشکر بنارس سے گزر کر سرحد بہار میں داخل ہو گیا۔ اس کی تعداد و استعداد کچھ زیادہ نہ تھی، مگر نام رستم، بہ از رستم۔ "ولی عہدِ سلطنت" کی آمد آمد نے بہار و بنگال میں خاصا تلاطم ڈال دیا تھا۔

راجا رام نراین نائب صوبیدار عظیم آباد نے مرشد آباد اور کلکتہ کی طرف ہرکاروں کی ڈاک بٹھا دی۔ انگریز ریذی ڈنٹ بھی خط پر خط لکھ رہا تھا، لیکن بہادرانِ انگریز نے بہ راہِ راست جنگ آزمائی سے اکثر جان چُرائی ہے۔ نوساختہ نواب میر جعفر پر تقاضے کے کوڑے پھٹکارتے تھے۔ مدد آنے میں دیر ہوئی۔ رام نراین گھبرا گیا۔ ہاتھ باندھ کر شہزادے کے لشکر میں حاضر ہوا[1] اطاعت و رفاقت کا اقرار کیا، مگر ساز و سامان کا اندازہ کر کے پلٹا تو اپنے قلعے کی مورچہ بندی اور مضبوطی کی اور محمد قلی خاں کی پیش قدمی کا توپ و تفنگ سے جواب دیا۔ ان سے بھی زیادہ کارگر ضرب یہ پڑی کہ ایک طرف میر جعفر کے بیٹے میرن کے فوج لانے کی خبریں آئیں، دوسری طرف سنا کہ شجاع الدولہ نے الٰہ آباد پر ہاتھ مارا۔ قلی خاں کے عمّال کو نکال باہر کیا۔ پھر بہتیرا لوگوں نے سمجھایا، قلی خاں عظیم آباد میں نہ ٹھیرا اور اس کے ہٹنے سے شہزادے کو بھی پسپا ہونا پڑا۔

---

[1] "سیر المتاخرین" میں لکھا ہے کہ رام نراین شہزادے کے حضور میں باریاب ہوا تو دربار کا رعب داب دیکھ کر چہرہ فق ہو گیا، دیر تک حواس درست نہ ہو سکے۔

(۲۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنگالے کے بادشاہ کی واپسی بے بسی اور موت :

محمد قلی خاں کی ہول دلی اور بے وفائی پہلے اسی کی رسوائی اور نقصان کا موجب ہوئی۔ خیمہ و خرگاہ تک سرکش زمینداروں نے لوٹ لیے اور الٰہ آباد پہنچا تو شجاع الدولہ کے حکم سے قید کر لیا گیا، مگر اب شہزادے کی مدد کے لیے خود بنگالے کے کئی امیر و سردار تیار ہوئے۔ ان میں کام گار خاں سب سے ممتاز ہے کہ میرن کی بدسلوکی سے بگڑ کر خالی گھر کے پاس آیا اور اسے دوبارہ عظیم آباد پر چڑھا لایا۔

اسی سفر میں شہزادے کو باپ کے دلی میں مارے جانے کی خبر ملی اور کھٹولی کے پڑاؤ پر رسم تخت نشینی ادا ہوئی (۱۱۷۳ھ) چند روز بعد ہی ایک تیز و تند معرکے میں کام گار خاں نے رام نرائن اور اس کے حلیف انگریزوں کو شکست دی۔ پھر بھی قلعۂ عظیم آباد پر قبضہ نہ ہو سکا۔ میرن بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ دوبارہ مرشد آباد سے آ گیا۔ کام گار خاں نے چکر دے کر خاص مرشد آباد پر فوج کشی کی اور پھر عظیم آباد پلٹ آیا تھا، لیکن معلوم ہوتا ہے نیا مغل بادشاہ (شاہ عالم) مسلسل جنگ آزمائی سے تھک گیا۔ ادھر انگریزوں کو سخت پریشانی لاحق تھی۔ بہار کی ناکامیوں کا الزام میر جعفر کی نالائقی پر عائد کرتے تھے۔ آخر کمال بے وفائی سے اسے نکال باہر کیا[1] اور اس کے داماد میر قاسم کی جانشینی کا اعلان کرا دیا۔ (۱۱۷۴ھ) پھر بادشاہ کے پاس ساز باز کے پروانے دوڑائے اور میر قاسم کو مرشد آباد سے بلا کر حضور میں پیش کیا۔ اسی موقع پر یہ قرار پایا کہ صوبیدار بنگال

---

[1] میر جعفر کا بڑا بیٹا میرن انہی دنوں یکایک مر گیا۔ "سیر المتاخرین" کی روایت ہے کہ قہر الٰہی سے اس پر آسمانی بجلی گری۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چوبیس لاکھ روپیہ سالانہ ادا کرے گا۔ انہی دنوں احمد شاہ درّانی کے دہلی آنے اور مرہٹوں کے جنگِ پانی پت میں سخت شکست کھانے کی اطلاع ملی۔ نجیب الدّولہ اور شجاع الدولہ کی طرف سے اطاعت کے قول و قرار کی تجدید ہوئی، لہٰذا بادشاہ نے بہار سے مراجعت کی اور الٰہ آباد چلا آیا۔[1]

شاہ عالم ثانی کو بادشاہی کی ڈوبتی ناؤ تِرانے اور بگڑی بات بنانے کا یہ بہترین موقع ملا تھا کہ بنگال، اودھ اور روہیل کھنڈ کے سربلند حاکم اپنی گردنیں جھکا رہے تھے اور سرکش مرہٹوں کے سر درّانی کی شمشیرِ برّاں قلم کر گئی تھی۔ بادشاہ عقل و ہمّت سے کام لیتا تو الٰہ آباد میں ایک معقول فوجِ رکاب فراہم کر سکتا تھا، مگر شاہ عالم کو جو روپیہ ملا سب عیش و عشرت کے مشغلوں، نمود و نمائش کے کھلونوں میں اڑا دیا۔ بادشاہی کو خود ہی ایک مستعار سی چیز بنا دیا جو صرف دوسروں کی قوّتِ بازو پر قائم تھی، البتہ اہلِ ہوس اسے اپنی دراز دستی کا آلہ بناتے رہے۔ میر قاسم کی انگریزوں سے بگڑی اور بنگال سے نکلنا پڑا تو اسی بادشاہِ بے ملک کی پناہ لینے الٰہ آباد آیا۔ شجاع الدّولہ نے بہار پر حملہ کیا تو شاہ عالم ہی کو شاہ بالا بنا کر ساتھ لے چلا۔ بکسر کے مقام پر ایک سخت جنگ ہوئی جسے انگریز مورّخ "پلاسی کا تکملہ" بتاتے ہیں (۱۱۷۸ھ م ۱۷۶۴ء) اسی کے نتیجے میں پہلے شجاع الدّولہ نے پیٹھ دکھائی، کچھ مدّت بعد خود شاہ عالم نے بنگالے کی دیوانی انہی فرنگی سوداگروں کے نام لکھ دی۔[2] (۱۱۷۸ھ م ۱۷۶۵ء)

---

[1] دیکھو 'سیر المتاخرین' (ج دوم) مصنف اور اس کا باپ انگریزوں سے مصالحت اور کام گار خاں جیسے جانباز رفیق کو نکلوانے کی سازباز میں شریک تھے۔ جدید انگریزی تاریخوں میں ان واقعات کو عموماً حذف کر دیا گیا ہے۔

[2] اسے "عہد نامۂ الٰہ آباد" کے نام سے موسوم (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیوانی کی سند سے انگریزوں کا قبضہ بنگال و بہار میں جم گیا۔ قدم، دوآب اور اودھ تک پہنچے، لیکن اب شاہ عالم کے نام سے مرہٹوں نے کام لینے کی تدبیر کی۔ درانی کے واپس جانے کے بعد سے، دہلی رہیلوں کی حراست میں تھی۔ جنوب میں جھانسی تک جاٹوں کی پٹی مرہٹوں کے راستے میں اڑی پڑی تھی۔ سندھیا کی تحریک اور غالباً شجاع الدولہ کی تائید سے بادشاہ نے دہلی کا رخ کیا۔ بنگالے کا ایک فوجی سردار نجف خاں کچھ مدت سے شاہی رفاقت میں سرگرم تھا۔ اس نے پہلے انگریزوں کو دوست بنایا اب مرہٹوں سے لڑ جھگڑ کر نیابت شاہی کا حق منوایا۔ پھر انہی کی مدد سے رہیلوں اور جاٹوں کو دھکیلا۔ پائے تخت سے کوئی دو دو سو میل تک اپنا حکم چلایا۔ دس بارہ ہزار کی تعداد میں خاصی کارواں فوج فراہم کر لی۔ شاہ عالم کا سپہ سالاری ایک طرف، حکمرانی کا شوق بھی سرد ہو چکا تھا، لہذا دس بارہ سال تک ذوالفقار الدولہ نجف خاں کا انتظام قائم رہا (۱۱۸۵ھ تا ۱۱۹۵ھ ۸۲ء) لیکن اس کی رحلت کے ساتھ یہ عارضی امن بھی رخصت ہوا۔ چند سال پہلے شجاع الدولہ کی وفات نے اودھ کی رہی سہی قوتِ فاعلہ ختم کر دی تھی، تاہم انگریزوں کا ایسا غلبہ نہ ہونے پایا تھا کہ دلی پہ ہاتھ بڑھاتے۔ کئی سال تک نجف خاں کے جانشینوں یا رہیلوں اور مرہٹوں ہی میں چھینا جھپٹی ہوتی رہی۔ شہر میں لوٹنے کی چیز بے چارہ بادشاہ رہ گیا تھا۔ ایک دفعہ مرہٹے ذرا ہٹے تھے کہ رہیلوں نے اسے آدبوچا۔ کہتے ہیں وہ کسی چھپے خزانے اور مال کا پتا نہ بتا سکا تو نجیب الدولہ مرحوم کے رذیل فطرت پوتے، غلام قادر نے اس کی آنکھیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کرتے ہیں۔ انگریزوں کو صوبہ بنگال کی دیوانی کے علاوہ چند اضلاع جن میں دکن کی شمالی سرکاریں بھی شامل تھیں، جاگیر میں دیے گئے۔ دیوانی کا ٹھیکہ ۲۶ لاکھ روپیہ سالانہ قرار پایا۔ الہ آباد اور کوڑہ جہاں آباد کے اضلاع بادشاہ کی جاگیر خالصہ تسلیم کیے گئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نکال لیں۔ (۱۲۰۱ھ م ۱۷۸۸ء) سندھیا نے دہلی پہنچ کر اسے ذلت و عذاب سے نجات دلائی،[۱] اور غلام قادر کو بڑی اذیت دے کر قتل کیا۔ شاہ عالم نے سندھیا کو فرزندِ دل بند کا خطاب دیا اور مرہٹہ پلیشوا کو سلطنت کا "وکیلِ مطلق" بنایا۔ اگرچہ یہ "سلطنت" پہلے ہی عالم ظاہر سے غائب ہو چکی تھی۔[۱]

اہلِ ہند کے نفاق اور طوائف الملوکی سے اصل نفع انگریز تاجروں نے حاصل کیا۔ ہندوستان کے رئیس و راجا ہر جگہ آپس میں کٹے مرتے تھے۔ ان کی قوت میں جس قدر زوال آیا اسی نسبت سے انگریزوں کو عروج ہوا۔ ان کی فوجی تنظیم ترقی کرتی رہی اور چند سال میں شمال و جنوب دونوں جانب مرہٹہ حریفوں پر غالب آئی۔ ۱۲۱۸ھ مطابق ۱۸۰۳ء میں دہلی اور اس کے بے دست و پا، نابینا بادشاہ کو انہی فرنگی تاجروں نے ہتھیا لیا، تاہم شاہ عالم کے جیتے جی رسمی اعزاز و القاب میں فرق نہ آیا۔ خطبہ اسی کے نام کا پڑھا جاتا رہا اور اس کے انتقال (۱۲۲۰ھ م ۱۸۰۶ء) سے تیس برس آگے تک سکہ بھی اسی کے نام کا مضروب ہوا۔ بے شبہ انتظامِ حکومت میں انہیں کچھ دخل نہ تھا۔ بایں ہمہ شاہ عالم کے بیٹے معین الدین اکبر شاہ ثانی کی زندگی (۱۲۵۳ھ م ۱۸۳۷ء) اور پوتے سراج الدین بہادر شاہ ثانی کے قید اور جلاوطن ہونے تک (۱۲۷۴ھ م ۱۸۵۸ء) ہر سرکاری اعلان کے ساتھ ڈھنڈورچی یہی صدا لگاتا تھا کہ:

خلق خدا کی۔ ملک بادشاہ کا۔ حکم کمپنی بہادر کا......!

---

[۱] فارسی تاریخوں میں واقعات کی ترتیب بگڑ گئی ہے۔ انگریزی ماخذوں سے معلوم ہوتا ہے کہ "وکیلِ مطلق" کا عہدہ پلیشوا کے نام سے سندھیا نے چار سال پہلے ۱۷۸۴ء م ۱۱۹۷ھ میں حاصل کر لیا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب سوم

ملوکِ طوائف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُلوک طوائف

تیموری سطوت کا آفتاب غروب ہوا تو ہندوستان کے آسمان پر کئی بڑے بڑے ستارے چمکے، مگر جلد ہی ثابت ہوگیا کہ ذاتی روشنی سے بے نصیب ہیں۔ ان کے مدھم پڑنے اور تاریکی میں ڈوب جانے کا سبب فرنگیوں کا آنا قرار دیا گیا ہے، لیکن حقیقت میں سلطنتِ مغلیہ کا زوال، ملتِ اسلامیہ کے سیاسی ضعف و انحطاط کا نشان تھا۔ شخصی بادشاہی حکومت اُمرائی، جاگیرداری کے نظام دم توڑ رہے تھے۔ تجارت و صناعت خالص عسکریت پر غالب آگئی تھی۔ انسانی تمدن ارتقاء کے ایک نئے مرحلے میں داخل ہو رہا تھا اور اسلامی سلاطین ان میدانوں میں نوخیز حریفوں سے ہر جگہ بازی ہار رہے تھے۔

بنگالہ:

سلطنتِ مغلیہ کا سب سے آباد و خوش حال صوبہ بنگالہ تھا۔ آگے چل کر اسی کی مسند میں بہار اور اڑیسہ کا حاشیہ ٹنکا تو وہ بجائے خود ایک سلطنت کی بساط بن گیا۔ اور نگ زیب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے آخری زمانے میں اس کا پوتا یہاں کا صوبیدار تھا۔ وہ تخت لینے لاہور گیا اور تختہ تابوت بھی حاصل نہ کر سکا۔ بیٹے (فرخ سیر) کی بادشاہی سے یہ حسرت بعد از مرگ پوری ہوئی۔ اس کی نافرخ حکومت کا حال پہلے باب میں ہم مطالعہ کر چکے ہیں۔ فرخ سیر صوبۂ بنگالہ سے رخصت ہوا تو یہاں کے انتظام کا بوجھ دیوان مرشد قلی خاں کے کندھوں پر رکھا گیا جس کے ترکی خطاب میں اصلی نام محمد ہادی اور نام کی روشنی میں ہندوا صلیت لاپتہ ہو گئی ہے۔ وہ عہدِ عالم گیر کا تربیت یافتہ تھا۔ پہلے دکن میں دیوانی کی خدمات انجام دیں اور مال گزاری کا ایسا بندوبست کیا کہ "دھارا مرشد قلی خاں" کے نام سے تقریباً دو صدی تک پیچھے آنے والوں کو لیک کا کام دیتا رہا۔ پھر اڑیسہ بھیجا گیا وہاں سے بنگال کی دیوانی پر ترقی کی۔ انتظام درست، آمدنی میں اضافہ کیا۔ شہزادے کے شاہانہ مصارف پر ضابطے کا پہرا بٹھا دیا۔ وہ بہت ناخوش ہوا۔ شبہ کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ اسی کی شہ سے چند سپاہیوں نے دیوان پر تلوار چلائی، مگر مرشد قلی خاں دیانت کی ڈھال اور بادشاہی پشت پناہی سے اتنا مضبوط رہا کہ عظیم الشان کی عظمت کچھ نہ بگاڑ سکی۔ عالم گیر نے چہیتے پوتے کو لکھا کہ محمد ہادی سرکاری ملازم ہے۔ اس کا بال بیکا ہوا تو اُن میاں (یعنی عظیم الشان) سے انتقام لیا جائے گا۔[۱]

غالباً یہی زمانہ ہے جب اس نے جہانگیر نگر (ڈھاکہ) چھوڑ کر مقصود آباد کو اپنا مستقر بنایا۔ (۱۱۱۵ھ م ۱۷۰۴ء) یہ ڈھاکے سے کوئی ڈیڑھ سو میل مشرق میں بھاگیرتی کے کنارے مرکزی مقام اور ساحل بحر سے قریب تر تھا جس کی تجارتی سرگرمیاں فرنگیوں

---

[۱] "اگر سر موئے حذر جانی یا مالی باو خواہد رسید، انتقام آں ازاں بابا خواہد کشید!"
(رقعاتِ عالمگیری)
نیز دیکھو "ریاض السلاطین"، صفحہ ۲۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی آمد و رفت کے ساتھ تیز تیز قدم بڑھا رہی تھیں۔ یہ قصبہ مرشد قلی خاں کے نام سے مرشد آباد کہلانے لگا اور اس کے مستقل صوبیدار ہونے پر بنگالے کا دار الحکومت بن گیا۔ پھر آبادی اور دولت مندی میں اس شہر نے جس قدر تیزی سے حیرت انگیز ترقی کی وہ حاکموں کے حسنِ نظم و نیت دونوں کی گواہی دیتی ہے۔ مرشد قلی کے چند سال بعد کلائیو یہاں آیا اور اپنے ایک خط میں لکھتا ہے کہ یہ شہر (مرشد آباد) لندن کے برابر وسیع ہے۔ فرق ہے تو اتنا کہ لندن میں اتنے دولت مند لکھ پتی نہیں جتنے مرشد آباد میں آباد ہیں[1]

ہم عصر کتابوں میں اس عہد کی خیر و برکت کے قصے مشہور ہیں۔ ایک بنگالی مصنف مزے لے لے کر لکھتا ہے کہ ان دنوں روپے میں پانچ من، من بھاتا چاول مل جاتا تھا[2]۔ لیکن انگریزوں نے آئندہ جو استیلا پایا، اُسے دیکھ کر مرشد قلی کی یہ دوربینی لائقِ بیان ہے کہ فرنگی تاجروں پر کڑی نگرانی رکھتا تھا اور دربارِ شاہی میں بھی ان کی رشوت ستانی، رشیہ دوانی کے راستے بند کرتا رہتا تھا، چنانچہ اُن کے تیس ہزار پونڈ کے "تحائف" بھی کام نہ آئے البتہ ڈاکٹر ہیملٹن کا ایک علاج کارگر ہوا اور فرخ سیر نے انگریزی کمپنی کو تجارتی مراعات کے ساتھ اجازت دی کہ وہ کلکتہ کے آس پاس (۳۸) گاؤں خرید سکتی ہے۔ مرشد قلی نے زمینداروں کو سمجھا دیا کہ کسی قیمت پر زمین فروخت نہ کریں۔ شاہی فرمان کمپنی کی قیمتی دستاویزوں میں دھرا رہ گیا۔

'ریاض السلاطین' سے ایک اور واقعہ کہ عدلِ فاروقی کی مہک رکھتا ہے، چُن کر پیش کرنے کے قابل ہے۔ مرشد قلی کا ایک ہی پسر خواندہ (؟) یا فرزند تھا۔ جوانی کی مستی میں قتل کا مرتکب ہوا، اور ثبوتِ جرم کے ساتھ قصاص کا مستوجب ہوا تو خود

---

[1] امپیریل گزیٹر۔ ج ۱۸ صـ ۵۲

[2] "سند آف مرشد آباد" از موزم دار صـ ۲۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیندار صوبیدار کے حکم سے مروا دیا گیا۔[۱] مرشد قلی جسے نواب جعفر خاں کا خطاب اور بہت بڑا منصب ملا تھا، اولادِ نرینہ سے محروم رہا اور نواسے کی ولی عہدی خود اس کے باپ یعنی نواب کے داماد نے قبول نہ کی۔ ۱۱۳۸ھ میں مرشد قلی کا انتقال ہوا، تو دربارِ دہلی نے بھی اسی داماد کو شجاع الدولہ اسد خاں کے خطاب سے بنگالے کا ناظم یا صوبیدار تسلیم کرا لیا۔

شجاع پہلے اُڑیسے کا صوبیدار تھا۔ یہ ملک اُس کی نظامتِ بنگالہ میں از خود شامل ہو گیا۔ چند سال بعد بہار کا علیحدہ صوبیدار، دہلی دربار کا معتوب اور اپنے عہدے سے معزول ہوا اور یہ صوبہ بھی بنگالے کے حوالے کر دیا گیا۔

بنگالے کے نیم آزاد صوبیدار :

ان مشرقی ممالک نے بادشاہِ دہلی سے علانیہ کبھی سرکشی نہ کی، لیکن محمد شاہ رنگ رلیوں میں مصروف تھا۔ مرکزی حکومت چند نادان امیروں کا بازیچہ بن گئی تھی۔ صوبیداری میں وراثت کا اصول چلنے لگا تھا اور جب اس کا اطلاق بنگال و دکن جیسے بڑے مجموعۂ ممالک پر کیا جائے تو پھر وہاں کے والیوں کے اقتدار پر ایک کمزور مرکز کی مہار لگانی محال تھی۔ لہٰذا محمد شاہ کے عہد سے بنگالے کو نیم آزاد سمجھنا غلط نہ ہو گا۔ مرشد قلی (جعفر خاں) کے بعد سے انگریزوں کے عمل دخل تک جن افراد نے یہاں حکمرانی کی اُن کے نام یہ ہیں :

۱۔ شجاع الدولہ

(۱۱۳۸ھ تا ۱۱۵۲ھ م ۱۷۳۹ء)

۲۔ سرفراز خاں پسر شجاع الدولہ

(ایک سال ایک ماہ تا ۱۱۵۳ھ م ۱۷۴۰ء)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ علی وردی خاں مہابت جنگ ۱۱۵۳ھ تا ۱۱۶۹ھ م ۱۷۵۶ء۔

۴۔ سراج الدولہ نبیرہ مہابت جنگ ایک سال دو ماہ تا ۱۱۷۰ھ م ۱۷۵۰ء۔

۵۔ میر جعفر (دو بار)

(تا ۱۱۷۴ھ م ۱۷۶۰ء و ۱۱۷۷ھ تا ۱۱۷۸ھ م ۱۷۶۵ء)

۶۔ میر قاسم (۱۱۷۴ھ تا ۱۱۷۷ھ م ۱۷۶۴ء)

شجاع نے مزے میں زندگی گزاری۔ عاقل و معتدل مزاج آدمی تھا۔ اس کی رعایا پروری اور فیاضی، عیاشی کی پردہ داری کرتی تھی۔ جب وہ مرا تو لکھا ہے کہ بنگالے کے عوام و خواص نے سخت ماتم کیا۔ بیٹا نیک مگر کوتاہ عقل نکلا۔ علی وردی جیسے چالاک اور مستعد آدمی کا مقابلہ نہ کر سکا۔ کئی فوجی سردار حریف سے جا ملے۔ سرفراز نے لڑائی کے ساتھ جان ہار دی۔ علی وردی جسے شجاع الدولہ ہی نے بڑھایا چڑھایا، بہار کا نائب صوبیدار بنایا تھا، اب سارے ملک پہ قابض ہو گیا۔ حضرت بادشاہ کہ دولت عمل سے پہلے ہی محروم تھے نادر کی غارت گری انہیں بالکل مفلس کر گئی تھی۔ علی وردی نے شجاع الدولہ کے انتقال پر گراں بہا تحائف اپنی خیر خواہی کے ثبوت میں پیش کیے۔ سرفراز خاں پر سرکشی بے وفائی کے الزام لگائے۔ صلے میں نظامت بنگال کی سند، منصب ہفت ہزاری کا فرمان منگوا لیا۔ سرفراز، سرنگوں ہوا۔ مرشد آباد کے پر تجمل ایوان "چہل ستون" میں علی وردی خاں مہابت جنگ کی مسند بچھی اور آئندہ سولہ برس تک یہی بوڑھا بچیت بنگالے کو دشمنوں سے بچاتا، اپنی انگلیوں پر نچاتا رہا۔ کیونکہ یہی وہ زمانہ ہے جب کہ محمد شاہ، نظام الملک آصف جاہ اور پھر ساہوجی کی وفات کے بعد مرہٹوں نے میدان خالی پایا اور ممالک ہند میں بڑا اودھم مچایا تھا۔ ان کے بڑے لشکر ہر طرف لوٹ مار کرتے پھرتے تھے اور شمالی ہند میں بھی جو جو امیر یا سردار حکومت سے ناراض ہوتا، انہیں شہ دے کر بلاتا اور ملک لٹوا دیتا تھا۔ بنگالے کے میر حبیب اور مرتضیٰ خاں، شمشیر خاں وغیرہ کئی پٹھان سپہ سالاروں کا بار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بار نام آتا ہے جنہوں نے مرہٹہ غارت گروں کو دعوت دی اور ان سے مل کر ناظم بنگالہ سے جگہ جگہ لڑتے، فتنہ و فساد کھڑے کرتے رہے، لیکن بڈھے علی وردی کا کچھ زیادہ نہ بگاڑ سکے۔[1] وہ تلوار کے ساتھ فنِ فریب، دغابازی، رشوت ستانی سب ہتھیاروں سے چوکھا لڑتا تھا۔

ان خونی آویزشوں کا بیان بہت بے مزا، اُلجھی ہوئی داستان ہے۔ انہی کے درمیان، نوجوان سراج الدولہ (مرزا محمد شاہ) کی شادی کا تذکرہ آتا ہے اور اس کی دھوم دھام، جنگ کے نقاروں کی آواز کو دھیما کر دیتی ہے۔ کہتے ہیں کوئی بیس لاکھ روپے کے صرف خلعت اور جواہرات بانٹے گئے تھے۔ ایک مہینے تک سارا مرشد آباد صوبیدار کا مہمان رہا۔ گھر گھر، محلہ محلہ دعوت کے کھانے تقسیم ہوتے رہے۔

(۱۷۴۷م ۱۱۵۹ھ)

ہوش مند علی وردی خاں فرنگی سوداگروں کی طرف سے بھی بہت چوکنا رہتا تھا اور اپنے ملک میں انہیں تجارتی کوٹھیوں کے گرد فصیل اور دمدمے بنانے نہیں دیتا تھا۔ مرہٹہ تاختوں کے زمانے میں کئی بار انہوں نے حفاظت کے حیلے سے جنگی عمارتیں اٹھائیں۔ نواب کے مخبروں نے خبر دی اور اس نے فوراً تڑوا دیں۔ انگریزوں کی عرض معروض کے جواب میں کہا آپ کی حفاظت کے ہم ذمہ دار ہیں، آپ یہ تکلیف نہ اٹھائیں۔ بایں ہمہ بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چھپے چوری اس قسم کی تیاریاں کیے جاتے تھے اور فرانس کی رقابت یا رہنمائی میں دوبارہ سیاسیات کے میدان میں داخل ہو رہے تھے۔

---

[1] مرہٹہ ترک تاز کا اصلی میدان اڑیسہ تھا۔ آخر میں مہابت جنگ نے اُن کے سپہ سالار میر حبیب کو اپنی طرف سے وہاں کا صوبیدار بنانا قبول کیا اور مرہٹے صوبے کی چوتھ وصول کرتے رہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیرِ نظر عہد میں ارکاٹ اور ساحلِ مدراس پر انگریزوں کو جو غلبہ حاصل ہوا، اُس نے ہر جگہ اُن کی حرص و ہوس کی دبی آگ بھڑکا دی۔

علی وردی خاں کا اسی برس کی عمر میں انتقال ہوا (جمادی الاوّل ۱۱۶۹ھ م ۱۷۵۶ء) نرینہ اولاد نہ تھی۔ نواسے (سراج الدّولہ) کو ولی عہد بنایا تھا۔ تعلیم و تربیت دینے میں کوتاہی نہ کی تھی، لیکن سن و سال اور تجربے کی کمی پوری نہ کر سکتا تھا[ل]۔ ملک میں بہت سے جاہ طلب امیر و وزیر، ناراض و گلہ مند عزیز منتظر تھے کہ بڈھا مہابت جنگ دنیا سے رخصت ہو تو اس کے نوجوان جانشین کو نوچ کھائیں اور اپنی ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائیں۔ ان ہوش باختہ ہوس کے دیوانوں کو یہ خبر نہ تھی کہ اصلی رقیب، مرشد آباد کے قریب قاسم بازار اور کلکتہ کی منڈیوں میں گھات لگائے بیٹھا ہے، اور سازش کا ایسا وسیع جال بُن رہا ہے جس میں یہ سب نادان چڑیوں کی طرح پھنس کر پھڑ پھڑاتے رہ جائیں گے۔

انگریزوں کی سازش:

نواب سے انگریزوں کا تمرّد شروع سے ظاہر ہو گیا تھا۔ مسند نشینی کے دربار میں فرانس کے تاجر حاضر تھے۔ کلکتہ، قاسم بازار سے نذرانہ اور تہنیت تک ادا نہیں ہوئی۔ پرچہ نویسوں نے یہاں کے کوٹھی والوں کے خندقیں کھدوانے، مورچے بنوانے کی خبریں دیں۔ بہانہ یہ تھا کہ فرانس کے ساتھ یورپ میں (ہفت سالہ) جنگ چھڑ گئی ہے، ان

[ل] سراج الدّولہ کے سالِ ولادت میں اختلاف ہے۔ بعض تاریخوں میں مسند نشینی کے وقت انیس برس کی عمر لکھی ہے، مگر یہ درست نہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے حملوں سے حفظِ ماتقدم کرنا چاہتے ہیں۔ نواب کی خالہ گھسیٹی بیگم اور عم زاد بھائی شوکت جنگ علانیہ بغاوت کی تیاریاں کر رہے تھے، ان سے انگریزوں نے رابطہ پیدا کیا۔ نواب کا ایک معتوب کرشن داس ڈھاکہ سے بھاگا، اُسے کلکتہ میں پناہ دی اور واپس بھیجنے سے انکار کر دیا۔

سراج الدّولہ، شوکت جنگ کی گوشمالی کے لیے فوج لے کر چلا تھا، انگریزوں کی پے در پے شکایتیں سُن کر ادھر پلٹ پڑا۔ قاسم بازار کے انگریزوں نے بلامزاحمت اطاعت قبول کر لی۔ نواب کا لشکر دس گیارہ دن میں نواحِ کلکتہ میں نمودار ہوا۔ یہیں ایک مقام تنّا پر انگریزوں نے بّری اور دریائی مورچہ بندی کی تھی۔ اسی ہفتے چار جنگی جہاز گولہ بارود سے بھرے ہوئے ولایت سے پہنچے تھے، انہوں نے ہراول کے پہلے حملے کو روک لیا، مگر دوسرے دن صبح کو مزید جمعیت کو بڑھتے دیکھا تو دور ہی سے توپیں چلا چلا کے چل دیے۔ مورچہ نواب کے قبضے میں آ گیا۔[1] کلکتہ کے صدر (یا گورنر) ڈریک نے زباں درازی اور ترش نگاری سے بُھس میں چنگاری ڈالی تھی۔ جب یہ آگ بھڑکی تو اپنے بحری بہادروں سے زیادہ بزدلی دکھائی اور کشتیوں میں بیٹھ کر الگ نکل گیا۔ کوئی ڈیڑھ سو کے قریب گورہ سپاہی جنہیں بھاگنے کا موقع نہ مل سکا، بے سری بھیڑ کی طرح رات بھر شرابیں پیتے اور پاگلوں کی طرح اِدھر اُدھر بھاگتے پھرے۔ صبح کو یہ سب گرفتار کر لیے گئے اور غالباً دوسرے دن جب نواب سراج الدّولہ فاتحانہ کلکتہ میں داخل ہوا اور فتح کی نذریں گزرانی گئیں تو ان قیدیوں کی جاں بخشی کی گئی۔[2] نواب، مانک چند کو شہر کا حاکم اور حفاظت کے

---

[1] یہ حالات ہم عصر انگریز مورخ اورم کی کتاب "جنگی وقائع ....." (جلد دوم) سے ماخوذ ہیں۔ نیز دیکھو کیمبرج ہسٹری، جلد پنجم۔ وغیرہ۔

[2] اسی کے عوض میں اس شکر گزار قوم نے سراج الدّولہ پر (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے کچھ فوج چھوڑ کر واپس مرشد آباد گیا۔ یہ واقعات اس کی مسند نشینی کے تیسرے مہینے (ربیع الاوّل ۱۱۶۹ھ مطابق جون ۱۷۵۶ء) میں پیش آئے۔

شوکت جنگ کی جنگی بغاوت کا قضیہ قضا کی گولی نے ختم کیا، لیکن ڈریک، ارکاٹ سے کمپنی کی ساری کالی اور گوری فوج لے کر دوبارہ بنگالے کے ساحل پر نمودار ہوا اور مانک چند سے لڑائی چھیڑ دی۔ بری فوج کا سردار کلائیو تھا اور بیڑا واٹسن کے ماتحت آیا تھا۔ اسی بحری سردار کی دیانت اور شرافت کی انگریزی تاریخوں میں بہت ستائش کی گئی ہے کہ وہ کلایو کی سازشوں میں شریک ہونے سے بچتا تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

"بلیک ہول" کی تہمت لگائی اور کوئی ڈیڑھ صدی تک اس جھوٹے افسانے کو طرح طرح کے حاشیوں سے مزین کرتے رہے۔ ان میں مکالے سے لے کر مارش مین تک بڑے بڑے انشا پرداز اور "ثقہ مورخ" شامل ہیں اور یہ عجیب و غریب تاریخیں نہ صرف برطانیہ بلکہ ہندوستان کے مدارس میں بھی بچوں کو پڑھائی اور یاد کرائی جاتی رہی ہیں۔ اس "دروغ بافروغ" کا بالکل بے اصل ہونا اب قطعی طور پر ثابت ہو چکا اور سراج الدولہ کا چہرہ بے گناہی کی روشنی سے چمکنے لگا ہے، لیکن احسان فراموش اتہام لگانے والوں کے منہ پر جو کالک لگی، شاید وہ جب تک انگریزی ہند کی تاریخ رہے گی، کبھی نہ چھوٹ سکے گی۔

(بلیک ہول کی تردید میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھو، لٹل کی "بنگال پاسٹ اینڈ پریذنٹ"، میجر باسو کی "رائز آف کرسچین پاور....." نیز "سراج الدولہ" مطبوعہ انجمن ترقی اردو، وغیرہ وغیرہ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مانک چند سے ابتدائی معرکوں کے بعد جب نواب خود فوج لے کر دوبارہ کلکتہ کی طرف آیا تو اسی واٹسن کی کوشش سے صلح کی شرطیں طے ہوئیں (فروری ۱۷۵۷ء)۔ انگریزوں نے اقرار کیا کہ نئی قلعہ بندی نہ کی جائے گی، مگر کلکتہ جو سازشوں کا گڑھ بن گیا تھا، انہیں واپس مل گیا اور دکنی سپاہیوں کے علاوہ، تخریب و تفریق کے صدہا موکل بنگالے میں پھیلا دیے گئے۔

شوکت جنگ مر چکا تھا، مگر اور کتنے ہی امیر اُمرا موجود ہوں گے جو مرہٹوں کی بجائے اب فرنگیوں کی مدد سے اپنی حکومت قائم کرنے کے خواب دیکھنے لگے تھے۔ اس قسم کا پہلا پیام لطف یار خاں کی طرف سے واٹسن کے نام آنا مذکور ہے، لیکن قسمت نے غداری، وطن فروشی کا طوق لعنت پہنانے کے لیے میر جعفر کو منتخب کیا تھا، انگریزوں نے سازش کے لیے اسی کو ترجیح دی اور کلکتہ کے سیٹھ امی چند[1] کی معرفت پشیطانی میثاق مکمل ہوا۔ میر جعفر نواب کا پھوپا دربار مرشد آباد کے امرائے کبار میں داخل تھا۔ بنگالی سپاہ کا بڑا حصہ اسی کے تحت میں تھا۔ چند ہندو عہدیدار اس نمک حرامی اور آقا کشی کے منصوبے میں شریک و مددگار ہو گئے تھے۔

انگریزوں کے سورما سپہ سالار کو جب اطمینان ہو گیا کہ ساری بنگالی فوج نواب سے برگشتہ کر لی گئی ہے، تو اپنی تین چار ہزار کی جمعیت سے لے کر سازش کی تکمیل کرنے مرشد آباد

---

[1] اصلی نام امیر چند اور مذہب سکھ تھا۔ سازش کی تکمیل کے بعد اس نے مطالبہ کیا کہ معاہدے میں مجھے تیس لاکھ (یا بیس لاکھ) روپیہ دینے کی شرط داخل کی جائے کلائو نے راز کھل جانے کے خوف سے اسے بھی چکمہ دیا اور ایک فرضی معاہدے پر یہ شرط لکھوا دی۔ کہتے ہیں جب آگے چل کر یہ حقیقت کھلی تو امیر چند کی عقل گم ہو گئی اور بہت دن تک پاگل رہا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر فوج کشی کی۔ سراج الدولہ اپنے سرداروں سے مشکوک تھا، لیکن کسی بنیادی اصلاح کی ہمت و قابلیت نہ تھی، نہ اس کی فرصت ملی، میر جعفر وغیرہ سے وفاداری کے تازہ حلف لیے اور شہر سے تیس پینتیس میل بڑھ کر انگریزی فوج کو گھیر لینے کی کوشش کی، لیکن گھیرنے والے میر جعفر کے تحت میں آگے بڑھے تھے جو پہلے سے انگریزوں کا حلقہ بگوش بنا لیا گیا تھا۔ توپ و تفنگ کی لڑائی صرف قلب کے دستے سے ہوئی اور اسی کا سردار میر مدن یہ امتیاز رکھتا ہے کہ وفاداری میں ثابت قدم رہا اور مر کر حق نمک ادا کر گیا۔ میر مدن کے ماتحت ہزار بارہ سو سوار سے زیادہ نہ تھے مگر انہی کے حملے نے انگریزوں کو پریشان کر دیا۔ وہ میر جعفر کے وعدوں سے بدگمان اور اس جھگڑے میں پڑنے سے پشیمان ہو کر اور ہٹ کر ایک باغ کی چار دیواری میں پناہ لی۔ یہ اونچی جگہ پر، بھاگیرتی ندی کے پیچ و خم کے باعث محفوظ مقام تھا۔ میر مدن یہ سمجھ کر آگے بڑھا کہ دشمن کی توپیں بارش سے بیکار ہو گئی ہیں۔ اسی پیش قدمی میں توپ کا گولہ کھایا۔ اس کی وفات سے نواب کا دل ٹوٹ گیا اور شام تک میر جعفر کی سازش بھی چھپی نہ رہی، کہ نہ وہ خود لڑا نہ دوسروں کو پیش قدمی کرنے دی، سراج الدولہ راتوں رات مرشد آباد آ گیا۔ ساتھ کے سپاہی بھی میدان سے نکل گئے۔ میر جعفر نے بڑھ کر انگریز حلیفوں کا خیر مقدم کیا اور یہ پلاسی کی جنگ اُن کی کامل فتح پر ختم ہوئی۔ ایک زمانے تک اسے بھی انگریز، تاریخِ عالم کی سب سے بڑی لڑائیوں میں شمار کرتے اور اپنی عجیب و غریب دلاوری کے افسانے دنیا کو سناتے رہے۔ (شوال ۱۱۷۰ھ م جون ۱۷۵۷ء[1])

---

[1] اورم اور اسکاٹ کی تاریخوں کے علاوہ "جنگ پلاسی" کی کیفیت کلائو کے سوانح نگار میلےسن کی "کلائو" میں قابلِ مطالعہ ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میر جعفر اور میر قاسم :

معلوم ہوتا ہے اعیانِ دولت اور عزیز و اقربا کی طرح، سراج الدّولہ کو خود عقل و حواس نے جواب دے دیا تھا کہ عظیم آباد جانے کے لیے خشکی کا راستہ چھوڑ کر ندی کے راستے روانہ ہوا اور ایسی جگہ سے ندی عبور کی جہاں کا راستہ نہ جانتا تھا۔ ادھر انگریزوں کے کتے ہر طرف تلاش میں دوڑ رہے تھے۔ ہفتہ بھر کے اندر پکڑ لائے اور قتل کر کے لاش کا اسی شہر میں گشت کرایا جہاں اس کے شاہانہ جلوس نکلا کرتے تھے۔

میر جعفر کی نوابی میں اب کوئی خرخشہ نہ رہا۔ بڑی دھوم دھام کے جلسے ہوئے۔ مرشد آباد سے زیادہ کلکتہ میں خوشیاں منائی گئیں۔ نئے نواب نے رُپے اشرفی سے پوری کشتی بھر کر کلکتہ روانہ کی تھی جس میں پچیس لاکھ کے قریب" ثابت جنگ کرنل کلیف" کا حصہ تھا۔ چوبیس پرگنہ کا سیر حاصل ضلع کمپنی بہادر کو عطا ہوا، لیکن یہ رسمی بات تھی۔ حقیقت میں سارے بنگالے کی کل اُن کے ہاتھ میں آگئی۔ میر جعفر کو لوگ علانیہ" کلائو کا گدھا" کہنے لگے تھے۔[1]

عام حقارت کو اس کی ذلیل عیاشیاں اور بیٹے کی ظالمانہ بدمعاشیاں ترقی دیتی تھیں، لیکن بیٹے (میرن) پر قہرالٰہی کی بجلی گری، تو میر جعفر کا کوئی سچا خیر خواہ باقی نہ رہا۔ اسی زمانے میں شہزادہ عالی گوہر بہار میں داخل ہوا اور بنگالے کے ناراض اُمرا کو ایک سہارا مل گیا کہ وہ ڈیڑھ دو سال تک میر جعفر کو پریشان کرتے رہے۔ خاص داماد میر قاسم نے جسے

---

[1] اسٹوارٹ نے اپنی تاریخ بنگال اسی لطیفے پر ختم کی ہے۔ نیز دیکھو" سیر المتاخرین" ۲۔ صفحہ ۲۵۰۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیٹے کی جگہ اکثر کاروبار سپرد کر دیئے تھے، خسر کے خلاف سازش کی۔ میر جعفر کا سرپرست کلائیو ولایت چلا گیا تھا۔ کلکتہ کے انگریز نئی بُرد کی تلاش میں تھے۔ عالی گوہر کی روک تھام کے لیے، کہ اب "شاہ عالم بادشاہ" کے لقب سے تیموری سلطنت کا وارث بنا، مزید ساز و سامان کی ضرورت تھی۔ میر جعفر کو نا اہلی اور بد انتظامی کے الزام پر جبراً معزول اور میر قاسم کو اس کا جانشین تسلیم کیا گیا۔ (۱۱۷۴ھ م ۱۷۶۰ء) لکھا ہے کہ معزول میر جعفر مرشد آباد سے کلکتہ چلا تو نوکر تک اس کا ساتھ چھوڑ کر غائب ہو گئے۔

میر قاسم نے رشوت میں روپے کی ڈھیریاں لگا دیں اور فوجی مصارف کے لیے تین پرگنے کمپنی کے حوالے کیے، لیکن جو لوگ کشتیاں بھر کر لے گئے تھے وہ جھولیاں بھرنے سے خوش نہ ہو سکتے تھے۔ دوسرے میر قاسم، میر جعفر کی طرح بھنگڑ نہ تھا کہ ہر انگریز گماشتہ جب چاہتا اس سے روپیہ وصول کر لیتا۔ اس کی انتظامی قابلیت کو قریب قریب ہر انگریز تاریخ نویس نے سراہا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے قاعدے ضابطے کی پابندی ہی نے اسے شوریدہ سر انگریزوں سے لڑا دیا جو ان دنوں کسی قانون قاعدے کے قابو میں نہ تھے۔ میجر کین کہ انگریزوں کے دورِ ملوکیت کا مقبول مورخ اور جنگی مسائل کا معقول مبصر ہے، اپنی تاریخ ہند میں اس قضیے پر یہ تبصرہ کر گیا ہے:

"عین اس زمانے میں کہ مرہٹوں کو پانی پت کے میدان میں شکست فاحش نصیب ہوئی، فرانس و برطانیہ کی طویل کش مکش کا سلسلہ بھی انگریزوں کی کامیابی پر ختم ہوا۔ ۱۵ جنوری (۱۷۶۱ء م ۱۱۷۴ھ) کے دن پانڈیچری کی فرانسیسی فوج نے کرنل کوٹ کے آگے ہتھیار ڈال دیے اور وہاں کے برج دوبارہ مدراس کے انگریزوں نے فوراً منہدم کرا دیے، مگر اس طرف سے فراغت میسر آنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنگالے کے قابوچی عمّال کو دوبارہ دست درازی کی ہمت ہو گئی اور جس قدر روپیہ میر قاسم سے اینٹھ سکتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے وہ سب وصول کرنے کے بعد انہوں نے اس سے ادنیٰ درجے کی ذاتیات پر جھگڑے نکالنے شروع کیے۔ کارنک نواب کی طرف سے بادشاہ سے لڑنے گیا تھا اور اس کے فرانسیسی سردار لا کو قیدی بنانے میں کامیاب ہوا، لیکن دوسرے دن بادشاہ سے ملاقات ہوئی تو ایسے عجز وانکسار سے پیش آیا کہ میر قاسم کو طرح طرح کے اندیشے پیدا ہو گئے ....
یہی طرزِ عمل کرنل کوٹ اور (پٹنہ) کارخانے کے صدر ایلس نے اختیار کیا۔
جھگڑے کی علتِ غائی تو یہ تھی کہ کمپنی کا ہر ملازم اپنے تجارتی مال کو محصول راہداری سے مستثنیٰ کرانا چاہتا تھا۔ حالانکہ یہ محصول نواب کا بہت معقول ذریعۂ آمدنی تھا، لیکن شاہ عالم کی رضا جوئی بھی مخالفت کا ایک سبب بن گئی کیونکہ پریشاں حالی کے باوجود شمالی ہند میں حکومت کا جائز وارث وہی تھا .... اور ہر فریق کی نگاہ اسی تاجدارِ بے ملک پر لگی ہوئی تھی۔[۱]

میر قاسم حتی الامکان لڑائی سے دامن بچاتا رہا۔ اہلِ کلکتہ کی یورشوں سے بچنے کے لیے مرشد آباد چھوڑ کر مُنگیر چلا آیا اور اسی کے ویران قلعے کو مستقر بنایا۔ آخر میں معافیٔ محصول کی شرط قبول کر لی، مگر انگریزوں کے ساتھ دیسی تاجروں کو بھی یہی رعایت دی جو ان کو نقصان سے بچانے کے لیے ضروری تھی۔ قابوچی انگریز اور برہم ہوئے اور نواب سے لڑائی چھیڑ دی۔ شروع میں میر قاسم کا پلّہ بھاری رہا۔ دو سو کے قریب گورہ سپاہی اور سردار پکڑے گئے۔

انگریزوں نے کلکتہ میں دوبارہ میر جعفر کی نوابی کا اعلان کیا اور اس اہتمام سے سازش کا جال پھیلایا کہ میر قاسم کے دست و بازو تک جان کے دشمن ہو گئے۔ اس نے غصّے میں

---

[۱] کیمبرج کی تاریخِ ہند، ج ۵، ص ۱۷۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کئی بے غیرت غداروں کو پانی میں ڈبو دیا اور اسی کے فرانسیسی سردار نے جو بعد میں سمرو کے نام اور اپنی دیسی بیگم کے انتساب سے مشہور رہا، انگریزوں کی سفاکی کا قیدیوں سے بدلہ نکالا۔ انہی مقتولوں میں فتنہ پرداز ایلس مارا گیا۔ یہ ۱۱۷۶ھ م ۱۷۶۳ء کے معرکے ہیں۔ آخری بڑی لڑائی راج محل کے قریب ہوئی۔ اس میں خود میر قاسم کا ممتاز معتمد علیہ مرزا نجف خاں دشمن سے مل گیا۔ اسی کی رہنمائی سے انگریزوں نے بنگالی لشکر پر شب خون مارا اور نمایاں فتح حاصل کی (جنگ اُدھوا۔ ماہِ صفر ۱۱۷۷ھ) یہی نجف خاں کچھ مدت بعد شاہ عالم کو دہلی لایا اور ذوالفقار الدولہ کے خطاب سے رسم وزارت اور فرائض شاہی انجام دیتا رہا۔

میر قاسم بہار سے ہٹ کر اودھ چلا آیا۔ دولت اور جمعیت کی کثرت دیکھ کر شاہ عالم اور نواب شجاع الدولہ اس کی اعانت پر تیار ہوئے، لیکن آگے چل کر والیٔ اودھ نے بے وفائی کی۔ میر قاسم کو نظر بند کر لیا۔ اس کی فوج اور بادشاہ کو ساتھ لے کر خود انگریزوں سے لڑنے چلا، مگر بکسر پر شکست کھائی جس کا حال پچھلے باب میں ہم پڑھ چکے ہیں۔ اسی کے نتیجے میں شاہِ عالم تباہ اسے چھوڑ کر انگریزی لشکر میں آ گیا اور بنگال کے تینوں صوبوں کی سندِ دیوانی اُن کے نام لکھ دی۔

کہتے ہیں میر قاسم فقیر ہو کر کہیں نکل گیا۔ میر جعفر نے کلکتہ میں چند ماہ بعد وفات پائی۔ (جنوری ۱۷۶۵ء) اس کے بیٹے نجم الدولہ سے انگریزوں نے خوب رشوتیں وصول کیں، مگر معاوضے میں نوابی کے خالی خطاب اور نقد وظیفے کے سوا اقتدار کا کوئی حصہ نہ دیا۔ حکومت انگریزوں کی مٹھی میں ایسی دبی کہ اب پونے دو سو برس بعد بنگالے کے مشرقی حصے پر دوبارہ مسلمانوں کا پرچم بلند ہوا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مغربی پاکستان : سندھ :

ہندوستان کے دوسرے سرے پر موجودہ پاکستان کے صوبے (کشمیر سمیت) دُرانیوں کے زیرِ تازیانہ رہے۔ کوئی چالیس برس تک انہی کی طرف سے حاکم مقرر ہو کر آتے رہے۔ پھر سندھ کے سوا بیش تر علاقے میں کچھ مدت سکھا شاہی سکّہ چلا۔ غیر مسلم قوتوں کے خروج پر ایک آئندہ باب میں ہم یک جائی نظر ڈالیں گے، یہاں صرف مسلمان ملوک طوائف سے بحث کی ہے اور ان میں پہلے پاکستانی سندھ پھر ممالکِ دوآب و دکن کی اسلامی حکومتوں کی مجمل سرگزشت سنانی مقصود ہے :

مغلیہ حکومت کا قلب علیل ہوا تو اعضاء اور جوارح کام کرنے سے رہ گئے۔ پہلے شمالی، پھر جنوبی سندھ کے مقامی رئیس و جاگیر دار مغل صوبیداروں کے قبضے میں نہ رہے۔ سرکش رئیس سندھی، بلوچی، مغل، سید وغیرہ کئی قومیں اور مختلف خاندانوں کے لوگ تھے جن میں زیادہ شہرت کلہوڑہ، داؤد پوترہ اور تالپورہ نے پائی اور نوبت بہ نوبت سندھ کے وسیع اقطاع میں اپنی حکومت کی بساط پھیلائی۔ تہتّے کا آخری شاہی صوبیدار صادق علی خاں مذکور ہے کہ ۱۱۴۹ھ م ۱۷۳۶ء میں عہدے سے سبک دوش ہوا۔ پوری ولایت محمد شاہ بادشاہ کے حکم سے میاں نور محمد خاں کلہوڑہ[1] کو ٹھیکے پر دے دی

---

[1] یہ اور داؤد پوترہ دونوں خاندان حضرت عباسؓ ابن عبد المطلب کی اولاد میں بتائے جاتے ہیں مگر خان بہادر خداداد خاں صاحب لُبّ التاریخ کلہوڑوں کو قدیم سندھی سمجھتے اور ان کے نسب کا میاں آدم شاہ کلہوڑہ سے آغاز

(بقیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جسے ہم سندھ کا عملاً پہلا آزاد فرمانروا قرار دے سکتے ہیں، مگر اس آزادی کے تیسرے ہی سال یہ ملک حملۂ نادری کی جھپیٹ میں آگیا۔ میاں نے عمرکوٹ میں پناہ لی۔ مشہور ہے کہ نادر شاہ لاڑکانے سے چلا تو سو کوس تک کہیں نہ ٹھیرا اور میاں کو ان کے مامن میں جادبایا۔ بے چارے نے ایک کروڑ روپیہ بھرا۔ آئندہ اطاعت و خراج گزاری کا وعدہ کیا۔ پھر بھی صوبہ بھکر سندھ سے توڑ کر ولایت قندھار میں شامل کر لیا گیا (۵۲ ۱۱ھ)۔ نادر شاہ کی زندگی کا چراغ موت کے جھونکے نے گل کیا تو سندھ پر درّانیوں کی آندھی آئی۔ میاں نور محمد نے جیسلمیر بھاگ کر جان بچائی تھی، وہیں قضا کا ہرکارا پہنچ گیا۔ بیٹے نے احمد شاہ ابدالی کی اطاعت قبول کر لی، خطاب سربلند خاں سے ممتاز ہوا۔

سربلند کی دراز دستی سے تنگ آکر ارکانِ دولت نے اسے قید کر دیا تھا۔ اسی گرفتاری میں قیدِ حیات سے چھوٹ گیا۔ لوگوں نے چھوٹے بھائی غلام شاہ کی آقائی تسلیم کی (۱۱۷۰ھ تا ۱۱۸۶ھ م ۱۷۷۲ء) جس کے عہد میں کلہوڑوں کی حکومت ساحلِ بحر سے اچھر تک وسیع ہوئی۔ احمد شاہ درّانی نے صمصام الدولہ کا خطاب اور ڈیرہ غازی خاں و اسمٰعیل خاں کا انتظام بھی اسے سپرد کیا۔

اس خاندان کے رئیس اپنی راجدھانی بدلتے نئے نئے شہر بساتے رہے تھے، مگر غلام شاہ نے پرانے نیرن کوٹ کو دارالحکومت بنایا۔ بڑی بڑی عمارتیں، برج دوبارہ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

کرتے ہیں۔ میاں آدم نویں صدی ہجری کے ایک پیر تھے جن کی گدی لاڑکانہ کے نواح میں قائم ہوئی۔ بیعتِ درویشی نے آگے چل کر دنیاوی حکومت کی صورت اختیار کر لی۔ میاں نور محمد اس خاندان کے آٹھویں جانشین تھے۔

(۱۱۳۱ھ تا ۱۱۶۷ھ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعمیر کیے ۔موجودہ حیدر آباد (سندھ) کا فروغ اسی کا مرہونِ منت ہے ۔ ۱۱۸۶ھ م ۱۷۷۲ء میں وفات پائی ۔ یہی زمانہ ہے جب تالپور قبیلے نے کثرتِ تعداد کی بدولت قوت حاصل کی ۔میاں غلام شاہ کے جانشین فرزند سرفراز خاں نے تالپور سردار بہرام خاں کو محض وہم و بدگمانی سے قتل کرا دیا ۔ سرفراز کی شوریدہ سری سے ملک میں عام شورش پیدا ہوئی ۔ وہ محبوس اور اس کا بھائی معزول کیا گیا ۔ پھر بھی تالپوروں نے آیندہ مسند نشین کو مار کر انتقام کی آگ بجھائی اور (سب سے پہلے حاکم) میاں نور محمد کے ایک چھوٹے بیٹے عبدالنبی کو گدی پر بٹھایا ۔ اس حاکم نے اوّل اپنے عباسی خاندان ہی پر ہاتھ صاف کیا[1] پھر ڈاقت ور بجار خاں (تالپور) کو جودھ پور کے راجا سے حلال کرایا ۔ ع :

میر شد از جمد رسند و شہید

اس سانحے کی تاریخ ۱۱۹۳ھ ہے ۔

لوگوں نے ناراض ہو کر ایک اور عباسی کو منتخب کیا تھا ، لیکن عبدالنبی ، قلات و بہاولپور کی امداد کے علاوہ ایک پٹھان سردار مدد خاں کو لے کر پھر آ چڑھا اور ملک بھر میں تباہی مچادی ۔ مدد خاں کے سوار ہر قریے میں جا گھستے اور گھر گھر موستے پھرتے تھے ،

---

[1] پانچ عباسی مارے گئے ۔ کسی نے پیچ دے کر خوب تاریخ نکالی ہے کہ ع : " پنج کم از گلِ باغِ عباس " (" گلِ باغِ عباس " میں سے " پنج " کے عدد کم کیے جائیں ، تو ۱۱۹۱ھ برآمد ہوتے ہیں) ہمارے ایک دوست نے ایک اور پہلو نکالا کہ اصل مادہ " گلِ باغِ عباس " قرار دیا جس کے عدد ۱۱۸۶ ہوتے ہیں ۔ شاعر کہتا ہے اس میں ۵ کم ہیں ان کو ملایا جائے تو صحیح ۱۱۹۱ھ بن جاتا ہے ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ سندھی زبان میں "گھوڑا ری گھوڑا" کی مثل اسی موقع پر زبان زد ہوئی جو آج تک سخت پریشانی اور گھبراہٹ کے معنی میں بولتے ہیں، مگر یہ زور زوری کی حکومت زیادہ نہ چل سکتی تھی۔ دو تین برس بعد پھر تالپوروں نے میاں کو آگھیرا اور اسے شکست کھا کر تیمور شاہ ابدالی کے پاس بھاگنا پڑا، لیکن تالپوروں نے اگلا پچھلا نذرانہ ابدالی کے خزانے میں بھر دیا۔ میاں عبدالنبی کی دال نہ گلی، مایوس ہو کر جودھ پور آیا اور اسی نواح میں دوسری دنیا کی راہ لی۔ سندھ میں کلہوڑوں کا زور ختم ہوا۔ تالپوروں کی نوبت بجی۔ (۱۱۹۸ھ م ۱۷۸۳ء)

یہ نئے حاکم دسویں صدی ہجری کے آخر میں بلوچستان سے آئے۔ مورث اعلیٰ کا نام "ٹالہ" اور اسے حضرت حمزہؓ ابن عبدالمطلب کی اولاد میں بتاتے ہیں[1]۔ سوڈیڑھ سو برس میں ان کی نسل وسط سندھ میں پھیل گئی اور بہت سے دیہات میں ان کی بستیاں بس گئیں۔ یہی کثرت جمعیت و قوت کی اساس بنی اور آخر میں ان کے تین سرداروں نے کلہوڑوں کو نکالا اور سندھ کو آپس میں تقسیم کر لیا۔ ان کے صدر مقام حیدرآباد، میرپور خاص اور خیرپور تھے۔ یہ حکام عصری تاریخوں میں "میرانِ سندھ" موسوم ہوئے۔ ہر چند اوّل اوّل بیرونی دخل سے محفوظ تھے، مگر آپس میں اُلجھتے رہے اور کوئی متحد حکومت نہ قائم کر سکے۔ تینوں شاخوں کے چند موروثی رئیسوں نے اپنی اپنی جگہ حکمرانی کی[2] حتیٰ کہ

---

[1] اگر یہ روایت صحیح ہے تو ممکن ہے ٹالہ، طلحہ کی بگڑی ہوئی صورت ہو؟

[2] ان کے نام یہ ہیں:

(۱) حیدرآباد سندھ	(۲) میرپور خاص	(۳) خیرپور
میر فتح علی خاں	میر ٹھارا خاں	میر سہراب خاں

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چالیس پچاس برس میں انگریزوں کا سیلاب ان گوشوں تک بڑھا اور سارا ملک اسی کے نیچے ڈوب گیا۔

سیدھے سندھیوں سے جو داؤ پیچ انگریزوں نے کھیلے اس کی ایک جھلک انگریزی دور میں پھر ہمیں نظر آئے گی۔ سردست یہ فصل اس طرح آخر ہوتی ہے کہ خیرپور کے ایک رئیس نے بھائیوں کو چھوڑ کر انگریزوں سے تعلق جوڑا تھا۔ اس کا مختصر علاقہ دیسی ریاست کی صورت میں بچا رہ گیا ورنہ ۱۲۵۸ھ م ۱۸۴۳ء کی دو معمولی لڑائیوں نے تالپوروں کی سیاسی میری کے دروازے پر ولایتی قفل لگا دیئے۔

دولتِ آصف جاہی،

جس زمانے میں سلطنتِ مغلیہ کی وسیع عمارت کے بیوت اور دالان، کما نچے بلکہ مرکزی ایوان کے ستون تک دھڑا دھڑ گر رہے تھے، ڈکیتوں کو لوٹ مار کا خداساز موقع مل گیا۔ شمال میں سکھ، جاٹ، پٹھان، بلوچوں نے جس کی لاٹھی اُس کی بھینس کے قانون کا نفاذ کیا۔ سواحل پر فرنگیوں نے نئے نئے جال پھینک کر مچھلیوں کی طرح مقامی

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

میر غلام علی خاں	میر علی مراد خاں	میر رستم خاں
میر کرم علی خاں	میر شیر محمد خاں	میر نصیر خاں
میر مراد علی خاں		(میر علی مراد خاں)
میر نور محمد خاں		
میر شہداد (میر محمد حسین علی خاں)		

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رئیسوں اور ان کی ریاستوں کو پھانسنے کا آغاز کیا۔ دکن کے مرہٹے ان سب سے بازی لے گئے کہ ٹولیوں اور جتھوں کی بجائے بڑے بڑے لشکر بنا کے ممالکِ ہند کو لوٹتے تھے۔ جم کر حکومت کرنا انہیں راس نہ آتا تھا۔ سیواجی نے مغلیہ قالب میں مرہٹہ ریاست ڈھالی تھی، بے چین بیٹے نے توڑ پھوڑ ڈالی۔ پھر دکنی برہمنوں نے پاٹ سنالا چھوڑ کر راج پاٹ پر آسن باندھا۔ دوآب اور دہلی تک فوجیں چڑھائیں۔ انہی دراز دستیوں، پیش قدمیوں کا زمانہ خاندانِ پیشوا کا عہدِ عروج تھا، مگر یہ بھی امن و انتظام کا مرادف اور کسی دیرپا انتظام کی علامت نہ ثابت ہوا۔ مرہٹوں کے کام اور انجام کی کہانی ہم آئندہ اوراق کی زبانی سنیں گے۔ یہاں ان کے حریف و ہمسایہ آصف جاہیوں کا تذکرہ کرنا ہے کہ یہ نامور خاندان شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی اولاد میں تھا۔ عہدِ شاہ جہاں میں ہندوستان آیا اور سرکاری اعزاز و مناصب سے سرفراز ہوا۔ عہدِ عالمگیری میں اس خاندان کے میر شہاب الدین کو غازی الدین فیروز جنگ کا خطاب ملا۔ بیجا پور کی فتح کے سرکاری اعلان میں یہ الفاظ بادشاہ نے اپنے قلم سے اضافہ کیے کہ: "بہ دست بازوئے فرزند بے ریو رنگ غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ مفتوح شد۔"

انہی شہاب الدین کے باپ نواب قلیچ خاں نے گول کنڈے کے محاصرے میں گولے کے زخم سے جان دی۔ میدان سے کچھ فاصلے پر ان کی قبر ابھی تک قلیچ خاں کی بارہ دری کے نام سے مشہور تھی، اگرچہ اسے کھودتے وقت کسی کو گمان نہ ہوگا کہ قضا و قدر اسی ملک میں مرحوم کے خاندان کی فرمانروائی کی نیو تیار کر رہی ہے۔

قلیچ خاں کا پوتا (قمر الدین) اپنے نام اور کام میں دادا سے زیادہ چمکا۔ اور چین قلیچ یعنی بڑے قلیچ اور نظام الملک کے خطاب سے معزز ہوا۔ بارہہ والوں کے دورِ سیادت میں مالوے کا صوبیدار بنایا گیا تھا، وہیں سے دکن پر فوج کشی کی اور یہ علاقہ بادشاہ گر سادات سے گویا ہاتھ مروڑ کر چھین لیا جس کا حال پہلے باب میں ہم پڑھ آئے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد شاہ کے عہد میں یہ خاندان سلطنت کی بڑی بڑی خدمات انجام دیتا رہا ہے۔ قمرالدین کو آصف جاہ کا خطاب اور وزارت کا عہدہ اسی دربار سے عنایت ہوا تھا (۱۱۳۷ھ م ۱۷۲۵ء) لیکن پائے تخت میں رقابت وحسد کی سوئیوں نے چین سے نہ رہنے دیا اور اسے عافیت اسی میں نظر آئی کہ ملکِ دکن میں جا کر اقتدار کا پایہ مضبوط کرے[1]۔ اس کوشش میں مرہٹہ قزاقوں سے بڑھ کر دربار کے چھوٹے امیر حائل ہوتے تھے۔ شاید اسی کے جواب میں آصف جاہ نے باجی راؤ پیشوا سے صلح کر لی۔ گجرات کی طرح، مالوے میں دخل دینے سے ہاتھ اٹھا لیا اور اس کے عوض دکن کے صوبوں میں مرہٹوں سے بے تعلقی کا اقرار لکھوالیا (صلح نامۂ بھوپال، ۱۱۵۰ھ م ۱۷۳۸ء)

امرائے دہلی میں مالوے کو بچانے کی قابلیت نہ تھی۔ سلطنت کی رہی سہی سکت نادر شاہ کے حملے نے نکال دی۔ اس نازک موقع پر بھی آصف جاہ نے حتی الامکان بادشاہ کی مدافعت میں حقِ نمک ادا کیا اور جب یہ بلا ٹلی تب اپنے صوبوں میں واپس آیا۔ جہاں قائم مقام بیٹا (ناصر جنگ) ایسے باعظمت باپ کو معزول کرنے پر تیار ہو گیا تھا۔

آصف جاہ نے زندگی کے آخری سنین میں "دکنِ خاص" کے صوبوں کو بچائے

---

[1] بعض انگریزی تاریخوں میں (خصوصاً اروِن نے) لکھا ہے کہ جب محمد شاہ نے پہلی مرتبہ نظام الملک کو دہلی بلا کر وزیر بنایا اور پھر وہ دل برداشتہ ہو کر واپس دکن آیا، تو عملاً آزاد و خود مختار ہو گیا تھا۔ غالباً اسی قیاس کی بنا پر ۱۹۲۴ء سے اہلِ حیدرآباد "دو صد سالہ آزادی" کا جشن منانے لگے تھے، حالانکہ جب واقعی انگریزوں کے پنجے سے آزاد ہوئے تو دو برس بھی آزادی کو قائم نہ رکھ سکے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھا جس میں برار و خاندیس کا علاقہ شامل تھا، بلکہ ملکِ ارکاٹ کو بھی مقامی سرکشوں اور مرہٹہ غارت گروں سے نجات دلائی۔ از سرِ نو انتظام کی چول بٹھائی اور یہاں تحت نظامت ایک مستعد سردار انورالدین خاں کے تفویض کی۔ خود آصف جاہ (اوّل) کا دارالحکومت اورنگ زیب کا عزیز شہر اورنگ آباد رہا۔ وفات برہان پور میں پائی (۱۱۶۱ھ م ۱۷۴۸ء) نعش اورنگ آباد لاکر دفن کی گئی، مگر اس دوراندیش و باتدبیر امیر نے حکمرانی کی جو عمارت چُنی تھی، اولاد کے کمزور و کم اقتدار ہونے کے باوجود دو صدی سے زیادہ عرصے تک اسلامی تہذیب و تسلط کا مرقع دکھاتی رہی۔ آصف جاہی خاندان کے مشاہیر کا شجرہ ذیل میں تحریر ہے۔ ہندسے مسند نشینوں کا نشان بتلاتے ہیں:

خواجہ عابد قلیچ خاں

میر شہاب الدّین فیروز جنگ غازی الدّین خاں

۱۔ میر قمر الدّین نظام الملک آصف جاہ اوّل

غازی الدّین فیروز جنگ ثانی — ۲۔ ناصر جنگ — ۴۔ صلابت جنگ — ۵۔ نظام علی نظام الملک آصف جاہ ثانی — بسالت جنگ — دختر

عماد الملک غازی الدّین ثالث (پسرِ غازی الدّین فیروز جنگ ثانی)

۳۔ مظفر جنگ ہدایت محی الدین (پسرِ دختر)

۶۔ سکندر جاہ۔ نظام الملک آصف جاہ ثالث

۷۔ ناصر الدّولہ ״ ״ رابع

۸۔ افضل الدّولہ ״ ״ خامس

۹۔ محبوب علی خاں ״ ״ سادس

۱۰۔ عثمان علی خاں ״ ״ سابع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظام الملک آصف جاہ اول کا فرزند اکبر غازی الدین ثانی، دربارِ دہلی میں رسمی وزارت اور باپ کی نیابت کرتا تھا۔ دوسرا بیٹا، میر احمد ناصر جنگ دکن میں باپ کے زیرِ تربیت رہا۔ آصف جاہ کے انتقال کرتے ہی ملک و مال پر قابض ہو گیا۔ اس کے ہم نام دہلی کے نئے بادشاہ احمد شاہ نے بھی نظام الدولہ کا خطاب اور صوبیداری کی سند بھیج دی۔ یہ مفت کرم داشتن والی بات تھی۔ ورنہ مرکزی حکومت میں دخل دینے کی قوت نہ تھی اور بادشاہ کو عیش گاہ سے باہر آنے کی فرصت نہ ملتی تھی۔ بڑے بھائی نے ضرور ہاتھ پاؤں مارے، مگر ناصر جنگ کی زندگی میں وہ تو کچھ نہ بگاڑ سکا، البتہ فرنگیوں کی سب سے بڑی سازش میں ہندوستان کا یہ سب سے طاقتور صوبیدار مارا گیا۔ اس کے اتالیق علامہ آزاد بلگرامی اور دوسرے ہمعصر اہلِ قلم اسے شہید کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ فرنگیوں کی لاگ سے دینِ وطن پرستی بھی غالباً اس کی تائید کرے گا۔ سازش کا بانی مبانی فرانس کی تجارتی کوٹھیوں کا صدر عامل دوپلے تھا۔ جسے ہندوستان کی تاریخ میں یہ عار آمیز فخر حاصل ہے کہ سب سے پہلے اسی نے اہلِ ہند کو آپس میں لڑا کر اپنی حکومت جمانے کا ایک منصوبہ تیار کیا۔

جنوبی ہند میں فرانس کے سوداگروں کی کئی جگہ اُسی زمانے میں دکانیں کھل گئی تھیں مشرقی ساحل (کورومنڈل) پر انہوں نے ایک گاؤں پھلچیری خرید لیا اور اسے پانڈیچری کے شاندار نام سے اپنا صدر مستقر بنایا تھا۔ یہ مقام مدراس سے کوئی سو میل جانبِ جنوب نظامتِ ارکاٹ میں داخل تھا۔ اور یہاں کے نئے ناظم انور الدین کی گرفت مقامی پلیوں کو دبا کے رکھتی تھی۔ وہ اس کے خلاف ساز باز کرتے تھے۔ انہی کا سرخیل ایک چلتا پرزہ چندا صاحب گزرا ہے جس کا اصلی نام حسین دوست خاں تھا۔ ہماری تاریخ میں یہ اولیت کا کلنگ میر جعفر کی بجائے چندا کے ماتھے پر لگنا چاہیے کہ فرنگیوں سے مل کر ایک طرف ارکاٹ پر حملہ کرایا۔ دوسری طرف آصف جاہ اول کے نواسے مظفر جنگ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو بہکا کر پھل چیری لایا اور اس کو ماموں کے مقابلے میں خاص دکن کی صوبیداری کا مدعی بنایا۔

اہلِ سازش کو شروع میں نمایاں کامیابی یہ ہوئی کہ پہلے ہی معرکے میں انورالدین خاں مارا گیا (۱۱۶۲ھ م ۱۷۴۹ء) ارکاٹ پر چندا صاحب کا دعویٰ قائم ہو گیا۔ پھل چیری میں اس کی مسند نشینی کی رسم دھوم دھام سے منائی گئی۔ اسی میں خبر آئی کہ ناصر جنگ فوجِ کثیر کے ساتھ اورنگ آباد سے چلا اور سازش کے اصلی مرکز پانڈیچری کی سیدھ باندھ لی ہے۔ صوبیدار دکن کی یلغار نے "اتحادیوں" میں ہل چل ڈال دی۔ چندا صاحب کے رفیق ارکاٹ سے بھاگ کر یہیں سمٹ آئے۔ دوپلے نے اپنی ساری فوجی قوت سمیٹ کر مدد کے لیے بھیجی۔ فرنگی سپاہیوں کی قواعد دانی اور بہادری کی بے سر و پا تعریف سے انگریزی تاریخیں سیاہ کی گئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایشیا میں وہ اکثر فریقِ مقابل کی نااتفاقی اور غداری سے لڑائی جیتتے ہیں۔ فتنہ پرداز دوپلے برابر سازش کی سُرنگیں لگا رہا تھا، لیکن وہ آگ لینے نہ پائی تھیں کہ ناصر جنگ سر پر آ گیا۔ فرنگی سپاہی بغیر لڑے رات کے اندھیرے میں چھپ کر فرار ہوئے اور کمال بے شرمی سے اپنے گڈّے منظفّر جنگ کو میدان میں چھوڑ گئے۔ اسے صبح ہوتے ہی ناصر جنگ کے آدمیوں نے معمولی زد و خورد کے بعد گرفتار کر لیا۔[۱] (ربیع الثانی ۱۱۶۳ھ م ۱۷۵۰ء)

اورم لکھتا ہے کہ اس ناکامی کے باوجود مکّار دوپلے ناامید نہ ہوا تھا کہ ناصر جنگ کے لشکر میں تفریق و نفاق کی آگ بھڑکا دے گا۔ اسی لیے بار بار قاصد بھیج کر ہفتوں پیام سلام کو طول دیتا رہا اور اندر ہی اندر کئی پٹھان سرداروں کو نواب سے توڑ لیا۔

---

[۱] "مآثر الامرا" ج ۲ ص ۸۵۲۔ اورم۔ ج ا ص ۱۲۹۔ نیز دیکھو مے لیسن جو فرانس والوں کا وکیل ہے: "ہسٹری ... فرینچ ان انڈیا" ص ۲۴۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہی غداروں کی تحریک سے فرانسیسی فوج نے شب خون مارا اور غافل ناصر جنگ کے لشکر میں ابتری ڈال دی۔ وہ خود ہاتھی پر سوار ہو کر چلا اور صف بندی کرا کے چاہتا تھا کہ ایک ہی حملے میں دشمن کو روند ڈالے کہ گھر کے بدخواہوں نے خود اُس کے گولی ماری اور ہاتھی سے گرتے ہی سر کاٹ لیا۔

قیدی مظفر جنگ، موت کا منتظر اونٹ پر رسیوں سے بندھا بیٹھا تھا۔ اسے چھڑا کر صوبیداری کی مسند پر بٹھا دیا۔ (۱۱۶۳ھ م ۱۷۵۰ء) مظفر جنگ کی ظفرمندی کچھ دیرپا نہ ثابت ہوئی۔ ایک اور خونی سازش کے نتیجے میں وہ بھی ناصر جنگ شہید کے پاس پہنچا دیا گیا۔ حکومت کی وراثت پھر آصف جاہ کے تیسرے فرزند صلابت جنگ کے حصے میں آئی، مگر فرانسیسیوں کا نیا رسوخ واثر قائم رہا۔ اڑیسہ کے چار بڑے ضلعے جو "شمالی سرکار" کہلاتے تھے، صوبیدار دکن کی طرف سے انہیں جاگیر میں ملے۔ ان تفرقوں کی افراتفری میں اُسے ایک اور نقصان یہ اٹھانا پڑا کہ آصف جاہ کے فرزند اکبر غازی الدین خاں نے مرہٹوں کو حلیف بنا کر دکن کا رُخ کیا۔ وہ راستے میں قضائے الٰہی سے عدم کو روانہ ہوا، لیکن مرہٹوں نے حسبِ قرارداد خاندیس پر قبضہ جمایا اور دوسرے اقطاع پر دوبارہ حملے شروع کیے۔ ایک بڑی لڑائی اودگیر کے قریب ہوئی، جس میں صوبیدار دکن بُری طرح گھیر لیا گیا اور نہ صرف خاندیس و برار، بلکہ بیجاپور و دولت آباد مرہٹوں کے حوالے کرنے پر مجبور ہوا (۱۱۷۲ھ م ۱۷۵۹ء) یہ پیشوائی حکومت کے انتہائی عروج کا نقطہ تھا۔ اسی کے اگلے سال تقدیر کے کوتوال نے پانی پت میں ان کے غرور کا سر نیچا کیا۔

دکن کا مرکز پہلے ہی اورنگ آباد سے نیچے ہٹا اور موسیٰ ندی کے کنارے قطب شاہی تخت گاہ (حیدر آباد) میں اُتر آیا تھا۔ اودگیر کے معرکے نے صلابت جنگ کو اور بھی ضعیف ونحیف کر دیا۔ حکومت کی باگ رفتہ رفتہ اس کے چھوٹے بھائی نظام علی کے ہاتھ میں پھسل آئی۔ وہی نظام الملک آصف جاہ ثانی کے لقب سے مشہور ہے اور یہ گدی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابھی تک اسی کی اولاد کا ورثہ چلی آتی ہے۔[1]

آصف جاہ ثانی

اودگیر کا بدلہ تو نظام علی خاں نے دوسرے ہی سال مرہٹوں سے لے لیا کہ حدود حیدر آباد سے شہر پونا تک ان کے علاقے پامال کر ڈالے خاص راجدھانی میں آگ لگائی، پچھلا معاہدہ پھاڑ دیا اور بہت سا کھویا ہوا ملک واپس لے کر پلٹا، لیکن اُس کی اصلی کامیابی یا خوش نصیبی یہ تھی کہ فرانس والوں کو انگریزوں نے نیچا دکھایا، تو فرنگی اثرات سے حیدر آباد کو بیس پچیس برس تک پاک رکھا اور نئے طرز پر ایک بڑی فوج مرتب اور جدید ترین آتشی اسلحہ سے مسلح کی جنگی ضروریات کے لیے خود حیدر آباد میں توپ و تفنگ ڈھالنے کے کارخانے بنائے جن کی ہندوستان بھر میں نظیر نہ تھی اور ہمعصر انگریز تصدیق کرتے ہیں کہ ان کی مصنوعات اُس وقت یورپ کے بہترین اسلحہ سے کم نہ تھیں۔

دکن کی فوجی تیاریوں میں فرانس کے کئی ماہرین کا حصہ تھا کہ جب ان کے مرکز ٹوٹے اور فوجیں ہر طرف کی گئیں تو یہ لوگ دکن اور ہندوستان کی مختلف سرکاروں میں رہ پڑے۔ ان میں حیدر آباد کا فرانسیسی سپہ سالار ریموں اپنی کارگزاری اور وفاداری کی بدولت اتنا ہر دل عزیز ہوا کہ شہر کے باہر آج بھی اس کی قبر پر میلا لگتا ہے اور یہ جگہ "راموں کی ٹیکری" مشہور ہے۔[2]

---

[1] ۱۹۴۸ء میں بھارت نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ ریاست ہی کا وجود باقی نہ رہا۔ (ادارہ)

[2] اس عہد کے حالات بہت سی فارسی اور انگریزی کتابوں میں تحریر ہیں۔ ہمارا ایک بڑا ماخذ دکن کی نیم سرکاری تاریخ "ہسٹوری کل اینڈ ڈس کرپ ٹو اسکیچ" ہے۔ (صفحات ۸۸ و مابعد)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظام علی کو پُرانے حریف مرہٹوں سے کھڑلا میں شکست ہوئی۔ میسور کی تیز و نوخیز "دولت خداداد" سے بھی مقابلے کرنے اور نقصان اٹھانے پڑے، لیکن آزادی کے بنیادی دشمن انگریز تھے جن کی مسلسل اجتماعی کوشش کے سامنے کسی شاہ و شہریار کا تھمنا مشکل تھا۔ وہ مسلمانوں کی دُکھتی رگ پہچان گئے تھے اور ان کی گرفت اکثر کارگر، بلکہ مہلک ثابت ہوتی تھی۔ بنگال و بہار سے فرصت پاتے ہی ان کے جاسوس و موکل دربارِ دکن میں پھیل گئے۔ نظام علی خاں کو بیماری نے تقریباً معطّل کر دیا تھا۔ کئی امیر و وزیر انگریزوں کے شریکِ سازش ہو گئے۔ ان کا "میر" میر عالم کو بتلاتے ہیں (جس کے آخری وارث تیسرے سالار جنگ تھے کہ قریب زمانے میں لاوارث فوت ہوئے ہیں) انگریز موقع کی تاک میں لگے ہوئے تھے کہ ۱۲۱۳ھ م ۱۷۹۸ء میں فوج کے سپہ سالار موسیو ریموں کا انتقال ہوا۔ یکایک ایک انگریزی لشکر نے چھاؤنی کو آگھیرا اور مقامی عمائد کی مدد سے ہتھیار لے کر اس طاقتور بازو کو نہتا کر دیا۔ یہ ایک ہی چال شہ مات کی چال تھی جس نے دکن کی سیاسی بساط الٹ دی۔ انگریز تاریخ نویسوں کی خوشی اس جُملے کے ظرف سے چھلکتی ہے کہ:

"پھر انگریزوں کو نہ حکومتِ حیدرآباد کی دشمنی کا خوف رہا، نہ دوستی کی آرزو"[1]

کامیابی کا پہلا پھل تو یہ ملا کہ سلطان ٹیپو کی آئندہ جنگ و قتل میں حیدرآباد انگریزوں کا شریک و مددگار تھا۔ اسی زمانے میں مرہٹوں سے جو لڑائیاں لڑنے ان میں بھی انگریزوں کو بڑی آسانیاں ہو گئیں۔ خود حیدرآباد کے اہلِ حکومت کی مستقبل میں مستقل حکمتِ عملی یہ تھی کہ انگریزوں کو دوست بنائے رکھیں۔ اگرچہ یہ دوستی سیاسی آزادی کے ساتھ ان کی مملکت کو بھی کترتی رہی تاہم جب تک اہلِ برطانیہ ممالکِ ہند سے دست بردار نہ ہوئے، نواب نظام ان کی یاوری و وفاداری میں ثابت قدم رہے۔

---

[1] "وِلکس" نورڈ ہسٹری، ص ۵، بحوالہ میل کوم وغیرہ۔ نیز دیکھیو "ہسٹوریکل ..... اسکیچ ..... ص ۱۰۱"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دکن کی ایک اور جاندار، جان ہار اسلامی حکومت کی کہانی سنانے سے پہلے ارکاٹ کے باب میں چند سطریں لکھنی مناسب ہیں کہ فتنۂ فرنگ نے پہلی سرنگ یہیں اڑائی تھی۔ فرانس و برطانیہ کی ہندستان میں کشمکش کے سرسری مناظر ہم کسی آیندہ باب میں معائنہ کریں گے۔ یہاں چندا صاحب کا ناتمام قصہ انجام کو پہنچانا ہے کہ جب انورالدین مارا گیا (معرکۂ امبر ۱۷۴۹ء) ارکاٹ میں چندا کا بظاہر کوئی مدِمقابل نہ رہا۔ البتہ انورالدین کا فرزند محمد علی باپ کی وراثت کا مدعی اور ترچناپلی میں قلعہ بند ہو گیا تھا۔ اسے چندا نے محصور کر لیا۔ محمد علی کو کہیں سے مدد ملنے کی توقع نہ تھی، لیکن ہمت والوں کی مدد کا سامان خدا کر دیتا ہے۔

فرانسیسیوں سے جنگ کے سلسلے میں انگریزوں نے ولایت سے کمک منگائی تھی۔ جس وقت یہ جمعیت مدراس پہنچی، یورپ میں ان قوموں کی صلح ہو گئی تھی (وراثتِ آسٹریہ کی جنگ تا ۱۷۴۸ء) مگر اسی زمانے میں دوپلے نے اپنا دو پہلو جال پھینکا اور کرناٹک و دکن دونوں کو بظاہر پھانس لیا تھا۔ مدراس کے انگریزوں کو یہ دیکھ کر سخت وہم اور حسد پیدا ہو گیا۔ کوئی پچاس برس پہلے عالمگیر بادشاہ کے آخری زمانے میں انگریزی کمپنی نے ملک گیری کا کھیل کھیلا اور بڑی چوٹ کھائی تھی۔ اس وقت سے وہ ہندوستان کی سیاسیات میں دخل دینے سے برابر بچتی رہی لیکن اب خوف یا رقابت یا طمع نے اسے پھر اسی راستے پر ڈال دیا۔ ہمعصر مبصر علامہ آزاد بلگرامی یہی تیسری علت تشخیص کرتے ہیں[۱]۔ غرض مدراس میں قسمت آزمائی کی تجویز منظور ہوئی۔ دارالملک ارکاٹ قریب اور غیر محفوظ تھا۔

۱؎ مآثر الامرا' میں لکھا ہے کہ اہلِ فرانس کی ابتدائی کامیابی دیکھ کر انگریز تاجروں کو بھی یہ حرص ہوئی کہ ملک بادشاہی کا کوئی ٹکڑا اُچک لیں جس طرح آلو آلو کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے۔

"ہوائے مداخلت در ملکِ بادشاہی بہم رسید کہ آلو آلو را دیدہ رنگ میگیرد۔"

ج ۲۔ ص ۵۳۴ و مابعد (خزانۂ عامرہ ص ۱۱)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چندا صاحب فوج لے کر ترچناپلی کے محاصرے میں مصروف' انگریزوں کی طرف سے بالکل مطمئن تھا. یکایک یہ بغلی گھونسا لگا کہ مدراس کے ایک لشکر نے ارکاٹ پر ہاتھ مارا. بلامزاحمت شہر پر قابض ہو کر مورچہ بندی کر لی.

اس گھوڑے کی چال نے ساری بازی کا رنگ بدل دیا. چندا صاحب اپنا صدر مقام چھڑانے کے لیے محمد علی کو چھوڑ کر ادھر آیا. اس کی چار دن کی چاندنی پھیکی پڑ گئی. مقامی رئیس دمبدم بڑھتا سورج دیکھ کر محمد علی کی طرف جھکے. چندا صاحب ارکاٹ نہ لے سکا. فرانسیسی دکن کی موٹی چڑیا کے پر باندھنے میں لگے تھے اور یہ کام ہی ان سے نہیں سنبھلتا تھا. اپنے ارکاٹی حلیف کو مدد نہ دے سکے. وہ کچھ روز مارا مارا پھرا آخر تنجور میں گرفتار ہو کر مارا گیا. محمد علی والا جاہ کا پوری ریاست پر عمل دخل جم گیا. (۱۱۶۵ھ م ۱۷۵۲ء) وہ ایک منتظم' خوددار حاکم تھا. اس نے انگریزوں کو خاصا مایوس کیا. انہیں اپنی حد سے آگے نہ بڑھنے دیا.[1] چالیس برس سے زیادہ حکمرانی کی (وفات ۱۲۰۹ھ م ۱۷۹۵ء) بیٹا عمدۃ الامرا کے لقب سے چھ برس جانشین رہا' لیکن اس کی وفات (۱۲۱۵ھ م ۱۸۰۵ء) کے وقت انگریزوں کا اقتدار اور حوصلے اتنے بڑھ چکے تھے کہ سارے عہد و پیمان ردی کی ٹوکری میں پھینک دیے اور نواب کے وارثوں کو وظیفہ دے کر ملک سے بالکل بے دخل کر دیا.

---

[1] محمد علی کا یہی قصور تھا کہ انگریز اہلِ قلم اس پر نفرت کی سیاہی اچھالتے ہیں. ریاست ضبط کرتے وقت یہ الزام بھی لگایا تھا کہ والاجاہ' والیٔ میسور سے دوستانہ مراسلت رکھتا تھا' لہٰذا انگریزوں کے آئینِ دادرسی کی رو سے اس کے بے گناہ پوتے سزا کے سزاوار ٹھیرے! اوکسفورڈ ہسٹری' میں محمد علی کو بدمعاش، نابکار وغیرہ الفاظ سے یاد کیا گیا ہے (ص ۴۷۶ و ص ۵۸۴) یہ نگارش مؤلف کی بدتہذیبی کے علاوہ بےجا تعصب کی گواہ ہے جس نے اس تاریخ کی عبارتوں کو مناظرے اور ہجونگاری کی بدنما مثال بنا دیا.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دولت خداداد میسور :

بارہویں صدی ہجری کے آخری ثلث میں مسلمانوں کی ایک طاقتور حکومت جنوبی ہند میں قائم ہوئی۔ یہ دولتِ خداداد اتنی مستعجل تھی کہ چند سال چمک دمک دکھا کے بجھ گئی۔ لیکن اس کی سرگزشت میں ایسے عظیم و عجیب نکتے چمکتے ہیں جنہیں ملّت کی تاریخ میں جلی عنوان سے لکھنا، غائر نظر سے پڑھنا، دل سے یاد رکھنا واجب ہے۔

(۱) اس کی تاسیس و تشکیل کا زمانہ وہ ہے جب کہ مراکش سے دکن تک اسلامی حکومت کی جڑیں ہل رہی تھیں، نظام بادشاہی کا قصر ٹوٹتا نظر آتا تھا۔ اس دورِ فساد و زوال میں ایک معمولی مسلمان کا چند سال میں ایک نئی اور اتنی قوی ریاست کی تنظیم کر لینا، دلالت کرتا ہے کہ انحطاط کی بیماری نے موروثی شاہ و شہریار، خاندانی اُمراء و رؤسا کے قوائے عمل کو شل کیا، عقل و اخلاق کو بیتاڑا، ورنہ قوم جوہرِ قابل سے محروم نہ تھی، مسلمان عامی حکومت بنانے اور چلانے کی ہمت و ہمت رکھتے تھے۔

(۲) مسلمان قوم کے مزاج میں ایسا برتری کا احساس رچ گیا تھا کہ بڑی سے بڑی غیر مسلم اکثریت کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔

(۳) موروثی بادشاہی کے سوا کوئی دوسرا طرزِ حکومت ذہن میں نہ تھا اور جمہوریت یا نیابتی حکمرانی کا کوئی نمونہ اُس وقت نگاہ میں نہ تھا۔ عام لوگ بھی موقع پاتے تو وہی ملوکیت کی محفل جماتے تھے۔ قریب زمانے میں یہی ایران و افغانستان میں ہوا تھا۔ یہی ڈگر میسور میں حیدر علی نے اختیار کی۔ اس مثال سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ مجموعی طور پر ملت اسلامی جمہوریت کا آئین مدت سے فراموش کر چکی تھی اور انسانی مساوات کا جو بنیادی عقیدہ اسلام نے سکھایا تھا، سیاسی دنیا میں اس پہ عمل کرنے سے عاری تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واضح رہے کہ وہ تمام علاقہ جسے آج کل میسور کہتے ہیں، حیدر علی سے پہلے کبھی کسی واحد حکومت کے زیرِ نگیں نہ آیا تھا، بلکہ کئی "وڈیاروں" یا بڑے زمینداروں میں بٹا ہوا تھا۔ انہی میں ایک سری رنگ ٹپن (یعنی سرنگاپٹم) کا وڈیار یہ امتیاز رکھتا ہے کہ اسے عالمگیر بادشاہ نے راجا کا خطاب عنایت کیا۔ عہدِ آصف جاہی میں بھی صوبیدارِ دکن کے ایک باجگزار رئیس کی حیثیت سے اس کا ذکر آیا ہے[1] دربارِ حیدر آباد آیندہ "سرکارِ خداداد" سے جس حقارت و نفرت کا برتاؤ کرتا رہا، میسور کی یہ سابق ماتحتی بھی اس کی ایک نفسی وجہ تھی۔

راجا کو اس کا دیوان یا دلوائی پہلے ہی بے دست و پا بنا چکا تھا۔ حیدر علی[2] نے ایک معمولی فوجی سردار کے درجے سے رفتہ رفتہ ترقی کی۔ مرہٹوں کی ترک تازیوں میں ریاست کی وفاداری کا حق ادا کرتا رہا اور بالآخر اندرونی کشمکش میں لڑ جھگڑ کر دلوائی پر غالب آ گیا۔ اس نے اپنے ولی نعمت کو بے کار بنا کے محل میں بٹھایا تھا۔ حیدر علی نے اسے طوطا بنا کے پنجرے میں ٹانگ دیا۔ (۱۱۷۵ھ م ۱۷۶۲ء)

اسی سال نظام علی خاں کے بھائی بسالت جنگ نے سرا پر فوج کشی کی۔ یہ میسور کے شمال میں عالمگیر کے سب سے جنوبی صوبے کا صدر مقام تھا اور اس پر مرہٹے آڑے تھے۔ بسالت جنگ کو جنگ میں کامیابی نہیں ہوئی، لیکن حیدر علی سے تین لاکھ روپیہ نذرانہ لے کر سرا کی صوبیداری کی سند لکھ

---

[1] دیکھو بورنگ کا حیدر علی اینڈ ٹیپو سلطان ص ۱۵ وغیرہ۔ نیز ماثر الامرا جلد ۳ ص ۸۹۵۔ وڈیار کو اہلِ دکن اوڈیر لکھتے ہیں۔

[2] حیدر علی نسلاً قریشی بتایا جاتا ہے۔ اسی بارہویں صدی میں اس کے اجداد بنگلور کے قریب اقریہ دیون ہلی میں آ کر بس گئے تھے۔ باپ فتح محمد کرناٹک کی لڑائیوں میں مارا گیا۔ حیدر علی نے سرنگاپٹم کے دلوائی کی ملازمت اختیار کر لی اور اس چھوٹی ریاست میں سپہ سالاری کے عہدے تک ترقی کی۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دی۔ سند میں اسے نواب حیدر علی خاں کے خطاب سے عزت بخشی۔ دربار دکن نے اس خطاب و سند کو جائز نہیں مانا، مگر یہی دستاویز حیدر علی کے شاہانہ منصوبے کی آیہ فاتحہ بنی۔ صاف ظاہر ہوگیا کہ وہ سرنگا پٹم کی زمینداری پر قناعت کرنے والا آدمی نہیں ہے۔

اصل میں مرہٹوں کی تباہ کاری سے پرگنے کے پرگنے بے چراغ اور لاوارث رہ گئے تھے۔ بڑے قلعوں میں مرہٹہ عامل موروثی جاگیردار بنے بیٹھے تھے، مگر آپس میں ربط کا تجربہ نہ تھا کہ مل کر حیدر علی کی مدافعت کرتے۔ ایک ایک کرکے چتل ڈرگ، بدنور تک اس کے لقمہ چرب اور جزو بدن بنتے گئے۔ ان کے مال غنیمت نے اسے نہایت قوی کردیا۔[1] مرہٹوں کی طرز جنگ اور ذہنیت سے وہ خوب واقف تھا کہ بڑے بڑے لشکر لاتے ہیں تو آندھی کی طرح خاک اڑاتے نکل جاتے ہیں، زیادہ نہیں ٹھیرتے۔ ایسے طوفانوں سے بچنے کے لیے پہاڑی ملک میں بہت سے مامن تھے۔ دوسرے موروثی دولت نے مرہٹہ سرداروں کے پاؤں بوجھل کر دیے تھے۔ میسوری حریف گریز پائی میں ان کے آگے نکل گیا اور ان کی ہنگامی یورش و تاخت کے باوجود اس کی حکومت ساحل ملیبار تک پھیلتی چلی گئی۔ جنوب مشرق میں وادیٔ کاویری کے زرخیز علاقوں سے مالیہ وصول کیا۔ پالار ندی کی طرف قدم بڑھائے جس کی فوجی حفاظت ارکاٹ کی طرف سے انگریزوں نے اپنے ذمے لے رکھی تھی۔ شاید یہی قربت عناد و رقابت کی تقریب ہو لیکن انگریزی تاریخوں میں میسور سے پہلی جنگ کی کوئی خاص وجہ نہیں متعین کی۔ غالباً ابتدا کمپنی کے بمبئی کے گماشتوں نے کی کہ منگلور میں نواب کے خلاف بغاوت کرا کے خود فرار ہو گئے، اور جب وہ ادھر آیا تو مدراس کی طرف سے کمپنی فوجوں نے حملہ کر دیا۔ (۱۱۸۱ھ م ۱۷۶۸ء)

اس پیش قدمی میں مراری راؤ مرہٹے کا لاؤ لشکر انگریزوں کے ساتھ تھا۔ شروع میں انہیں خاص

---

[1] ایک معاصر انگریز نے جو میسور میں رزیڈنٹ بھی رہا۔ بدنور کو مشرق کا سب سے مالدار شہر لکھا ہے۔ اس کی روایت ہے کہ حیدر علی نے اسے فتح کیا تو بلا مبالغہ ایک کروڑ بیس لاکھ اشرفی مال غنیمت میں ہاتھ آئی۔ (اوکس ص ۳۸۴ بحوالہ ولکس)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کامیابی ہوئی، لیکن حیدر علی نے پلٹ کر پہلے ان کی یورش رد کی۔ پھر اس شدت اور سرعت سے جا بجا ضرب لگائی کہ دشمن بے اوسان ہوگئے۔ حیدر علی کی وہ یلغار اسی جنگ کی یادگار ہے جس میں باگ اٹھائے ایک سو تیس میل طے کیے اور ایک ہی شبانہ روز میں مدراس پہنچ گیا۔ انگریزوں نے عاجزانہ صلح کی درخواست کی اور اس کی من مانی شرطوں پر کان دبا کر دستخط کر دیے (عہد نامہ مدراس، مارچ ۱۷۶۹ء م ۱۱۸۲ھ)

میسور کی دوسری جنگ کوئی دس برس بعد شروع ہوئی اور ٹھہر ٹھہر کر پانچ برس تک ہوتی رہی۔ (۱۱۹۲ھ تا ۱۱۹۷ھ م ۱۷۷۹ء تا ۱۷۸۴ء) اس کے محرکات میں فرانس و برطانیہ کی جنگ بھی شامل ہے جس کے شرارے یورپ سے ان کی ایشیائی نوآبادیوں تک اُڑتے تھے۔ حیدر علی نے کئی معرکے جیتے دو پوری گورہ فوجوں نے میسوری کالوں میں گھر کر ہتھیار ڈال دیے۔ فاتح بکسر، سر کہٹر منرو کی شہرت کی ناک ارکاٹ کے میدانوں میں کٹ گئی۔[۱]

حیدر علی کا اسی دوران میں انتقال ہوا۔ مرہٹوں نے بقول تخصیصے اپنی فطرت کے مطابق دغا کی[۲] کہ دوستی کا معاہدہ کر کے دشمنوں سے جا ملے، تاہم انگریزوں کو یہی غنیمت نظر آیا کہ اس وقت برابر کی شرطوں پر صلح کر لی۔ (۱۱۹۷ھ م ۱۷۸۴ء)

---

[۱] چنانچہ انگریزی تاریخوں میں اسے بے غیرت، بزدل، ناکارہ محض وغیرہ سخت لفظوں سے یاد کیا گیا ہے۔ (دیکھو اوکس ہس صفحہ ۵۴۱۔ مارش مین وغیرہ) لیکن یہ وضاحت کرنی واجب ہے کہ جب انگریزوں کا احساسِ برتری دورِ ملوکیت میں پختہ ہوا، تو وہ اپنی گزشتہ ناکامیوں کے ذکر پر شرمانے اور پردے ڈالنے لگے۔ برخلاف اس کے اہلِ ہند کی حالیہ تاریخوں میں حیدر علی کے ان معرکوں کو فخر کے مبالغوں سے بڑھایا چڑھایا گیا ہے۔ یہ ان کے احساسِ کہتری کا غماز ہے۔

[۲] اوکس ہس، صفحہ ۵۴۲۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیرِ میسور ٹیپو سلطان :

۱۱۹۵ھ مطابق دسمبر ۱۷۸۲ء میں حیدر علی نے انتقال کیا. تقریباً باسٹھ سال کی عمر پائی. زیادہ سے زیادہ بیس برس آزاد فرمانروائی کی. اتنی سی مدت میں ایسی کامیابی اور اتنی بڑی سلطنت قائم کر دینا مسلمانوں کی ملی تاریخ کا تعجب خیز، جوش انگیز واقعہ ہے. انگریز حریف بھی اس کی بہادری کے آگے سر خم کرتے اور اسے اپنے عہد کے سب سے بڑے سپہ سالاروں میں گنتے ہیں. جنگی مہارت میں وہ قریب العصر احمد شاہ درانی سے مماثلت رکھتا ہے اور تدبیر و تنظیم میں بھی بانیٔ سلطنتِ خداداد اُس سے ہیٹا نہ نکلے گا. ہم عصر پاکستان و ہند میں کوئی شاہ و شہریار یا امیر و سپہ سالار اس کے ٹکّے کا نظر نہیں آتا.

حیدر علی کے بعد اس کا بیٹا فتح علی عرف ٹیپو سلطان[1] باپ کا جانشین ہوا. سلطان کا لقب حیدر علی نے کبھی اختیار نہیں کیا. مگر آخری زمانے میں سلطانی کے سب لوازم ضرور مہیا تھے. دکن کے صوبیدار سے ماتحتی، خراج گزاری کا تعلق منقطع اور ۱۱۷۵ھ میں خود مختاری مسلّم ہو چکی تھی. اب وہ نظام الملک سے ہم سری کا دعویٰ رکھتا تھا. ۱۱۹۲ھ میں چھوٹے بیٹے کی شادی نواب ساوانور کی بیٹی سے شاہانہ تزک احتشام کے ساتھ رچائی. سرکاری تقریبات اور درباروں کی تزئین و آئین کو بادشاہی پیمانے پر لے آیا. فیل سفید پر سواری کا جلوس اسی ماہی مراتب اور طمطراق سے نکلتا جو بادشاہی کی شان تھی.

ٹیپو کے عہد میں قدرتاً یہ شان زیادہ نمایاں ہو گئی. اسی کا طرّہ سلطان کا لقب تھا جسے دکن کے طاقتور صوبیدار تک اپنے نام کے ساتھ لگانے سے بچتے تھے. ایک اعتبار سے ٹیپو کی یہ خود نمائی،

۱؎ کہتے ہیں کوئی مجذوب ٹیپو (شاہ) تھے، اُن کی دعا سے حیدر علی کو خدا نے یہ بیٹا دیا. شکرگزار باپ انہی کے نام پر اسے ٹیپو پکارنے لگا. ولادت ذی الحجہ ۱۱۶۳ھ ۱۷۵۲ء دیون ہلی (نواح بنگلور) میں ہوئی.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خود پسندی کچھ بے جا نہ تھی۔ رقبے میں برطانیہ کے قریب اور ایک لاکھ مربع میل سے زیادہ ملک اُس کے زیرِ نگیں تھا۔ نوّے ہزار جنگ آزما سپاہی حکم پر سر کٹوانے کے لیے تیار، حربی ذخائر اور مال و زر کے خزانے معمور تھے۔[1]

سلطانِ میسور کی یہی آسودگی ہم سایوں کی خلش کا سامان تھی۔ اس نے انگریزوں سے پہلی بار صلح بھی اسی امید اور مصلحت سے کی کہ وہ دیسی حریفوں کے مقابلے میں میسور کا ساتھ دیں گے، مگر چند سال بعد یہی فرنگی حلیف دشمنوں کے جتھے میں سب سے آگے آگے نظر آئے۔ کمپنی کا صدر حاکم کارن والس مقرر ہوا اور اس کی "عدم مداخلت" اور امن جوئی کے لیے ڈھول پیٹے گئے تھے کہ میسور سے جنگ چھیڑنے پر خود انگریز مؤرخ انگشت بدنداں رہ گئے۔

ٹیپو کئی سال مرہٹہ جتھے اور نظام کی متحدہ افواج سے لڑتے لڑتے تھک گیا تھا اور انگریزوں سے گلہ کرتا تھا کہ حسبِ معاہدہ کوئی مدد نہیں دیتے۔ اب معلوم ہوا کہ وہ دوستی کی بجائے عداوت میں سرگرم ہیں۔ نتیجے میں سلطان کو شکست ہوئی اور صلح کے معاوضے میں کئی ضلعے نظام، مرہٹوں اور انگریزوں کے حوالے کرنے پڑے۔ (عہدنامہ سرنگاپٹم ۱۲۰۶ھ م ۱۷۹۲ء)

عین اس وقت جبکہ تاوان کی پیشگی رقم اور سلطان کے دو بیٹے بطور "ضمانت" قابو میں آ گئے۔ لارڈ کارن والس نے معاہدے میں کورگ کی تحویل کا فقرہ بڑھا دیا۔ ٹیپو کو سخت غصہ آیا۔ بحالتِ مجبوری نئی شرط قبول کرنی پڑی، مگر معلوم ہوتا ہے اسی حرکت نے اُسے انگریزوں کا جانی دشمن بنا دیا۔[2] انہی سے مدافعت پر آیندہ ساری کوششیں مرکوز کیں۔ فرانس والوں سے رشتۂ اتحاد جوڑا۔ ایران و افغانستان تک سے مدد کی درخواست

---

[1] "حیدر علی اینڈ ٹیپو سلطان" ص ۱۱۹

[2] دیکھو میل کوم کی پولیٹیکل ہسٹری آف انڈیا اور گرانٹ ڈف کی تاریخ مرہٹہ کی متعلقہ فصل۔ مارش مین اسمتھ وغیرہ کارن والس کی وکالت کرتے ہیں۔ انہیں حق و ناحق سے بحث نہیں، فقط اپنی قوم کا فائدہ دیکھتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی۔ استنبول سفارت بھیجی۔ ہندوستان کے بعض ہندو راجوں مہاراجوں کو خط لکھے کہ خواب غفلت سے ہوشیار ہو جاؤ ورنہ انگریز ایک ایک کر کے تم سب کی عزت اور آزادی برباد کر دیں گے۔[۱]

ان کوششوں کا ظاہر ہے کیا فائدہ ہوتا۔ چند فرانسیسی سرنگاپٹم میں ضرور جمع ہو گئے۔ فرانس کی نئی جمہوریت کے اصول کی انجمن بنائی۔ سلطان اس کے ارکان میں شامل ہوا۔ یہ محض نمائشی باتیں تھیں۔ ممکن ہے انگریزوں کو جلانا مقصود ہو۔ یہ ارادہ نہ تھا تو بھی وہ بہت جلے۔ ترکی سے میسوری سفیر یہ جواب لایا کہ فرانسیسی انگریزوں سے زیادہ مسلمانوں کے دشمن ہیں۔

دولت خداداد کا خاتمہ :

ٹیپو کے توڑ پر انگریزوں نے تخریب و تفریق کے جو زہریلے بیج پھیلائے تھے وہ خوب پھلے پھولے۔ سلطان کا دیوان میر صادق اپنی غداری، حلف دروغی، کافر نعمتی میں ضرب المثل ہو گیا ہے کہ آج تک اہلِ میسور اُس کی فرضی قبر پر تھوکتے ہیں۔ شاعرِ ملت اقبالؒ نے میر جعفر کے ساتھ اسے بھی اتنا بڑا سیاہ کار قرار دیا ہے کہ دوزخ اسے قبول کرنے سے عار کرتی ہے :۔

جعفر از بنگال و صادق از دکن

ننگ آدم، ننگِ دیں، ننگِ وطن ۔ الخ (جاوید نامہ)

لیکن واقعہ یہ ہے کہ آقا کشی میں صادق اکیلا نہ تھا۔ نائب دیوان پورنیا، غلام علی لنگڑا، بدرالزمان وغیرہ کئی ارکانِ دولت سازش میں شریک رہے[۲]۔ سرنگاپٹم کے قلعے کا راستہ دکھانے والا ایک میسوری جاگیردار

---

[۱] ان سفارتی سرگرمیوں کی تفصیل کے لیے دیکھو "تاریخ دولتِ خدادادِ میسور" جو قریب زمانے میں فارسی اور انگریزی ماخذوں سے تالیف ہوئی اور مؤلف کی محنت اور محبت کی گواہ ہے۔

[۲] میر صادق کو کسی میسوری سپاہی نے سرنگاپٹم کے معرکے ہی میں قتل (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا بیٹا قاسم علی تھا۔ سابق راجا کی رانیاں مدت سے انگریزوں سے ملی ہوئی تھیں اور ہندو زمینداروں کو اندر ہی اندر ابھارتی، سبز باغ دکھاتی رہتی تھیں۔

حربی اعتبار سے ریاست پہلے ہی گھیر لی گئی تھی۔ مشرق میں بارہ محل کی چھاؤنیاں سیدھی سرنگاپٹم پر زد ڈالتی تھیں جنہیں پچھلی جنگ میں انگریزوں نے گویا اسی غرض سے چھین کر جنگی مرکز بنا لیا تھا۔ کمپنی کا صدر حاکم ویلزلی مقرر ہوا تھا کہ انگریزوں میں بڑا شیر دلیر مشہور ہے اور آزادیٔ ہند کے حق میں واقعی بھیڑیا نکلا۔ حیدر آباد پر جو کچھ گزری ایک پچھلی فصل میں ہم دیکھ چکے ہیں۔ وہاں کی بہترین فوج کے ہتھیار کھلوانا، میسور پر تلوار اٹھانے کا اعلان تھا۔ جنگ میں خود نظام کا لشکر حملہ آور انگریزوں کے ہم رکاب؛ ہمسائے کو تباہ کرنے آیا۔ تقریباً پچاس ہزار سپاہ کہ اب تک اس کی آدھی بھی انگریز تاجروں نے فراہم نہ کی تھی، تین طرف سے ٹیپو کے خلاف بڑھی (رمضان ۱۲۱۳ھ م فروری ۱۷۹۹ء) اور کوئی ڈیڑھ ہی مہینے میں سرنگاپٹم جا پہنچی۔

اسی زبردست لشکر کا ایک دستہ ولزلی کے بھائی کی کمان میں تھا جو آیندہ فاتح نپولین ڈیوک آف ولنگٹن کے لقب سے برطانیہ کا سورما کہلایا۔ سلطان کے چند وفادار سردار ابتدائی معرکوں میں کام آئے۔ نمک حرام غدار قلعے کے تین جانب دشمن کو چڑھا لائے۔ حرف قبولِ اطاعت میں سلامتی کا امکان تھا، اسے سلطان کا ضمیر قبول نہ کر سکا۔ اس کا یہ دلی یقین بارہا زبان تک آیا کہ دو سو برس کی گوسفندی سے دو دن کی شیرانہ زندگی ہزار درجہ بہتر ہے۔ جب سب جاں نثار مارے گئے اور کوئی پانی پلانے والا تک نہ رہا، اس وقت ایک گولی شہادت کا جام اور ٹیپو کی جان کے ساتھ ہندوستان میں آزاد مسلمان حکومت کے خاتمے کا پیام لائی۔ (۲۸ ذی قعدہ ۱۲۱۳ھ م ۴ مئی ۱۷۹۹ء)

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

کر دیا، لیکن دوسرے سازشی انگریزوں کے انعام و اکرام سے بہرہ مند ہوئے۔ سابق خاندانِ راجا کی بحالی پر پُرنیا ریاست کا دیوان مقرر کیا گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہلالی حساب سے چودہ سو گیارہ برس پہلے ان ذی قعدہ کے مہینے میں ہندوستان کی آزاد بادشاہی کا علم جو لاہور میں بلند کیا گیا تھا، سرنگا پٹم میں سرنگوں ہوا۔ انگریزوں نے اس فتح پر جتنا کچھ فخر کیا، وہ بجا اور جیسی کچھ خوشیاں منائیں وہ کم تھیں، لیکن ملت اسلامی کے لیے بھی اس سانحے میں عبرت کے بہت سے نشتر پنہاں ہیں اور وہ ایک دردناک عظمت کا مالک ہے۔

۱۔ سلطان کی اولاد کو وظیفے دے کر میسور سے دور بھیج دیا گیا۔ ملک کے مغربی اضلاع، ملیبار وغیرہ کمپنی کے مقبوضات میں شامل ہوئے۔ شمالی اضلاع پر حیدر آباد کا حصہ لگایا تھا، دوسرے سال وہ بھی بائیں ہاتھ سے واپس لے لیا گیا۔ باقی ریاست ایک زمانے تک انگریز قائم مقام (= ریذیڈنٹ) کے زیرِ انتظام رہی۔

میسور کے ناظم تعلیم شاماراؤ نے اپنی تالیف "ماڈرن میسور" میں لکھا ہے کہ لٹنے کے باوجود قلعے سے قیمتی پارچہ، ظروف و زیورات کے اتنے صندوق انگریزوں کے ہاتھ آئے کہ "پان سواونٹ" لاد کر مدراس لے گئے۔ جس قدر زرِ نقد فوج میں تقسیم ہوا اس میں ڈیڑھ لاکھ اشرفی جنرل ہارس کے ہاتھ آئی۔ صرف سرنگا پٹم کے قلعے سے ایک ہزار توپیں، ساٹھ ہزار بندوقیں، بے حساب گولہ بارود کا ذخیرہ برآمد ہوا۔ یہی غنائم ایک انگریز سیاح کے بیان کی تصدیق کرسکتے ہیں جس نے انہی دنوں میسور کی سیاحت کی اور ٹیپو کے حسنِ انتظام اور قبولِ عام کا برائے العین مشاہدہ کیا۔ اُس وقت انگریز چھوٹے بڑے سرکاری، غیر سرکاری سبھی سلطان کو گالیاں دیتے اور شیطان سے بدتر ثابت کیا کرتے تھے۔ سیاحت نامے کے مقدمہ نگار ایڈورڈ مور نے ان بہتان طرازوں پر ملامت کے دُرّے لگائے ہیں۔ (سیاحت نامہ کیپٹن لٹل۔ لندن ۱۷۹۴ء)

www.KitaboSunnat.com

دو آب اور اودھ کی دولائی

مسلمانوں کی ایک اور بڑی ریاست نے ہندوستان خاص کی زینت بڑھائی۔ اس کا بانی ایک ایرانی سوداگر محمد امین برہان الملک تھا کہ بازار سے بڑھ کر شاہی ایوان اور سپہ گری کے میدان میں کامیاب ہوا۔ محمد شاہی عہد میں اودھ اور الٰہ آباد کے صوبے اُسے ملے تو یہ صوبیداری بنارس کے آگے بہار کی حدوں تک ایک وسیع مملکت بن گئی۔ سعادت خاں کے نادر سے مل کر دہلی کے شاہی خزانے لٹوانے اور خود دیکایک سرطان سے مرجانے کا حال پہلے باب میں گزر چکا ہے۔[1] اس کے نرینہ اولاد نہ تھی، داماد صفدر جنگ جانشین ہوا۔ اسی کی اولاد پہلے نواب وزیر، پھر شاہانِ اودھ کے لقب سے ملقب ہوئی۔ ان کے نام یہ ہیں:

- ۱۔ صفدر جنگ
  - ۲۔ شجاع الدولہ
    - ۳۔ آصف الدولہ
      - ۴۔ (متبنّٰی) وزیر علی۔ چار ماہ
    - ۵۔ سعادت علی خاں
      - ۶۔ غازی الدین حیدر
        - ۷۔ نصیر الدین حیدر
      - ۸۔ محمد علی شاہ
        - ۹۔ امجد علی شاہ
          - ۱۰۔ واجد علی شاہ

۱؎ 'مراۃ آفتاب نما' سے تاریخ اودھ کے مؤلف نے ایک تاریخ نقل کی ہے۔ (ج ۱ ص۴۰)

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد شاہ بادشاہ کے آخر زمانے میں صفدر جنگ وزیر سلطنت بنایا گیا تھا مگر دم توڑتی دہلی کی وزارت مُردہ سانپ کی طرح گلے میں لٹک گئی کہ اس کی طمع کے بل مرتے دم تک نہ نکل سکے۔ وفات سے کچھ پہلے صوبے کے دارالحکومت فیض آباد گیا، وہیں انتقال ہوا۔ (۱۱۶۷ھ م ۱۷۵۴ء) دہلی لاکر دفن کیا۔ وہاں سے ہڈیاں کربلا لے جائی گئیں، لیکن دہلی میں خوش نما مقبرے نے اس کا نام یہیں زندہ رکھا ہے۔

اودھ کی اصل صوبیداری اور بڑی حد تک خود مختاری مرحوم کے فرزند شجاع الدولہ کے حصے میں آئی جو دہلی کی آویزشوں میں قدم اڑانے سے بچتا تھا۔ کچھ اس لیے بھی کہ بیچ میں روہیلے راستے کا روڑہ بن گئے تھے۔ پانی پت کی تیسری جنگ میں وہ احمد شاہ ابدالی کے ساتھ ہو گیا، لیکن آخر وقت تک مرہٹوں سے پیام سلام کرتا رہا اور اس ہولناک گھمسان میں بھی فقط ماتوں کے پیچھے تھا۔

جس زمانے میں غازی الدین عماد الملک نے دوبارہ زور پکڑا اور شہزادہ عالی گہر، گھر سے بے گھر ہوا، تو شجاع الدولہ نے پہلے شہ دے کر اسے بنگالے بڑھا دیا، پھر چند سال بعد میر قاسم پناہ لینے آیا، تو اس کے فرانسیسی سپہ سالار سمرو کو توڑ لیا اور مہمان کو بہت دن نظر بند رکھا۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

یہ ابتدائی اردو نظم کا نمونہ اور نادر تخرجے کے ساتھ متوفی کی غداری کی یاد دلاتی ہے: ؎

ہوئی جس دم کتاب ابجدِ عُمر　　ادیب مرگ کے ہاتھوں سے ابتر
پئے تاریخ کی جو فکر شایاں　　ہوا سال اسم ہی سے ان کے اظہر
قلم نے دال ملفوظی کے اعداد　　کیے اسم سعادت خاں سے باہر

کلمہ "سعادت خاں" سے ۱۱۵۲ھ برآمد ہوتے ہیں۔ انتقال ۱۱۵۱ھ کے آخر میں ہوا تھا۔ یہی سن ۵۲ھ اسی قسم کے ایک اور ہجو آمیز مادے سے نکلتا ہے ع :

"بے سعادت نمک حرام بمرد"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنگالی لشکر کے ملا لینے سے نواب کی سپاہ میں معقول اضافہ ہو گیا تھا اور اسی کے بل پر وہ شاہ عالم کو ساتھ لے کر انگریزوں سے لڑنے چلا، مگر ایک ہی معرکے میں قلعی کھل گئی (جنگ بکسر ۱۱۷۸ھ م ۱۷۶۴ء) بہار و بنگال پر قبضہ کرنا ایک طرف الٰہ آباد تک کو نہ بچا سکا۔ شاہ عالم نے اُس کے ہاتھ سے ہاتھ چھڑایا اور ان اضلاع اور ۲۶ لاکھ روپے سال کے عوض بنگالے کی دیوانی انگریزوں کے نام بیچ دی۔

والیٔ اودھ نے جنگ کے میدانوں میں کوئی خاص شجاعت نہیں دکھائی، البتہ سیاست کے خانے میں چالیں خاصی کامیاب رہیں۔ انگریزوں کی قوت، یا اپنی کمزوری سے وہ اتنا اندیشہ مند تھا کہ پھر کمپنی کے مقابلے میں کبھی نہ آیا، استمالت سے کام نکالتا رہا۔ شاہ عالم (ثانی) دہلی گیا اور مرہٹوں نے زور باندھا تو شجاع الدولہ نے رہیلوں کی پیٹھ ٹھونکی۔ مرہٹے ہٹے، تو رہیلوں سے اپنی امداد کا معاوضہ طلب کیا حالانکہ کسی لڑائی اور کمک سے جانے کی نوبت ہی نہ آئی تھی۔ اصل میں یہ پیش کش لینے اور اپنی سیادت یاد دلانے کا پیرایہ تھا کیونکہ گنگا کے اوپر کے یہ علاقے اودھ کے ماتحت رہے تھے اور اب کئی ریاستوں میں بٹ گئے تھے۔ ان کا اندرونی انتشار کبھی دربارِ دہلی کو، کبھی مرہٹہ غارت گروں کو، کبھی صوبۂ اودھ کو پیش قدمی کا راستہ دکھاتا تھا۔

۱۱۸۴ھ میں نجیب الدولہ کا انتقال ہوا۔ ایک سال بعد احمد خاں بنگش نے وفات پائی۔ رہیل کھنڈ خاص کی مرکزیت علی محمد خاں کے بعد ہی درہم برہم ہونے لگی تھی۔ غرض شجاع الدولہ کو رہیلوں پہ ہاتھ مارنے کا موقع مل گیا۔ انگریزوں سے دوستی کے عہد و پیمان کئی سال قبل کر چکا تھا (۱۱۸۲ھ م ۱۷۶۸ء) ہندوستان کے رئیس و امیر سازباز، بدعہدی، خود غرضی میں سبق لینے کے محتاج نہ تھے، لیکن انگریزوں کا داؤ دوسرا تھا۔ وہ اب پورے ملکِ اودھ پر جال ڈالنے اور اسے پھنسانے کی فکر میں تھے۔ کمپنی کا صدر حاکم وارن ہیسٹنگز نواب کو برابر ابھارتا، اپنی مدد کا یقین دلاتا رہتا تھا۔ آخر فرخ آباد پر سیادت قائم کرنے اور کئی رہیلے سرداروں کو درپردہ ملا لینے کے بعد شجاع الدولہ نے ان پر حملہ کرنے کی ہمت کی۔ ایک زبردست انگریزی لشکر توپ و تفنگ سے آراستہ آگے آگے تھا۔

مدافعت کرنے والے رہیلوں کی قیادت حافظ رحمت خاں رئیس بریلی نے اس پامردی سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی کہ شہادت کا تاج اور دشمنوں تک سے تحسین کا خراج حاصل کیا۔ یہ فیصلہ کن معرکہ ۱۱۸۸ھ ۱۷۷۴ء میں میراں کٹرے (ضلع شاہ جہاں پور) کے میدانوں میں ہوا۔ پٹھانوں کی قدیم روایتی بہادری جدید آتشیں اسلحہ پر غالب نہ آسکی۔ سخت نقصان اٹھایا اور گھر بار چھوڑ کر بجنور کے شمالی پہاڑوں میں پناہ ڈھونڈی۔ یہیں (بمقام لال ڈانگ) انگریزوں کی وساطت سے صلح نامہ مرتب ہوا۔ ہتھیار بند رہیلوں کو گنگا کے پار بھیج دیا گیا۔ علی محمد خاں کے وارث فیض اللہ خاں کو ریاست رام پور تفویض ہوئی۔ باقی سارا علاقہ ملکِ اودھ کا ضمیمہ بنا، اور اس کی مال گزاری میں چھ آنے فی روپیہ کا انگریز تاجروں نے حصہ لگالیا۔[1] اسی زمانے میں شجاع الدولہ کی زندگی کا عیش ایک پھوڑے نے منغص کر دیا اور چند مہینے سخت تکلیف اٹھا کر وفات پائی (۱۱۸۸ھ ۱۷۷۵ء)

ذاتی کردار کی زشتی اور بعد میں حکومت اودھ کی سرعتِ زوال نے شجاع الدولہ کے سیاسی تدبر پر خاک ڈال دی۔ ورنہ تاریخِ ہندوستان کا وہی ایسا امیر گزرا ہے جس نے آزادی کا بھرم بھی بنائے رکھا اور انگریزوں کی امداد و دوستی سے اچھا خاصا فائدہ اٹھایا۔ ایک بڑی فوج مرتب کی اگرچہ اس کے اکثر سردار ادنیٰ درجے کے تھے۔ فیض آباد میں محلات اور بازاروں کے علاوہ ایک پختہ قلعہ اور توپیں ڈھالنے کا کارخانہ بھی بنالیا تھا، مگر اس کا جانشین آصف الدولہ یہ شہر ہی چھوڑ کر لکھنؤ چلا آیا۔ یہاں کوٹھیاں، باغ، ایک عظیم الشان امام باڑہ تو تعمیر کیا، کسی جنگی تیاری کا حال ہم نہیں سنتے۔ انگریزوں کے ایک قائم مقام (رزی ڈنٹ) کے قدم شجاع الدولہ ہی کے زمانے میں آ گئے تھے، اب ایسے جمے کہ سب امیر وزیر بہ غرض کے بندے بن کر سازشوں کے پلندے اسی کے سامنے لانے لگے۔ یہ کہنا کچھ غلط نہیں کہ جس دن آصف الدولہ نے فیض آباد کو خیرآباد کہا، اودھ کی تھوڑی بہت سسکتی ہوئی سیاسی آزادی نے وہیں دم توڑ دیا۔ آئندہ

---

۱ جیسا کہ "عماد السعادہ" وغیرہ مقامی نیز انگریزی تاریخوں میں لکھا ہے شجاع الدولہ کی وفات کے وقت حکومت اودھ کی آمدنی (بشمول روہیل کھنڈ، فرخ آباد وغیرہ) دو کروڑ ستر لاکھ روپیہ تھی۔ اس میں سے ۶ر کے حساب سے تراسی لاکھ انگریزوں کو سالانہ ادا کیے جاتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان کی تاریخ میں حکومتِ اودھ نے فاعلِ مختار کی حیثیت سے کوئی حصّہ نہیں لیا، وہ انگریزوں کے ماتحت فقط ایک دیسی ریاست رہ گئی۔

۱۲۱۲ھ م ۱۷۹۷ء میں نواب آصف الدّولہ کا انتقال ہوا۔ اُن کے متبنّیٰ وزیر علی کی وراثت کو کمپنی بہادر نے مان لیا تھا، مگر چند مہینے کے اندر سعادت علی خاں سے ایک نیا عہد نامہ کیا اور سالیانہ رقم میں لکھوکھا روپے کے اضافے کے ساتھ الٰہ آباد کا قلعہ لیا۔ وزیر علی کو دھکے دے کر نکالا، اور سعادت علی کو جو شجاع الدّولہ کی صدہا حرموں میں سے ایک حرم کے پیٹ سے تھا مسند پر لا بٹھایا۔ (۱۲۱۲ھ م ۱۷۹۸ء[1]) عمائد و امرائے دولت چوں تک نہ کر سکے۔ لکھنؤ کے عوام نے تازہ جشن اسی ذوق شوق سے منایا جس طرح وزیر علی کی پُر تکلّف شادی کے مزے لیے تھے۔

نیا نواب بہت باخبر منتظم مانا گیا ہے مگر مسند نشینی کے دو سال بعد ہی ولزلی نے بدنظمی کا الزام لگا کر آدھا ملک چھین لیا اور بدنصیب سعادت علی نے عذرِ معذرت کے علاوہ دست برداری کا ارادہ ظاہر کیا، تو ایسی ڈانٹ بتائی جسے ونسنٹ اسمتھ جیسے سوقیانہ مذاق کا آدمی بھی "ناشائستہ" قرار دیتا ہے۔[2]

اس جبری معاہدے سے شجاع الدّولہ کی فتوحات جو انگریزوں کی مدد سے حاصل ہوئی تھیں، بلکہ کچھ مزید علاقہ ملک اودھ سے نکل کر کمپنی کے مقبوضات میں شامل ہو گیا۔ مرحوم والیانِ اودھ کے اعمال نامے میں فقط رہیلوں کی تباہی کی سیاہی باقی رہ گئی (۱۲۱۵ھ م ۱۸۰۱ء[3]) اس عہد کی یہ روایت

---

[1] اس کے نامزد نواب ہو کر لکھنؤ آنے کی تاریخ ہے ع :

گفتا بگو سعادت باصد سعادت آمد

[2] اوکس ہسٹ صفحہ ۵

[3] ولزلی نے ایک ہی سپلٹے میں مملکتِ اودھ کے یہ سرسبز حاصل خیز اضلاع سمیٹ لیے تھے۔

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی قابلِ ذکر ہے کہ سعادت علی خاں نے ایک انگریز ملاقاتی کے ذریعے لارڈ ہیسٹنگ کی تنگ دستی میں مالی مدد کی۔ وہ نہایت احسان مند ہوا اور کمپنی کی طرف سے (۱۸۱۳ء م ۱۲۲۸ھ میں) گورنر جنرل مقرر ہو کر ہندوستان آیا تو نواب کو بڑی بڑی امیدیں پیدا ہو گئی تھیں مگر اگلے سال خود ہی ناپید ہو گیا، البتہ اس کے بیٹے غازی الدین حیدر کو ہیسٹنگ نے مفت کرم داشتن، کے مصداق خطاب شاہی اختیار کرنے کی "اجازت" دلوادی۔ اس میں بھی حکمت کا نفع یہ تھا کہ دہلی کے برائے نام بادشاہ کی توقیر کم کر دی جائے۔ کمپنی کی طرف سے یہی تحریک نواب نظام سے کی گئی تھی۔ ان کے جذبۂ وفاداری نے اسے قبول نہ کیا۔ تنہا غازی الدین حیدر اپنے قدامت پسند معاصرین میں مطعون ہوا اور عہدِ جدید میں حقارت کا مستوجب ٹھیرا کہ ایسا ناٹک کی طرح کا بادشاہ بن گیا اور اس سوانگ میں لاکھوں کروڑوں روپے برباد کیے۔[1]

روہیلوں کی ریاستیں

اودھ کے آگے جانبِ مغرب اور شمال کے پہاڑوں تک دوآب میں روہیلوں کی چند ریاستیں قائم ہو گئی تھیں۔ ان کا رقبہ اور زمانہ زیادہ وسیع نہ تھا، لیکن شمالی ہند کی اسلامی آبادی پر اثرات گہرے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

روہیل کھنڈ۔ فرخ آباد۔ مین پوری۔ اٹاوہ۔ کانپور۔ فتح گڑھ۔ ضلع الٰہ آباد اعظم گڑھ۔ بستی۔ گورکھپور۔ اضلاع بنارس کمپنی پہلے ہضم کر چکی تھی۔

(حاشیہ صفحہ ہذا [1])

جس مصنوعی شان کے یہ بادشاہ تھے کچھ اسی شان کی جشنِ تاجپوشی کی تاریخ ہے:

"شاہ اسکندر وزیر ارسطا طالیس"

۵ ۳ ۲ ۱ ھ (م ۱۸۱۸ء)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پڑے۔ دوآب میں پٹھانوں کی ایک نئی قوم تیار ہوگئی۔ ایک پورا قطعہ ملک ہی روہیل کھنڈ کہلانے لگا۔

یہ ہم پہلے (کتاب کی جلد اول میں) پڑھ چکے ہیں کہ موجودہ صوبہ سرحد کی ایک مغربی پٹی کا نام روہ تھا۔ خاندانِ تغلق کے عہدِ حکومت میں یہاں کے جفاکش جوان فوجوں میں کثرت سے بھرتی ہوئے اور بنگالے تک پھیل گئے تھے۔ لودھی، سوری، سروانی، لوہانی انہی کے قبیلے گزرے ہیں جو گھوڑوں کی زین سے مسندِ امارت اور تختِ بادشاہی تک پہنچے۔

مغلوں کے دور میں اوّل اوّل تازہ ولایت مغل اور ازبک سواروں کا تانتا بندھا رہا۔ شاہ جہاں کی بدخشانی مہمات کے بعد یہ سلسلہ کم ہوا، تو پھر ہندوستان کے سادات اور صوبۂ کابل کے سپاہیوں کی مانگ بڑھی۔

افغانی قبائل کا جنگی جوش دبانے اور اسے سیدھے رستے پر لگانے میں عالمگیر کی حکمتِ عملی کا ایک جزو یہ تھا کہ کثرت سے خٹک، بنگش اور روہیلے شاہی فوج میں لیے گئے۔ جاں بازی کے صلے میں دوآب کے شاداب اضلاع میں جاگیریں پائیں، دور دور تک نئی بستیاں بسائیں۔ انہی میں سب سے پہلے امارت کی شان اور موروثی ریاست کی گدی بنگش قبیلے کے نواب محمد خاں غضنفر جنگ کو نصیب ہوئی۔ اس نے مالوے، الٰہ آباد کی صوبیداری کی دولت سے قائم گنج کے قریب نیا شہر آباد کیا۔ نئے بادشاہ کے انتساب سے فرخ آباد نام رکھا (سنہ ۱۱۲۵ھ م سنہ ۱۷۱۴ء) جو ابھی تک ضلع کا صدر مقام ہے۔ ابتدائی عمارتیں کچھ بہت شاندار نہ تھیں مگر بنگش کی داد و دہش نے اسے اہلِ علم و فن کا مرجع اور صوبیدار اودھ کی نظر میں قابلِ رشک بنا دیا تھا۔ محمد شاہ کی وفات کے بعد نئے وزیر جنگ نے اپنی قوت پہلے اسی ریاست پر آزمائی۔

محمد خاں بنگش (وفات سنہ ۱۱۵۶ھ م سنہ ۱۷۴۳ء) کا جانشین بیٹا قائم خاں انہی معرکوں میں ہلاک ہوا۔ (سنہ ۱۱۶۲ھ) لیکن زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ محمد خاں کا بھائی احمد خاں بنگش کنجِ عزلت سے نکل کر میدان میں آیا اور صفدر جنگ اور اس کے جاٹ حلیفوں کو پے در پے شکستیں دیں[1]، بلکہ خود ملکِ اودھ میں دور

---

[1] صفدر جنگ نے فرخ آباد چھین کر نول رائے کو وہاں حاکم مقرر کیا تھا۔ وہ احمد خاں (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دور گھوڑے دوڑائے۔ اعظم گڑھ تک سے مال گزاری وصول کی۔ بنارس والوں سے دو کروڑ کا تاوان لے کر پلٹا۔ الٰہ آباد کو گھیر لیا، مگر فتح نہ کر سکا۔

روہیلوں نے اس موقع پر اپنے پٹھان ہم قوم کا ساتھ دیا تھا۔ غرض بنگش دوبارہ فرخ آباد میں مضبوطی سے جم گئے۔ مغل بادشاہ (احمد شاہ) نے بھی اپنے ہم نام پٹھان کا حقِ وراثت و ریاست تسلیم کر لیا۔

صفدر جنگ کے انتقال اور مرہٹوں پر احمد شاہ درّانی کی سخت ضرب نے بنگش ریاست کو بالواسطہ تقویت پہنچائی۔ شجاع الدولہ نے احمد خاں سے بھائی چارہ کیا۔ دہلی کی مرہٹوں اور درّانیوں کی غارت گری کے زمانے میں فرخ آباد ہزاروں پناہ گزینوں کا ٹھکانا بن گیا تھا اور اکثر نامی گرامی خاندان کہ آگے چل کر فیض آباد و لکھنؤ میں بسے پہلے یہیں آکر سستاتے تھے۔

احمد خاں (وفات ۱۱۸۵ھ م ۱۷۷۱ء) کا جانشین مظفر جنگ سرکش پٹھانوں کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ کم ہمتی سے شجاع الدولہ کا آسرا ڈھونڈا۔ اس نے دوستی کا حق یہ ادا کیا کہ ساری ریاست دبا لی۔ جسے آگے چل کر انگریزوں نے اُچک لیا۔ مظفر جنگ اور اس کی اولاد مختصر سی جاگیر اور نوابی کے خطاب پر قانع ہو گئے تھے۔ یہ ۱۸۵۷ء کے طوفان میں دریا بُرد ہوئی۔[1]

خاص روہیل کھنڈ میں پٹھانوں کا دار الریاست آملہ (یا آنولہ) (ضلع بریلی) تیار ہوا تھا جس کی چند روزہ شان کی داستان وہاں کے آثارِ قدیمہ سناتے ہیں۔ اس کی بنیاد علی محمد خاں نے ڈالی تھی۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) بنگش کی تلوار کا نوالہ ہوا اور خداگنج پھر مارہرے کے قریب صفدر جنگ کو دو شکست ہوئیں جس کے گیت شاید ابھی تک وہاں کے بھاٹ گاتے پھرتے ہیں۔

[1] آخری نواب تفضل حسین خاں تھے جن کے پیش رو چچا تجمل حسین خاں کو مرزا غالب نے ساری دنیا کے عیش کا حقدار قرار دیا ہے: ؎

دیا ہے خلق کو بھی تا اسے نظر نہ لگے
بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لیے!

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ لاوارث لڑکا تھا۔[1] ایک پٹھان سردار کی تربیت اور ذاتی ذہانت سے روہیلوں کی سب سے جاندار حکومت کا بانی بنا۔ بجنور بھی اس کے مفتوحہ توابع میں شامل تھا۔ جہاں نجیب الدولہ خاں نے نجیب آباد بسا کر اپنی جداگانہ مسندِ امارت بچھائی، اور علی محمد سے زیادہ ناموری پائی، مگر دونوں کا انتقال، ان کی حکومت اور خاندان کے زوال کا پیام لایا۔

علی محمد کے ۱۱۶۲ھ م ۱۷۴۹ء میں فوت ہوتے ہی ایک ریاست کی آٹھ دس ریاستیں بن گئیں۔ ہر جگہ کا رہیلہ رئیس خود مختاری کا لاف مارتا تھا۔ تھوڑی بہت مرکزیت حافظ رحمت خاں رئیس بریلی نے قائم رکھی اور وہ اپنے ذاتی اوصاف کی بنا پر واقعی سیادت کا اہل تھا۔ بالآخر وائی، اودھ نے انگریزوں کی توپ سے شہید کیا اور اس کی وفات کے ساتھ سبھی رہیلہ رئیس خواہ رحمت خاں کے موافق تھے یا درپردہ مخالف، ریاست سے بے نصیب ہو گئے۔ علی محمد کی اولاد میں رام پور کی دیسی ریاست رہ گئی۔

نجیب الدولہ کے وارث ضابطہ خاں پر شاہ عالم ثانی مرہٹوں کو خود چڑھا کر لایا (۱۱۸۵ھ) اور اس کی ریاست کو خوب لٹوایا تھا، حتیٰ کہ محض مرہٹوں کی سفارش سے ضابطہ کا تھوڑا سا جنوبی علاقہ ضبطی سے بچا۔ گنگا کے پار شمال مشرقی قطعات شجاع الدولہ کی آخری فتح میں اودھ کا ضمیمہ بنائے

---

[1] ہندوستان کی سب سے تازہ مستند انگریزی تاریخ "کیمبرج ہسٹری" میں فاضل محقق پی، ای، روبرٹس ارقام فرماتے ہیں کہ رحمت خاں کو "حافظ" کا لقب اس لیے ملا کہ علی محمد کے بیٹوں کی حفاظت اس کے تفویض ہوئی تھی، حالانکہ اس نے ان بیٹوں کا حق غصب کر لیا!! (ج ۵۔ صہ ۳۲۷) مقالہ نگار نے حوالہ نہیں دیا مگر یہ عجیب تاریخی اور لسانی انکشاف ضرور ان سے بھی پہلے اور کسی فرنگی بقراط نے کیا ہو گا جسے انہوں نے اپنے جہل کی وجہ سے بے تکلف قبول کر لیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گئے حالانکہ خود ضابطہ خاں جنگ میں اس کا حلیف و رفیق ہو گیا تھا۔[1]

شاہ عالم ثانی پر ضابطہ خاں کے فرزند غلام قادر نے جو ظلم ڈھلائے ان کے محرکات میں غالباً بادشاہ کی مذکورہ بالا فوج کشی کا غصہ بھی شامل تھا۔ نجیب الدولہ کے آخری وارث کا خطاب اور جاگیر ہنگامۂ ۱۸۵۷ء پر قربان ہوئی۔

---

[1] دیکھو "تاریخ اودھ" مولوی نجم الغنی ج ۲ ص ۲۴۸۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب چہارم

اَخلاق، مذہب، زبان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اخلاق، مذہب، زبان

قوم کے ملوک و امرا نے اقتدار کا اجارہ لے لیا تھا۔ ان کے بے دم ہونے سے وہ لاوارث رہ گیا اور اسے دوسری قوموں نے اُچک لیا۔ اغیار کے اس قبض و تصرف کی کیفیت اگلے ابواب میں کھلے گی۔ پہلے اس اخلاقی زوال کی گونج سن لیجیے جسے قوموں کے سیاسی زوال کا نقیب کہا گیا ہے۔ پھر مذہبی افکار، اصلاحی تحریکات اور ایک نئی زبان کا تذکرہ آئے گا جس کا اسی قرن میں پاکستان و ہند کے مسلمانوں میں تحریری رواج ہوا۔

اخلاقی بیماری کا یہ مطلب نہ تھا کہ قوم کے اکابر موت کے خوف سے یا عیش و طرب کے شوق میں سپہ گری چھوڑ بیٹھے تھے۔ حربی فنون کی تعلیم آخر تک ان کی تربیت کا جزو رہی، لیکن آرام کی عادات اور تن پروری کے اسباب نے جسم کو محنت و زحمت اٹھانے کے قابل نہ رہنے دیا۔ سپہ سالار پالکیوں میں بیٹھ کر فوجیں لڑانے جاتے تھے۔ سواروں کے ساز و یراق دیکھ کر لشکر پر برات کا دھوکا ہوتا تھا۔ کئی فرنگی سیاحوں نے اس زمانے کے سفر نامے لکھے ہیں۔ مقامی تاریخوں سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ بادشاہی اُردو (لشکر) ایک متحرک شہر معلوم ہوتا تھا اور اس کے بازاروں میں ہر قسم کا سامان راحت جس کی شہری اقامت میں دولت مندوں کو تلاش رہتی ہے، مہیا کیا جاتا تھا۔ اس اعتبار سے وہ آجکل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بڑے جہازوں سے جن میں مسافروں کی عیش و تفریح کے لوازم فراہم کیے جاتے ہیں معنوی مماثلت رکھتا ہے۔

جو قوم زمانۂ جنگ و سفر میں یہ آسائش ڈھونڈتی ہو، حالتِ امن و اقامت میں ان کی جس قدر خوگرفتہ اور پابستہ ہوگی، وہ ظاہر ہے۔ ان تعیشات میں زیادہ زور خواب گاہ اور دسترخوان کی وسعت پر دیا جاتا تھا۔ بہتر سے بہتر باورچی اور رکابدار ہنرمندی کے کمال دکھلاتے اور نئی نئی قسم کے کھانے پکاتے۔ طرح طرح کے مصالحوں سے اُن کو بامزہ بناتے تھے۔ اطبّا کی مدد سے یہ غذائیں نہایت مقوّی تیار کی جاتی تھیں اور عیاشی کی لاگ سے بہت سی ادویہ اور منشیات امیروں کی خوراک کا ضروری حصہ بن گئی تھیں۔

عالمگیری دور کو چھوڑ کر مغلیہ درباروں میں شراب کا دور خاصی طرح عام تھا۔ نفسانی جذبات کو زیادہ مشتعل کرنے کی غرض سے اربابِ نشاط کی بارہویں صدی ہجری (اٹھارہویں عیسوی) میں ایسی افراط پائی جاتی ہے کہ رنڈیوں کی ایک پوری قوم پرورش پاگئی تھی۔ بڑے شہروں میں ان کے محلّے کے محلّے آباد تھے۔ اور مشکل سے شمالی ہند کا کوئی قصبہ ایسا ہوگا جہاں ان کے اڈّے نہ بن گئے ہوں۔ ان کے جلو میں سازندوں، سفردائیوں، ڈوموں، ڈفالیوں کی فوج کی فوج اپنی زندگی خراب کرتی اور دوسروں میں گندگی پھیلاتی پھرتی تھی۔ یہ لوگ اخلاق کے حق میں سمّی جراثیم تھے جو عموماً مسلمان ہو جاتے اور آہستہ آہستہ ملّت کی رگ و پے میں تیر جاتے تھے۔

اس صدی کا وسطی ثلث (یعنی محمد شاہ اور احمد شاہ کا عہد) ان بے اعتدالیوں کے انتہائی عروج کا زمانہ ہے[1] جس کے بعد قضا و قدر کے محتسب نے پوری قوم کو مواخذے کے شکنجے میں کھینچا اور

---

[1] ان بادشاہوں کی سیہ مستیوں کے قصّے بہت سی ہم عصر کتابوں کی سرخیاں اور بعض ابھی تک زبانوں پر چڑھے ہوئے ہیں۔ امرد پرستی غالباً اسی دور میں ایک مستقل بازی بنی اور ہیجڑوں کا پیشہ اسی کی یادگار

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گنہ گار ملوک و امرا پر ایسے دُرّے برسائے کہ سارا جاہ و حشم خاک میں مل گیا۔ خاندان کے خاندان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سمجھنا چاہیے۔ عین حملۂ نادری کے دنوں میں آصف جاہ اوّل کے ساتھ ایک ایرانی نژاد دکنی منصب دار درگاہ قلی خاں دہلی آیا (۱۱۵۱ھ) اور شہر کی حشم دید خصوصیات قلم بند کیں۔ یہ سفر نامہ "دہلی بارہویں صدی ہجری میں" کے نام سے پندرہ برس ہوئے حیدر آباد میں چھپا تھا۔ مؤلف نے شہر بھر میں اربابِ نشاط اور امارد کی گہما گہمی دیکھی۔ شعرا، علما اور مشائخ سے زیادہ گویتے، ڈوم رنڈیاں باکمال اور صاحبِ شہرت و مال نظر آئیں۔ مزارات اور عرسوں کا حال بھی لکھا ہے۔ انہی میں ایک سالانہ عرس شاہ عالم بہادر شاہ اوّل کا بڑی شان سے منایا جاتا تھا۔ مؤلف کوئی زاہد پاک نہیں، مگر اس میلے کے تماشے دیکھ کر آنکھیں نیچی ہو گئیں۔ یہ چند کلمے اس کی زبان سے سنیے:

"...... برج ہائے روشنی بہ بروج آسمانی پیام انوار می فرستند۔ و بنگلہ ہائے تجلی آگیں طرح وادیٔ ایمن می کنند۔ معاشراں با محبوبانِ خود در ہر گوشہ و کنار دست در بغل؛ و عیاشاں در ہر کوچہ و بازار بحولِ مشتہیاتِ نفسانی در رقص۔ می خواراں بے اندیشہ محتسب در تلاش سیہ مستی و شہوت طلباں بے واہمہ مزاحمت سرگرم شاہد پرستی۔ ہجوم امارد نو خطاں توبہ شکن زہاد و آہو پسراں برہم زن بنیاد صلاح و سداد۔ تا نگاہ پرداز کند مائل روئے ست و تا چشم وا شود حلقۂ فتراک گیسوئے۔ سامان فواحش بہ مثابہ کہ یک عالم فشاق بہ کام دل می رسند۔ و اسباب خباثت بہ درجہ کہ یک جہانِ فجار کسبِ تمتع می نمایند تا کسے مجال خود داری سد امروئے چشمک می زند و تا چشم چراغ روشن کند زنگہ پیام می فرستد۔ کوچہ و بازار از نواب دخوانین لبریز و گوشہ و کنار از امیر و فقیر شور انگیز۔ مطرب و قوال از مگس زیادہ تر و محتاج و سائل از اندیشہ افزوں تر

(بقیہ حاشیہ آیندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بے نشان ہو گئے۔ ہزار ہا اہلِ دول دریوزہ گری کرنے لگے۔

عقائد:

اکثر اہلِ نظر نے دولتِ مغلیہ کے انحطاط و تباہی کا الزام ایرانی اثرات کو دیا ہے۔ جب تک ایرانیوں کی حکومت حائل نہ ہوئی، تازہ دم ایرانی، کابل و قندھار کے راستے ممالکِ پاکستان و ہند میں آتے اور قدر و منزلت کی کرسیوں پر بٹھائے جاتے تھے۔ زیرِ نظر صدی میں مجلسی زندگی کے ہر گوشے میں ایرانی مذاق کا پرتو جھلک دکھاتا ہے۔ وہ افکار و عقائد جن کے سیلاب پر حضرت مجددؒ اور عالمگیر بادشاہ نے بند باندھے تھے، نئے سرے سے جوش مارتے نظر آتے ہیں۔ خود عالمگیر کا جانشین فرزند، قطب شاہی سسرال کے اثر سے عقیدہ تفضیل پر مائل تھا۔ خطبۂ جمعہ میں آئمہ اثنا عشریہ کے نام داخل کرنا چاہتا تھا۔ اس حکم پر احمد آباد کی شاہی مسجد میں صرف ایک دفعہ عمل ہوا تھا کہ مقتدیوں نے بگڑ کر امام کو زدوکوب کیا، وزرا اور شہزادوں کے سمجھانے سے بادشاہ آیندہ اس مسلک سے باز رہا اور ایک روایت کی رو سے بالآخر ان عقائد سے توبہ کی۔[1] یہ صحیح ہو تو بھی چند تورانی خاندانوں کے ماسوا دربار کے اکثر عمائد انہی عقائد میں راسخ تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

قصہ مختصر بہ ایں ترتیب وضیع و شریف ایں دیار ہواجش نفسانی ترتیب دہند۔ بہ مستلذات جسمانی نازمی شوند۔ درچنیں ہنگامہ چشم بستن عین مصلحت وبعض کشودن محض بصیرت" ص ۱۲

حاشیہ صفحہ ہذا [1] یہ روایت شیخ محمد اکرم صاحب کے مقالۂ رودِ کوثر (ص ۴۱۹) میں غالباً کلیم اللہ جہاں آبادیؒ کے تذکرے یا مناقبِ فخریہ سے نقل کی گئی ہے۔ ہم عصر شیعہ تاریخیں بادشاہ کے تشیع کی ثنا طراز ہیں۔ (خصوصاً سیر المتاخرین۔ ج ۲)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہت سے موروثی مغل امیروں کی طبائع اسی طرف جھکتی تھیں۔ سندھ سے بنگالے تک شمالی سند میں جتنی ریاستیں قائم ہوئیں، ان میں اکثر شیعہ خاندانوں کی میراث تھیں[1]

مشائخ صوفیہ میر نقش بندیوں کے بجز، سبھی خانوادے حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے شجرہ ملاتے اور انہیں معرفت کا سرچشمہ اور طریقت کا رہنما تاتے تھے۔ جن علمائے فحول نے شیعیت کی رد میں کتابیں شائع کیں وہ بھی شاہ عبدالعزیزؒ سمیت اولادِ فاطمہؓ کی محبت جزوِ ایمان قرار دیتے رہے۔ اہلِ بیتِ نبیؐ کے معنی ہی اولادِ فاطمہؓ لیے جاتے تھے۔ تبرّیٰ اور تقیہ چند مسائل کے سوا ہندوستان کے سنی مسلمان عام طور پر شیعوں کے ہم آہنگ ہو گئے تھے۔ محرم کی تعزیہ داری سنیوں کے ہاں بڑی پابندی اور شدومد سے منائی جاتی تھی۔ سپاہیوں، پہلوانوں، بنوٹیوں کا جنگی نعرہ "یا علیؓ" تھا۔ حضرت کی مشکل کشائی کا بھی کم سے کم عورتیں اور عام مسلمان پختہ عقیدہ رکھتے تھے۔

یہ عقائد و اعمال درست ہوں یا فاسد، ان فرقوں کو ایک دوسرے کے قریب لاتے اور فرقہ بندی کی تلخیاں ضرور گھٹاتے تھے۔ دوستانہ روابط اور باہم شادی بیاہ میں کسی کو تکلف نہ ہوتا تھا۔ اکثر خاندانوں میں بعض افراد ایک کے اور بعض دوسرے فرقے کے پیرو پائے جاتے تھے[2]

پیروں کے عرس، میلاد، اور گیارہویں شریف اور اسی قسم کی مجالس اور تقریبات کے زور شور کا بھی یہی

---

[1] نویں دسویں میں ممالکِ دکن کے شاہی خاندان شیعہ تھے لیکن بارہویں صدی سے یہاں آصف جاہی والا جاہی اور کچھ مدت تک میسور میں سنی خاندان حکومت کرتے رہے۔ حال میں میر عثمان علی خاں والیٔ حیدرآباد کی نسبت مشہور ہوا تھا کہ تشیع کی طرف مائل ہیں۔

[2] معلوم ہوتا ہے بعد میں جب لکھنؤ اور دوسرے مقامات میں تولیٰ نے تبرّے کے ہتھیار نکالے اور ان کی زد خلفائے راشدینؓ پر پڑی تو سنیوں میں بہت برہمی پیدا ہوئی اور باہمی تعلقات میں فرق آگیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زمانہ ہے۔ ان کی ذیل میں بہت سی نئی رسمیں مقدس فرائض میں شامل ہوگئیں۔ بہت سی روایتیں اور تخیلات دین کے اجزا بن گئے جن کا اسلام کے قرنِ اوّل میں اور کتاب و سنت میں پتا نہیں چلتا، البتہ ہندی بیویوں اور یہاں کی نومسلم اقوام کے اوہام اور رسم و رواج میں ان کا کھوج لگایا جاسکتا ہے، لیکن قبر پرستی یا بزرگان سلف سے استمداد کا عقیدہ ہندوستان سے مخصوص نہ تھا۔ دوسرے اسلامی ممالک میں بھی اس کے آثار ملتے ہیں۔ اسی طرح اقطاب و ابدال کی باطنی حکمرانی یا مہدیٔ موعود کے اعتقاد[1] کا منبع عراق و شام اور قدیم تاریخوں سے نکالنا ممکن ہے۔ اگرچہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ پاکستان و ہند کے سادہ لوح باشندے اساطیر و خرافات کا پرانا ذوق رکھتے تھے اور پریشانی کے زمانے میں ایسے خیالات سے جلد بہل جاتے تھے۔

شاہ وَلی اللہ کی اصلاحی تحریک:

یہ صدی بادشاہی کے زوال اور عقائد کے فساد کی صدی تھی۔ مگر اسی میں مذہبی اصلاح کی دو بڑی تحریکیں آغاز ہوئیں۔ ایک شیخ محمد ابن عبدالوہاب نجدی سے موسوم ہے۔ دوسری کی پود شاہ وَلی اللہ نے پرانی دہلی (مہندیوں[2] کے محلے) میں لگائی۔ دونوں مصلح اس بارے میں اصولاً ایک مقصد رکھتے

---

[1] پروفیسر فلیپ حتّی کی بے لاگ تحقیق کی رو سے یہ عقیدہ یہودیوں کے مسیح موعود کے عقیدے کا پرتو ہے جسے یہودی نومسلم عبداللہ ابن سبا نے مسلمانوں میں شائع کیا (دیکھو اس کی تاریخ عرب ۲۴۸ وغیرہ)۔ بنی امیہ کے زوال کے وقت ان کے حامی شامی بھی ایک مہدی کی آمد کے منتظر تھے جو امویوں کی حکومت کی تجدید و تقویت کرنے والا تھا۔ عباسیوں کے زوال کے زمانے میں یہی عقیدہ زیادہ شدت سے عراق میں پھیلا کہ بنی ہاشم کا دوبارہ عروج مہدیٔ موعود کے ذریعے ہوگا۔

[2] یہ جگہ مہندیوں والا تکیہ کہلاتی تھی۔ اب بھی اسی نام سے موسوم ہے۔ (ادارہ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں کہ بعد کی تقلیدی روایات اور بدعات کے جنگل سے مسلمانوں کو نکال کر کتاب و سنت کی پکی سڑک پر چلایا جائے۔ دونوں امام تقی الدین احمد ابن تیمیہؒ کی اقتدا میں شانہ بشانہ کھڑے نظر آتے ہیں لیکن شیخ محمد جس طرح عمر میں چھوٹے ہیں (ولادت ۱۱۱۵ھ) ان کے عمل کا دائرہ بھی کسی قدر چھوٹا ہے۔ ان کی تحریک میں وہی عربی مزاج کی سادہ قطعیت اور تیز عملیت جلوہ دکھاتی ہے۔ ان کے راستے میں تقلیدِ جامد کے روڑے بڑے ہیں مگر تصوف اور فلسفیت کے محکم قلعے مزاحم نہیں جن سے شاہ ولی اللہ صاحب کو سابقہ پیش آتا ہے۔ ان مہمات میں شاہ صاحب کو حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حجۃ الاسلام امام غزالیؒ سے کمک ملتی ہے۔ بایں ہمہ اہلِ ہند کی مخلوط وکثیر آبادی اور زبانِ عربی سے دوری بجائے خود ایسی دشواریاں ہیں کہ کسی عام اور بنیادی اصلاح کو بہت صبر آزما اور پیچیدہ کام بنا دیتی ہیں۔

شاہ صاحبؒ اتنے فائدے میں ضرور تھے کہ ایک علمی خاندان میں پیدا ہوئے (رجب ۱۱۱۴ھ م فروری ۱۷۰۳ء) اور اس دریا کے گویا پیدائشی غواص ہیں۔ ان کے والد شاہ عبدالرحیمؒ کا ممتاز عالمگیری علماء میں نام آتا ہے۔ وہ باقاعدہ درس دیتے تھے اور انہی کے انتساب سے مدرسہ رحیمیہ قائم ہوا تھا۔ شاہ ولی اللہؒ کی قوت حافظہ اور ذہانت لڑکپن ہی میں لوگوں کو تعجب میں ڈالتی تھی۔ ۱۵، ۱۶ سال کی عمر میں عربی فارسی درسیات ختم کر لیں۔ ان میں معقولی و منقولی علوم کے ساتھ طب اور ہندسہ کی کتابیں بھی پڑھائی جاتی تھیں۔ دستارِ فضیلت اور کلاہِ خلافت پا چکے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا (۱۱۳۱ھ) اور درس کی مسند وراثت میں ملی۔ جن علوم کو طالب علمانہ پڑھا تھا اب انہیں تفصیل و تحقیق سے سمجھنا سمجھانا پڑا، لیکن اصلاحی زندگی کا اصلی مرحلہ سفرِ حج (۱۱۴۳ھ تا ۱۱۴۵ھ) کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اُن دنوں شیخ ابو طاہرؒ مدنی حرمین میں بڑے نامی استاد تھے۔ شاہ صاحبؒ نے ان سے حدیث کی سند حاصل کی۔ منصف اُستاد نے تسلیم کیا کہ میں انہیں الفاظِ حدیث کی سند دیتا ہوں، معانیٔ حدیث میں خود ان کی سند کا محتاج ہوں!

قیامِ مکہ کے زمانے میں شاہؒ صاحب کو ایک خواب نظر آیا۔ رسالۂ فیوض الحرمینؒ ص ۸۹ میں اسے وہ غیبی انعام اور خدائی الہام کے طور پر نقل کرتے ہیں اور کچھ شبہ نہیں کہ وہ ان کی سعیٔ تجدید کا قوی محرک تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وطن واپس آکر شاہؒ صاحب درسیات کے محدود حلقے سے نکلے اور جہاد بالقلم کے وسیع میدان میں قدم رکھا۔ ممالک ہند کے اعلیٰ اور تعلیم یافتہ طبقوں میں قرآن مجید کی تقدیس تلاوت، رسمی رہ گئی تھی۔ علمائے دین دنیا کے عہدوں کے لیے فقہ کی طرف زیادہ دوڑتے تھے۔ اصلاحات شاہیہ کا بنیادی کام کلام اللہ کا فارسی ترجمہ تھا کہ ترجمے کی حیثیت سے ابھی اپنی مثال نہیں رکھتا۔[1] یہ حواشی کے جواہرات سے مزین ہے۔ دیباچے میں نیز 'فوز الکبیر' میں اصول تفسیر کو ایسا بیان کیا ہے کہ معرفت کی آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں۔ مطالب قرآن پر بوسیدہ روایتوں کے پردے پڑے تھے، اسرائیلیات کے قفل چڑھے تھے، وہ شاہؒ صاحب کی نوک تحریر سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

خدمت حدیث کے سلسلے میں ان کا اجتہادی کارنامہ 'موطا' کی فارسی شرح "المصفّٰی" مانی جاتی ہے اور فقہی تقلید کے خلاف احتجاج کا پیرایہ رکھتی ہے۔ حدیث کے اس قدیم ترین مجموعے کو وہ صحاح ستہ پر ترجیح دیتے ہیں۔ مقدمہ شرح میں اجتہاد کو ہر عصر میں فرض کفایہ بتلاتے ہیں۔[2] اجتہاد کے احکام اور ضروریات پر ایک مستقل رسالہ 'عقد الجید' الگ قلم بند کر دیا ہے۔ ضمناً شاہؒ صاحب عہد انحطاط کے اس نظریے کی تردید کرتے ہیں کہ آئندہ اعلیٰ درجے کے دیندار پیدا نہ ہوں گے۔[3] اسی کے ساتھ آمد مہدی کی پیش گوئی کو انہوں نے خلیفہ مہدی عباسی پر منطبق کر کے اس تعطل افزا، نزاعی عقیدے کی جڑ نکال پھینکی

---

[1] قرآن مجید کے سب سے زیادہ ترجمے اردو اور انگریزی زبان میں ہوئے ہیں، لیکن ابھی تک صحت و جامعیت کے اعتبار سے کوئی شاہؒ صاحب کے ترجمے کو نہیں پہنچا۔

[2] "اجتہاد در ہر عصر فرض بالکفایہ است..... بجہت آں کہ مسائل کثیر الوقوع غیر محصور اند و معرفت احکام الٰہی در آں ہا واجب، و آں چہ مدون و مسطور شدہ است غیر کافی ــ" (مقدمہ شرح موطا صـ۱۱)

[3] یہ بحث وضاحت سے 'حجۃ اللہ البالغہ' کے آخر میں آئی ہے اور شاہ صاحب نے "مثل امتی کمثل المطر ــ الحدیث" کو اپنی توجیہ حجت بنایا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔[1]

خود شاہ صاحبؒ کی قوتِ اجتہاد کی بڑی جولان گاہ طریقت کا میدان ہے۔ وہ ایک معتدل قسم کی وحدتِ وجود کے قائل معلوم ہوتے ہیں اور اسے مجدد صاحبؒ کی وحدتِ شہود سے توافق دیتے ہیں۔ مزید برآں انہوں نے روحانی معارف اور تعلیم کا ایک جداگانہ نظام مرتب کیا اور اس موضوع پر کئی مقالے لکھے ہیں[2]۔ اپنے افکار کو کشفیات سے مدلل کیا ہے، لیکن اگر کسی نئے مشربِ صوفیہ کے چل جانے کی انہیں آرزو تھی بھی، تو وہ پوری نہیں ہوئی، بلکہ بعض علمائے ظاہر جو ان کے بڑے مداح اور متبع ہیں، یہ تصانیفِ لطیف پڑھ کر سوچ میں پڑ جاتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ کی فضیلت و عظمت کا مدار 'حجۃ اللہ البالغہ' پر آکر ٹھہرتا ہے کہ 'احیاء العلوم' کے بعد معارفِ اسلامی کی ایسی شاندار و پُراثر تصریح اور کسی کتاب میں نہیں ملتی۔ بہت سے مدارسِ ہند و بیرونِ ہند کے اعلیٰ مدارج میں یہ ابھی تک شریکِ درس کی جاتی اور فہمِ دین کی روشنی پھیلاتی ہے۔ عہدِ حاضر کے بعض علماء شاہ صاحبؒ کو جدید کلام کا بانی بتاتے ہیں اور اسی حجۃ با[لغہ] سے اپنے دعوے پر حجت لاتے ہیں۔

ایک اور معرکہ آرا تصنیف 'ازالۃ الخفاء' (عن خلافۃ الخلفاء) ہے جس میں حکمت و فضیلت کے اعجاز نے مناظرے کو محاکمہ کر دکھایا ہے۔ دیباچے میں عصری وساوس و دساوس کا اشارہ کرتے ہیں پھر قلم برداشتہ اہلِ تفضیل کے جواب میں ایک ضخیم کتاب ترقیم فرماتے ہیں۔ اس میں فضیلتِ شیخینؓ پر آیاتِ قرآن اور احادیث کی محکم اور متواتر شہادتیں فراہم کی گئی ہیں، بلکہ خیر القرون کے تین طبقوں کو خلافتِ عثمانی پر ہی ختم کر دیا ہے۔ شاہ صاحبؒ کی تحقیق میں اسلام کا غلبہ جس کی قرآن مجید نوید سناتا ہے اسی دورِ اوّل میں ظاہر و ثابت ہو گیا تھا۔ اس مقصد کے لیے آئندہ کسی مہدی یا مسیح موعود کے آنے کی ضرورت نہیں

---

[1] دیکھو 'ازالۃ الخفاء'، فصل خروجِ مہدی۔ جس میں بحث کی بنا ابنِ ماجہ کی تین حدیثوں پر ہے۔

[2] خصوصاً 'تفہیماتِ الٰہیہ'، 'لمعات'، 'خیر کثیر' وغیرہ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہی۔[1]

اصلاحِ معاشرت کے باب میں شاہ صاحب کی تلقین کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو عجمی تکلفات اور ہندی رسوم سے بچنا اور عہدِ رسالت کی سادہ عربیت کی طرف پلٹنا چاہیے۔

سیاسیات میں انہوں نے براہِ راست کوئی عملی حصہ نہیں لیا، لیکن بعض تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ تیموری خاندان کی حکومت سے بہت بیزار و مایوس ہو گئے تھے۔[2] سیاسی بصیرت رکھنے والوں میں اوروں نے بھی اس تاثر کا اظہار کیا ہے، البتہ ایک بات جو شاہ صاحب کے روحانی انکشاف میں شمار ہوئی، وہی مکہ معظمہ کا خواب ہے جس میں انہوں نے دیکھا تھا کہ کفار مسلمانوں پر غالب آئے اور اجمیر جیسا مبارک دارالاسلام دارالحرب بن گیا۔ خدائی شریعت کی بجائے شعائرِ کفر وہاں جاری کیے گئے ......" مشیتِ الٰہی مجھے حملہ آور (کالجارحہ) بنا رہی ہے، اور میں مسلمانوں کو رلائے دیتا ہوں کہ اب سارے نظام توڑ دیے جائیں!" (فیوض الحرمین صہ ٨٩)۔ خواب خاصا طویل اور پیچیدہ ہے۔ اس میں شاہ صاحب کے ہاتھوں سردارِ کفار، قتل، پھر مسلمانوں کی آپس میں خانہ جنگی کا ذکر آتا ہے۔

بیس بائیس برس بعد جب شمالی ہند میں پہلے مرہٹوں کو غلبہ، پھر درانی فوجوں سے عبرتناک شکست ہوئی (جنگِ پانی پت)، تو ممکن ہے خود شاہ صاحبؒ یا اُن کے تلامذہ نے ان واقعات کو اُسی خواب کی

---

[1] عقیدۂ مہدئ موعود کے بطلان کی ایک دلیل اوپر بیان ہوئی۔ یہ دوسری شاہی ضرب ہے جو اس عام عقیدے کی بنیاد پر پڑتی ہے۔ یہاں ایک اور صراحت کر دینی چاہیے: ازالۃ الخفاء کو پڑھ کر حضرت علیؓ کی خلفائے راشدین میں شمولیت مشتبہ سی ہو جاتی ہے، لیکن ذاتی طور پر ان سے شاہ صاحب کو جس قدر عقیدت و محبت تھی، اس کا فیوض الحرمین اور دوسری تصانیف میں کئی جگہ ذکر آیا ہے۔

[2] تفہیماتِ الٰہیہ... علامہ آزاد بلگرامی کی اسی قسم کی رائے ہم پہلے باب کے حاشیے میں نقل کر آئے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعبیر قرار دیا ہو ہمارے زمانے تک اس پر مباحثہ اور قیاس آرائی جاری ہے۔

شاہ صاحب کی سیاسی دلچسپی پر ایک اور دلیل اہل فکر یہ پیش کرتے ہیں کہ نجیب الدولہ خاں ان سے اعتقاد رکھتا تھا۔ اس نے انہی کے مشورے سے احمد شاہ درانی کو ہندوستان پر حملے کی دعوت دی اور فتح پانی پت کے بعد کوشش کی کہ یہی تازہ دم پٹھان بیم جان مغلوں کا تخت گاہ دہلی میں وارث ہو جائے۔ ان معاملات میں شاہ صاحبؒ کا کتنا حصہ تھا' یہ بات تاریخی صحت کے ساتھ ابھی متعین نہیں ہوئی، مگر ان کے متی خواب کے یہ الہامی الفاظ "فکّ کلِ نظامٍ" بے شبہ ایک انقلاب کا پیام سناتے ہیں۔ وہ انقلاب مغل بادشاہی کا خاتمہ اور لانظمی کا دور تھا۔[1]

شاہ صاحبؒ کے جانشین:

۱۱۷۶ھ (اواخر ۱۷۶۲ء) میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا انتقال ہوا۔ وہ اسلامی دنیا کے یگانۂ روزگار عالم تھے۔ ایسی جامعیت کا شخص شاید پھر مسلمانوں میں اب تک پیدا نہیں ہوا۔ لیکن اخلافِ سعید نے شاہ صاحبؒ کا اصلاحی کام جاری رکھا۔ بلکہ ممالک ہند میں ہر طرف ایسا پھیلایا کہ آج ہزاروں علماء

---

[1] شاہ ولی اللہؒ کی سیرت پر مولوی اور غیر مولوی سب طرح کے اہل قلم نے اردو میں بہت سے مضامین اور مقالے اور کتابیں تالیف کی ہیں۔ ان کی کئی مشہور تصانیف کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ اصلاحات شاہؒ کی نسبت تازہ نظریہ مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کے نام سے پیش ہوا ہے۔ مولانا مرحوم فلسفۂ ولی اللہی کے بڑے فاضل اور ہمارے عہد کے نامی گرامی انقلابی عالم تھے۔ وہ حضرت شاہ صاحب کو ایک مخفی تحریکِ انقلاب کا بانی قرار دیتے ہیں۔ جس کی تشکیل کو شاہ عبدالعزیز نے مکمل کیا۔
(دیکھو شاہ ولی اللہؒ اور ان کی سیاسی تحریک)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی شاگردی کا سلسلہ اسی بزرگ فاضل پر منتہی ہوتا ہے۔ اُن کے بیٹوں کی تعداد غالباً پانچ تھی۔ سب سے بڑے شاہ عبدالعزیزؒ تھے (ولادت ۱۱۵۹ھ) مسندِ شاہیہ پر بزرگ باپ کے جانشین ہوئے اور عمر بھی سب بھائیوں سے بڑی پائی۔ ساٹھ سال سے زیادہ دین وملت کی خدمت انجام دی۔ ۱۲۳۹ھ (۱۸۲۳ء) میں انتقال کیا۔ حکیم مومن خاں مومنؔ آزاد مزاجی کے باوصف خاندانِ شاہیہ کے حلقہ بگوش تھے۔ شاہ صاحب کی وفات پر ان کا قطعۂ تاریخ، جدتِ تخرجہ میں آج تک خراجِ تحسین حاصل کرتا ہے:

دستِ بے دادِ اجل سے بے سروپا ہو گئے
فقر و دیں، فضل و ہنر، لطف وکرم، علم و عمل

۱۰۰ ۱۰ ۸۰۰ ۵۰ ۹ ۲۰۰ ۳۰۰ ۴۰ = ۱۲۳۹ھ

ان سے چھوٹے بھائی، شاہ رفیع الدین (۱۱۶۳ھ - ۱۲۳۳ھ) شاہ عبدالقادرؒ (۱۱۶۷ھ - ۱۲۳۰ھ) شاہ عبدالغنیؒ (وفات ۱۲۲۷ھ) اور سب سے چھوٹے شاہ محمد تھے جو غالباً لڑکپن میں فوت ہو گئے۔ دوسرے بھائیوں میں بھی یہ ترتیب پائی جاتی ہے کہ جتنے چھوٹے تھے اتنی ہی چھوٹی عمر پائی۔ شاہ عبدالغنی کے فرزند بالاکوٹ کے بطلِ جلیل شاہ اسمٰعیل شہید ہوئے (رحمۃ اللہ علیہ)، مگر شاہ صاحب کی نرینہ اولاد ایک صدی سے زیادہ نہیں چلی۔ مختصر شجرہ ذیل میں پیش ہے:

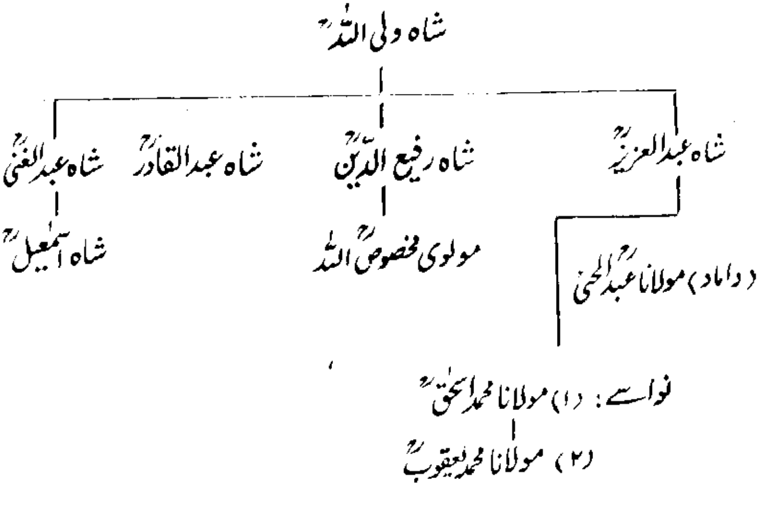

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انوارِ شاہیہ سے عام تعلیم یافتوں کو مستنیر کرنے کا اعزاز شاہ عبد العزیزؒ کو نصیب ہوا۔ شاہ ولی اللہ کی تمام تصانیف عربی میں یا (ترجمۂ قرآن کے سوا) علمی فارسی میں ہیں کہ عربی کلمات اور اصطلاحی الفاظ سے کافی دشوار ہو گئی ہیں۔ انہی لغات کے دل بادل میں ذہانت کے شرارے اور معارف کے ستارے چمکتے ہیں مگر ان سے رہنمائی کی روشنی حاصل کرنا سہل نہ تھا۔ شاہ عبد العزیز نے حدیث اور تفسیر کے موضوع پر کئی شرحیں اور حواشی سہل زبان میں شائع کیے۔ 'فتح الرحمٰن' پر فتح العزیز کا مقدمہ لگایا۔ 'ازالۃ الخفا' کو تحفے (تحفۂ اثنا عشریہ) کی شکل میں گھر گھر پہنچایا۔ یہ مناظرے کی کتاب تھی، مگر شاہ صاحب کی میٹھی میٹھی باتوں نے اسے کڑوے مخالفین کے لیے بھی گوارا بنا دیا ہے۔ والد ماجد کے اصلاحی خیالات اور مجتہدات کو شائع کرنے کا ایک ذریعہ شاہ صاحب کے خطوط اور فتاویٰ ہیں جن کا متن (اور اردو ترجمہ) اب مختلف مجموعوں میں چھپ گیا ہے لیکن نشر و اشاعت کا سب سے مفید آلہ شاہ صاحب کا مدرسہ تھا جہاں سے بیسیوں طلبا فیض یاب ہوئے اور انہوں نے سندھ سے بنگال تک شاہ صاحبؒ کے اصلاحی نصاب کو صدہا مدارس میں رواج دیا۔ ان میں نجیب آباد کا مدرسہ سب سے بڑا تھا اگرچہ زیادہ دن نہ چل سکا۔[1]

دہلی کے خاندانِ شاہیہ کا برِ عظیم پر ایک اور احسانِ عمیم یہ ہے کہ شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبد القادر صاحب نے قرآن مجید کا اردو زبان میں ترجمہ کر دیا۔ یہ اپنے والدِ بزرگوار کے دلیرانہ اقدام کی مجتہدانہ تقلید تھی اور ان کی تحریکِ اصلاح کے دوڑانے میں طاقت ور انجن سے مشابہت رکھتی

---

[1] کہتے ہیں اس میں چھوٹے بڑے نو سو مدرس نجیب الدولہ کی سرکار سے تنخواہیں پاتے تھے (شاہؒ .. .. تحریک صـ۴۷ بحوالہ ملفوظات شاہ عبد العزیزؒ) دوسرے مدرسوں میں دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی اور مدرسہ شیخ معین الدینؒ تھتہ امتیاز رکھتے ہیں۔ اسی دوسری درس گاہ سے عارفِ سندھ شاہ عبد اللطیف بھٹائیؒ کا تعلق تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے جیسا کہ ہم آگے پڑھیں گے۔

بارہویں صدی میں اُردو پاکستان و ہند کے جملہ اقطاع کی عام زبان بن گئی تھی۔ اُردو شعر کا نغمہ ہر گوشے میں گونجنے لگا تھا۔ بایں ہمہ مغل شاہی دربار میں فارسی کی فرمانروائی رہی۔ ادب کی مجلس میں بھی نثر اُردو کو داخلے کا پروانہ نہیں ملا تھا۔ یہ ضابطہ پہلی مرتبہ سرکار شاہیہ نے نافذ کیا۔ اور جب ایسے مقدس ہاتھوں نے ایسے مقدس کام سے عمارت کی بنیاد اٹھائی، تو وہ لامحالہ یوماً فیوماً وسیع و رفیع ہوتی چلی گئی۔ ان ترجموں کی اُردو اب کسی قدر پرانی معلوم ہوتی ہے لیکن معنوی خوبیوں کے اعتبار سے ہم آج بھی موضح القرآن (اشاعت ۱۲۰۵ھ) سے بے نیاز نہیں ہوئے۔

شاہ عبدالعزیزؒ کے چھوٹے بھائی ان کی زندگی میں انتقال کر چکے تھے۔ درس گاہِ شاہیہ کی گدی پوتے (شاہ اسمٰعیلؒ) کے ورثے میں آئی، مگر وہ شاہ صاحب کی رحلت (۱۲۳۹ھ) کے بعد ہی رختِ جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ درس و افتا کی کرسی پر مرحوم کے نواسے مولانا محمد اسحٰقؒ بٹھائے گئے تھے۔ جب انہوں نے حجاز کو ہجرت کی تو مدرسہ، مولوی عبدالغنیؒ صاحب (عمری) کے سپرد کیا۔ مولانا محمد قاسمؒ بانیٔ مدرسہ دیوبند اور مولانا رشید احمدؒ گنگوہی انہی مولوی عبدالغنیؒ کے شاگردِ رشید ہیں۔ ۱۲۷۳ھ یعنی ۱۸۵۷ء کے جھگڑے نے مولوی صاحب کو دہلی سے نکلنے دیا۔ وہ مدینہ طیبہ چلے گئے۔ مدرسہ رحیمیہ بند ہو گیا۔ پرانے شہر کے باہر اس کی مسجد اور خاندانِ شاہیہ کی قبور باقی ہیں۔[۱] لیکن ملک میں امن و امان ہوتے ہی دیوبند میں وہ مدرسہ کھلتا ہے (۱۲۸۲ھ م ۱۸۶۶ء) جسے مدرسہ رحیمیہ کی بازگشت کہنا غلط نہ ہوگا۔ نئی درس گاہ کی دینی خدمات و اثرات کو ہمارے ناظرین آیندہ ابواب میں ملاحظہ کریں گے۔ یہاں مقصود یہ بتانا تھا کہ خاندانِ شاہیہ کے خاتمے کے باوجود ولایاتِ پاکستان و بھارت میں بزرگ شاہ صاحبؒ کا سکہ جاری ہے۔ ان کے ترجمۂ قرآن سے دل و دماغ کو عرفان کا نور پہنچتا ہے۔ معارف کے دریائے علم کے غواص نئے نئے موتی نکال رہے ہیں۔ ولی اللّٰہی فلسفے پر انگریزی جامعات

---

[۱] یہ مقام اب بڑے جیل خانے کے عقب میں نئی دلی کا علاقہ بن گیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں تحقیقات کی جا رہی ہے۔ ارباب تلاش ذاتی سوانح اور تصانیف جمع کرنے میں ساعی ہیں۔ اکثر کتابیں ملبوسِ اردو میں مطبوع و مقبول ہو چکی ہیں۔ غرض وہ کھیتی جسے اس اللہ کے ولی نے دلّی میں لگایا تھا، اب پھل پھیل رہی ہے:

کمثل حبۃٍ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃٍ مائۃ حبّۃٍ!

مشاہیر علماء اور مشائخ:

صدی کا ایک اور علمی ایوان لکھنؤ کے "فرنگی محل" میں آراستہ ہوا۔ یہ کسی فرنگی تاجر کی کوٹھی تھی، وہ چھوڑ کر چلا گیا۔ سرکاری زمین عالمگیری عہد میں ملا قطب الدین کی اولاد کو بطور معافی عنایت کی گئی۔ موصوف بڑے پائے کے فاضل تھے۔ ایک خانگی جھگڑے میں ہلاک ہوئے۔ گھر جل گیا۔ اسی کی تلافی میں یہ معافی ملی تھی جس کا ستارہ ملا نظام الدین کے درس نے چمکا دیا۔ مدرسے کی تاریخ افتتاح ۱۱۲۵ھ بتائی گئی ہے۔ مشہور و معروف "درس نظامیہ" کہ آج بھی بہت سے مدرسوں کا نصاب ہے، انہی ملا صاحب کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔ علمائے "مشرق" کی قدیم روایت کے مطابق اس میں منطق و فلسفہ پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ عربی ادب کی کوئی کتاب شاملِ نصاب نہ تھی، لیکن صرف نحو کی چھوٹی بڑی بارہ تھیں۔ گویا زبان، قواعد کے ذریعے پڑھاتے تھے۔ کنوئیں میں پانی ہو یا نہ ہو، ڈول کھینچنے کی مشق کرا دیتے تھے۔ دو تفسیریں، حدیث شریف کا صرف ایک مجموعہ (مشکوٰۃ) دینی تعلیم کے لیے کافی خیال کیا گیا تھا۔

ایک شرح اور چند حواشی ملا صاحب کی تصنیف ہیں، مگر جب "شمس بازغہ" قدامت کی تاریکی میں غروب ہوا تو اس کے حواشی بھی ڈوب گئے۔

ل احمد آباد کے شاندار مدرسہ حیات بخش کی تعمیر بھی اسی قرن کے آغاز میں ہوئی جو فرسودہ و شکستہ ابھی تک باقی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملا نظام الدین کے فرزند ملا عبد العلی جوانی میں ارکاٹ چلے گئے تھے، وہاں نواب محمد علی والاجاہ کی سرپرستی میں ایک بڑے مدرسے کی بنیاد ڈالی خطاب بحر العلوم بھی اسی دریا دل سرکار نے بخشا تھا۔ انہوں نے فقہ پر چند کتابیں لکھی ہیں مگر زیادہ شہرت مثنوی معنوی کی شرح کو ہوئی جو دکن کے صوفی مزاج علماء میں ابھی تک پسند کی جاتی ہے۔ علامہ موصوف کا ارکاٹ ہی میں انتقال ہوا۔ (۱۲۲۵ھ) لکھنؤ کا مدرسہ خاندان کے دوسرے ارکان چلاتے رہے اور وہ ابھی تک قائم ہے، اگرچہ عرصہ ہوا وہاں کے تفلسف کو تصوف نے دبا لیا تھا۔ آج بھی اس پر خانقاہ کا دھوکا ہوتا ہے۔

آصف الدولہ کے زمانے میں لکھنؤ دار الحکومت بنا تو بعض شیعہ مدارس نے خوب فروغ پایا۔ کہتے ہیں مولوی دلدار علی صاحب پہلے ہندوستانی تھے جن کو علمائے عراق نے مجتہد تسلیم کیا۔ انہی کے صاحبزادے سلطان العلماء سید محمد صاحب سلطان المدارس کے بانی ہوئے۔ اختلافی مسائل کے سوا ان مدارس کا فیضِ تعلیم عام تھا۔ درس میں کسی فرقے کی تخصیص و تفریق نہ کی جاتی تھی۔

ملکِ اودھ میں علم و فضل کی ایک معدن قصبۂ بلگرام تھا۔ چند اہلِ قلم کا تذکرہ ہماری تاریخ کی پہلی جلد میں آچکا ہے۔ زیرِ نظر صدی میں یہاں کا ایک گرامی لعل، یمن میں جاکر درخشاں ہوا اور اسلامی ادبیات میں لازوال تابندگی چھوڑ گیا ہے۔ یہ سید مرتضیٰ بلگرامی تھے کہ شاہ ولی اللہؒ سے بھی تلمذ رکھتے ہیں۔ پھر حجاز اور وہاں سے یمن کے شہر زبید چلے گئے۔ وہ اُن دنوں علم اور عمل یعنی عیدروسی مشرب کا صدر مقام تھا۔ سید صاحب کا شمار اس طریقے کے منتخب اولیاء میں کیا گیا ہے لیکن شہرۂ عام کا سہرا "تاج العروس" کی تالیف نے ان کے سر باندھا جو "لسان العرب" کے بعد عربی زبان کی سب سے بڑی اور مستند لغت شمار ہوتی ہے۔ ایسی بے پایاں زبان کو کسی ہندی کا اس طرح احاطہ کر لینا، علم و ذہانت کی کرامت سمجھنا چاہیے۔ یہ کتاب یمن میں لکھی گئی۔ ممالکِ عرب ہی سے شائع ہوئی۔ اس لیے وہاں ایک زمانے تک مؤلف زبیدی یا یمنی خیال کیے جاتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ خود ہندوستان میں ان کی لغت کا تعارف ممالک روم و عرب کی وساطت سے ہوا اور وہیں سے یہ کتاب چھپ کر یہاں کے اہلِ علم تک پہنچی۔ مؤلف علام کی دوسری تصانیف کی تعداد ساٹھ سے اوپر بتائی گئی ہے۔ ان میں اکثر مسائلِ تصوف کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسالے ہیں۔ ایک بڑی شرح امام غزالیؒ کی احیاء العلوم پر تحریر کی تھی جو دس جلدوں میں چھپی اور ان ملکوں میں زمانۂ حاضرہ تک متداول ہے۔

سید مرتضیٰ (متوفی ۱۲۰۵ھ) کے ایک بزرگ ہم عصر علامہ غلام علی آزاد بلگرامی (ولادت ۱۱۱۶ھ) تھے جنہوں نے حجاز جاکر[1] وہاں کے مشہور سندھی محدث شیخ محمد حیات سے حدیث کی سند حاصل کی تھی۔ وہ کئی سال تک ایک عزیز کے ساتھ سندھ (سیلواں) میں مقیم بھی رہے اور یہاں کی مقامی تاریخ و تذکرے کے متعلق بعض نکتے کی باتیں لکھ گئے ہیں۔ ان کی عربیت کا کارنامہ تین ہزار شعر کا عربی دیوان ہے جسے پڑھ کر مصر و یمن کے ادیب جھوم جاتے تھے مگر ہماری تاریخ پر اُن کے احسانات اور بھی قوی اور پائیدار ہوئے۔ 'مآثر الکرام'، 'سروِ آزاد'، 'سبحۃ المرجان'، 'خزانۂ عامرہ' کے تذکرے حسن بیان و انتخاب کی مثال ہیں۔ نواب شاہ نواز خاں کی جامع تالیف 'مآثر الامراء' کی تکمیل و تہذیب انہی کے ہاتھوں سے ہوئی جو سلاطینِ تیموریہ کے درباری اُمرا کا قابلِ دید نگار خانہ ہے۔

نواب ناصر جنگ (شہید) کے اُستاد و مشیر کی حیثیت سے علامہ آزاد کئی سال دکن میں رہے۔ وہاں کی ہم عصر تاریخ سے خوب واقف ہیں اور اپنی تالیفات میں ایسی دل چسپ تفصیلیں بیان کر گئے ہیں جو اور کہیں نہیں مل سکتیں۔

سندھ میں علامہ آزاد کی معاصر و مماثل شخصیت میر شیر علی قانع[2] گزرے ہیں۔ ان کا میدانِ قلم تاریخ

---

[1] 'خزانۂ عامرہ' (ص ۱۲۶) میں لکھتے ہیں کہ سفرِ حجاز کے ارادے سے چلے تو نواب نظام الملک آصف جاہ کی خدمت میں اورنگ آباد (دکن) پہنچ کر یہ رباعی پیش کی:

اے حامیٔ دیں محیطِ جود و احساں | حق داد ترا خطاب آصف شایاں
از تخت بہ درگاہِ سلیماں آورد | تو آلِ نبی را بہ درِ کعبہ رساں!

نواب سن کر پھڑک گئے اور مصارفِ سفر کا اسی وقت انتظام کر دیا۔

[2] میر صاحب (متوفی ۱۲۰۳ھ) ٹھٹھہ کے سادات سے تھے۔ اس تاریخ (بقیہ حاشیہ آیندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دادب تھا کہ گو ولایتِ سندھ تک محدود رہا، لیکن ہر کتاب معلومات کا بے مثال ذخیرہ، لکھنے والے کی بصیرت و فضیلت کا آئینہ ہے۔

ایک اور بلند پایہ مصنف، سراج الدین علی خاں آرزو اُردو زبان کے محقق و محسن ہونے کے حق سے یادر کھنے کے لائق ہیں۔ صدی کے شروع میں (سنہ ۱۱۰۱ھ) پیدا ہوئے اور غالباً ابتدائی تعلیم و تربیت اپنی ننہیال گوالیار میں پائی۔ تصنیفی زمانہ بیشتر دہلی میں گزرا۔ فارسی شعرا کا تذکرہ 'مجمع النفائس'، دو فارسی لغت کی کتابیں لکھیں۔ ملا عبدالواسع ہانسوی کی اردو (یا ہندی) لغت کو نئے سرے سے نوادر الالفاظ[۱] کی صورت میں جلوہ دیا۔ اسی زبان کے قواعد اور الفاظ کی تحقیق میں سب سے پہلے کتاب مثمر تالیف کی۔

چند مشائخ صوفیہ:

مشائخ عصر میں سب سے جاذب و جامع شخصیت مرزا مظہر جان جاناںؒ کی ہے، جن کی شہرتِ شعر کے بادلوں نے روحانی انوار کو چھپا لیا۔ تقلید و انحطاط کے زمانے میں تصوف محض تکلف کی چیز

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کی پہلی جلد (ص ۲۴۴) میں غلطی سے (ساکن احمد آباد) لکھا گیا ہے۔ سندھ کی تاریخ و تذکرہ میں ان کی مشہور کتابیں تحفۃ الکرام اور مقالات الشعراء ہیں۔ پہلی بری طرح، مگر چھپ گئی۔ دوسری ہنوز غیر مطبوعہ چند کتب خانوں میں مل جاتی ہے۔

حاشیہ صفحہ ہذا [۱]

یہ کتاب ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب کے فاضلانہ مقدمے اور تصحیح و تحشیہ کے ساتھ انجمن ترقی اردو پاکستان نے حال میں شائع کر دی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بن جاتا ہے تاہم شاہ ولی اللہؒ جیسے ثقہ علماء نے مرزا صاحبؒ کے علوِ مرتبت اور دینی خدمات کی گواہی لکھی ہے۔ ایک مکتوب میں نہ صرف بلادِ ہند بلکہ جملہ بلادِ غرب میں انہیں کتاب و سنت کا سچا پابند اور بزرگ ترین مرشد قرار دیا ہے۔[1]

خود مرزا صاحب کے ملفوظات و رسائل ان کی فضیلتِ علم و تقویٰ اور اصابتِ فکر کی تصدیق کرتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ[2] اور مولوی غلام یحییٰؒ معقولی جیسے کئی فاضلِ زمانہ ان کے حلقۂ ارادت میں مندرج ہیں۔ قندھار سے مرشد آباد تک اُن کے مرید مسندِ رشد و ہدایت پر متمکن نظر آتے ہیں۔ فیض کا یہ دائرہ اُن کے خلفائے رشید نے ممالکِ ہند و دکن سے باہر تک وسیع کر دیا۔ صدہا نقشبندی گدیوں کے وارث آج بھی اپنا روحانی کرسی نامہ آستانہ مظہری تک لانے پر فخر کرتے ہیں۔

مرزا صاحبؒ کی ولادتِ باسعادت رمضان المبارک ۱۱۱۳ھ م ۱۶۹۹ء میں ہوئی۔ نسباً علوی تھے ننہیال سلاطینِ تیموری سے ہم رشتہ اور باپ دادا اُنہی کے دربار سے وابستہ رہے۔ "جانِ جاں" کا معروف نام عالمگیر بادشاہ کا بخشا ہوا ہے جس نے خاندانی "شمس الدین" کو مدغم کر دیا۔ دولت و منصب کے سارے خلعتوں کو پھینک کر کلاہِ فقر کو تاجِ فخر بنانا ہی مرزا صاحب کی قناعت و بے نیازی کی سند ہے۔ پھر پچاس برس تک اسی طریقت پر مستقیم رہنا، لامحالہ معاصرین پر بڑا اثر ڈالتا تھا۔ اسی لیے یہ شبہ ہوتا ہے

---

[1] دیکھو "کلماتِ طیبات"۔

[2] قاضی صاحب اپنی فاضلانہ "تفسیر مظہری" سے زیادہ "مالا بدمنہ" کی وجہ سے مشہور و مقبول ہوئے جو اب تک گھر گھر میں ضروری مسائل کی رہنمائی کرتی ہے۔ ایک اور مضبوط تالیف "ماخذ الاقوی" فقہ میں لکھی تھی کہ اب تقریباً مفقود ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ صاحب انہیں اپنے زمانے کا "بیہقی" کہا کرتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرزا صاحب کی شہادت میں مذہبی تعصب سے زیادہ سیاسی خوف و عناد معینِ جرم تھے[1] قتل کی
ی روایت بھی کہ دو ساتھیوں نے گواہی دی کہ یہی مرزا صاحب ہیں اور ولایتی مغل نے بھری قرابین
آپ کے سینے پر چلائی، باقاعدہ سازش کا پتا دیتی ہے[2]۔ اسے وقتی مذہبی جوش سمجھنا مشکل ہے۔ بہرحال
اس حال میں بھی آپ لوٹتے اور یہ شعر پڑھ کر تواجد کرتے رہے کہ ؎

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حدیث شریف کے یہ مقدس الفاظ بے کم و کاست شہادت کی تاریخ اور پاک زندگی کی الہامی

---

[1] بعض روایتوں میں لکھا ہے کہ یہ قتلِ ناحق نجف خاں کے اشارے سے ہوا اور یہ بھی ثابت ہے کہ قاتل ایک فوجی برقنداز تھا۔ نجف خاں اپنے زمانے کے دوسرے دنیا پرست امیروں کی طرح بے اصول و خود غرض شخص تھا۔ شاہ عالم کی بادشاہی بے دست و پا ہو چکی تھی۔

[2] یہ روایت آپ کے خلیفہ شاہ غلام علی نے 'مقاماتِ مظہری' میں لکھی ہے۔ مولوی محمد حسین آزاد نے غالباً بے تحقیقی کے باعث 'آبِ حیات' میں بازاری کہانیوں کی مٹھائی میں عامی تعصب کا دھتورا ملایا اور شاید تبرّیٰ کا ثواب کمایا ہے۔ حالانکہ خود ہی مرزا صاحبؒ کا یہ شعر نقل کرتے ہیں کہ ؎

نہ کرد مظہر ما طاعتے و رفت بہ خاک
نجاتِ خود بہ تولائے بُوتراب گزاشت

مرزا صاحب نے اپنے بعض رسائل میں غلاۃ شیعہ کے عقائد کی اغلاط بتائی ہیں، مگر ان کا اخلاق معمولی اشخاص کی تعظیم و مدارات میں افراط پر مائل تھا، کجا کہ بزرگانِ دین کی شان میں کچھ کہی گوارا فرماتے، حتیٰ کہ ہندو مشرکین کے عقائد کی تاویل اور ان کے بزرگوں کی تکریم کی ترغیب دیتے ہیں۔ (دیکھو: ملفوظات و مکتوبات مقاماتِ مظہری)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تصدیق ہیں: عاش حمیداً امات شہیداً (محرم ۱۱۹۵ھ) ایک شعر خود آپ کے دیوان سے بطریق تفاؤل حاصل ہوا اور لوحِ مزار پر نقش ہے: ؎

بہ لوحِ تربتِ من یافتند از غیب تحریرے
کہ ایں مقتول را جُز بے گناہی نیست تقصیرے

مرزا صاحب کے ہمعصر و ہم وطن صوفیہ میں شیخ فخر الدینؒ صاحب دلّی میں "میاںؒ" کے عرف سے مقبول تھے۔ ان کے دادا شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کو بعض اہلِ عقیدت مشربِ چشتیہ کا مجدد خیال کرتے ہیں۔ ان کے صاحبزادے میاں نظام الدینؒ اورنگ آباد دکن میں عہدِ نظام الملک کے صاحبِ حال و قال بزرگ گزرے ہیں۔ اسی شہر میں ایک عالمگیری خانقاہ اپنے عظیم کتب خانے سے ممتاز تھی۔ جس کے نادر مخزونات اہلِ تلاش و تفحّص کو پچاس برس قبل تک دور دور سے اورنگ آباد میں کھینچ لاتے تھے۔ حالانکہ اہلِ خانقاہ میں ان کتابوں کو پڑھنے والا بھی شاید کوئی نہ رہا تھا۔ بہت سی مجلدات کہ جواہرات سے زیادہ قیمتی تھیں، سیل سے گلیں یا کیڑوں کی غذا بنیں، تھوڑی سی جو حیدر آباد کے سرکاری کتب خانے میں پہنچ سکیں، بچ گئی ہوں گی ورنہ اکثر برباد گئیں۔

میاں فخرؒ نے دہلی کے بادشاہِ بے ملک (اکبر شاہ ثانی) کو اپنا حلقہ بگوش بنایا اور یہ سلسلہ جب تک لال قلعے کی مصنوعی بادشاہی چلی، ان کے خاندان میں چلتا رہا۔[1]

نگاہِ بصیرت سے دیکھا جائے تو چشتیہ طریق کو علم کی مشعل سے روشن کرنے والے دو آب کے علماء حاجی امداد اللہؒ، مولانا رشید احمدؒ گنگوہی اور زیادہ دیوبندی اکابر ہیں جن کے تلمذ کا زنجیرہ شاہ ولی اللہؒ صاحب کے قدم تک آتا ہے۔

دکن کے ایک صاحبِ قلم صوفی سید قمر الدین کا تذکرہ علامہ آزاد نے قلم بند کیا[2] اور ان کی کتاب "مظہر النور"

---

[1] انہی کے پوتے میاں کالے صاحب نے ابوظفر بہادر شاہ کو مرید بنا کے پیری کے شہ نشین پر چڑھایا تھا۔ بادشاہ سلامت روحانی تعلیم کے ساتھ مریدوں کو کچھ روزینہ بھی تقسیم فرماتے تھے۔

[2] خزانۂ عامرہ صفحہ ۲۸۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی تعریف میں عربی قصیدہ لکھا تھا۔ اس تالیفِ کبیر میں اشراقی، مشائی حکما، متکلمین اور بزرگانِ صوفیہ کے اقوالِ وحدتِ وجود کی نسبت جمع کیے تھے۔ سید صاحب کا مسکن بالاپور (برار) لیکن شہر اورنگ آباد حلقۂ ارادت کا مرکز بن گیا تھا۔ علامہ صاحب نے ان کے سفرِ حج کا دلچسپ قصہ سنایا ہے کہ کس طرح ناخدا کی حسابی غلطی سے سورت کی بجائے "کولنبا" (موجودہ کلمبو، لنکا) پہنچ گئے اور مہینوں چکر کھا کے بمشکل وطن کی زمین پر قدم رکھا۔

دہلی میں میر ناصرؒ عندلیب اور ان کے فرزند خواجہ میر دردؒ بھی اسی قرن کے صوفی مصنف ہیں۔ کئی رسالے اور ایک ضخیم "علم الکتاب" تصوف میں لکھی تھی، لیکن مضامین رسمی اور فارسی نثر پھیکی پھیکی ہے۔ خواجہ صاحب کا نام بزرگانہ اوصاف و اوضاع سے بھی زیادہ ان کے اردو کلام اور مختصر دیوان سے روشن رہا۔

نئی قومی زبان:

اب وقت ہے کہ ہم ایک نئی مخلوط زبان کی تشکیل و ترویج کی سرگزشت سنیں جو فارسی کو ہٹا کر پاکستان و ہند کے مسلمانوں کی روزمرہ بن گئی تھی۔ وہ ہندی الاصل تھی، لہٰذا یہاں کے ہندو باشندوں کو قبول کرنے میں تکلف نہ ہو سکتا تھا۔ جدید ہندو قومیت، جسے عربی، فارسی کے بلیغ و نفیس الفاظ، بلکہ مسلمانوں کے جملہ آثار ناگوار گزرنے لگے ہیں، اس وقت تک عالمِ ظہور میں نہ آئی تھی۔

یہ سوال کہ وہ کونسی ہندی بولی یا بولیاں تھیں جن پر اسلامی زبان کی سب سے پہلے چھاپ لگی، حل کرنا دشوار ہے۔ کون بتلائے کہ جب مسلمان پاکستان اور پھر بھارت کے ملکوں میں آئے، تو ان بولیوں کی حالت کیا تھی۔ لغت اور صرف و نحو ایک طرف، ان کے پرانے گیت، کہانیاں، پہیلیاں تک صحت کے ساتھ محفوظ نہیں رہیں۔ بہتر ہے کہ ان مسائل کی گرہ کشائی علمائے لسانیات کے ناخنِ تحقیق کے حوالے کی جائے۔ تاریخ اس بارے میں وہیں تک زبان کھول سکتی ہے جہاں تک تحریری روایت، گواہی میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ چلنے پہ تیار ہو۔

اگر زبان مسلمانوں کے پاکستان میں آنے اور بس جانے سے پیدا ہوئی تو اس کی ولادت گاہ یہی وہاں (کراچی، منصورہ (برہمن آباد) اور ملتان کی بستیاں تھیں اور جیسا کہ ہمارے ایک فاضل دوست نے حال میں دعویٰ کیا "اردو کا مولد سندھ قرار پائے گا"[1]۔ یہی ملک بلا خلاف ہمارا پہلا اسلامی مقبوضہ تھا، یہیں عراق و عرب کے آبادکاروں نے سب سے پہلے مستقل سکونت اختیار کی۔ اسی تاریخ کی پہلی جلد میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ چوتھی صدی ہجری میں جغرافیہ نویس اصطخری سندھ آیا تو منصورہ اور اس کے مضافات میں عربی اور سندھی کا رواج تھا۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ خود سندھی کو لسانی تحقیق کرنے والوں نے (مغربی) ہندی کے بیرونی دائرے کے اندر جگہ دی ہے۔ مسلمان فاتحین کا سب سے پہلے اسی مغربی ہندی سے سابقہ پڑا اور ان کی قدیم ترین ادبیات میں ہندی یا ہندوی سے یہی مغربی ہندی اور اس کی دور دور تک پھیلی ہوئی شاخیں مراد لی جا سکتی ہیں۔

مسلمانوں کی دوسری مستعمرہ پنجاب کا ملک ہے۔ دہلی کو مرکز بنانے اور شمالی ہند فتح کرنے سے پہلے اُن کی نوآبادیاں انہی پانچ ندیوں کے کنارے بسی تھیں۔ فاضل شیرانی مرحوم کی پنجاب میں اردو کی تشکیل کی بدیہی دلیل یہ ہے کہ یہاں کے مسلمان باشندے لامحالہ مقامی زبان بولنے لگے ہوں گے۔ اسی کو عربی فارسی کی آمیزش نے آگے چل کے ریختہ اور اُردوئے معلیٰ کے شہ نشین پر لا بٹھایا۔

تاریخ میں پہلا مسلمان جس نے ہندی میں دیوانِ شعر تصنیف کیا مسعود سعد سلمان (لاہوری) تھا۔ یہ نادر چیز معدوم ہو گئی۔ صرف تذکرہ باقی ہے[2]۔

---

[1] خطبہ سید حسام الدین صاحب راشدی۔ (رسالہ اُردو، کراچی۔ اپریل ۱۹۵۱ء)

[2] مسعود سعد سلمان پانچویں صدی ہجری کا آدمی ہے۔ عوفی نے اوائل ساتویں صدی میں تذکرہ لکھا تھا۔ اسی میں اُس کے ہندی دیوان کی پہلی اطلاع ہے جو ہم تک پہنچ سکی۔ (تذکرہ لباب الالباب ج ۲) صدی کے اواخر میں امیر خسروؒ اس کی تصدیق کرتے ہیں (دیباچہ غرۃ الکمال) (اس کی پاکستانی وطنیت پر ملاحظہ ہو ہماری جلد اوّل ص ۱۴۲)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانچویں صدی کے غزنوی مصنف اور شعرا کبھی کبھی کوئی ہندی لفظ لکھ جاتے ہیں لیکن یہاں کی بولی ہیں ایک مختصر سا مکالمہ صاحب سیر الاولیا نے نقل کیا ہے۔ یہ دو تین جملے صحت و قدامت کے اعتبار سے بہت بیش قیمت کھرے سکے ہیں کہ برابر چلتے رہے۔ لکھا ہے کہ جب شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے عزیز مرید جمال الدین (ہانسوی) کا انتقال ہوا تو ان کی بیوی یا حرم جو مادرِ مومناں کے لقب سے پکاری جاتی تھیں مرحوم کے بیٹے کو حضرت کی خدمت میں پاک پٹن لائیں۔ شیخ نے خورد سالی کا خیال نہ کیا۔ بزرگانہ شفقت سے باپ کا عصائے پیری انہیں عطا کر دیا۔ مادرِ مومناں نے عرض کی کہ خوجا برہان الدین بالا ہے۔"

شیخ نے جواب دیا "مادرِ مومناں پونوں کا چاند (بھی) بالا ہوتا ہے[1]"

صحیح تاریخیں تحریر نہیں لیکن شیخ فرید الدین کی وفات ۶۶۴ھ میں ہوئی۔ ان کی ایک ہندی بیت 'جمعاتِ شاہی' میں منقول ہے[2] چند گیت یا قطعات ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کی تلاش سے فراہم ہوئے ہیں[3]

ساتویں صدی کے آخر یا آٹھویں کی ابتدا میں امیر خسروؒ ایک زبانِ دہلوی کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی گونج کہیں کہیں اکبری دور تک سنائی دیتی ہے۔ زبان کی حقیقت کو تحریری شواہد کی کوتاہی اور

---

[1] دیکھو سیر الاولیا: جو سلطان نظام الدین اولیاؒ کے ایک نوجوان مرید میر خورد نے ۷۷۰ھ میں تالیف کی۔ دہلی میں چھاپی گئی ہے۔

[2] جمعاتِ شاہی شاہ عالم صاحب گجراتی (متوفی ۸۸۰ھ) کے دلچسپ ملفوظات ہیں۔ (قلمی)

[3] "اردو ... میں صوفیائے کرام کا حصہ" ص ۳ انہی میں ایک گیت کا نام جھولنا شیخ فرید شکر گنج "اور آخری شعر یہ نقل کیا ہے: ؎

"پاک رکھ توں دل کو غیر ستی، آج سائیں فرید کا آوتا ہے
قدم قدیمی کے آونے سیں لازوال دولت کر پاوتا ہے"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقت کی دوری نے گنگ کر دیا لیکن ظاہر ہے کہ وہ کوئی ہندی اور فضل قسم کی زبان تھی جسے دہلی کے مسلمان استعمال کرتے تھے۔ مسمی ناپید ہے ورنہ اس پر "اردو" کا تسمیہ بخوبی صادق آجاتا۔

وہ گیت، پہیلیاں اور "خالق باری" جو امیر خسروؒ سے منسوب ہیں[1] کسوٹی پر کھری نہیں نکلتیں، البتہ وہ ملمع جن میں آدھے مصرعے فارسی، آدھے ہندی آتے ہیں، بہت ممکن ہے کہ اسی خسرو سخن نے ڈھالے ہوں۔ کھٹکنے کی بات یہ ہے کہ ان اشعار میں پنجاب کی بجائے دوآب کی بولی ٹھنکتی ہے۔ قیاس کہتا ہے کہ نیا اسلامی مرکز ملتان و لاہور کے اثر سے آزاد ہو کر اپنی نئی ٹکسال بنا رہا ہے۔ فارسی اشعار یا اعجازِ خسروی میں جو ہندی جملے مصنف نے جڑے ہیں، وہ بے شبہ انھی کی زرکاری ہے۔

بھارت کے دوسرے ملکوں میں قدم بڑھانے سے پیشتر زبان کی جستجو ہمیں دوبارہ پاکستان (مغربی) اور گجرات میں لاتی ہے۔ چھٹی، ساتویں صدی ہجری میں سندھ کا شہر اُچّھ علم و عرفان کا سرچشمہ تھا۔ آٹھویں صدی ہجری میں سید جلال مخدوم جہانیاںؒ (متوفی ۸۰۵ھ) اور ان کے بھائی سید راجو قتالؒ سرآمد روزگار تھے۔ تغلق تاجداروں کے سر ان کی چوکھٹ پر جھکتے تھے۔ سید جلال دو تین مرتبہ دہلی بھی آئے۔ دوسرے بھائی یادِ الٰہی میں غرق رہتے تھے۔ فیروز تغلق خود ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے فرمایا "کا کا فیروز چنگا ہے؟"[2] بادشاہ نے اسی پرسش کو موجبِ افتخار سمجھا۔ زبان کی تاریخ میں بھی یہ چند لفظ نقشِ تعویذ بنا کے رکھنے کے قابل ہیں۔ انھی بزرگ کی نسبت برادرِ بزرگ حضرت مخدوم جہانیاں کا یہ قول منقول ہے کہ "تساں راجے۔ اساں خواجے"۔

مخدومؒ کا انتقال ہوا تو اُن کے پوتے سید برہان الدین کی تربیت سید راجو قتال نے کی۔ موصوف لڑکپن ہی میں اپنی ننہیال (؟) یعنی ٹھوہ (گجرات) چلے آئے تھے اور آئندہ قطب عالم کے معظم لقب سے مشہور ہوئے۔ انھی کے فرزند شاہ عالم نے گجراتیوں کے دلوں پر حکومت فرمائی۔ دونوں صاحبوں کے کئی اقوال و اشعار مستند تذکروں اور تاریخوں میں آتے

---

[1] یہ کتاب جہانگیری عہد کے خسرو شاہ کی مخلوق نکلی شیرانی مرحوم کے عالمانہ مقدمے کے ساتھ انجمن ترقی اردو نے شائع کر دی ہے۔

[2] جمعات شاہی قلمی (ص ۱۵)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ جن کی زبان وہی مخلوط ہندی، سندھی یا پنجابی ہے[۵۰]۔ مگر تلاش کے سلسلے میں سب سے عجیب سراغ یہ ملا کہ سندھ کے دارالحکومت تھتہ پر محمد تغلق نے فوج کشی کی۔ قضائے الٰہی سے یہیں وفات پائی (۷۵۲ھ) اور دس برس بعد فیروز تغلق کا پہلا حملہ بھی ناکام گیا کہ رسد نہ ملنے سے لشکرِ شاہی کو ہٹ جانا پڑا۔ ہم عصر مورخ لکھتا ہے کہ شاہی پسپائی پر تھتے والوں نے بغلیں بجائیں اور یہ مثل بنائی کہ "برکت شیخ پٹھا۔ ایک موا ایک نٹھا"[۵۱]۔ ان کی شیخی تو اگلے حملے میں کرکری ہو گئی، مگر یہ تک بندی اس بات کی سند رہ گئی کہ آٹھویں صدی کے اہلِ سندھ میں وہی دہلی اور دوآب کی مخلوط و مشترک زبان مقبول تھی۔

۵۰۔ جمعاتِ شاہی، قلمی (ص ۱۵۰) نیز دیکھو تحفۃ الکرام ج ۱ ص ۱۸۱، مراۃ احمدی، وغیرہ ایسے کئی اقوال درج ہیں جیسے: "بھائی محمود خوش ہو..... ساندڑے گھر جلال جہانیاں آیا۔" یا "چشتیوں نے پکائی بخاریوں نے کھائی"۔

۵۱۔ شمس سراج عفیف، تاریخ فیروز شاہی ص ۲۳۱ کلکتہ کے مطبوعہ نسخے میں آخری لفظ "نھا" چھپا ہے۔ اس سے کئی صاحبوں کو مغالطہ ہوا۔ پروفیسر شیرانی مرحوم "برکت شیخ نھیا۔ ایک موا ایک نہا" تحریر کرتے ہیں (پنجاب میں اردو ص ۹۰) شیخ حسین معروف بہ شیخ پٹھا (متوفی ۲۰۰۶ھ) تھتے کے نامی بزرگ تھے جن کا مزار آج بھی زیارت گاہ بنا ہوا ہے۔ آخری لفظ جو لازماً "پٹھا" کا قافیہ ہوگا "ہٹا" یعنی ہٹ گیا بھی ہو سکتا ہے لیکن مجھے "نٹھا" زیادہ موزوں نظر آیا۔ نواحِ دہلی کے دیہات میں ناٹنا، نٹنا یا نٹھنا، ابھی تک پلٹ جانے اور مکر جانے کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ سندھی، پنجابی اور گجراتی میں بھاگ جانے کے معنی آتے ہیں۔ تعجب ہے پارسی نقاد ہودی والا کا خیال ادھر نہ گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زبان پنکھ پھیلاتی ہے :

۷۲۶ھ میں محمد تغلق پورے شہر دہلی کو دکن اٹھا لایا۔ مکان محلے، بازار، مسجدیں، سرائیں حویلیاں تک اسی نمونے کی تعمیر کرادیں۔ تخمیناً دو لاکھ دلّی والوں کو دولت آبادی بنا دیا۔ یہ واقعہ جو خیال کی بلند پروازی اور انسانی ہمت کی کرشمہ سازی میں دیوپری کی بجائے کسی مہادیو کا افسانہ معلوم ہوتا ہے، سیاسیات سے بڑھ کر ہندی لسانیات میں ایک نئے دور کا آغاز کرتا ہے۔ اسی انقلاب کی بدولت ہم شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کی صاحبزادی بی بی عائشہ کو دولت آباد میں ملتانی بولتے دیکھتے ہیں[1]۔ جس اکیس برس میں مہاجرین دہلی دکن کی جداگانہ سلطنت بہمنی تیار کرتے ہیں۔ اس کا پائے تخت گلبرگہ اور عام زبان وہی مخلوط ہندی ہے جسے دہلی سے بولتے ہوئے دکن آئے تھے، مگر کچھ عرصے میں یہ بھی دہلوی سے دکنی ہو جاتی ہے۔ عہدِ بہمنی کے دو مصنفوں سے اسی زبان کی چند کتابیں منسوب ہیں۔ ایک عین الدین بیجاپوری صاحبِ لحفات طبقاتِ ناصری (متوفی ۷۹۵ھ[2]) اور دوسرے خواجہ بندہ نوازؒ (متوفی ۸۲۵ھ) یہ دعویٰ ابھی تاریخ کی عدالت میں زیرِ غور ہے، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ خواجہ صاحب عام تعلیم و تلقین میں ہندی سے کام لیتے تھے[3]۔ واضح رہے کہ یہ دونوں حضرات، حضرتِ دہلی سے خاصی بڑی عمر میں دکن تشریف لائے تھے۔

---

[1] ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب نے ایک قدیم تذکرے سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے :
"اے برہان الدین، ساڈھی دھیہ کہ کہیا ہنسدا ہے؟" (اردو..... صوفیائے کرام کا کام ص۱۴)

[2] "اردوئے قدیم" (شمس اللہ صاحب قادری) ص ۴۲ و ۴۳

[3] " اردو... صوفیائے کرام کا کام ص۱۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گلبرگہ میں جو بیج برگ و بار لایا، اس کی شاخیں اگلی صدی میں بیجا پور و گول کنڈے تک پھیلیں۔ وہاں دکنی جیسی سرسبز ہوئی، اس کا ذکر آگے آتا ہے پہلے شمالی ہند کے بعض آثار پر نظر کیجیے جن کا زمانہ دکن کی شاہیوں سے مقدم ہے۔ سیاسی انقلابات کی تباہی اور تلاش و تحقیق کی کوتاہی کے باوجود ہمیں اس نئی مخلوط زبان کے دور دور تک نشان ملتے ہیں۔ آج بھی اقصائے شرق و جنوب میں اُردو کو بنی بُوجی کی بجا شا "مسلمانی بولی" یا "ترکوں کی زبان" کہنے والے مل جائیں گے۔ یہ نام حقیقت میں سلاطین مغلیہ سے پہلے کی زبان کی یادگار ہیں جبکہ مسلمان فاتح بنا رہے تھے اور ممالک ہند کے بعید ترین گوشوں میں لے جا رہے تھے[1]

ہم فاضل شیرانی کی محنت کے منت گزار ہیں جنہوں نے عہد خلجی کے فرہنگ نامہ مولانا فخر الدین غزنوی سے لے کر نویں صدی تک کے کئی لغت نویسوں کے "ہندی" مرادفات جمع کیے۔ یہ کسی مقامی بولی کے نہیں بلکہ مسلمانوں کی اسی مشترک ہندی کے الفاظ ہیں جو پنجاب، گجرات اور ہندوستان میں عام طور پر بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ اور اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ ان کتابوں کے مصنف مختلف اقطاعِ ہند میں رہ کر یہ لغات و فرہنگ تالیف کر رہے تھے[2] ان میں سب سے مفید شرف نامہ منیری کو ماننا چاہیے

---

[1] یہ عام نظریہ کہ اُردو یا ہندوستان کے مسلمانوں کی عام اور مشترک زبان سلاطینِ مغلیہ کے زمانے میں پیدا ہوئی، حقیقت کے بالکل برعکس ہے۔ پروفیسر شیرانی لکھتے ہیں کہ "سیدوں اور پٹھانوں کے دور میں جب دیسی زبانوں میں شاعری کا چرچا ہوا، اُردو میں بھی گجرات و دکن میں شاعری شروع ہو گئی۔ ان ایام میں جو اس زبان کی ترقی کی رفتار دیکھی جاتی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر مغلوں کا حملہ ہندوستان میں خلل انداز نہ ہوتا تو اردو بہت جلد سرکاری اور درباری زبان بن جاتی . . . . لیکن مغلوں کی آمد نے اس زبان کی بڑھتی امیدوں کو دو ڈھائی صدی کے لیے ملتوی کر دیا . . . . ملک میں ایک مرتبہ اور فارسی کا دور دورہ ہو گیا۔" (پنجاب میں اُردو، ص۲۱۲)

[2] ص۲۰۰ و مابعد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جسے نویں صدی میں ایک بنگالی فاضل ابراہیم قوام فاروقی نے تالیف کیا اور کئی سابقہ ماخذوں کے علاوہ ہم عصر بنگالی ادیبوں سے مدد لی۔ انہی زبان دانوں میں ملک الشعرائے بنگالہ امیر فخرالدین فتح خاں کا نام تحریر ہے۔ لغت میں فارسی ترکی الفاظ کا ہندی ترجمہ دیا گیا ہے اور ان میں :

پالک۔ سوکن۔ ہلاس۔ مولا۔ مسوڑہ۔ چونہ۔ مُنگ (مونگ) تھال۔ بیلن۔ راکھ۔

مسا۔ السی۔ وغیرہ وغیرہ

بیسیوں لفظ آج بھی فصحائے اردو کا روزمرہ ہیں۔

نویں صدی ہجری کا بڑا مشہور صوفی شاعر کبیر گزرا ہے۔ وہ اَن پڑھ اور غالباً نومسلم جولاہہ تھا کہ اسلام کی نسبت عام ہندوانی عقائد و رسوم سے زیادہ واقفیت رکھتا ہے۔ صلح کُل، وسیع مشرب ہونے کی وجہ سے ہندوؤں نے اسے اپنا مصلح اور بھگت مانا۔ ممکن ہے قبولِ عام کا ایک سبب کبیر کی زبان ہو جو ایسی میٹھی، عام فہم، پُراثر ہے کہ ہندو مسلمان سب کے دل میں گھر کر لیتی ہے۔ افسوس ہے شاعر کے سوانح کی طرح کلام بھی کسی قدر مشکوک ہو گیا ورنہ ایسے دوہے کہ ؎

(۱) کبیر سیر سرائے ہے کیا سوئے سکھ چین
سانس نکارا کوچ کا باجت ہے دن رین

(۲) ماٹی کہے کمہار کو تو کیا روندے موہے
ایک دن ایسا ہووے گا میں روندوں گی توہے

بارہویں صدی کے کسی نظیر اکبرآبادی کے گیتوں سے زیادہ تفاوت نہیں رکھتے۔ شبہے کو تقویت اس لیے ہوتی ہے کہ دوآب ہی میں کبیر کے بعد کے مسلمان شعرا (قطبن، جائسی، شیخ عبدالقدوس گنگوہی وغیرہ) کا کلام جو محفوظ رہا، ایسی مشکل اور خالص ہندی میں منقول ہے کہ آج کل ہندی داں بھی شاید آسانی سے نہیں سمجھ سکتے۔

اسی صدی کے ایک اور صوفی شاعر بہاء الدین باجن (متوفی ۹۱۲ھ) کو بھی شیرانی مرحوم ہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قدیم اردو کی محفل میں لائے ہیں[1]۔ یہ برہانپور کے رہنے والے تھے، مگر منازلِ سلوک گجرات میں آکر طے کیں۔ فارسی کے ساتھ بہت سے ہندی دوہرے صوفیانہ رنگ میں لکھے ہیں۔ خاصی صاف اکبر سے ملتی جلتی زبان ہے، مگر ان اشعار سے بھی زیادہ کام کی ایک بات یہ لکھ گئے کہ اپنی ہندی کو "دہلوی زبان" سے موسوم و منصوص کیا اور امیر خسروؒ کے قول کی، جو اوپر نقل ہوا ایک قوی شہادت فراہم کر دی۔

باجن کے کچھ بعد کے چند اور گجراتی صوفیوں کا ہندی یا مخلوط گجراتی کلام دست یاب ہوا ہے۔ ان میں سب سے خوب، خوب محمد چشتی کی مثنوی "خوب ترنگ" (تالیف ۹۸۶ھ) ہے۔ منظوم دیباچے کے آغاز ہی میں مصنف اشارہ کرتا ہے کہ شاید لوگ اس کلام (ہندی) کو سننا پسند نہ کریں گے:۔

خوب کہے گا خوب ترنگ — سنتیں کچھ نہ کیجو ننگ!

دسویں صدی ہجری کے آتے آتے، جب کہ دہلی میں لودھی پٹھان حکمران ہیں، ہندی زبان کا رواج بڑھتا چلا جاتا ہے۔ بعض مذہبی اور طبی کتابیں، اگرچہ فارسی میں لکھی گئیں، کثرت سے ہندی مرادفات کا استعمال کرتی ہیں، تاکہ ناظرین کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ "اخبار الاخیار" اور "منتخب التواریخ" میں اس عہد کے کئی علماء صوفیہ کا تذکرہ ملے گا جو ہندی زبان میں تصوّف کے نکتے کھولتے تھے۔

طبقۂ اعلیٰ سے فارسی کا چلن اٹھ جانے کی ایک عجیب شہادت بابر نامے میں مرقوم ہے کہ جب دولت خاں لودھی کی شہ سے بابر نے پنجاب پر لشکر کشی کی (۹۳۰ھ) اور پھر یہ پٹھان امیر پشیمان ہوکر بابر سے منحرف ہوا تو اس کا ایک عزیز[2] قلعہ ملوت (وسطِ پنجاب) میں گرفتار ہوکر بابر کے سامنے لایا گیا۔ بابر نے عہد شکنی اور بے وفائی پر زجر و توبیخ کی۔ دیر تک سوال جواب ہوتے رہے۔

---

[1] "پنجاب میں اردو" ص ۱۵۵۔

[2] دیکھو تزکِ بابری، حالات ۹۳۰ھ۔ میرے پیشِ نظر نسخے میں لودھی امیر کا نام علی خاں تحریر ہے شاید کتابت غلط ہوئی، جیسا کہ منتخب التواریخ میں صراحت آتی ہے۔ یہ گفتگو غالباً خود دولت خاں لودھی سے ہوئی تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بابر لکھتا ہے کہ یہ مکالمہ ایک ہندوستانی ترجمان کے ذریعے ہوا۔ ظاہر ہے کہ لودھی امیر فارسی زبان سے بالکل ناآشنا تھا۔

بابر کی فتح کی ایک دلچسپ لسانی یادگار یہ ہندی قطعۂ تاریخ ہے جو فاتح کو پڑھ کر سنایا گیا تھا: ؎

"نو سے اوپر تھا تبّیسا (۹۳۲ھ) پانی پت میں بھارت دیسا
اٹھیں (۸ ویں) رجب، سکر وارا بابر جیتا، ابراہیم ہارا"[۱]

دکنی ادبیات:

لیکن دسویں صدی ہجری وہ زمانہ ہے جب کہ وہی دہلی کی پرانی بولی، دکن (بیجاپور و گولکنڈہ) میں تازہ فروغ پاتی اور عربی رسم الخط میں باقاعدہ کتابی شکل اختیار کرتی ہے۔ فرشتہ نے خبر دی اور خافی خاں نے وضاحت کی ہے کہ بیجاپور میں دو دفعہ اسے سرکاری (یعنی دفتر مال گزاری) کی زبان بنایا گیا تھا۔[۲] فارسی پر اُس کا غلبہ قابلِ تعجب ہے کیونکہ اُن دنوں شمالی ہند سے زیادہ ممالکِ دکن ایرانی اثرات کا مہبط بنے تھے۔ علمائے عراق و عجم کے ہمقدم ایران کے عقائد و شعائر دکنی درباروں پر چھا گئے تھے۔ شاید یہ صوفی بزرگوں کی کرامت تھی کہ وہاں کے بادشاہوں تک کو "ہندی" کا مرید کر دیا۔

بیجاپور کے اہلِ قلم صوفیہ میں میراں جی عشاق (متوفی ۹۰۲ھ) تھے کہ مکہ معظمہ سے دکن آئے اور ان کا خاندان روحانیات کی طرح ہماری لسانیات میں بھی مرشد و ہادی کا مرتبہ رکھتا ہے۔ ان حضرات کے نثری رسائل، مکالمے، بڑی اور چھوٹی نظموں کا ایک بے بہا ذخیرہ ڈاکٹر عبدالحق صاحب مدظلہم نے

---

[۱] تاریخ داؤد شاہی (قلمی)، ورق ۶۶

[۲] فرشتہ۔ ۲ صفحہ ۲۷۔ خافی خاں۔ ۲ صفحہ ۳۰۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جمع کیا اور اس کے نادرات پہلی دفعہ زبان کے نمائش خانے میں سجائے۔ پھر سلطان عادل شاہ، محمد قلی قطب شاہ اور ان درباروں کے ملوک الشعراء غواصی، قطبی، نصرتی، وجہی وغیرہ بہت سے دکنی ادیبوں کے بڑے بڑے دیوان، مثنویاں، قصص، خدا جانے کن کن خانقاہوں اور گورستانوں سے کھود کر نکالے اور ان مردہ ادبیات کو از سرِ نو زندہ کر دیا۔ قدیم دکنی کو جس میں لامحالہ مقامی زبانوں کے الفاظ اور لہجہ گھل گیا تھا، صحت کے ساتھ پڑھنا اور معنی کی شرح کرنا، شاید ہیروغلیفی کتبات کے حل کرنے سے کچھ کم دیدہ ریزی اور بصیرتِ علمی کا محتاج نہ تھا۔ اسے ممدوح کی تحقیق کا اعجاز سمجھنا چاہیے کہ ان قدیم ناقابلِ فہم اوراق کو زبانِ گویا عطا کی اور ضمناً خود اردو کی تاریخ میں کئی گزری صدیوں کے ابواب شامل کرا دیے۔

اس موضوع پر بعد کے لکھنے والوں میں متقدم سید شمس اللہ صاحب قادری کا رسالہ "اردوئے قدیم" قابلِ ذکر ہے جس نے دکنی زبان کی بھولی ہوئی کہانیاں اہلِ شوق کو یاد دلائیں[۱]۔

یہ قدیم اردو نظمیں (بشمول قصیدہ و غزل) معنی و بیان میں بلند مرتبہ رکھتی ہیں۔ ڈاکٹر عبد الحق کی رائے ہے کہ نصرتی کی رزمیہ مثنوی کی ابھی تک اردو ادبیات میں نظیر نہیں ملتی۔ ان میں شاہ نامہ دکن (یا علی نامہ) عادل شاہیوں کی تاریخ کا ایک ماخذ قرار دی جا سکتی ہے۔ مغلوں کی فتوحات سے دکنی، شاہی سرپرستی سے محروم ہو گئی، تاہم ایسی چمکتی کتابوں کا علمی حلقوں میں بجھ کے رہ جانا اور دکن کے بلند پرداز وں کا تذکروں سے نام اڑ جانا حیرت کے قابل ہے۔ اس کی توجیہ یہی ہو سکتی ہے کہ عالم گیری عساکر شمالی ہند سے جو نئی

---

[۱] ڈاکٹر عبد الحق صاحب مدظلہم کے متعدد مضامین، خطبات، رسائل اس موضوع پر شائع ہوئے ہیں۔ "قطب مشتری"، "سب رس" وغیرہ دکنی کتابیں تصحیح و تشریح کی ترصیع کے ساتھ انجمن ترقی اردو نے چھاپ دی ہیں۔ بعد کے اہلِ تحقیق میں ڈاکٹر حامد حسین صاحب قادری، پروفیسر زور، سروری، نصیر الدین ہاشمی وغیرہ کئی صاحبوں نے دکنی زبان پر قابلِ قدر کام کیا ہے۔ حیدر آباد میں یہ مساعی حسنہ جاری تھیں لیکن حالیہ انقلاب نے ان کے مستقبل کو متزلزل کر دیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُردو لے کر آئے، اس نے خود اہلِ دکن میں پُرانی ادبیات کو نامانوس کر دیا۔ تصانیف اور مصنف دونوں بے توجہی کے غبار میں غائب ہو گئے۔ صرف دکنی زبان کی صدائے بازگشت کہیں کہیں سنائی دے جاتی ہے جس کی ایک دلچسپ مثال یہ ہے کہ محمد افضل (پانی پتی متوفی ۱۰۳۵ھ) کی "بکٹ کہانی" (تالیف اوائلِ قرنِ یازدہم) بارھویں صدی تک میدانِ قبول میں جولانی کرتی رہی۔ اس کی زبان پرانی ہو چکی تھی، لہٰذا بعض تذکرہ نویسوں نے مصنف کو دکنی سمجھ لیا۔[1] حالانکہ یہ زبان بیجاپور و گول کنڈے کے معاصرین سے کافی متفاوت نظر آتی ہے۔ آغاز کے چند شعر ملاحظہ کیجیے :-

"سنو سکھیو بکٹ میری کہانی
بھئی ہوں عشق کے غم سوں نمانی
نہ مجھ کو سوکھ دن، نا نیند راتا
برہوں کی آنکھ سیں سینہ جراتا
تمامی لوک مجھ بوری کہیں ری
خرد گم کردہ و مجنوں کہیں ری"

ہمارے خیال میں یہ مصنف ابتدائی مُغل دور سے منسلک ہے اور اس کی ڈوری آ گئے زیرِ نظر (۱۲ ویں) صدی تک پھیلتی ہے مگر یہ سلسلہ چھیڑنے اور زبانِ قدیم کا یہ مجمل باب بند کرنے سے پہلے نیچے کا نقشہ دیکھتے چلیے جس میں گزشتہ اوراق کا خلاصہ مرسوم ہے۔ مقاماتِ ہند سے ترتیبِ زمانی کا نشان ہیں اور جہاں زبان کسی مرکز سے دوسرے شہروں میں گئی ہے، وہاں نکتہ دار خط کھینچ دیے ہیں :

(نقشہ آیندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

---

[1] میر حسن اپنے تذکرے میں اس کہانی کی نسبت تحریر کرتے ہیں "لیکن قبولیت دادِ الٰہی ست بر دل ہا اثر می کند۔"

[2] "پنجاب میں اُردو" ص ۱۰۹ (بحوالہ تذکرۂ قائم چاندپوری)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نقشہ پاکستان وہند

(جس میں تحریری شواہد کے مطابق وہ مقامات (اور زمانہ) دکھایا ہے۔ جہاں مسلمانوں نے ہندوی یا ہندی یا قدیم اُردو سے کام لیا اور اسے مختلف ممالک ہند میں پھیلایا۔)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جدید اردو کا ظہور

... ہمارے الفاظ آج بھی ہندی عربی فارسی الفاظ ہیں۔ یہ امتزاج مسلمانوں کے پاکستان میں آتے ہی شروع ہو گیا تھا اور جب اس اختلاط پذیر ہندی کو عربی نسخ (اور پھر فارسی نستعلیق) میں لکھنے لگے تو اصولاً اردو معرض وجود میں آ گئی۔ اگرچہ زمانہ دراز تک وہ اسے ہندی، ہندوی، دہلوی، دکنی، گجری یا گجراتی کے مختلف ناموں سے پکارتے رہے۔ اس کی ابتدائی سرگزشت جہاں تک صحیح تحریری روایتوں سے ملی ہم نے گزشتہ اوراق میں اجمالاً دہرائی ہے۔ حالیہ تحقیقات اردو کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں دور کر چکی ہیں۔ غالباً کوئی اہل علم اب دکنی کو اردو سے بے تعلق اور بیگانہ محض نہیں سمجھ سکتا۔

ڈاکٹر عبدالحق صاحب یہاں تک تیار تھے کہ اس کے پرانے اور متروک الفاظ کو اردو کی لغت میں شامل کر لیا جائے۔ شیرانی مرحوم کی عالمانہ سعی و تلاش نے اس کے ڈانڈے پنجاب، گجرات، حدود بہار و بنگال تک پھیلا دیئے اور تیموری سلاطین کے آنے سے پیشتر اسے بولتے گیت گاتے سنا دیا ہے۔

مغل بادشاہوں کی حکومت میں اوّل اوّل فارسی کا پرچم لہرایا۔ دریا دلی، قدر شناسی کے جال نے ایران کے بہترین شاعروں کو اکبر آباد، دہلی، لاہور، احمد آباد کے حلقوں میں کھینچ بلایا۔ بادشاہ خود ایک زمانے تک فارسی، ترکی بولتے رہے لیکن پاکستان و ہند میں یہ بیرونی زبانیں قومی بولی نہ بن سکتی تھیں۔ مسلمان آبادی لاکھوں سے بڑھ کر کروڑوں کے اندازے میں آ گئی تھی اور اہل ہند سے نہ صرف مخلوط ہوئی، بلکہ عددی اعتبار سے مقامی عنصر غالب آتا جاتا تھا۔ یہ نومسلم بیشتر ملشی متصدی ادنیٰ درجے کے پیشہ ور، خدمت گار یا ارباب نشاط سے تعلق رکھتے تھے، لیکن سرکار، دربار میں اُن کا حکم نہ چلے بازار میں، کھیت کھلیان میں، گھر کنبے میں زبان ضرور چلتی تھی۔ درس گاہ، خانقاہ میں ہندی سے کام لیا جانے لگا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دکن میں مغل بادشاہوں کے قدم دسویں صدی تک نہیں جمے، مگر خود شمال میں اور ہمایوں کے پہلے دور میں ہم حکیم محمد یوسفی کو دیکھتے ہیں کہ صدہا دوبارہ ریاض الادویہ ۹۴۲ھ حیوانات اور امراض کے نام ہندی میں ترجمہ کر رہے ہیں۔ اکبری عہد میں ہندی کے ایک شاعر میر فاضل جعفری کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس کا کلام جو اس زمانے میں بہت مقبول تھا مفقود ہو گیا۔[۲] سندھ میں اسی زبان ہندی کے مانوس و مقبول ہونے کی ایک گواہی ہم عصر تاریخ "طاہری" میں تحریر ہے کہ جانی بیگ ترخان کی فوج مغلوں سے شکست کھا کر منتشر ہونے لگی (۱۰۰[illegible]ھ) تو وہ اور اس کے سردار ہر طرف دوڑتے اور اپنے سپاہیوں کو "فارسی، ہندی، سندھی" میں پکارتے اور غیرت دلاتے تھے۔[۳] ظاہر ہے کہ یہ ہندی سننے سمجھنے والے ہندوستان خاص کے لوگ نہ تھے بلکہ سندھ یا نواحی اقطاع کے باشندے تھے۔

انگریز کپتان ہاکنس جہانگیر کے عہد میں ہندوستان آیا تو یہ مشاہدہ کیے بغیر نہ رہا کہ فارسی درباری حلقوں تک محدود تھی۔ باہر عام و خاص سبھی "ہندوستانی" بولتے تھے۔ "صاحب سب رس" نے بھی اسی زمانے (۱۰[illegible]ھ) میں اپنی رسیلی تحریر کو "زبانِ ہندوستان" کہا ہے، لیکن نام سے قطع نظر یہی عہد ہے جب ضیاء الدین خسرو اپنے ہم وطن مسلمانوں کو فارسی سکھلانے کے لیے "خالق باری" شائع کرتا ہے (۱۰۳۱ھ م ۱۶۲۲ء)۔ بعد میں اسی طرح کی کئی درسی کتابیں لکھی جاتی ہیں، جن میں "اللہ خدائی" (۱۰۶۰ھ م ۱۶۵۰ء) اور سب سے بڑھ کر "صمد باری" اتنی مقبول و متداول تھی کہ انقلابات کی آندھیوں میں بھی اس کے اوراق برباد نہ ہوئے۔[۴]

---

[۱] "پنجاب میں اردو" ص ۲۲۱ نیز مقدمہ حفظ اللسان، خالق باری ص ۸۔

[۲] مقالہ سید حسام الدین صاحب راشدی، رسالہ "اردو" اکتوبر ۱۹۵۱ء بحوالہ تذکرۃ الخوانین قلمی۔

[۳] تاریخ طاہری قلمی، فصل: جنگ جانی بیگ با خان خاناں عبدالرحیم۔

[۴] ان پرانی "نصابی" کی کتابوں کے متعلق فاضل شیرانی مرحوم کی کتاب "پنجاب میں اردو" مقدمہ

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"صمد باری" کا عُرف عام "جان پہچان" اور درسی نام "رسالہ سہ زبان" تھا کیونکہ وہ ہندی فارسی عربی تین زبانوں کا سبق دیتی تھی۔ مصنف "ملا عبدالواسع" ہانسی کے رہنے والے اور عالمگیری عہد کے خاصے مشہور مدرس تھے۔ کئی درسی رسالے ان کی یاد دلاتے ہیں، مگر ذاتی حالات کا ابھی تک پتا نہیں چل سکا۔ حالانکہ انصافاً اردو کے موسّسین محسنین میں ان کا شمار ہوگا کہ جہاں تک معلوم ہوسکا، اس زبان کی پہلی لغت "غرائب اللغات" انہی نے تیار کی۔ اس میں وہ ہندی الفاظ جمع کیے ہیں، جو مسلمان عام طور سے بولتے، مگر ان کے عربی فارسی مرادفات نہیں جانتے تھے۔ یہ عجیب کتاب سو ڈیڑھ سو صفحے سے زیادہ نہیں، اس لیئے "رسالہ" کہلاتی رہی۔ گیارہویں صدی کے اواخر یا اوائل بارہویں صدی کی تالیف ہے۔ ۱۱۶۵ھ میں سراج الدین علی خاں آرزو کی تصحیح و توسیع سے اسے چار چاند لگے۔ ضخامت کوئی سہ گُنی ہوگئی۔ "نوادر الالفاظ" کا نیا نام ملا۔ حال میں ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب (پروفیسر اورینٹل کالج، لاہور) نے بڑی دیدہ ریزی سے مطالعہ کیا، حواشی سے تزئین کی، انجمن ترقی اردو نے چھپوا دیا ہے۔

تفصیلی لسانی بحث چھیڑنے کا یہ موقع نہیں، مگر ان ابتدائی لغات کو پڑھنے سے حیرت ہوتی ہے کہ ہمارے اسلاف، ہندی میں کتنی مدت سے کتنے گہرے ڈوب گئے تھے کہ ایسے بلیغ الفاظ اور مصطلحات ان کا وظیفہ تھیں جو اب ہماری تحریر و تقریر میں متروک اور حافظے سے معدوم ہوچکی ہیں۔ اسی حقیقت کو ذہن نشین کرنے سے ہم نظم اردو یا ریختہ کی تیز ترقی اور قبولِ عام کی لِم دریافت کر سکتے ہیں کہ بارہویں صدی کے آغاز میں حضرت وَلی گجراتی (متوفی ۱۱۱۹ھ) کا دیوانِ ریختہ دہلی پہنچتا ہے اور دیکھتے دیکھتے بلبلوں ہم صفیر اسی لے میں نغمہ سرائی کرنے لگتے ہیں۔ سبب یہ کہ زبان پہلے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) "حفظ اللسان" "خالق باری" اور دوسرے تمام ... لائق مطالعہ ہیں۔" خالق باری" کو سب سے اول انہی کی تحقیق دقیق نے مغلیہ عہد کی مخلوق ثابت کیا تھا۔ پھر ڈاکٹر عبدالحق مدظلہم کی جستجو کا ہاتھ ایک قدیم نسخے تک پہنچ گیا جس نے شیرانی مرحوم کی دقیقہ رسی اور دعوے کی قطعی تصدیق کر دی۔ یہ کتاب انجمن ترقی اردو نے کچھ عرصہ ہوا شائع کر دی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے موجود و مروّج تھی۔ کام لینے سے لوگ ہچکچاتے تھے۔ شہرت عام کے مطابق شاہ سعد اللہ گلشنؒ (متوفی ۱۱۴۵ھ) نے دلی کی بہت بند ھائی اور اپنی زبان میں فارسی طرز پر غزل کہنے کی تحریک فرمائی۔ شاہ صاحب موصوف دہلی کے ممتاز نقش بندی درویش اور خود بھی فارسی کے شاعر تھے۔

اسی مشرب کے دوسرے نامی بزرگوار جنہوں نے اپنی شعر گوئی سے نئی ریختہ کو نوازا مرزا جان جاں مظہرؒ ہیں جن کا مختصر حال اوپر ہماری نظر سے گزر چکا ہے۔ مشہور معاصرین مضمونؔ، فائزؔ، فغاںؔ ناجیؔ وغیرہم میں شیخ ظہور الدین حاتمؔ کو ایہام گوئی نے مشہور کیا۔ یہ تلازمے شاعری کے اعتبار سے فضول چیز ہی، تاریخ کی نظر میں زبان کی وسعت اور نشوونما کا منظر دکھاتے ہیں۔ حاتمؔ ہی کے فیضِ تربیت نے سوداؔ، یقینؔ وغیرہ چند اوّل درجے کے ریختہ گو تیار کیے۔ اسی دور میں سراجؔ دکنی، خواجہ میر دردؔ دہلوی، نظیرؔ میر اکبرآبادی جیسے نامی گرامی افراد ہوئے کہ سارا ملک اُردو کے نغموں سے گونج اٹھا اور فارسی شعر کہنے کی رسم پارینہ اور بے محل نظر آنے لگی۔

دہلی کی تباہی، تاراجی نے اسی بارہویں صدی میں اکثر اُردو شعرا کو اودھ اور دوسرے صوبوں میں بکھیر دیا خصوصاً لکھنؤ بڑا مرکز بن گیا۔ ان شعرا کے حالات سے اُردو تذکرے بھرے پڑے ہیں۔ کلام کے مجموعے، منتخبات کثرت سے شائع ہوئے اور زیرِ تنقید لائے جا رہے ہیں۔ خاص طور پر یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ دردؔ و سوداؔ کی اُردو صرف دہلی، لکھنؤ سے مخصوص نہ تھی، بلکہ لب و لہجہ اور مقامی محاورے کے خفیف فرق کے ساتھ پاکستان و ہند کے بعید ترین صوبوں میں بولی اور نظم کے کام میں لائی جا رہی تھی۔ ہر جگہ مقامی بولیاں موجود تھیں، لیکن ہر جگہ کم سے کم مسلمانوں کی مشترک زبان وہی تھی۔ اورنگ آباد (دکن)، اور والاجاہی ارکاٹ کی طرح میسور میں بھی اسی کے ترانے گائے جاتے تھے[۱]۔ مرشد آباد میں دہلی کے سخن وروں کی آمد و رفت جاری تھی۔ میر جعفر کے بیٹے، جواں مرگ میرنؔ کی ایک منقبت بعض قلمی تذکروں میں ملتی ہے جس کا نمونہ یہ ہے:

---

[۱] "فتح المجاہدین" جو ٹیپو سلطان کے حکم سے ۱۱۹۷ھ میں تالیف ہوئی، حال ہی میں ڈاکٹر محمود حسین خاں صاحب (وزیر پاکستان) کی تصحیح سے شائع کر دی گئی ہے۔ اس میں کئی اردو اشعار قطعات نقل کیے ہیں جنہیں میسوری سپاہی مختلف اوقات میں مل کر گاتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے نورِ خدا محرمِ اسرار پہ صلوات

سب اولیوں کے قافلہ سالار پہ صلوات... [۱]

ان سے کہیں بڑھ کر شعرائے سندھ، خصوصاً میر حیدرالدین کامل (متوفی ۱۱۵۰ھ) اور ان کے تلامذہ کا کلام زباں دانی کی عمدہ مثالیں پیش کرتا ہے۔

صوبہ سرحد (کوہاٹ) کے اسی عہد کے شاعر قاسم علی خاں آفریدی کا قلمی دیوان حال میں دستیاب ہوا جس میں فارسی اور پشتو سے کہیں زیادہ تعداد میں اردو اشعار درج ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

"کسی سے میں تری وصلت کی التجا نہ کروں

مروں بہ رشک پہ اظہارِ مدعا نہ کروں" [۲]

اردو نثر کی کھیتی، نظم کے بعد آیندہ صدی میں سرسبز ہوئی۔ اسے ہم کسی اگلی فصل میں مشاہدہ کریں گے۔

---

[۱] "دہلی بارہویں صدی ہجری میں" صہ ۳۱ بحوالہ تحفۃ احباب (قلمی)

[۲] دیکھو تزکِ بابری، حالات ۹۳۲ھ۔ میرے پیشِ نظر نسخے میں لودھی امیر کا نام علی خاں تحریر ہے۔ شاید کتابت غلط ہوئی، جیسا کہ منتخب التواریخ میں صراحت آتی ہے۔ یہ غالباً خود دولت خاں لودھی سے ہوئی۔

نیز دیکھو مقالہ سید حسام الدین صاحب راشدی۔ اردو۔ اکتوبر ۱۹۵۱ء

[۳] دیکھو اٹک کے اُس پار، از فارغ بخاری و رضا ہمدانی صہ ۱۸۹ و مابعد۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب پنجم

غیر مسلم طاقتیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غیر مسلم طاقتیں

ممالکِ ہند میں مسلمان بادشاہوں کے طولانی دورِ حکومت نے ہندو راجوں مہاراجوں سے اقتدارِ اعلیٰ چھین لیا، مگر ان کے اکثر خاندانوں کی (جنہوں نے اطاعت قبول کی) دولت و ریاست بحال رکھی اونچی جاتیوں، کی معاشی اور معاشرتی برتری میں کچھ بہت خلل نہ پڑا۔ سلاطینِ تیموری کے عہد میں چھتری راج پوتوں سے ایسی عنایت و محبت کا برتاؤ کیا گیا کہ اُن کے ہزاروں سپاہی شاہی افواج میں مسلمانوں کے ساتھ شانہ بشانہ لڑتے رہے۔ آپس کے میل جول سے مذہبی عقائد و اعمال کا فرق بھی، گو مفقود نہ ہوا، تنگ وائرے میں ضرور محدود ہو گیا۔ جیسا کہ اس کتاب کی پہلی جلد میں جتایا گیا ہے، جنگجو راجپوتوں کی مغلوں سے یک دلی اور یگانگی کی اس سے بڑھ کر شہادت کیا ہو گی کہ ان کے زوالِ دولت کے ساتھ راجپوتی نام وری بھی اگلی صفیں چھوڑ کر پیچھے ہٹتی چلی گئی۔

مسلمانوں کی سیادت و حکمرانی سے ہندوستان کی پست اقوام نے لامحالہ فائدہ اٹھایا۔ ان کی غلامی کا بوجھ کچھ نہ کچھ ہلکا ہوا ذلت کے احساس میں یقیناً کمی آئی۔ پیشہ وروں کی ایک بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا۔ ان کی معاشی حالت اور پیشے کے ساتھ پرانی خصلتیں زیادہ نہ بدلیں، تاہم ایسے ذلیل اور اچھوت نہیں رہے جیسا کہ برہمنوں نے صدیوں سے بنا رکھا تھا۔ اسی طرح وہ " پست اقوام "

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنہوں نے مذہب نہیں تبدیل کیا۔ اسلام کی تعلیم و تہذیب سے واسطہ در واسطہ مستفید ہوئیں ۔ یہ موضوع بڑی وسیع اور دقیق تحقیقات کا طالب ہے مگر جہاں تک ہمیں علم ہے اس پہلو پر ابھی تک کسی نے علمی نظر تک نہیں ڈالی، تاہم کچھ شبہ نہیں کہ ہندوستان کی "نیچ" قوموں میں عظیم نفسی انقلاب اندر ہی اندر برپا ہو گیا تھا جس کا نمایاں مظاہرہ مرہٹوں کے خروج و عروج میں اور پنجاب کی حد تک سکھوں کی گروہ بندی میں نظر آتا ہے۔ یہ دونوں تخریبی قوتیں تھیں کہ مغلوں کے ضعف و زوال کے ساتھ قابو سے باہر ہو گئیں اور دیوانہ وار امن و انتظام کی گرتی شاخوں پر کلہاڑی بجلانے لگیں، لیکن یہ ذہنیت بھی شاید فطرت کا انتقام تھا جو وہ اونچ نیچ کی ظالمانہ حد بندیاں قائم کرنے والوں سے لے رہی تھی۔

مرہٹوں کی نشوونما:

تاریخ میں پہلی دفعہ دسویں صدی ہجری (سولہویں عیسوی) کے اواخر میں مرہٹہ بارگیروں اور پیادہ سپاہیوں کا نام آتا ہے۔ احمد نگر کی نظام شاہی اور سب سے بڑھ کر ملک عنبر نے اکبر و جہانگیر کے حملوں کی مدافعت کے لیے جو فوجیں بھرتی کیں ان میں خواہی نہ خواہی مقامی باشندے شامل کیے گئے۔ دکنی مسلمانوں کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ باامن بنیے جنگ و جدل سے واسطہ نہ رکھتے تھے۔ معدودے چند دکنی (ہندو) خاندانوں کو راجپوت ہونے کا دعویٰ، وہ بھی مشکوک تھا۔ اور اگر انہی کے بھاٹوں، برہمنوں کی روایتوں سے جانچا جائے تو اور بھی مہمل ثابت ہو گا، مگر مسلمان حاکموں کو ذات پات سے بحث نہ تھی اور ہمارے اہل قلم نے بھی اس باب میں تحقیق تفتیش کی زحمت نہ اٹھائی، سُنی سنائی باتیں نقل کر دی ہیں۔[1] انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں ایک انگریز گرانٹ ڈف نے بڑی محنت سے مرہٹوں کی مفصل

---

[1] علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کا بیان (خزانہ عامرہ، ص ۳۹) بے تحقیقی کی مثال ہے جس میں مرہٹوں کا نسب

(بقیہ حاشیہ آیندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاریخ تیار کی۔ اِل فنس ٹن کا ۱۸۱۸ء سے پونا آرے زی ڈنسی سے تعلق رہا۔ یہ علاقے بمبئی میں ضم ہوئے، تو وہی یہاں کا پہلا حاکم بنایا گیا۔ وہ اور بعد کے انگریز اہل تحقیق انہیں نسلاً "دراوڑی" بتاتے ہیں، اگرچہ قدیم زمانے میں آریہ آئے تو ان کی زبان آریائی ہو گئی تھی۔ قبل مسیح تاتاریوں کے سیلاب نے نسلوں کو بدل دیا، چنانچہ خالص دراوڑی کی بجائے یہ لوگ اب ترکو دراوڑی کہلاتے ہیں۔ ہندوؤں کے نظامِ معاشرت میں وہ "شودر" یعنی سب سے گھٹیا طبقے میں رکھے گئے تھے[۱]۔ کوکن کے پہاڑی قطعات اور شمالی دکن میں برار و ناگ پور تک ان کا دیس تھا۔ احمد نگر کی نظام شاہی پھر بیجاپور کی عادل شاہی کے زیرِ سایہ پروان چڑھے، دولت و ریاست سے بہرہ مند ہوئے۔ ورنہ پہلے کی ہندو یا مسلم تاریخ میں کسی مرہٹہ رئیس راجا کا نام نہیں آتا۔

مغل بادشاہوں کی دکن پر بار بار فوج کشی کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ شمالی دکن کے عوام تک سپہ گری کے فن سے آشنا ہو گئے۔ احمد نگر پھر دولت آباد اور جنیر کے مضبوط قلعے نوبت بہ نوبت شمالی کشورستانوں کے پنجے میں پڑے۔ نظام شاہی کا آخری وارث گرفتار کر کے گوالیار بھیج دیا گیا۔ ملک عنبر کی ساختہ پرداختہ اہلِ دچپادلی، سب فوجیں منتشر کر دی گئیں۔ سارا ملک خاندیس، برار، دولت آباد کے مغلیہ صوبوں میں تقسیم ہوا۔ بادشاہِ دہلی کے نام کا ڈنکا گاؤں گاؤں میں اس زور سے گونجا کہ دل دہل گئے۔ ہر طرف نئے انتظام اور کامل امن و امان کی منادی ہوئی ...... بایں ہمہ سال ہا سال کی جنگ نے ضلعے کے ضلعے ویران کر دیے تھے۔ معاشی حالت نہایت ابتر تھی۔ دوسرے مرہٹہ کسانوں کو فوجی ملازمت

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

اودے پور میواڑ کے راجپوتوں سے ملایا اور پھر اسی واسطے سے انہیں نوشیرواں عادل کی اولاد بتایا، بلکہ شہر بانو کے ایرانی رشتے سے سیدوں کا ماموں تجویز کیا ہے!

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] اوکس ہس۔ ص ۳۰۴ بحوالہ دھرم شاستر۔ انسائیکلوپیڈیا۔ ج ۱۷۔ ص ۲۲۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور لوٹ مار کی چاٹ پڑ گئی تھی، پاؤں توڑ کے چھپروں کے نیچے بیٹھے رہنے یا خشک زمینیں توڑنے اور ہل چلانے میں مزا نہ آتا تھا۔ جنہیں بیجا پور یا مغلیہ فوجوں میں نوکری نہ ملتی، آس تکتے تھے کہ جب موقع ملے درانتی پھینک کر تلوار ہاتھ میں لے لیں۔ کئی مرہٹے کہ نظام شاہی سرپرستی میں زمینداری اور فوج کی سرداری تک بڑھے تھے، بیجاپور کے سرحدی اضلاع میں جمع ہوئے اور اُسی حکومت کی درپردہ مدد سے پریندہ کا بلند و مستحکم قلعہ دبا لیا۔ ان کا سرگروہ ساہو جی بھونسلا ایک نظام شاہی سردار تھا کہ پہلے مغلوں سے جا ملا اور اعلیٰ منصب وار مقرر ہوا تھا۔ دربارِ بیجاپور کی شہ سے اب اُن کا احسان فراموش کیا، مغل بادشاہ کے خلاف شورش بپا کر دی۔ ایک نظام شاہی لڑکے کو برائے نام بادشاہ بنا کر ملک عنبر کی نقل دکھلانے لگا۔ شاہ جہان کو ایک مرتبہ اور ادھر فوج کشی کرنی پڑی کیونکہ فساد کا اصلی سرچشمہ بیجاپور کی حکومت تھی۔

دکن کی اسلامی ریاستوں کے بالآخر خاتمے کا حال پہلی جلد میں ہم مطالعہ کر چکے ہیں۔ اسی میں ساہو کے بیٹے سیواجی کا تذکرہ آتا ہے کہ کس طرح قزاقی کا پیمانہ وسیع کیا اور مرہٹوں کی خاصی بڑی ریاست تیار کی (باب ۱۹) یہ عالمگیری عہد میں تہ و بالا کر دی گئی تھی (باب ۲۱) بعد میں سیواجی کے پوتے ساہو کو باجگذار کی حیثیت سے واگزاشت ہوئی۔ وہ عالمگیر کی حراست میں پلا تھا لیکن اس قیدی لڑکے کے ساتھ بادشاہ نے جیسی مہربانی کا برتاؤ کیا، وہ اُسے عمر بھر یاد رہی۔ بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ آخر تک جب مرحوم بادشاہ (خلد مکاں) کا نام سنتا، تواززہ تعظیم سر جھکاتا اور کبھی کبھی آبدیدہ ہو جاتا تھا۔

مرہٹہ پیشواؤں کا دور:

ساہو باجگذاری پر قانع تھا، لیکن خود مغل اُمرا اپنی اپنی غرض کے لیے مرہٹوں سے جنگی کام لینا چاہتے اور انہیں لہکا لہکا کے دوبارہ شیر بنا تے تھے۔ نادر شاہ کے حملے نے دربار دہلی کی توقیر کھوئی پھر محمد شاہ کے وارثوں اور غازی الدین کی سازشوں نے لُٹیا ڈبوئی۔ مرہٹوں کے اُبھرنے اور قوت پکڑتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے یہ خارجی سامان تھے۔ داخلی سبب یہ پیدا ہوا کہ ساہو کی تن آسانی اور بے پروائی سے ریاست کی کلیں برہمن وزیروں کے ہاتھ میں پھسل آئیں، جو پیشوا کے فارسی لقب سے مشہور ہوئے۔ جس طرح ان کا عہدہ موروثی ہو گیا تھا، اسی طرح یہ لقب آخر تک متوارث ہوتا رہا اور ان کی ریاست کے ساتھ ہی محو و بے نشان ہوا۔ کہتے ہیں ساہو نے آٹھ دس برس بعد خود ہی سارے اختیار پیشوا کے سپرد کر دیے تھے (۱۱۲۹ھ م ۱۷۱۷ء)۔ غرض آیندہ ہم راجا کا نام تک نہیں سنتے۔ سیواجی کے خاندان میں کولھاپور کی گدی باقی رہی تو وہ بھی دوسری شاخ (یعنی راجارام کی اولاد) میں منتقل ہو گئی تھی۔

مرہٹوں کے یہ نئے حاکم (یعنی پیشوا، ذات کے) کوکنی برہمن اور طبعاً بہت ذہین وزیر کہ مانے جاتے ہیں۔ انہی نے ریاست کی از سر نو تنظیم کی اور مرہٹوں میں حکومت کا شعور پیدا کیا، اگرچہ قومی مزاج کی دنائت اور قزاقی کی خاصیت دور نہ کر سکے۔ بقول ونسنٹ اسمتھ سیواجی اور مرہٹوں کی آزاد حکومت اوّل تا آخر ایک ڈکیت حکومت رہی۔ اور اس کی یہ نوعیت کبھی نہ بدل سکی۔[1]

پیشوا کو انتظام جمانے، حکومت میں حصہ لگانے کا قدرتی موقع یہ ملا کہ فرخ سیر کے زمانے میں امیر الامرا سید حسین دکن آیا۔ داؤد خاں پنی مقابلے میں مارا گیا، تب امیر الامرا نے اُس کے مرہٹہ رفیقوں پہ پنی سے بڑھ کر احسان کی وصلیاں چپکائیں۔ سارے شمالی دکن یا مرہٹ واڑی میں وصولِ مال گزاری کا کام انہیں دلوا دیا اور اس کے عوض میں پچیس فیصدی مالیہ ان کا حق الخدمت قرار دیا۔ یہی معاوضہ "چوتھ" کہلاتا تھا کہ ہر صوبیدار سے اس کا مطالبہ کرتے اور خدمت انجام دیے بغیر حق الخدمت کے نام سے لوٹ مار مچاتے پھرتے تھے۔ محمد شاہ کے عہد میں دکن کے صوبے نظام الملک (آصف جاہ) کی تحویل میں آئے اور یہاں مرہٹوں کے قدم نہ جمنے پائے۔ باہمی مفاہمت کی شکل یہ نکلی کہ نربدا پار مالوے میں جا دھمکے۔ دوسری طرف گجرات پر ڈاکے مارنے لگے۔ نظام الملک نے اغماض کیا۔[2] (۱۱۴۵ھ م ۱۷۳۲ء)

---

[1] اوکس ہس۔ ص ۲۶ و ۲۳۵۔

[2] گرانٹ ڈف کی (بلا حوالۂ ماخذ) روایت ہے کہ نظام الملک سے باجی راؤ کا خفیہ معاہدہ ہو گیا تھا۔ ج ا ص ۴۴۱۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دربارِ دہلی پر اُن دنوں "ایرانی" فریق کا قبضہ تھا۔ تورانی" سرگروہ نظام الملک راندۂ درگاہ تھا۔ مرہٹوں کو ملا کر اس کے صوبوں پر چڑھا نے لڑانے کی بھی کوشش کی گئی تھی۔ اس ریشہ دوانی کا باجی راؤ (دوسرے پیشوا)[1] پر اُلٹا اثر ہوا۔ وہ مرکزی حکومت کو حقیر و ضعیف سمجھنے لگا اور دکن پر چڑھنے کی بجائے خاص دوآب و دہلی پر جا گرا، مگر جمنا کے پار برہان الملک صوبیدار اودھ نے مرہٹہ ٹکڑیوں کو مار بھگایا۔ اصلی فوج باجی راؤ کی قیادت میں چلی تھی۔ آگرہ کے آگے شاہی لشکر کا آنا تو اروپی پزت کی پہاڑیوں میں چھُپی اور اسی کی پگ ڈنڈیوں سے چوروں کی طرح راستہ طے کر کے نواحِ دہلی تک آ گئی۔ شہر پر حملے کی ہمت نہ ہوئی، البتہ باہر کالکا میں میلا لگا ہوا تھا، اُسے مرہٹوں نے لوٹ لیا۔ تہوار منانے، پوجا کو آنے والے ہندوؤں سے جو کچھ مل سکا، چھینا اور اُلٹے پاؤں میوات کے راستوں سے راجپوتانے، مالوے ہو کر دکن واپس ہوئے[2]۔

یہ چھاپا کچھ زیادہ کامیاب نہیں رہا، بلکہ باجی راؤ کو غالباً یقین ہو گیا کہ گو حکومتِ دہلی بعید صوبوں کو مدد دینے، سنبھالنے سے قاصر ہے تاہم مغل بادشاہ پر اس کے گھر میں حملہ کرنا بہت جوکھم کا کھیل ہو گا، چنانچہ نادر شاہ کی تاخت اور اہلِ دہلی کی پریشاں حالی کے باوجود اُس نے چنبل ندی سے آگے قدم نہیں بڑھائے اور باقی زندگی بھر جنوبی ہند اور مالوے ہی میں جولانیاں دکھاتا رہا۔ ۱۱۵۳ھ م ۱۷۴۰ء میں وفات پائی۔ آخر زمانے میں خانہ جنگی اور بہت سی پریشانیوں میں مبتلا تھا، پھر بھی حق یہ ہے

---

[1] باجی راؤ دوسرا پیشوا (۱۷۲۰ء تا ۱۷۴۰ء) باپ سے زیادہ حوصلہ مند اور جنگ جو تھا۔ مرہٹوں میں سیوا جی کے بعد سب سے بڑا اور کامیاب حاکم اسی کو مانا جاتا ہے۔ مالوے میں سندھیا اور ہلکر اور گجرات میں گائک واڑ کو اسی نے اپنا نائب بنایا تھا جن کی بڑی بڑی موروثی ریاستیں ان علاقوں میں قائم ہوئیں۔

[2] یہ اوائل ۱۱۵۰ھ مطابق ۱۷۳۷ء کے واقعات ہیں۔ فارسی تاریخوں میں ان کا ذکر بے ترتیب ہو گیا ہے۔ مفصّل کیفیت خود باجی راؤ کے مراسلے سے گرانٹ ڈف نے تحریر کی ہے۔ ج ۱ ص ۴۴۱۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ اُسی کی اولوالعزمی نے مرہٹوں کو حکومت و بادشاہی کا آرزومند بنایا۔ ملک داری کے گُر سکھلائے، ذمہ داری اُٹھانے کے سبق پڑھائے جن کی بدولت بے سرے قزاقوں کی بجائے ان میں قومی تنظیم و وحدت کا شعور پیدا ہوا۔ یہ بلند اور شاندار منصوبے عمل میں آنے مشکل تھے کیونکہ مرہٹہ سلطنت کی تعمیر میں شروع سے خرابی موجود تھی۔ خود پیشوا بے وفائی، خود غرضی، دغابازی کا مجسمہ تھا جس نے حکومت کے اصل وارث کو عضوِ معطل بنایا اور اقتدار کے مرکز پر غاصبانہ قبضہ جما رکھا تھا۔

مرہٹوں کا عروج :

تیسرے پیشوا بالاجی راؤ کی پیشوائی (۱۱۵۳ تا ۱۱۷۴ھ م ۱۷۶۱ء) مرہٹوں کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا جس کے آخری سال پانی پت کی ایسی چوٹ کھائی کہ پھر اتنی مرکزی قوت کبھی نہ آئی۔ اسی دور میں اصلی راجا قلعہ ستارا میں بند کر دیا گیا کہ رہی سہی چمک بھی ماند ہو گئی۔

پیشوا نے پونا کی پرفضا، صحت افزا بستی کو مرکز حکومت بنایا۔ بڑے بڑے محلات سے اس کی رونق اور اپنی شان شوکت بڑھائی۔ (۱۱۶۳ھ م ۱۷۵۰ء) صوبۂ مالوہ میں چوتھ پر مال گزاری کی باقاعدہ سند بادشاہ سے حاصل کی جس کے لیے باپ بہت دن ہاتھ پاؤں مارتا رہا اور کامیاب نہ ہو سکا تھا۔[1] پھر محمد شاہ اور نظام الملک آصف جاہ کی وفات پر اپنی قوت مضبوط کی۔ گجرات اور ناگ پور کے سرکش

---

[1] یہ سند محمد شاہ نے بالاجی کو اس خدمت کے صلے میں دی تھی کہ ناگ پور کے مرہٹہ رئیس رگھوجی بھونسلہ نے بنگالے کے بعض مسلمان امیروں کی دعوت پر صوبیدار علی وردی خاں مہابت جنگ کے علاقے پر یورش کی۔ بھونسلہ، پونا کے برہمن پیشوا سے منحرف ہو گیا تھا، لہذا مہابت جنگ نے بالاجی سے مدد لی اور مرہٹوں کے باہمی نفاق سے فائدہ اٹھایا۔ پیشوا کے لشکر کی آمد نے بھونسلے کو پسپائی پر مجبور کیا تب صوبیدار بنگالہ کی سفارش پر بادشاہ نے یہ سند عنایت کی (۱۱۵۷ھ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رئیسوں کو فوجی طاقت اور دلاسے کے دام سے اپنے ماتحت جتھے میں گانٹھ لیا اور بڑے لاؤلشکر سے پہلے دوآب پھر جنوبی پنجاب تک پاؤں پھیلائے۔

جیسا کہ دوسرے باب میں ہم دیکھ چکے ہیں یہ اقدام شمالی امیروں وزیروں خصوصاً غازی الدین عماد الملک کی دعوت پر کیا گیا تھا اور اگر پنجاب میں وہ احمد شاہ درانی سے نہ بھڑ جاتے تو دہلی اور دوآب پر مستولی ہو جانا کچھ ناممکن نہ تھا، لیکن اسی زمانے میں انہیں نظام صلابت جنگ پر ایک نمایاں فتح حاصل ہوئی (معرکۂ اُدگیر، ۱۱۷۳ھ م ۱۷۶۰ء) نہ صرف خاندیس بلکہ دولت آباد و بیجاپور کے وہ اضلاع پونا کے قدموں میں آ پڑے جن کی سابقہ عظمت کی صدائے بازگشت باقی تھی۔

ایک اور نفسی نکتہ یہ ہے کہ مرہٹوں کو اب تک زیادہ خوف نظام کی قوت سے تھا۔ اُدگیر کی جنگ نے یہ خلش دور کر دی۔ پیشوا کے دماغ میں ایسی نخوت و خودنمائی بھر دی کہ پھر ممالکِ ہند میں اسے کوئی اپنا حریف اور مدِ مقابل ہی نظر نہ آتا تھا۔ قزاقی کے جرگوں، رہزنی کے بے قاعدہ گروہوں کی بجائے کثیر التعداد منظم سپاہ اس کی تنخواہ دار تھی۔ ابراہیم خاں گاردی کے دس ہزار پیادے اور توپ خانے کا لشکر فرانسیسی قواعدِ جنگ سیکھ کر آیا، اور صلابت جنگ کی نوکری چھوڑ کر اضافۂ تنخواہ کے لالچ میں پونا کا اجیر بن گیا تھا۔ پیشوا کی افواج میں جدید توپ و تفنگ کی ایسی بہتات تھی کہ ہندوستان کی کسی اور حکومت میں نہیں پائی جاتی تھی۔ یہ سب اسباب دولت کا نشہ تیز کرتے تھے۔ مرہٹہ برہمنوں سے اس کی سمائی نہ ہو سکتی تھی۔

دوسرے سال جب اس جنگی ساز و یراق اور پیشوا کی چند روزہ طمطراق کی خاص آزمائش کا وقت آیا تو مرہٹوں کی نااہلی کا راز فاش ہو گیا کہ نہ ان میں جاں باز مستقل مزاج سپاہی تھے نہ ایسے کارواں سردار کہ ایک دلیر و ہوشیار دشمن کا جم کر مقابلہ کر لیتے۔ غیر مسلم بھارت کی یہ آخری قوی ترین تنظیم تھی جس نے کم تعداد و کم سامان افغانوں سے پانی پت کے میدان میں ٹکر لی اور ٹکرا کے چور چور ہو گئی (۱۱۷۴ھ م ۱۷۶۱ء) بعض انگریز تاریخ نگاروں نے اُسے ہندوؤں کی سب سے بڑی اور مہلک ترین ہزیمت قرار دیا ہے۔ کم سے کم مرہٹہ واڑی میں اس کی تفصیلی خبریں آئیں تو مشکل سے کوئی بستی ایسی ہو گی جہاں پانی پت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مقتولوں کا ماتم بپا نہ ہوگیا ہو۔ خود بالاجی راؤ کا جوان بیٹا وسواس راؤ مارا گیا۔ لشکر کا سپہ سالار، بلکہ مرہٹہ حکومت کا مختار کار بھاؤ ہلاک ہوا۔ پیشوا کا بازو ٹوٹا، دل زخمی ہوگیا اور اسی غم نے چند مہینے کے اندر اس کا کام تمام کر دیا۔ (۱۱۷۴ھ)

مگر شدید نقصان و ذلت کے باوجود مرہٹوں کی قوت بالکل فنا نہیں ہوئی، بلکہ آیندہ نصف صدی تک ہندوستان کی دوسری حکومتوں، ریاستوں سے فی الجملہ زیادہ طاقت ور پائی جاتی ہے۔ اسے ملکی حریفوں سے دبنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ شکست کھائی تو ایک بیرونی دشمن سے، جو بہت جلد ہندوستان خاص کے علاقے سے چلا گیا۔ پانچ سات برس کے بعد ہی مرہٹہ سوار پھر چنبل کے پار اترنے اور بھرت پور اور آگرہ کے آس پاس منڈلانے لگے۔

مرہٹہ جتھے کا انتشار:

جب شاہ عالم ثانی مشرقی صوبوں سے مایوس و ناکام ہوکر دہلی آیا (۱۱۸۵ھ) تو روہیل کھنڈ کے روہیلوں اور جنوب مشرق کے جاٹوں کو دھکیلنے میں مرہٹوں ہی سے مدد لی۔ ذوالفقار الدولہ نجف خاں کے بعد دہلی کی محدود حکومت میں دوبارہ بدنظمی، خانہ جنگی پھیلی۔ روہیلوں نے پھر زور باندھا۔ شاہ عالم کی آنکھیں پھوڑ دیں۔ اس وقت گوالیار کے مرہٹہ رئیس مہاد اجی سندھیا نے ہی اس شاہ بے ملک و بے نصیب کو مصیبت سے نجات دلائی، اور سارے ہندوستان کی نیابت و دیوانی کی سند پائی۔ (۱۱۹۸ھ م ۱۷۸۴ء) جس کا تذکرہ (دوسرے باب میں) ہم پہلے سن چکے ہیں۔ ایسے بادشاہ کے فرمان کی عملی دنیا میں کچھ قیمت نہ تھی جو ایک مدت سے طاقت و اقتدار کھو چکا تھا، اپنی دولتِ بصارت تک کھو چکا تھا، لیکن اسی تحریر سے ایک سیاسی پیچیدگی یہ پیدا ہوئی کہ نیابت کی سند رسماً پونا کے پیشوا کے نام تھی اور اس سے جو کچھ فائدہ اٹھانا ممکن تھا وہ سندھیا اٹھانا چاہتا تھا۔ وہ دربارِ دہلی میں پیشوا کے ماتحت اور قائم مقام کی حیثیت سے کام کرتا رہا، مگر اس ظاہری پردے کے اندر اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی خود مختاری نشو و نما پاتی تھی۔ فوجیں براہِ راست خود بھرتی کرتا اور وہ اسی کے حکم پر حرکت کرتی تھیں۔ شمالی مالوے اور نواحِ دہلی کے عامل اسی کے ملازم تھے۔ حکومتِ پونا کا ان معاملات میں کچھ دخل نہ رہا تھا۔

بالاجی راؤ کے بعد ہی اس کے بھائی اور بیٹوں میں سندِ پیشوائی کے لیے کش مکش، پھر خانہ جنگی ہونے لگی تھی۔ گھر کے اندر نفاق ہو، تو باہر کیوں کر اقتدار جم سکتا ہے۔ دور دور کے مرہٹہ سردار مرکز کی اطاعت سے منہ پھیرنے لگے۔ آزاد حکومت کے نقشے بنانے لگے۔ چوتھے پیشوا، مادھو راؤ پھر اس کے بھائی نرائن راؤ کے جوان مر جانے پر شیرازہ بکھر گیا (۱۱۸۷ھ م ۱۷۷۳ء) برائے نام پونا کا اقتدار باقی رہ گیا، ورنہ حقیقت میں سندھیا، ہلکر، گائک واڑ، بھونسلہ خاندان اپنی اپنی جگہ خود مختار ہو گئے۔ ہندوستانی حریفوں کے مقابلے میں کبھی کبھی جمع ہو جاتے اور ڈٹ جاتے تھے، کیونکہ یہ حریف اُن سے بھی زیادہ انتشار و انحطاط کے مریض تھے۔ لیکن جب ایک تازہ دم بیرونی جماعت سیاسیات کے میدان میں داخل ہوئی اور ان کے نفاق کو بھڑکانے، خود فائدہ اٹھانے کے گر سیکھ گئی، تو سب سے پہلے حکومتِ پونا ہی اس کی زد میں آئی اور اس عارضی، نمائشی مرکز کی بربادی کے بعد دوسرے مرہٹہ رئیس بھی ایک ایک کر کے مغلوب ہوتے چلے گئے۔ انگریزوں کے دورِ تغلب میں ان جداگانہ ریاستوں کا سرنگوں ہونا کسی آئندہ باب میں ہم معائنہ کریں گے۔

مرہٹوں کے زوالِ قوت کا ایک اور قوی سبب، ان کی قومی تاریخ کے مرتب گرانٹ ڈف نے جا بجا (خصوصاً تیسری جلد میں) یہ جتایا ہے کہ ابتدا سے ان کی سپہ گری قزاقانہ قسم کی تھی۔ اسی طرز جنگ کے لیے طبعاً موزوں تھے جس میں نظم و ضبط کی ضرورت نہیں، نہ فنِ حرب کے ماہر سردار و سپہ سالار درکار تھے۔ لہٰذا جب تک دوسروں کے علاقے تاخت و تاراج کرتے رہے، بہت بامراد و کامیاب رہے، لیکن جب مستقل قبضہ اور تسلط قائم ہوا، حکومت کی شان بنانی پڑی، باقاعدہ فوجیں فراہم کرنی پڑیں تو اس نیم متمدن قوم سے یہ پابندیاں نہ نبھ سکیں۔

دو نسلیں بھی نہ گزری تھیں کہ مرہٹہ ریاستوں کی مستقل سپاہ میں مرہٹہ عنصر گھٹ گیا، حتیٰ کہ ۱۲۱۸ھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۷۶۹ء ہی میں پونا سے پیشوا کا بڑا لشکر شمال کی طرف روانہ ہوا تو مورخ کین کی تحقیقات کی رو سے توپ خانے اور پیادہ جیوش میں کوئی مرہٹہ سپاہی نہ تھا، البتہ سوار فوج میں کئی رسالے شامل تھے بلکہ ان کی تعداد بھی کم ہوتی چلی گئی۔ مرکز (پونا) کے ضعیف ہو جانے پر سب سے زیادہ قوت مہاداجی سندھیا نے بہم پہنچائی اور اپنے لشکر میں توپ و تفنگ سے لڑنے والوں کا اضافہ کیا، مگر اسی نسبت سے غیر مرہٹہ سپاہیوں کا زیادہ محتاج ہو گیا۔ بہترین سالار و سپہ دار تک غیر قوم اور غیر وطن کے افراد تھے جن میں دو فرانسیسی سردار دبوئنی اور پیرآں زیادہ مشہور ہیں۔

سکھوں کا زور شور پنجاب میں

مغلوں کے عہدِ ضعف و زوال میں ایک اور قوم نے پنجاب کے میدانوں میں خود مختاری خود سری کا "سرِ وپا" باندھا۔ چند سال تک خود بادشاہی ملک و ملت کی تباہی کرتی رہی۔ یہ سکھ تھے جن کے پہلے گرو دینِ توحید کا پرچار، اور بت پرستی سے انکار کرتے تھے۔ برہمنوں کی ذات بندی کی بجائے مساوات و مواخات کا سبق سکھاتے تھے۔ ادنیٰ پیشے اور درجے کے بہت سے لوگ جو ہندوؤں کے ذلت آمیز برتاؤ سے طبعاً بیزار تھے اس نئے مذہبی فرقے میں شامل ہوئے۔ آگے چل کر جب اس نے ایک نیم فوجی گروہ کی صورت اختیار کی تو جنوبی پنجاب کے کسان اور ہندو جاٹ کہ جنگ جوئی کا مادّہ اور لوٹ مار کا میلان رکھتے تھے، معقول تعداد میں ان کی طرف رجوع ہوئے۔

جاٹ نسلاً آریہ نہ تھے اور نہ ہندوؤں کی اونچی جاتیوں میں ان کا شمار تھا۔ گویا جنوب کے مرہٹوں کی طرح یہ بھی زیادہ تر ہندو و پست اقوام کا گروہ تھا جس نے اسلامی عہد کی برکت سے برہمن کی غلامی سے رہائی پائی۔ جدا گانہ مذہب بن گیا۔ قد و قامت، خال و خط کے ظاہری اختلاف کی طرح خوخصلت اور دماغی

ے دیکھو اس کی کتاب سندھیا صفحہ ۵۶۔ نیز گرانٹ ڈف، ج ۳ صفحہ ۱۰۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوصاف میں بھی وہ بنیے، کھتری، بامن سب سے الگ تھے۔ اُن کی سادہ لوحی، بے عقلی ضرب المثل تھی اور سکھوں کے عجیب عجیب لطیفوں اور حکایتوں کے پیرایے میں آج تک نقلِ محفل بنائی جاتی ہے۔

عالمگیر، شاہ عالم بہادر شاہ اور فرخ سیر کے عہدِ حکومت میں سکھوں کے شر و شورش کا مجمل احوال گزشتہ اوراق میں ہماری نظر سے گزر چکا ہے۔ انہیں صوفی فرقے کی بجائے جنگی گروہ بنانا، دسویں گرو گوبند سنگھ کا کارنامہ تھا۔ انہی نے مالا اور مرگ چھالا کی بجائے کڑے اور کرپان سے اپنے چیلوں کو مسلح کیا۔ سکھ مت کے مقتدا اور گرنتھ بہت بگڑے۔ گرو جی نے کسی کی پروا نہ کی اور اپنے نئے ضابطے مذہبی احکام کی صورت میں نافذ کر دیے[1]۔ دو ککے (یعنی کاف) (۱) کیس (= بال) اور (۲) کچھ (= جانگیا) بھی سکھوں کی لازمی نشانی بنائے گئے تھے جو اب ان کے تعلیم یافتہ افراد کے لیے خاصی پریشانی کا باعث ہو گئے ہیں۔ ان کے امتیازی عقائد میں تمباکو سے سخت پرہیز شامل ہے۔ اگرچہ بھنگ شراب بے تکلف پیتے ہیں۔ توحید کے بنیادی عقیدے پر قائم ہیں۔ ابتدائی مساوات اور بھائی چارے کے مذہبی اصول پر معاشی اختلافات غالب آ گئے اور اونچے نیچے طبقے ظہور میں آئے بغیر نہیں رہے تاہم اس تفریق کو وہ مذہبی تائید و تحکم حاصل نہیں جو برہمنی مت کا بدنما امتیاز مانی گئی ہے۔

گرو گوبند سنگھ کی نئی تعلیم اور بندا بیراگی کی خونی تحریک (بارہویں صدی ہجری) نے سکھوں میں جنگی جوش و خروش بھرا، فوجی تنظیم کی راہ دکھائی جس کے اثرات ہمارے زمانے تک متعدی ہوئے، لیکن یہ تغیر بابا نانک صاحب کی تبلیغ کے حق میں سازگار نہ تھا۔ سکھ مذہب کی لہریں جمنا تک آتے آتے خشک ہو گئیں البتہ حکومتِ دہلی کا نظام شکست ہوا تو ستلج کے دونوں طرف سکھوں کی فرقہ بندی دوسرے غیر منظم گروہوں پر غالب آئی۔ اسی بارہویں صدی کے آخری نصف میں جگہ جگہ ان کے جتھے بن گئے جو سکھ

---

[1] ہمارے پیشِ نظر انگریزی تاریخیں ہیں اور سکھ مت پر مکالیف کی ضخیم کتاب نیز پیل گرہی فن کی مشہور تالیفات ان کے خاص مآخذ ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مثلیں[1] کہلاتے تھے۔

محمد شاہ کے بعد درانی کے حملوں سے پنجاب کے اکثر اضلاع میں بدنظمی پھیل گئی تھی۔ مغل حکام جان بچانے منہ چھپاتے پھرتے تھے۔ افغان حملہ آوروں کی نہ تعداد اتنی تھی نہ طبیعت کی افتاد ایسی تھی کہ جم کر یہاں حکومت قائم کرتے۔ اول اول سکھ غارت گردوں نے سرہند پہ ہاتھ مارا اور لاہور پہ یورش کی تو احمد شاہ ابدالی نے ان کی گوش مالی پہ کمر باندھی۔ ستلج کے پار برنالے کے قریب بڑے بڑے جتھوں کو گھیر لیا اور ایسا قتل عام کیا کہ برسوں تک سکھ "گھلو گھارا" (یعنی شدید خونریزی) کی یاد سے کانپ اٹھتے تھے۔ (۱۱۷۵ھ م ۱۷۶۲ء) لیکن ابدالیوں کو جان لینے سے زیادہ مال لینے کی فکر ہوتی تھی۔ اس موقع پر بھی زر کثیر وصول کیا۔ پھر سکھ سردار آلا سنگھ کو سالانہ پیش کش کے وعدے پر ضلع سرہند کا انتظام اپنی طرف سے سونپ دیا۔ تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا جب کہ کسی سکھ کو ایک مسلمان بادشاہ کی طرف سے عملداری کی باقاعدہ اجازت حاصل ہوئی۔

صدی کے ختم ہونے سے پہلے احمد شاہ درانی، پھر اس کا فرزند تیمور شاہ دنیا سے رخصت ہوئے۔ تیمور کے کوئی دو درجن بیٹے تھے۔ ان کو آپس کی خانہ جنگی سے فرصت نہ ملتی تھی بیرونی مقبوضات کو کیا سنبھالتے۔ دہلی میں پہلے ہی سکت نہ رہی تھی۔ سکھوں کے جتھے روز بروز قوی اور خود مختار ہوتے گئے۔ بارہ مثلیں مرتب ہوئیں[2] اور ان کا تغلب ستلج کے جنوب سے چناب کے شمال تک وسیع ہوا لیکن دولت و اقتدار کے ساتھ نفاق و خود غرضی بھی "سنگھ" میں گھس آئی۔ مثلیں ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے کو دوڑنے لگیں۔

---

[1] اس لفظ کو بعض اردو تاریخوں میں س سے (مسلیں) لکھا ہے۔ اصلیت مشکوک ہے۔

[2] ان میں اہلو والیہ، بھنگی، رام گڑھیا اور ستلج کے جنوب میں پھول کیاں نام کی مثلیں زیادہ طاقتور تھیں۔ آخری مثل میں جو سکھ زمیندار شریک تھے، سب سے پہلے انگریزوں کی سرپرستی میں آئے اور ان کی اولاد جیند، نابھہ، پٹیالہ کی ریاستوں کی زمانہ حال تک وارث رہی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مہاراجہ رنجیت سنگھ:

اس نااتفاقی اور باہمی خونریزی کا ایک نوجوان سکھ رنجیت سنگھ نامی نے جس طرح سدِ باب کیا، وہی اس یک چشم کی اپنی قوم میں یکتائی اور غیر معمولی دانائی کا ثبوت ہے۔[1] وہ گوجرانوالہ کی ایک چھوٹی مثل (سکرچک) کی سرداری کا چھوٹی سی عمر میں وارث ہوا (ولادت ۱۱۹۴ھ م ۱۷۸۰ء) مگر چناب کے پار تک دھاوے مارتا تھا۔ اسی زمانے میں زمان شاہ ابدالی کی جو کابل میں تیمور شاہ کا جانشین بنا، چند توپیں پنجاب سے لے جاتے وقت جہلم کی ریتی میں دھنس گئی تھیں۔ رنجیت سنگھ نے بڑی محنت سے انہیں نکلوایا اور احتیاط سے زمان شاہ کی خدمت میں بھیج کر شہر لاہور کی حکومت کا پروانہ اور خطاب راجگی کا صلہ پایا۔ اسی بادشاہی شہر میں پہلے سے کئی سکھ سردار آدھمکے اور اس کی لوٹ کھسوٹ، تباہی تاراجی میں حصہ لگا رہے تھے۔ بدنصیب شہری جو فرار نہ ہو سکے، جان سے بیزار تھے۔ بعض لوگوں نے رنجیت سے سازش کی۔ چپکے سے شہر کے دروازے کھول دیے اور وہ حریفوں کو دھکیل کر لاہور پہ قابض ہو گیا۔ پھر بھی ان سر پھرے سکھ سرداروں کو زیر کرنے میں کئی سال صرف ہوئے۔ آخر ایک ایک کر کے شمال کی سب مثلیں رنجیت کے دامنِ اقتدار سے منتھی ہو گئیں۔ ستلج کے جنوب میں بھی اس کے گھوڑے دوڑنے لگے۔ چند روز کے لیے انبالہ پر قبضہ ہو گیا تھا، لیکن یہ وہ وقت ہے کہ انگریز کمپنی تخت گاہِ دہلی میں قدم جما چکی تھی۔ پورے ہندوستان کو اپنا مال سمجھنے لگی تھی۔

جنوب کے سکھوں کو ہم قوم رنجیت کی ماتحتی گوارا نہ ہوئی۔ اپنی حفاظت کے عوض میں اجنبی انگریزوں

---

[1] انگریزی تاریخوں میں رنجیت سنگھ کو تحسین کے ہار پہنانے لیکن وحشیانہ خونخواری کے ثبوت میں یہ حلفاً ٹھیکہ ضرور چسپاں رہا ہے کہ اس نے لڑکپن میں اپنی ماں کو جان سے مروا دیا تھا!
(ادکس ہس ص ۶۱۹)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی سیادت قبول کر لی۔ انہوں نے مہاراجہ کے پاس آگے سفیر بھیجا اور پیچھے چلنے کے لیے انگریزی توپ خانے اور پلٹنیں تیار کیں۔ سفارت کامیاب ہوئی۔ مہاراجا نے وعدہ کیا کہ ستلج کے جنوب میں پیش قدمی نہ کرے گا۔ شمال میں انگریزوں نے عدم مداخلت کا یقین دلایا۔ دوامی دوستی کا عہد باندھا۔ (عہدنامۂ امرتسر ۱۲۲۴ھ م ۱۸۰۹ء)

رنجیت سنگھ کو ادھر سے اطمینان اور جدید اسلحہ بھی حاصل ہوئے تو شمال مغرب کا رخ کیا۔ وراثتِ کابل کی نزاع جنگیوں نے ان (پاکستانی) ولایات کو بے وارثا سا کر دیا تھا۔ ملتان کا حاکم مظفر خاں کئی سال تک سکھوں کی یلغاروں سے اکیلا لڑتا رہا۔ اور جیتے جی ملتان کے بالا حصار میں انہیں قدم نہ دھرنے دیا۔ آخر میں کثرت تعداد سے بڑھ کر جنگی ساز و سامان کی زیادتی غالب آئی۔ بہادر مظفر خاں کو گویا قدرت کی طرف سے ذاتی شجاعت کی داد ملی کہ قضائے الٰہی نے مغلوب ہونے سے بچا لیا۔ اُس کی وفات کے بعد سکھوں کا ملتان پر پورا تصرف ہو گیا (۱۲۳۴ھ م ۱۸۱۸ء)

اسی قسم کے واقعات کشمیر میں پیش آئے۔ رنجیت کو یہ خواہشِ توسیع ملک لینے کی ہوس میں بہت نقصان اٹھانے پڑے۔ افغان والیوں نے کئی بار سکھوں کو شکست دی، لیکن جب اپنے گھر میں جان و آبرو کے لالے پڑے تو یہ بیرونی مقبوضہ غیر محفوظ چھوڑ کر وہ خود ہی افغانستان چلے گئے۔ رنجیت سنگھ نے بلا مزاحمت ڈال کے ٹوٹے پھل کی طرح کشمیر کو اپنی جھولی میں ڈال لیا (۱۲۳۵ھ)

اس کے آخری زمانے کی لڑائیاں ڈیرہ جات اور پشاور کے میدانوں میں ہوئیں۔ وہاں کے خوانین و رؤسا، حکومتِ کابل کے اقتدار سے چھوٹے اور آپس کے خونیں تنازعوں میں پھنس گئے تھے۔ انہی کی دعوت پر سکھوں نے سندھ کو پار کیا۔ خاص پشاور پر قبضہ کر لیا۔ موجودہ صوبہ سرحد کے اکثر قلعوں میں اپنی فوجیں متعین کیں۔ ہوسِ ملک ستانی کا یہ اقدام خطرات و مصائب سے خالی نہ تھا، آزاد پٹھانوں سے آئے دن معرکہ آرائی ہوتی رہتی تھی۔ رنجیت کی نسبتہً باقاعدہ اور بہتر اسلحہ سے آراستہ فوجوں نے اکثر معرکے سر کیے مگر جنگ جو افغان لڑنے سے تھکنے والے نہ تھے۔ ادھر دہلی اور دوآب کے مسلمان مجاہدین کی جماعت سندھ کے راستوں سے چکر کھا کے سرحد میں داخل ہوئی اور سید احمد بریلویؒ کے زیرِ امامت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکھوں کے مقابلے میں صف بندی کی۔ ان کے آنے سے لڑائی کی نوعیت بدل گئی اور کئی سال تک اس مذہبی جہاد نے رنجیت کو سخت نقصان پہنچایا۔ کوئی چار سال کی جدوجہد میں پشاور مجاہدین کے ہاتھ آیا، سندھ کے مغرب سے سکھ نکال دیے گئے (۱۲۴۶ھ ۱۸۳۰ء) لیکن اسی ہجری سال کے اندر بعض خوانین کی سازش و بے وفائی اور چند علماء کی ناعاقبت اندیشی سے یہ اسلامی تنظیم درہم برہم ہو گئی اور حضرت سیدؒ صاحب اور شاہ اسمٰعیلؒ کی شہادت پر سکھوں کے خلاف جہاد کا چڑھتا دریا اتر گیا (۱۲۴۶ھ ۱۸۳۱ء) اس مذہبی تحریک پر ہم ایک آیندہ باب میں بحث کریں گے۔ بسر دست رنجیت میدان جیت گیا خیبر تک دوبارہ سکھوں کی قلعہ گیر فوجیں آجمیں۔ قلعوں کے باہر میدانوں اور وادیوں میں ان کا حکمراں نہ ہوتا تھا اور چند سالہ تسلط کی بھی انہیں بھاری قیمت ادا کرنی پڑی تھی، تاہم سندھ کے پار فتح کے جھنڈے اڑانے کا فخر اسی سکھ مہاراجہ کو نصیب ہوا جس کی اکڑ ہمارے زمانے تک اُن کے بعض سرداروں میں اکڑ نظر آتی تھی۔

یہ حقیقت کہ سکھ حکومت و راجگی محض رنجیت سنگھ کی ذاتی قابلیت اور مستعدی کا ثمر تھی، اسی سے ثابت ہے کہ اس کی وفات (۱۲۵۵ھ ۱۸۳۹ء) کے ساتھ ہی "سکھا شاہی" تار تار ہو گئی۔ بڑے بیٹے قضائے الٰہی اور باہمی رقابت کا شکار ہوئے۔ چھوٹا بیٹا دلیپ سنگھ گدی کا وارث اور اس کی ماں "رانی جنداں" اتالیق بنی جسے اپنے سرداروں کی شوریدہ پشتی کا علاج یہی نظر آیا کہ انہیں انگریزوں سے لڑا دیا۔ اور یہ پریشان دماغ جنگ جو دو ہی ٹکروں میں ہمت اور حکومت کھو بیٹھے۔ پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ (۱۲۶۴ھ ۱۸۴۹ء) اُن کے عہدِ تغلب کا ذیلی عنوان ہے۔ سکھوں کے عروج و اقتدار کی چند روزہ فصل رنجیت سنگھ ہی کی وفات پر ختم ہو جاتی ہے۔

نئی ہندی طاقتوں کا یہ مجمل احوال تمام کرتے وقت چند سطریں جاٹوں کے متعلق ضم کر دینی مناسب ہیں جو نواح دہلی سے اردلی پہاڑ کے مشرق میں جھانسی تک پھیل گئے تھے اور ہل چلاتے چلاتے اسی بارہویں صدی میں تلواریں چلانے لگے۔ غازی الدین عماد الملک کو ایسے سستے سپاہی اور کسی قوم سے نہ مل سکے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہی ان کو پائے تخت پر چڑھا کر لایا اور ان کے چودھریوں کو راجگی کی گدی پر بیٹھنے کی ہمت دلائی۔ ان کی گہاروں نے آگرہ شہر کو کئی بار لوٹا۔ فتح پور سیکری کے محلات ومقابر سے قیمتی پتھر تک اکھاڑ کر لے گئے۔ عام بدنظمی کے اندھیرے میں ان کے دو راجا، سورج مل اور اس کا بیٹا جواہر مل چمک دمک دکھاتے ہیں، لیکن آزاد حکومت بنانے کا موقع آیا تو یہ دہقانی قوم کئی ٹکڑیوں میں بٹ گئی۔ انگریزوں نے چڑیوں کی طرح اپنی سیادت کے جال میں پھانس لیا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں ان کی دو تین ریاستیں ضبط ہوئیں۔ صرف بھرت پور اور دھول پور باقی رہ گئیں۔

فرنگی قومیں سواحلِ ہندیہ:

انگریزوں کی ہندوستان میں آمد اور کشورکشائی کا باب کھولنے سے پہلے اُن فرنگیوں کا مختصر تذکرہ یہاں کر دینا چاہیے جن کی جہازرانی کی مہارت اور ملک ستانی کی ہمت انہیں ایشیائی سمندروں تک لائی اور انہوں نے اس قدر بعید فاصلے پر تسلط جمانے کا دلیرانہ منصوبہ تیار کیا۔ یہ اسپین و پرتگال کے ناخدا تھے جو عرب ملاحوں کی شاگردی کرتے کرتے ان کے کان کاٹنے لگے اور ہندوستان کے بحری راستے کی تلاش میں خوفناک بحرِ ظلمات کو کھنگال ڈالا۔ اسی اولوالعزمی کا انعام برّاعظم امریکہ کی عظیم الشان دریافت تھی جس کی بے حساب مخفی دولت سے مغربی یورپ ایسا مالا مال ہوا کہ ایشیا کے زرخیز ممالک مقابلے میں ہیچ رہ گئے۔

کُلمبس کی ناخدائی میں "نئی دنیا" کا انکشاف نویں صدی ہجری کے آخری سنین کا واقعہ ہے۔ صدی ختم ہوئے تین چار سال ہی گزرے تھے کہ ایک اور پرتگالی کپتان واسکوڈے گاما افریقہ کا چکر لگا کے بحرِ ہند میں داخل ہوا اور کوئی دس مہینے میں نو دس ہزار میل کی دریانوردی کر کے جنوبی ہند کی بندرگاہ کالی کٹ پہنچ گیا (۹۰۴ھ م ۱۴۹۸ء)۔ یہ لائقِ عظمت بیڑا صرف تین بادبانی جہازوں کا دستہ تھا۔ کسی جہاز کی [illegible] گنجائش ایک سو بیس ٹن (یعنی تقریباً تین ہزار من) سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس انقلاب انگیز کامیابی پر اہلِ پرتگال نے جتنی خوشی منائی ہو، وہ حق بجانب تھی۔ ایک دفعہ جب راستہ کھل گیا تو پے در پے اس طرح کے سرکاری بیڑے سواحلِ ہند پر آنے لگے۔ چند ہی سال میں دین کے ناخدا، خدا کی بادشاہی کے خلیفہ حضرت پاپا کا ایک فرمان نافذ ہوا کہ شاہِ پرتگال کو "حبش، عرب، ایران و ہندوستان کی تجارت، فتوحات اور جہاز رانی" کا کلی اختیار دیا گیا، چنانچہ اس بادشاہ نے ہندوستان کے لیے ایک "نائب شاہ" (= وائس روے) بھی مقرر کر دیا، حالانکہ کئی برس کی جدّ وجہد، بدعہدی، خونریزی کے باوجود پرتگیزی حکومت کا دائرہ جزیرہ گوآ تک محدود رہا جو اُن دنوں بیجاپور کی مملکت میں داخل اور بحری حملوں کی زد میں تھا۔ بہرحال یہ ہندوستان کا پہلا ٹکڑا تھا کہ سکندرِ اعظم کے بعد براہِ راست فرنگیوں کے زیرِ انتظام آیا! (۹۱۶ھ م ۱۵۱۰ء) اس مختصر قطعے میں اپنی آمد کے ساتھ ہی انہوں نے جو آئین جاری کیے وہ اُن کے ملوکانہ منصوبے کے علاوہ مسلمانوں سے دلی عناد کا آئینہ تھے۔[1]

گوآ کو مستحکم جنگی مرکز بنا کر پرتگیزوں نے مشرق و مغرب کے سمندروں میں بیڑے دوڑائے۔ جزائرِ شرق الہند کے بعض مقامات پر ہاتھ ڈالا اور وہاں کی پُرمنافع مصالحے کی تجارت کے اجارہ دار بن گئے، لیکن یہ قوم سفاکی میں بدنام تھی۔ جبر سے عیسائی بنانا اس کی سیاسی حکمتِ عملی کا جزو تھا، لہٰذا ایشیا میں اس کی حکومت قبولیت نہ پا سکی۔ ہندوستان میں جہاں مستقل حکومتیں قائم تھیں، ان کا زور نہ چل سکا۔ گجرات کی بندرگاہ دیو (= دیب) کو وہاں کے سلطان کی استمالت کر کے ہی حاصل کر سکے۔ آگے چل کر مغلوں کی مضبوط سلطنت قائم ہوئی تو بنگالے کی تجارتی کوٹھی (واقع ہُگلی) سے بھی نکال دیے گئے۔ جزائرِ شرق الہند اور ساحلِ ملیبار سے ان کے فرنگی حریف ولندیزوں نے لڑ کر خارج کیا۔ بعض تجارت خانے

---

[1] انگریزی تاریخوں میں لکھا ہے کہ پرتگیز جہاں موقع پاتے "موروں" یعنی مسلمانوں کے قتلِ عام کا ثواب کمانے سے نہ چوکتے تھے۔ گوآ میں یہ قانون بھی نافذ کیا تھا کہ ہندوؤں کو تعلیم دے کر دفتری کام لیا جائے گا، لیکن کسی مسلمان کو سرکاری ملازمت نہیں دی جائے گی۔ (دیکھو اوکس ہسٹری صفحہ ۲۳۱، صفحہ ۲۳۲۔ امپیریل گزیٹیر ج ۲ صفحہ ۴۴۴ وغیرہ وغیرہ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انگریزوں نے تھیا لیے۔ بغرض دسویں صدی ہجری (سولھویں عیسوی) کے ختم تک پرتگال کی ہندوستانی سلطنت "صرف گوآ، دمان، دیو کے علاقوں میں رہ گئی" جن کا مجموعی رقبہ پندرہ سو مربع میل یعنی ہمارے ایک بڑے ضلع کے برابر بھی نہیں تھا۔

پرتگال کے فرنگی رقیب:

پرتگیزوں کی ابتدائی کامیابیاں مغربی یورپ کی دوسری قوموں کے لیے حسد کے چھکے لگاتی تھیں۔ ملک ستانی سے بڑھ کر اُن کی تجارتی اجارہ داری اور بے روک نفع خوری غصہ دلاتی تھی۔ رقابت کے شعلوں کو اعتقادی اختلاف نے مزید اشتعال دیا، یعنی اسی دسویں صدی ہجری میں پاپائے تقدس کا طلسم شکست ہوا۔ جرمن، ولندیز، انگریز، رومہ کی امامت چھوڑ کر ایک جدید مسیحی فرقے میں صف بستہ ہوئے جسے پروٹسٹنٹ (یعنی احتجاجیہ) کہتے ہیں۔ مگر اسپین و پرتگال وغیرہ کی ملک پاپائی حلقے سے باہر نہ نکلے، بلکہ اس کی سیادت کے لیے لڑنا حصولِ سیادت کا ایک نیا وسیلہ قرار دیا۔ یہ راسخ العقیدہ مسیحی رومن کیتھولک موسوم ہیں۔

انگریز و ولندیز وغیرہ ایشیائی تجارت میں حصہ بٹانا چاہتے تھے، لیکن اس غرض کے لیے پرتگیزوں سے جنگ کرنا، ایشیا میں قلعہ بند کوٹھیاں بنانا ضروری ہوا۔ ان کی باہمی کش مکش ساٹھ ستر برس جاری رہی۔ نتیجے میں پرتگیزی اجارہ داری ٹوٹی۔ جزائرِ شرق الہند پر ولندیزوں کا پرچم لہرایا۔ ہندوستان کی تجارت بھی پرتگال کے دوسرے فرنگی رقیبوں نے بانٹ لی۔ ان میں انگریزوں کی آمد اور بتدریج غلبے کی کیفیت ہم آیندہ اوراق میں یک جا مطالعہ کریں گے۔

دوسری قوموں میں فرانس، ڈنمارک اور جرمانیہ کے سوداگر ہندوستان آئے اور بلبشتر مدراس و بنگال کے ساحل پر بحری تجارت کے کارخانے بنائے۔ انہیں انگریز اور ولندیزوں کی متفقہ کوششوں نے جمنے نہ دیا۔ ہندوستان کی بیرونی تجارت میں ان فرنگیوں کے باعث اچھا خاصا اضافہ ہوا۔ کبھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کبھی یہاں کے سمندروں میں ان کی بحری لڑائیاں ہوئیں قزاقیوں سے اہل ہند خصوصاً حاجیوں کو نقصان اور زحمت اٹھانی پڑی۔ بایں ہمہ بارہویں صدی ہجری کے نصف اول تک ملکی معاملات میں دخل دینے کی کسی فرنگی قوم نے جرأت نہ کی۔ عہد عالم گیر کے آخری سنین میں انگریزوں نے ذرا پر پرزے نکالے تھے کہ ایک ہی جھٹکی میں دبوچ لیے گئے۔ پھر معافی اور تجارت کی دوبارہ اجازت ملی تو ایک زمانے تک لین دین ہی کرتے رہے، ملک داری کے میدان میں قدم نہ دھرا۔

یورپ کی نوخیز دولتوں میں فرانسیسی بہت تیز تھے۔ دسویں صدی ہجری (سولھویں عیسوی) ہی میں ان کے تجارتی جہاز ایشیا کے سمندروں میں گشت لگانے لگے تھے۔ خاص ہندوستان سے بڑے پیمانے پر تجارت کا آغاز لوئی چہاردہم (۱۶۶۱ء تا ۱۷۱۵ء) کے عہد میں ہوا جب کہ دور بلوکیت کا فرانس بڑے عروج پر تھا۔ وزیر سلطنت کی سرپرستی میں سوداگروں کی ایک "شرکت" قائم ہوئی۔ جنوبی ہند میں چند کارخانے کھولے گئے اور ولندیزی قلیبوں کی دراندازی کے باوجود کورومنڈل کے ساحل پر ایک قطعہ زمین مل گیا۔ (۱۰۹۴ھ م ۱۶۸۳ء) یہ موجودہ مدراس شہر کے تقریباً سو میل جنوب میں واقع ہے۔ اُن دنوں سلطنت بیجاپور کے صوبے جنجی میں شامل تھا۔ وہ سلطنت دم توڑ رہی تھی، مگر مقامی صوبیدار شیر خاں لودھی فرانسیسیوں پر مہربان ہوگیا۔ انہیں "پھل چیری" گاؤں میں کوٹھی تعمیر کرنے کی اجازت اور قریب کی اراضی بطور جاگیر عنایت کی۔ یہی گمنام گاؤں جنوبی ہند میں ان کا تجارتی مرکز بنا اور آگے چل کر "پان دی شیری" (انگریزی میں پانڈی چیری) مشہور ہوا۔ ممکن ہے فرانسیسی تسمیہ اپنے لودھی مربی کی یاد کا اشارہ کرتا ہو۔[1]

بعض انگریزی تاریخوں میں لکھا ہے اور شاہی گزیٹیر کی مستند تحریر میں دہرایا گیا ہے کہ فرانسیسی

---

[1] یہ ہمارا قیاس ہے۔ ہندوستان میں فرانسیسی آبادکاری کی تاریخ کے لیے ہمارا خاص ماخذ مے لیسن کی کتاب "ہسٹری آف دی فرنچ ان انڈیا" ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاجروں کے سر میں شروع سے ملک گیری کا سودا سمایا تھا۔ مال کے بیوپار سے زیادہ سیاسی اقتدار کی خریداری کرنا چاہتے تھے۔ منڈی بازار کی بجائے مقامی رئیس و راجا کی حویلیوں میں زیادہ آمد و رفت رکھتے تھے۔ سلطنتِ مغلیہ کے روزافزوں ضعف و زوال نے ان منصوبوں کو قوت بخشی ہوگی۔ نادر شاہ کے حملۂ دہلی کے قریب زمانے میں ہم انہیں پہلی مرتبہ ریاست تنجور کی سیاسی چوسر میں داؤں لگاتے دیکھتے ہیں۔

یہ چھوٹی سی ہندو ریاست تھی۔ وراثت کے جھگڑے میں وہی فریق جیت گیا جس کو فرانسیسی تاجروں نے بڑھا وے دے کے لڑایا تھا۔ انہیں اس سودے میں کچھ بہت سرمایہ لگانا یا نقصان اٹھانا نہ پڑا۔ دوستی کے عوض میں کاری کل کی بستی راجا نے جاگیر میں دی جو کول رون ندی کے دہانے پر بہت باموقع تجارتی بندرگاہ تھی۔ توقع سے بڑھ کر قیمتی معاوضہ ملا تو فرانسیسی بہت خوش ہوئے، بلکہ ایک مورخ نے لکھا ہے کہ اسی لقمۂ چرب نے ان کی اشتہائے ملک گیری کو تحریک دی۔

دوسرے ہی سال مرہٹوں نے ان اطراف میں ہل چل مچائی۔ ایک مقامی رئیس دوست علی کے اہل و عیال پانڈی چیری میں پناہ گیر ہوئے۔ حملہ آوروں نے فرانسیسی عامل دیوما کو بہت دھمکایا۔ وہ دھمکی میں نہ آیا۔ دوست علی نے شروع میں فرانسیسی آبادکاروں کو مدد دی تھی۔ اب دیوما نے حقِ دوستی ادا کیا۔ اس کے بچوں کو دشمنوں کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ شرافت کا فعل دوست علی کے خاندان کی احسان مندی سے بڑھ کر عام شہرت کا باعث ہوا۔ نواب نظام الملک نے دیوما کے لیے قدرشناسی کا خلعت بھیجا اور دربارِ دہلی کو لکھ کر شاہی منصب اور نوابی کا خطاب دلوایا۔

www.KitaboSunnat.com

دوپلے کے منصوبے:

دیوما تو نئی بستی کو رونق اور اپنی قوم کو عزت دلوا کر انہی دنوں سبک دوش ہو گیا (۱۱۵۴ھ) اس کی جگہ دوپلے نے لی جسے قریب العصر انگریز فتنہ و فساد کی جڑ بتاتے ہیں، مگر خود مالک ہند پر قابض ہونے کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد جب فرانس کی رقابت نہ رہی تو مدتوں کا مزہ بھی جاتا رہا حقیقت میں اہلِ ہند کو جال میں پھانسنے اور ان کے سیاسی انتشار و انحطاط سے فائدہ اٹھانے کا راستہ دوپلے نے دکھایا۔ فرنگی ملوکیت کا اسے مرشد و رہنما قرار دیا جائے تو غلط نہ ہو گا، لیکن انگریزوں نے مکر و فریب کے ہتھیاروں سے بڑھ کر اس کے آتشیں اسلحہ اور فرنگی تنظیم کی برتری پر زور دیا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ مدراس کے قریب میلاپور کے میدان میں اُسی نے کوئی بیس گنی دیسی فوج کو ایک مٹھی بھر جمعیت سے شکست دی اور پہلی مرتبہ جنوبی ہند میں یورپی بہادری کے جھنڈے گاڑ دیے۔ (۱۷۴۶م، ۱۱۵۹ھ)[۱]

فرنگی اہلِ قلم کی مبالغہ آمیز داستانیں، چڑھ بنے کی باتیں ہیں۔ یہ آویزش جس کا اوپر ذکر آیا، فرانس و برطانیہ کی جنگ (۱۷۴۴ء تا ۱۷۴۸ء) کے شاخسانے تھے کہ پہلے مدراس کے انگریزوں نے پان دی شیری پر حملہ کیا۔ دوپلے کے پاس دفاعی جہاز نہ تھے۔ ناظم ارکاٹ سے فریاد کی۔ اُس نے حملہ آوروں کو حکماً روک دیا، لیکن تھوڑے دن میں ایک فرانسیسی بیڑا آگیا تو دوپلے نے مدراس نواب کے حوالے کر دینے کے وعدے پر حملہ کر کے چھین لیا۔ پھر وعدے سے پھر گیا تب کدلور میں نواب کی فوج نے اُسے شکست دی۔ مدراس کے جنگی مورچے جبراً تڑوا دیے، اور انگریزوں کو پھر تجارت کی اجازت دے دی۔

اسی سال نظام الملک آصف جاہ کا انتقال ہوا (۱۱۶۱ھ م ۱۷۴۸ء) اُس وقت دوپلے کو دوبارہ ریشہ دوانی کا یہ راستہ ملا کہ مرحوم کے نواسے مظفر جنگ کو پان دی شیری میں مہمان رکھا اور نانا کی وراثت کے لیے ماموں (= ناصر جنگ) سے لڑنے کی شہ دی۔ ارکاٹ میں انور الدین کا حریف ایک مقامی رئیس بڑا صاحب نکل آیا تھا۔ انور کا نورِ حیات گُل ہونے سے چندا کی چندروزہ چاندنی ہم ایک گزشتہ باب

---

[۱] مے لیسن۔ ص ۱۹۔ فارسی تاریخوں میں اس معرکے کا تذکرہ نہیں ملتا۔ پھر جب یہی انگریز مورخ آگے چل کر لکھتا ہے کہ ناظم ارکاٹ انور الدین خاں نے چند ہفتے بعد فرانسیسی لشکر کو ایسی ضرب لگائی کہ وہ بے حواس ہو کر فرار ہوئے (معرکۂ کدلور) اور دوپلے کو بہت دب کر صلح کرنی پڑی، تو پہلی فتح کی روایت اور بھی مشکوک ہو جاتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں دیکھ چکے ہیں۔ نواب ناصر جنگ نے یہ شورش سن کر ارکاٹ پر فوج کشی کی۔ فتنہ اٹھانے والوں کو پانڈی شیری تک دھکیلتا ہوا آیا۔ شہر کے باہر فرانسیسیوں کے مورچہ بند لشکر گاہ کو ایک ہی سیلے میں چھین لیا۔ فرنگی راویوں کا قول ہے کہ انہوں نے بھاگتے وقت مظفر جنگ کو قلعہ بند شہر میں چلنے کی دعوت دی تھی، مگر وہ خود نہ گیا اور دوسرے دن آصف جاہی سپاہی مشکیں باندھ کر اسے ناصر جنگ کے پاس لے آئے[1]

دوپلے نے جنگی ناکامیوں کی، مکر و غدر کے میدان میں بخوبی تلافی کر لی جس کا حال ہم تیسرے باب کی ایک فصل میں تحریر کر چکے ہیں۔ ناصر جنگ اور مظفر جنگ اقتدار کی کش مکش میں جان سے گئے۔ آصف جاہ اوّل کا تیسرا فرزند صلابت جنگ (امیر الممالک) صوبیداری کی مسند پر بیٹھا۔ دوپلے نے ایک امدادی لشکر جدید توپ خانے کے ساتھ دربارِ دکن میں بھیج دیا تھا۔ اس کا سردار موسیو بوسے صوبیداری کا نیا انتخاب کرانے میں حصہ دار تھا۔ مرہٹوں کے حملے روکنے میں بھی اس نے کاروائی دکھائی۔ دربارِ دکن سے سیف الدولہ عمدۃ الملک کا شاندار خطاب حاصل کیا۔ فوجی مصارف کے لیے راج مندری، ایلور وغیرہ چار بڑے بڑے ضلعے جاگیر میں دیے گئے جو ابھی تک شمالی سرکار کے قدیم نام سے موسوم تھے۔ ان کی سالانہ آمدنی کا تخمینہ اُن دنوں چالیس لاکھ روپیہ کیا جاتا تھا[2]۔ (۱۱۶۵ھ م ۱۷۵۲ء)

---

[1] مے لیسن ۲۴۶ وغیرہ۔ مگر یہ روایتیں بناوٹ سے خالی نہیں۔ ہمعصر مورخ صاحبِ مآثر الامراء اس واقعے کو مختصر طور پر یوں لکھا گیا ہے: "بست و ششم ربیع الآخر ۱۱۶۳ھ تا سہ پاس کامل آتش خانۂ فرنگ سرگرم اشتغال بود۔ آخر کار بست و ہفتم (تاریخ) فرنگیاں از رعب و مہابتِ محمدیاں رو بہزیمت آوردند و ہدایت محی الدین خاں (یعنی مظفر جنگ) زندہ دست گیر شدہ۔ ج ۳ صہ ۴۵۲۔

[2] مظفر جنگ نے جوش میں آکر سارے جنوبی ہند (یہ کرشنا تا راس کماری) کی نیابت بھی فرانسیسی حلیفوں کو بخش دی تھی، مگر اس فیاضی کی آئینی اور عملی وقعت ہیچ تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بوسے کی جنگی قابلیت میں شبہ نہیں اگرچہ وہ امرائے دکن کی باہمی نا اتفاقی اور حاکم وقت کی کمزوری کا علاج نہ کر سکتا تھا، مگر فرانسیسیوں کو پہلی زک ارکاٹ کے علاقے میں پہنچی کہ انگریزوں نے یہاں کا دارالحکومت اُچک لیا۔ چندا کے مقابلے میں انورالدین مرحوم کے فرزند (محمد علی والاجاہ) کے حلیف بن کر ساری نظامت دو پلے کے جال سے نکالی اور آگے چل کے اپنے پنجے میں پھنسالی۔

فرانسیسی منصوبے کو اس سے بھی سخت تر صدمہ خود حکومت فرانس نے پہنچایا کہ انگریزوں کی ساز باز سے دو پلے کو بانی فساد سمجھ کر معزول کر دیا (۱۷۵۴ء) اُس کے جانشین بہت اناڑی نکلے۔ سیاست کے تانے بانے جنہیں دو پلے بُن رہا تھا، پوری طرح ٹھکنے نہ پائے تھے کہ نال چلانے والا ہاتھ ٹوٹ گیا، البتہ بعد میں اسی کرگھے کو دیکھ کر حریف انگریزوں نے سلطنت کی بساط تیار کی۔

یہ ساری صدی برطانیہ اور فرانس کی کشاکش میں گزری جب کہ تجارت سے بڑھ کر کشورستانی کی ہوس شعلۂ جنگ بن کر بھڑک بھڑک اٹھتی تھی۔ زیر نظر زمانے میں اسی سلسلے کی ہفت سالہ جنگ (۱۷۵۶ء تا ۱۷۶۳ء) کا آغاز ہوا، جسے ظریفوں نے "تین عورتوں کی چٹم چوٹ" قرار دیا ہے[۱]۔ حکومت فرانس نے ایک فوجی سردار لالی کو ہندوستان بھیجا تھا کہ وہاں سے انگریزوں کو مار بھگائے، لیکن وہ ایسے طاقتور جنگی دشمن کو جس نے انہی دنوں ملک بنگالہ تھیالیا تھا، کیا مغلوب کر سکتا تھا، جب کہ خود اس کے ہم قوم یعنی پان دی شیری کے دیوانی عمال ہی اس کے قابو میں نہ آئے۔ بسم اللہ اس طرح غلط ہوئی کہ لالی نے آتے ہی بوسے کو دربار دکن سے واپس طلب کیا۔ اس کی واپسی کے ساتھ فرانسیسی رسوخ داثر بھی یہاں سے رخصت ہو گئے۔ دو پلے کی سب سے بڑی عمارت ڈھے گئی۔

شروع میں انگریز حریفوں پر لالی کو غلبہ ہو گیا تھا، مگر پھر انہیں پے در پے کمک ملی اور لالی کی حکومت فرانس نے پلٹ کر خبر تک نہ لی۔ انگریزوں نے بڑھتے بڑھتے خاص پان دی شیری کو چھین لیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ یورپ میں صلح نامہ مرتب ہوا تو یہ شہر فرانس کو واپس مل گیا، مگر شرط

---

[۱] یعنی آسٹریا کی ملکہ ماریہ تھریسا۔ فرانس کی مادام پومپے دور۔ روس کی ملکہ الیزبتھ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر لی گئی کہ آیندہ یہاں جنگی استحکامات نہ بنائے جائیں گے (۶۳، ۱) چنانچہ وہاں ان کی عمل داری باقی ہے مگر جنوبی ہند میں مقبوضہ بنانے کا منصوبہ اسی زمانے میں ہیبائے منثورا ہو گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ششم

انگریزوں کی آمد، ابتدائی مقبوضات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انگریزوں کی آمد ابتدائی مقبوضات

ممالکِ ہند اور ملتِ اسلامی کی تاریخ میں دسویں صدی ہجری کو خاص اہمیت حاصل ہے کہ اسی دور میں یہاں مغلوں کی عظیم سلطنت کی تنظیم ہوئی۔ اکبری فتوحات نے شمالی ہند کی منتشر مملکتوں کو ایک طاقت ور مرکز میں جکڑ دیا، لیکن انسانی تمدن کی تاریخ میں اہم تر واقعہ یہ ہے کہ اسی صدی میں ہندوستان اور "نئی دنیا" تک اہلِ یورپ کی آمد و رفت کا آغاز ہوا اور اُن کے بادبانی جہاز ہزاروں کوس کا سفر طے کر کے براہِ راست ان سواحل پر آنے جانے لگے۔ جہاز رانی اور دریا نوردی میں اسپین و پرتگال سب سے آگے تھے لیکن جزیرۂ برطانیہ کے انگریز ملاح بھی کچھ بہت پیچھے نہیں رہے۔ شروع شروع میں انہوں نے شمال مغرب کی طرف سے سمندر کا چکر کاٹنے کی کوشش کی۔ اسی حوصلہ مندانہ تلاش کا صلہ "نیو فاؤنڈ لینڈ" (یعنی جزیرۂ "نو دریافتہ") ہاتھ آیا۔ ایک باہمت ناخدا بحرِ منجمد شمالی کے راستے چلا اور خود ہلاک ہوا، مگر اس کے ساتھی شمالی روس کے ساحل بحرِ سفید تک جا پہنچے۔ سمندر کا سیدھا راستہ ایشیا تک پھر بھی نہیں ملا۔

یہ مقصد کئی ناکام قسمت آزمائیوں کے بعد صدی کے آخری ایام میں حاصل ہو سکا اور اگلی صدی میں ہم اُن کے سوداگروں کو جزائرِ شرق الہند اور سواحلِ ایران و ہند پر بار بار جہاز بھیجتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ کئی دفعہ پرتگیزوں پھر ولندیزیوں سے آویزشیں ہوئیں۔ جب موقع ملا، بحری قزاقی کرتے پھرے، البتہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پرتگال کے زوال اور ولندیزوں کے ملایا، جاوا میں مصروف ہو جانے کے بعد تجارت کرنے کی صورت نکلی۔ کپتان ہاکنس شاہِ انگلستان (جیمس اوّل) کا خط اور بہت سے تحائف لے کر جہانگیر کے دربار میں حاضر ہوا۔ پھر سر ٹامس روؔ سفیر بنا کر بھیجا گیا۔ کتاب کی پہلی جلد میں ہم لکھ چکے ہیں کہ فارسی تاریخوں میں ان سفارتوں اور شاہی مراسلوں کا پتہ نہیں چلتا، البتہ انگریز سوداگروں کے تحائف اور مصنوعات کا حوالہ ملتا ہے۔ اتنی بات ماننے میں کچھ وقت نہیں کہ شاہی اجازت سے اُن کی دُکانیں اسی عہد میں کئی جگہ کھل گئیں۔

سب سے بڑی تجارتی کوٹھی سورت میں قائم ہوئی (۱۶۱۲ء م ۱۰۲۱ھ) جو اُس وقت ایشیا بلکہ دنیا کی بہت آباد و بارونق بندرگاہ تھی، کوئی ۲۶ برس بعد جنوبی ہند کے مشرقی ساحل پر چینا پٹم کے راجا سے وہ قطعۂ زمین پٹے پر لیا، جہاں اب مدراس کا قلعہ سینٹ جورج واقع ہے۔ برابر میں کوم ندی بہتی تھی جس کی بدبو بھی باہر والوں سے اس مقام کو بچانے کا ایک ذریعہ تھی![1] (۱۶۳۹ء)

مغربی ساحل پر انگریز کمپنی کو بیس اکیس برس بعد جزیرۂ بمبئی (یمم بئی) مل گیا۔ یہاں دل دلوں کی بدبو سے زیادہ مچھروں کی کثرت روح فرسا تھی۔ فقط مچھیرے رہا کرتے تھے۔ پرتگال والوں نے لاوارث جان کر اپنا مال بنا لیا تھا اور ان کی شہزادی کی چارلس دوم شاہِ انگلستان سے شادی ہوئی، تو اسے بھی جہیز میں ٹانک دیا۔ چارلس نے انگریزی کمپنی کو دس پونڈ سالانہ پٹے پر حوالے کیا۔ اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ

---

[1] اوکس ہس، ص ۲۳۵۔ پھر مؤلف فخر یہ لکھتا ہے کہ اس طرح انگلستان کو سرزمینِ ہند کے ایک قطعے میں مالکانہ حقوق حاصل ہوئے۔ یہاں یہ صراحت کر دینی چاہیے کہ ان علاقوں میں اس وقت مسلمانوں کی عمل داری نہ ہوئی تھی۔ وجیانگر کی تباہی کے بعد مقامی رئیس بے سرے سے رہ گئے تھے۔ چینا پٹم کا چھوٹا سا راجا انگریزوں کو مدراس میں بُرج دوبارہ بنانے سے نہ روک سکا۔ مگر مغلوں کے ملک میں وہ ایسے استحکام بنانے کی جرأت نہ کر سکے اور ان کی کوٹھیاں خالص تاجرانہ رہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُن دنوں اس ٹاپو کی قدر و قیمت کتنی تھی (۲۰۰۷۰ھ م ۱۶۶۱ء) مگر کمپنی نے اس کے چند قطعے صاف کرا کے اپنے گودام اور مکان بنوا لیے۔ جہازوں کی آمد و رفت ہونے لگی تو آبادی میں اضافہ ہوا اور ۱۰۹۹ھ م ۱۶۸۷ء میں سورت کا صدر کارخانہ یہیں منتقل کر لیا گیا۔

یہ غیر اہم تفصیلات اس لیے یاد رکھنے کے قابل ہیں کہ ہندوستان کی پُرشوکت سلطنت برطانیہ کی تاریخ کا آغاز کرتی ہیں، دنیا کو یہ سبق دیتی ہیں کہ اجتماعی تنظیم اور استقامت سے کام لیا جائے تو حقیر سے حقیر ابتدا بھی عظمت و کمال کی بلندیوں کو چھو لیتی ہے۔ یہی زمانہ تھا جب کہ پہلی مرتبہ انگریز تاجروں کا دل گُدگُدایا۔ تامس رو کی نصیحت فراموش کی اور ولندیزوں کی ریس میں فوجی تنظیم اور ملک گیری کے منصوبے بنانے لگے [1] تجارتی کوٹھیوں کی قلعہ بندی اور مُغل حکام سے تمرّد شروع کیا۔ یہ سن کر دربارِ شاہی نے جملہ صوبیداروں کے نام احکام جاری کیے کہ ہر جگہ انگریزی تجارت خانے بند اور مال ضبط کر لیا جائے۔ کمپنی کے گماشتے فرار ہوئے یا گرفتار کر لیے گئے، دو تین جنگی بیڑے شاہ جیمس ثانی کے حکم سے لڑنے اور چاٹ گام پر حملہ کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے کہ یہ بندرگاہ چند ہی سال پہلے مغلوں نے فتح کی اور بنگالے سے پوری طرح مربوط و مضبوط ہونے نہ پائی تھی۔ پھر بھی انگریزوں کو ہر بار ناکامی ہوئی اور ان کی یہ نیم سرکاری جنگ بحری قزاقی بن کر بھی جاری نہ رہ سکی۔ سواحل پر کہیں پاؤں ٹکانے کو جگہ نہ ملی تو بحرِ عرب میں حاجیوں کے جہاز لوٹنے شروع کیے تھے، وہاں بھی عالمگیری انتظام نے ہاتھ پکڑ لیا اور کمپنی کو مالی نقصان اور ذلّت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ انگریزوں کے جنگی جہازوں کی تعداد جو ان معرکوں میں آئے ۱۲، ۱۴ اور کل بحری سپاہیوں کا شمار تقریباً دو ہزار بتایا گیا ہے۔ یہ گیارہویں صدی ہجری کے آخری سنین (= ۱۶۸۵ء تا ۱۶۸۸ء) کے واقعات ہیں اور اہلِ ہند کی نظر میں ایسے بے وقعت تھے کہ ہماری تاریخوں، تذکروں میں فقط فرنگیوں کی بحری قزاقی کے سلسلے میں ان کا اتفاقیہ ذکر آ گیا ہے۔ دوسری طرف انگریزی کمپنی کا دوالہ نکلنے کی نوبت آ گئی۔ آخر اس کے وکیلوں نے عجز و ندامت کے ساتھ معافی مانگی، جنگی استحکام اور تیاریوں سے توبہ کی، امیرل

---

[1] یہ تحریک خود ولایت کے مالکانِ کمپنی کی طرف سے ہوئی تھی۔ دیکھو گزٹیئر، ۲ صفحہ ۴۴۸ اور کس ہس صفحہ ۴۴۹ بحوالہ ماخذ سرکاری۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وزیروں کی مہینوں دربار داری اور خوشامد کرنی پڑی، تب کہیں دشوار تر شرائط پر تجارت کرنے کی اجازت ملی (۱۱۰۲ھ م ۱۶۹۰ء) صوبیدار بنگال نے عفوِ قصور کے ثبوت میں ہگلی کے کنارے دہ قطعۂ زمین کارخانے کے لیے عنایت کیا جہاں کلکتہ آباد ہوا۔ شاید سب سے بڑھ کر فائدہ مند سبق کمپنی نے یہ حاصل کیا کہ پھر سیاست کی بازی کھیلنے سے کان پکڑا۔ چُپ چاپ تجارتی کاروبار کرتی رہی۔

معلوم ہوتا ہے ولایت میں بھی اس کی ساکھ بگڑ گئی تھی کہ ایک نئی کمپنی حریف بن کر میدان میں آ گئی اور کئی سال تک ان دونوں میں جنگِ زرگری ہوتی رہی تا آنکہ حکومت نے ان میں صلح کرا دی۔ یہی "متحدہ شرکتِ تاجرانِ ایشیا" تھی جس سے آیندہ اہلِ ہند کو تجارتی اور پھر سیاسی واسطہ پڑا۔ کمپنی کا سرمایہ بڑھ گیا تجارت کا پیمانہ وسیع ہو گیا لیکن اگلے چالیس برس تک اس نے ہندوستان کے معاملات میں کوئی دخل نہ دیا، بلکہ فرانس کے ساتھ یورپ میں جنگ چھڑی (۱۷۴۴ء) اور ایک انگریزی بیڑے نے پانڈی چیری پر پنجہ مارا تو اس وقت بھی انورالدین خاں ناظم کرناٹک کی تہدید سے رک گئے کہ مبادا نواب، مدراس چھین لے۔

پیش قدمی، دست درازی :

جیسا کہ گزشتہ اوراق میں گزرا، انگریزوں کی پہلی پیش قدمی ارکاٹ میں ہوئی۔ محرک فرانسیسیوں سے رقابت کا جذبہ اور عمل کا دائرہ کرناٹک تک محدود تھا۔ یہ داؤ چل گیا جس کی ایک وجہ یہی تھی کہ مقامی حکام کو خیال تک نہ تھا کہ انگریز تاجران کے اندرونی قضیے میں ٹانگ اڑائیں گے۔ انورالدین اور ناصر جنگ مارے گئے۔ نظام دکن نواب مظفر جنگ نے چندا صاحب کو کرناٹک عطا کر دیا۔ انورالدین کا بیٹا محمد علی اسے نہ مانا تو یہ اس کی خیرہ سری تھی۔ چندا صاحب نے اپنے پورے لشکر سے ترچناپلی میں اس کا محاصرہ کر لیا اور امید تھی کہ وہ چند روز میں ہتھیار ڈال دے گا (۱۷۵۱ء م ۱۱۶۴ھ)

ان خبروں سے مدراس کے انگریزوں کو بڑی پریشانی ہوئی۔ دربار دکن میں موسیو بوسے کے دانت کرہ گئے تھے جیسن دوست (چندا صاحب پہلے ہی) دو پلے کا دوست اور دست و بازو تھا۔ اس کی نظامت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں انگریزوں کی خیریت نظر نہ آتی تھی۔ اسی مایوسی میں انہوں نے جان و مال کی بازی لگا دی۔ دو سو گورے تین سو کالے اور جتنی توپیں مل سکیں، لے کر شبا شب چند منزلیں اتنی جلدی طے کیں کہ کسی کو خبر نہ ہونے پائی۔ صوبے کا دارالحکومت ارکاٹ پورے سو میل بھی دور نہ تھا۔ یکایک اس غیر محفوظ شہر میں داخل ہو گئے۔ اتنی دیر میں کہ چندا صاحب کا بیٹا فوج لے کر ترچنا پلی سے آئے، فصیل، برج، دم دمے سب مضبوط کر لیے۔ اندرونی مضبوطی کے ساتھ، بیرونی انتظام کے لیے ساز باز کے پروانے دوڑا دیے تھے کہ چندا صاحب کے مخالفین کو ابھار ابھار کر مدد پہ لائیں۔

یہ زمانہ پورے ہندوستان میں لامرکزیت، بدنظمی، نفسانیت کے دور کا آغاز تھا، چنانچہ سب سے پہلے مرہٹہ جرگے لوٹ کے لالچ میں انگریزوں کے حلیف بنے۔ میسور و تنجور کی ریاستوں نے محمد علی کو محاصرے سے چھڑانے میں دست گیری کی۔ دو پلے توڑ جوڑ کرتا رہ گیا۔ چندا تنجور میں دھوکے سے گرفتار ہو کر مارا گیا۔ کرناٹک پر محمد علی نے اقتدار کا حق منوالیا اور فرنگیوں کے باہمی حسد سے فائدہ اٹھالیا جسے کسی ہندی رئیس کی نادر خوش نصیبی سمجھنا چاہیے۔

ارکاٹ کا چھپٹا خاصا کامیاب رہا۔ فوج کے سردار کپتان کلائیو کی بڑی واہ واہ ہوئی، کرنیل کے عہدے پر ترقی ملی۔ کرناٹک میں جو خطرہ سر پہ آگیا تھا، سردست ٹل گیا۔ ایک اہم فائدہ یا نتیجہ یہ سمجھ لیجیے کہ تجارت پیشہ انگریز سیاست کے اکھاڑے میں نمودار ہوئے تو ہوس کے دیوانے جگہ جگہ اُن سے مدد لینے کے منصوبے بنانے لگے۔ بایں ہمہ کوئی بڑا مادی نفع حاصل نہ ہوا۔ نمک حرام محمد علی نے فوجی مدد لی، دوستی کے عہد و پیمان، عنایت کے برتاؤ کیے، مگر ملکی معاملات میں دخل انداز نہ ہونے دیا۔ اس کی جلن انگریزی تاریخوں کی گرم زبانی میں ابھی تک ناظرین محسوس کر سکتے ہیں۔

اُدھر انہی دنوں دربارِ دکن میں بوسے کو جواہرات کے انعام، خلعت و خطاب کے اکرام سے لاد اجار ہا تھا۔ شمالی سرکاریں فرانسیسیوں کی جاگیر میں لکھ دی گئی تھیں۔ عطیات کی یہ بارش انگریزوں کی آتشِ حسد پر تیل بن کر برستی تھی۔ ان کی عصری تصانیف، نیز کچھ بعد کی تاریخیں پڑھیے تو یہ بے قراری جھلکتی نظر آئے گی کہ کسی طرح انہیں بھی ہندوستان کے کسی علاقے میں ہاتھ مارنے، کوئی بوٹی توڑ لے جانے کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موقع مل جائے۔

دل کی لگن کے ساتھ ہاتھ پاؤں کی محنت شریک ہو تو زمانہ چوروں کو بھی محروم نہیں رکھتا۔ ارکاٹ کے معرکے کو چند ہی سال گزرے تھے کہ علی وردی خاں مہابت جنگ صوبیدار بنگال کا انتقال ہوا (۱۷۵۶ء/ م ۱۱۶۹ھ) نرینہ اولاد نہ تھی۔ نواسے کو ولی عہد بنایا۔ اچھی تعلیم و تربیت دلائی۔ "سراج الدولہ" کے خطاب سے جانشینی کا حق روشن کر دیا تھا، مگر عمر اور تجربے کو بڑھا دینا یا محسود ہونے سے بچا لینا، اُس کے بس کی بات نہ تھی۔ کئی پٹھان فوجی سردار جنہیں مصارف کے لیے بڑی بڑی جاگیریں دی گئی تھیں، بوڑھے مہابت جنگ ہی کے قابو میں مشکل سے آتے تھے۔ نوجوان سراج الدولہ انہیں کیا مرعوب کر سکتا تھا۔ بڑی آفت یہ کہ گھر کے گھر میں ایک چچیرے بھائی (شوکت جنگ) کو برابری کے دعوے تھے۔ سگی خالہ (گھسیٹی بیگم) اپنی جمع جتھا کی حفاظت کے لیے نگہبانوں کی فوج بھرتی کر رہی تھی۔[1] دیسی اربابِ ہوس کی طرح انگریزوں نے بھی ملک و دولت لوٹنے کے لیے جال پھینکا۔ وہ بالکل غیر لوگ تھے۔ فوجی قوت کم رکھتے تھے، لیکن یہ کوشش جماعتی قسم کی تھی۔ جماعت افراد پر غالب آئی۔ جنگی اوصاف اور سامان کی اگر کوتاہی تھی تو انگریزی عیاری اور اہلِ ہند کے نفاق و خود غرضی نے اس کی تلافی کر دی۔

انگریزوں کے ساز باز اور سرکشی کی سزا میں نوجوان نواب نے انہیں کلکتہ سے جبراً نکال دیا اور دیوان مانک چند کو شہر کا حاکم بنا دیا تھا، مگر چھ مہینے بعد (جنوری ۱۷۵۷ء میں) انگریز دوبارہ ایک بیڑا اور مدراسی فوج لے کر آ گئے۔ مانک چند نے لڑائی سے جان چُرائی۔ غالباً معقول رشوت کے عوض میں شہر ان کے حوالے کر دیا، تاہم جنگی استحکام تُڑوا دیے اور یہ شرط لکھوائی تھی کہ آئندہ قلعہ بندی نہ کریں گے۔ حقیقت میں انگریزوں کو صرف اتنی مہلت درکار تھی کہ پھر پاؤں ٹکا لیں اور سراج الدولہ کے خلاف سازش کی تکمیل

---

[1] مسلمانوں کے عہدِ عیش و انحطاط کی ایک علامت یہ بتائی گئی ہے کہ محل سرا کی عورتیں میدانِ سیاست میں جولانیاں دکھانے لگی تھیں۔ دربارِ مرشد آباد اس بدنامی کی دوڑ میں کسی سے کم نہیں رہا۔ یہاں کی "بیگمات" کی ہوس رانی ہم عصر تاریخوں کے عنوان اور بہت سے افسانوں کا موضوع بن چکی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرلیں جن میں اس کے عزیز قریب، فوجی سردار، سپہ سالار، امیر، جاگیردار سبھی شرکت کے واسطے تیار، بلکہ بے قرار نظر آتے تھے۔

ایسی قوم جو اپنی حکومت کی اس درجہ دشمن ہو، آزادی کے حق سے خود ہی دست بردار ہو جاتی ہے۔ اس کے محکوم بنا لینے میں کچھ بہت مدت اور مشقت درکار نہ تھی۔ سات آٹھ سال کے اندر سارا ملکِ بنگال (بشمول بہار و اڑلیسہ) انگریز کمپنی کے گدام خانے میں آگیا۔[1] جنوری ۱۷۶۶ء (محرم ۱۱۸۰ھ) کے عہد نامۂ الہ آباد نے ان مشرقی صوبوں کی "دیوانی" کی سند پر خود بادشاہِ وقت شاہ عالم ثانی کی مہر تصدیق ثبت کرادی۔ قابو یاب انگریز اپنے زوال پذیر فرانسیسی رقیبوں پر بھی چوٹ مارنے سے نہ چوکے۔ صوبوں کی فہرست میں شمالی سرکار کے اضلاع اپنے نام لکھوالیے حالانکہ وہ صوبیدار دکن کا علاقہ تھا۔

دیوانی بن کر حکومت آ جاتی ہے:

آئینی طور پر "دیوانی" کا کام صرف مال گزاری کی وصولی اور حساب کتاب رکھنا تھا، حکمرانی، نواب یا ناظمِ بنگال کے ہاتھ میں رہتی، لیکن اس ہاتھ کو انگریز پہلے ہی باندھ کر بے کار کر چکے تھے۔ لامحالہ سارے انتظام کی ذمہ داری خود اٹھانی پڑی۔ شروع میں یہ ان سوداگروں کے مذاق کے خلاف تھی۔ حکومت کرنے کا شوق تھا بھی، تو کمپنی کے ذرائع محدود، فرنگی عمال کی تعداد کم تھی۔ اعلیٰ حکام ہندوستان کے رسم و رواج قاعدے ضابطے اور زبان تک سے اچھی طرح واقف نہ تھے۔ سرکاری کاروبار کے لیے اکثر فارسی دان منشی اور ترجمان رکھنے پڑتے تھے۔ اب دیوانی انتظامات کے لیے ہندوستانی عہدے داروں سے کام لینا پڑا۔ ہندی سپاہی اور سردار انگریزوں کے واسطے سر بیچنے میں تامل نہ کرتے تھے، تو ملکی خدمت بجالانے میں کیا

---

[1] پلاسی تا بکسر کے معرکے اور انگریزوں کے ہاتھوں بنگال کی نوابی کی جو دُرگت بنی، وہ تیسرے باب کے متعلقہ ذیلی عنوانات کے نیچے ہم اوپر دیکھ چکے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غدر ہوسکتا تھا۔ بہار کا ناظم راجا شتاب رائے مقرر ہوا۔ بنگالے میں یہ عہدہ اور کم سن نواب نجم الدولہ (خلف میر جعفر) کی اتالیقی محمد رضا خاں کے سپرد کی گئی۔ ان کی نمک حلالی کا یہ عالم تھا کہ چند سال بعد بنگالے میں قحط پڑا اور ہزاروں آدمی بھوک سے مر گئے تب بھی سرکار کمپنی کا رُپیہ نہ مرنے دیا، بلکہ مالیے میں دس فیصدی کا اضافہ کر دکھایا تھا۔[1]

یہ خوفناک قحط جس نے قہرِ الٰہی سے زیادہ عمّالِ کمپنی کی ظالمانہ زرستانی کا راز فاش کیا، ۷۰-۱۷۶۹ء م ۸۴-۱۱۸۳ھ میں واقع ہوا اور خود کمپنی کے اعلیٰ حکام کے تخمینے کے بموجب بنگالے کی ایک تہائی آبادی (یعنی تقریباً ایک کروڑ نفوس) فاقہ کشی سے تلف ہوگئی۔ خاص دارالحکومت مرشد آباد میں گلی کوچے لاشوں سے پٹ گئے۔ لوگوں نے مردوں کا گوشت کھاکر پیٹ کا دوزخ بھرا۔[2]

کمپنی کو بڑی ناگواری اس لیے ہوئی کہ فوجی اخراجات بڑھ گئے اور قحط نے خزانہ خالی کر دیا۔ بہت سا رُپیہ حکومت سے قرض لینا پڑا، تب کام چلا۔ اس سے بھی بڑھ کر کامیابی اپنے صدر عامل کے انتخاب میں ہوئی، یعنی وارن ہیسٹنگز کو، پہلے بنگال کا گورنر مقرر کیا (۱۷۷۲ء م ۱۱۸۶ھ) اور دو سال بعد ہندستان

---

[1] اوکس ہس ص ۵۰۸ بحوالہ رورل بنگال.... وغیرہ۔ نند کمار کے مقدمے میں یہ دونوں خیر خواہ پھانس لیے گئے اور حساب فہمی کے احتساب سے بمشکل خلاصی پائی۔

[2] قحط کے متعلق دیکھو آل کی تاریخ ہند، نیز تھارن ٹن: حالات ۷۰-۱۷۶۹ء۔ ایک مدت بعد ہنٹر نے "رورل بنگال" میں بہت سی مفید معلومات جمع کی ہیں۔ جملہ ماخذوں میں کمپنی کے عمّال کی بے پناہ زرکشی، استحصال بے جا، رشوت ستانی اور خیانت کی الم ناک داستان تحریر ہے کہ اوپر سے نیچے تک تقریباً سبھی فرنگی ملازم ہندستان کو خوانِ یغما سمجھ کر لوٹنے میں مصروف تھے۔ اُن کا سورما اور معمارِ سلطنت کلائیو لاکھوں رُپیہ نذرانے اور انعام و جاگیر لینے کے باوصف چوری سے نمک اور پان تمباکو کی چوری کرتا رہا جس کی کمپنی بار بار ممانعت کا حکم دیتی تھی اور خود کلائیو کو صدر عامل یا گورنر بنا کر بھیجا تھا کہ ان احکامات پر عمل کرائے۔ اوکس ہس ص ۵۰۵ وغیرہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے سب مقبوضات اسی کی تحویل میں دے دیے۔ انگریز کمپنی کی طرف سے پہلا گورنر جنرل یا صدر والی وہی مقرر ہوا۔ قریب زمانے کی انگریزی درسی یا نیم سرکاری کتابوں میں اس کی ستائش میں بہت مبالغہ کیا گیا ہے۔ اس کے مقابلے میں ہم عصر انگریز حریفوں نے بُری طرح خاکہ اڑایا اور بڑی مٹی پلیت کی تھی۔ (ہندوستان کے قوم پرستوں نے ان ماخذوں سے اس کی بدمعاشی بداخلاقی کی شہادتیں جمع کر دی ہیں) بے شبہ اسی نے ہندوستان میں وہ پایے قائم کیے جن پر آیندہ سلطنتِ برطانیہ کی عظیم عمارت چنی گئی۔ انگریز اسے اپنی بادشاہی کا پہلا راج اور قوم کا محسن سمجھتے ہیں تو کچھ غلط نہیں سمجھتے۔ ادھر ان کی روز افزوں دولت، اہل ہند کی فلاکت کا پیام اور غلامی کا پروانہ تھی۔ انہیں ہیسٹنگز اپنا دشمن اور خانہ برانداز نظر آتا ہے تو یہ بھی کچھ حیرت کی بات نہیں، لیکن تاریخ نویس کو شخصی اور قومی جذبات کی آندھیوں میں اُڑتے پھرنا نہ چاہیے۔ اس کا کام اصل واقعات کو قلم کی گرفت میں لانا ہے۔ ان میں بھی ہمارے لیے زیادہ کشش وہ رکھتے ہیں جن کا براہِ راست پاکستان و ہند کے مسلمانوں سے تعلق ہے۔ یا وہ، جن کا اس برعظیم کی پوری تاریخ پر گہرا اثر پڑا اور مسلمان بھی اُن کے چکر میں آئے بغیر نہ رہے۔

کمپنی کی خوشنودی کے لیے ہیسٹنگز نے مصارف کی تخفیف کی۔ بے بس نواب نجم الدولہ کا وظیفہ آدھا اُڑا دیا۔ نظامت کا مستقر مرشد آباد سے کلکتہ منتقل کیا۔ یہ بارونق شہر گزشتہ انقلاب اور قحط کی مار سے پہلے ہی چوتھائی رہ گیا تھا۔ اب اور بھی سُرعت سے ویران ہونے لگا۔ تخفیف کی دوسری مد یہ نکالی کہ شاہ عالم بادشاہ کو ۲۶ لاکھ رُپیہ سالانہ ادا کرنا یک قلم موقوف کر دیا۔ یہ عہد نامہ الہ آباد کی شرط قرار پائی تھی اور اسی رقم کے معاوضے میں انگریزوں کو بنگالے کی دیوانی دی گئی تھی۔ ہیسٹنگز نے عذر پیش کیا کہ بادشاہ الہ آباد کی سکونت چھوڑ کر دہلی چلا گیا، مرہٹوں کو اپنا رفیق بنا رہا ہے۔ یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہے۔ مگر اصلی قصور اس کی بے دست و پائی کو سمجھنا چاہیے جو فرنگی سیاست کی دنیا میں کبھی معاف نہیں کیا جاتا۔

اس کارروائی کی تاریخی اہمیت یہ تھی کہ انگریز سوداگر علانیہ نوابی اور بادشاہی کے دائرۂ اقتدار سے نکل گئے اور اپنے مقبوضات کا خود انتظام سنبھالا۔ حکومتِ برطانیہ بھی سب سے پہلے علانیہ اسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زمانے میں کمپنی کے معاملات میں دخیل ہوئی۔ برطانی پارلیمنٹ نے ایک تنظیمی قانون (مجریہ ۱۷۷۳ء) نافذ کیا کہ کمپنی اپنے حسابات باقاعدہ حکومت کے سامنے پیش کرتی رہے گی۔ اس کے مقبوضات بند کو بمبئی، مدراس، کلکتہ، تین احاطوں میں تقسیم کیا اور ان کا صدر احاطہ کلکتہ قرار پایا۔ اسی کے حاکم کو صدر والی یا "گورنر جنرل" کا لقب دیا گیا۔ اسے مشورہ دینے کی غرض سے چار ارکان کی ایک کونسل بنائی گئی اضلاع کی مالی اور دیوانی عدالتوں کے علاوہ کلکتہ میں عدالتِ عالیہ قائم ہوئی جس کے ارکان یا ججوں کا انتخاب خود حکومتِ انگلستان کے ہاتھ میں تھا۔

فرنگی سوداگر جنگ کے میدان میں:

ممالکِ پاکستان و ہند پر پہلے جس قدر یورشیں اور فاتحانہ حملے ہوئے سب مغرب کی سمت سے تھے۔ خود انگریز بھی بعید مغرب سے ہندوستان آئے، لیکن ان کا استیلا مشرقی صوبوں سے شروع ہوا۔ یہاں کی غیر مسلم آبادی سپہ گری کے میدان کی مرد نہ تھی۔ مسلمانوں کی قوت ملوک وامرا کی ذاتی ملکیت بن گئی تھی۔ شخصی حکومت کا نظام اکبر و عالمگیر کی اولاد نہ سنبھال سکی، تو سراج الدولہ اور میر قاسم کیا سنبھالتے۔ بنگالہ بلغیر کسی مزاحمت کے انگریزوں کا لقمہ بن گیا۔ یہ مشرقی صوبے برطانیہ سے رقبے اور آبادی میں افزوں تھے اس ملک و دولت پر قبضے سے انگریز تاجروں کی کمپنی نے لازماً برِ عظیم کی ایک بڑی ملکی طاقت کا درجہ حاصل کر لیا۔ بیوپار کی منڈی چھوڑ کر ملک گیری کے میدان میں داخل ہوئی۔

ابھی تک دوآب اور دکن میں مسلمانوں کی دو وسیع اور قوی حکومتیں موجود تھیں، لیکن اسلامی تاریخ کے طالب علم کے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ (بکسر کے بعد) انہوں نے انگریزوں کا کہیں مقابلہ نہ کیا۔ عیش کی بازیاں کھیلتے رہے جان کی بازی ایک بار بھی نہ لگائی۔[1] البتہ انگریزوں کے دوست بن کر الٹا

---

[1] ہمعصر انگریزی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں نے شمالی سرکار کا (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرفروش مسلمانوں کو کٹوا دیا جو اپنی آزادی کو بیچ دینا نہ چاہتے تھے۔ ان جان ہاروں میں ایک تو بہلی کے روہیلے تھے، دوسرے ٹیپو سلطان کی "دولتِ خداداد"۔ کہ پہلا گروہ تعداد کی کمی اور باہمی نفاق سے ایک ہی خونریز معرکے میں قوتِ مدافعہ گنوا بیٹھا[۱]۔ دوسرے نے سالہا سال تک انگریزوں سے ٹکریں لڑیں، مگر یہ سب لڑنے والے مسلمان سپاہی اور سپاہی زادے تھے، موروثی امیر و بادشاہ نہ تھے۔

ہندوستان کے غیر مسلم حریفوں میں بھی انگریزوں کی زور آزمائی مرہٹوں اور جاٹوں کی نوخیز اور "نیچی ذات" کی قوموں سے ہوئی۔ اونچی ذات کے ہندو کہیں مقابلے میں نہ آئے۔ بہرحال آئندہ تیس بتیس برس تک انگریزوں کو خاصی کٹھن لڑائیاں لڑنی اور جگہ جگہ ٹھوکریں کھانی پڑیں کیونکہ ابھی تک اہلِ یورپ کو اپنے آتشیں اسلحہ اور سامانِ جنگ میں وہ برتری حاصل نہ ہوئی تھی جس نے آئندہ سارے مشرق کو ان کا صیدِ زبوں بنا دیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

ایک ضلع (گنٹور) دبالیا، اور معاہدے کے خلاف راجا ناگ پور سے سازباز کی تو صرف اسی موقع پر (۱۷۹۰ء م ۱۱۹۴ھ) نواب نظام کو ایسا غصہ آیا کہ مرہٹوں اور میسور دونوں سے اتحاد کرنے پر آمادہ ہوا کہ مل کر انگریزوں کو دفع کرنے کی تدبیر کی جائے۔ انگریزوں نے فوراً گنٹور واپس کیا اور چالاکی سے دوبارہ نظام کو حیدر علی سے ناراض و بدگمان کر دیا (دیکھو مارش مین جلد اول، ضمیمہ الف بحوالہ مکتوبات رحم بولڈ۔ نیز اوکس ہسٹ ص ۵۰)

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] میراں کٹڑے کی جنگ (۱۷۷۴ء) کا تیسرے باب میں ذکر آچکا ہے۔ ولیم ہنٹر بہت مدت بعد بھی اس جنگ کو وارن ہیسٹنگز کی سخت نالائقی اور ناعاقبت اندیشی کہتا رہا کہ شجاع الدولہ کی خاطر اس بہادر قوم کو اسی نے انگریزوں کا دشمن بنا لیا اور آئندہ ایک صدی تک حکومتِ برطانیہ کی نفرت ان کے دل میں باقی رہی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان واردات کی یک جائی مختصر کیفیت ذیل میں مرتب کی گئی ہے کہ دیکھنے والے سیل فرنگ کے رک رک کر ہندوستان کے کوہ ودشت میں پھیلنے کا کرشمہ دیکھیں :

پہلی جنگِ مرہٹہ :

پونا کا پانچواں پیشوا نراین راؤ خاندانی جھگڑوں میں جوان مارا گیا (۱۷۷۳ء) چچا رگھوناتھ راؤ نے مسندِ پیشوائی دبائی۔ مرہٹہ فوج کی "چرائی" کے لیے میسور و دکن سے لڑنے روانہ ہوا۔ ادھر دارالحکومت میں حریفوں نے نراین راؤ مقتول کے نوزائیدہ بچے کو وارث جائز قرار دیا۔ اتنے عرصے میں رگھوناتھ پلٹ کر واپس آئے، دنیا پلٹ چکی تھی۔ ایک چالاک برہمن نانا فرنویس نے پنجے جما لیے تھے۔ رگھوناتھ کو پونا میں گھسنے نہ دیتا تھا۔ اس پریشانی میں بمبئی کے انگریز گماشتوں نے اسے مدد کی امید دلائی، بلکہ عہد و پیمان کی تکمیل سے پہلے ہی قریب کے جزیرے سال سٹ (یا سال سٹی) میں اپنا عمل دخل کر لیا اور مدد کے عوض میں بسین کی بندرگاہ مزید طلب کی (دسمبر ۱۷۷۴ء)

بمبئی کی کوٹھی نئے قانونِ تنظیمی کی رو سے کلکتہ کے تحت میں تھی اور جنگ و صلح کا اختیار نہ رکھتی تھی، چنانچہ اوّل اوّل کلکتہ کونسل نے پونا میں اپنے آدمی بھیجے اور بالا ہی بالا صلح کی شرطیں طے کر لیں لیکن بمبئی والوں نے پونا تک سازش کی سرنگیں بچھائی تھیں اور غالباً یقین رکھتے تھے کہ یہاں بھی کمپنی کی فوج کو دیکھتے ہی مرہٹہ سردار آملیں گے، اور ایک دوسری "جنگِ پلاسی" کی فتح کا سہرا بمبئی کے سر بندھے گا۔ یہ امید بر نہ آئی، بلکہ انگریز سپہ سالار کی ہمت نے جواب دے دیا اور ٹکے رہنے یا آگے بڑھنے کی بجائے توپیں تالاب میں پھینک کر پسپا ہوا۔ بھاگتا دیکھ کر مرہٹوں نے آگھیرا۔ انگریزوں کو ان کی سب شرطیں ماننی پڑیں بہت سامان اور فرنگی یرغمال حوالے کیے اور جان بچا کر واپس آئے۔[1]

---

[1] عہد نامہ وڈر گانو" جنوری ۱۷۷۹ء (گرانٹ ڈف، جلد دوم ص۳) بقیہ حاشیہ آیندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس عرصے میں ہیس ٹنگز نے ایک بڑی فوج تیار کر لی تھی وہ دو لشکروں میں بنگالے سے چلی اور غیر علاقے سے گزرتی ہوئی گجرات اور مالوے میں نمودار ہوئی۔ بڑودے کی ریاست کا ایک مدعی (فتح سنگھ) انگریزوں کا داعی بن گیا، لہٰذا احمد آباد پر بغیر مزاحمت کمپنی کا پھریرا اڑنے لگا۔ گوالیار کے قلعے میں وہاں کے ایک رئیس کی سازش سے انگریز چھپ کر داخل ہو گئے۔ اور فخر کرتے ہیں کہ اس "فتح" میں ایک سپاہی بھی ضائع نہیں ہوا (اگست ۱۷۸۰ء)

اصل میں سندھیا سے کچھ روز بعد سرونج کے قریب معرکہ پڑا۔ یہاں انگریز کرنل کو صرف بھاگ نکلنے میں کامیابی ہوئی، البتہ انگریزوں کے گجراتی لشکر نے بسین لڑ کر چھینا، پھر پوری جمعیت اور بڑے سازوسامان سے پونا کے ارادے سے چلے تھے، لیکن کوکن ہی میں مرہٹوں سے ...... کھائی، ہیس ٹنگز کو دب کر صلح کرنی پڑی[1]۔ پھر بھی اس کے طرفدار جتاتے ہیں کہ صلح نامۂ سلبئی (۱۷۸۲ء) سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ آیندہ مرہٹے ممالکِ ہند کے معاملات سے بے دخل ہو گئے۔ شمال و جنوب میں انگریزوں کو اپنی قوت بڑھانے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ایک شرط یہ بھی تھی کہ انگریز اپنے حلیف و سرپرست رگھوناتھ راؤ کو پکڑ کر پونا والوں کے حوالے کر دیں گے! اس نامردی اور بے وفائی پر ونسنٹ اسمتھ تک نے بہت نفرین کی ہے (اوکس ہسٹری ص ۵۲۳)۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو گرانٹ ڈف کی تاریخ مرہٹہ (جلد دوم) باب سیزدہم، نیز "مقدمہ وارن ہسٹنگز" اسکوائر (۱۹۶۰ء) جس میں اس کے "جنگی کارناموں" کا بری طرح خاکہ اڑایا گیا ہے۔ حقیقت میں یہ مہم انگریزوں کو ہر اعتبار سے مہنگی پڑی اور معاہدے کی رو سے ساری زر و جاں فشانی کا معاوضہ سال سٹی کا ٹاپو ان کے ہاتھ آیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے حریفوں کو دبا لینے کا موقع مل گیا۔[1]

مرہٹوں سے صلح کے باوجود اُن کے حلیف حیدر علی سے لڑائی جاری رہی (۱۷۸۰ء تا ۱۷۸۴ء) اور بجائے خود "میسور کی دوسری جنگ"[2] کہلانے لگی ہے۔ حقیقت میں انگریزوں کی دلیری اور دست درازی نے سارے دکن کو ان کا دشمن بنا دیا تھا۔ کئی مرہٹہ رئیسوں نے تلوار سنبھالی۔ نظام کے تیور بگڑ گئے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ پونا کی تحریک سے میسور کا شیر میدان میں آ کودا۔ پیشوا پر انگریزوں کی لشکری پیش قدمی ناکام رہی، البتہ اڑیسہ کے مرہٹوں کو ہسٹنگز نے زرِ نقد کے توڑوں سے توڑ لیا۔ نظام کو گنتور واپس دیا اور حیدر علی سے بدگمان کرا دیا۔[3] پونا اور سندھیا سے صلح کر لی۔ پھر سارا لاؤ لشکر لے کر میسور پر چڑھے کہ شمالی دکن کی خفت جنوب میں مٹائیں۔ محاربات میسور کا مختصر حال اور مآل ہم تیسرے باب میں دیکھ چکے ہیں۔ یہاں صلح کے وقفے کے بعد مرہٹوں کی ان لڑائیوں کی کیفیت سنانی ہے جن کے آخر میں انگریزوں سے کوئی بڑی لڑائی لڑنے کی ان میں سکت باقی نہیں رہی۔

---

1. اوکس ہس وغیرہ لیکن یہ اقوال بھی صحیح نہیں۔ مرہٹوں کی عدم مداخلت کا بڑا سبب خود ان کا باہمی نفاق اور اندرونی ضعف تھا۔

2. میسور کی پہلی جنگ میں اڑسور کا معرکہ مشہور ہے کہ انگریزی روایات کی بموجب ان کی فوج کا کوئی شخص بھی مقتول یا مجروح ہونے سے نہیں بچا (حیدر علی اینڈ ٹیپو سلطان) از باورنگ کمشنر میسور ص ۵۵) حیدر علی کی یلغار مدراس کی وہ تصویر سرنگاپٹم کے محل میں قریب زمانے تک منقوش تھی جس میں انگریز عمال کو فاتح کے سامنے سربسجدہ التجا کرتے دکھایا تھا۔ ان معرکوں سے بڑھ چڑھ کر درخشاں فتوحات اس دوسری جنگ میں کمبھی ورم، حیدر نگر، کرناٹک اور ملیبار کے میدانوں میں ٹیپو سلطان کو نصیب ہوئیں کہ ایک دفعہ کرنل بیلی اور دوسری مرتبہ جنرل میتھو کے پورے جیش نے ہتھیار ڈال دیے۔ ہزاروں انگریز سردار و سپاہی گرفتار کر لیے گئے۔ (۱۷۸۰ء و ۱۷۸۳ء)

3. اوکس ہس۔ ص ۵۴۰ و ۵۴۱۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری جنگ مرہٹہ کا خلاصہ لکھنے سے پہلے، پہلے گورنر جنرل کے دو نیم جنگی کارنامے دہرانے کے قابل ہیں جن کا برطانیہ کے اربابِ سیاست وخطابت میں برسوں تک چرچا ہوتا رہا۔ وارن ہیسٹنگز نے دولتِ اودھ سے انگریزی دوستی کے بہت سے دام وصول کیے۔ انہی میں ایک تدبیر تھی کہ بنارس کو آصف الدولہ کے ملک سے توڑ کر علیحدہ ریاست بنایا اور یہاں کے نئے رئیس (راجا چیت سنگھ) کو پابند کیا کہ پانچ لاکھ روپیہ سالانہ کمپنی کو ادا کرتا رہے گا۔ ان مطالبات میں آئندہ اضافہ ہوتا رہا۔ راجا انہیں پورا نہ کرسکا تو جبریہ وصول کیلئے خود گورنر جنرل بنارس میں آ دھمکا۔ راجا کی منت سماجت پر معافی کی بجائے گرفتاری کا حکم صادر کیا۔ اس پر شہر والوں نے ہنگامہ مچادیا۔ گورنر جنرل فرار ہوکر چنار کے قلعے میں جا چھپا۔ مگر انگریزوں کی باقاعدہ فوج نے کشت وخون کے ساتھ راجا کے محل اور شہر کو لوٹ لیا۔ نیم سرکاری انگریز مورخ افسوس کرتے ہیں کہ کمپنی کے خزانے میں کوئی رقم وصول نہ ہوئی، البتہ چیت سنگھ کو نکال دیا گیا اور اس کے کسی رشتہ دار کو "دگنے خراج" کی شرط پر راجگی عنایت کی (۱۷۸۱ء) انگریز نکتہ چینوں کی نظر میں اس سے بھی بدتر "نامردی کی حرکت" گورنر جنرل سے یہ سرزد ہوئی کہ آصف الدولہ کے اشارے سے اس کی ماں اور دادی کو فیض آباد میں نظر بند کرایا اور نوکروں کو مار مار کر بیگمات کی ساری جمع جتھا اگلوالی۔ اس کی کم سے کم مقدار ۷۶ لاکھ روپیہ بتائی گئی ہے[1]۔ (۱۷۸۱ء)

یہ سب نفع کے سودے تھے۔ مالکانِ کمپنی اپنے گورنر جنرل سے لازماً رضامند رہے، لیکن پہلی جنگ مرہٹہ اور دوسری جنگ میسور کے مصارف کا حساب پیش ہوا تو اُن کی رائے بدل گئی۔ پارلیمنٹ میں بھی ایک نیا قانون منظور کیا گیا جس کا اصلی مقصد بظاہر یہ تھا کہ ہندوستان کی حکومتوں کا غصہ ٹھنڈا اور بدگمانی رفع کی جائے۔ برائے نام چند انتظامی اصلاحات کی تقلیں ورنہ قانون کی جان یہ سرکاری اعلان تھا کہ :

---

[1] یہ کارروائی انگریزی رزیڈنٹ اور اس کی فوجی جمعیت کے ذریعے عمل میں آئی۔ وارن ہسٹنگز نے "بیگماتِ اودھ" پر ایک الزام یہ لگایا تھا کہ وہ چیت سنگھ راجا بنارس کی درپردہ معین ومددگار ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"ہندوستان میں فتوحات اور اضافۂ مقبوضات کے منصوبوں پر عمل کرنا ایسے کام ہیں جو اس قوم (= اہلِ برطانیہ) کی منشا، سیاسی مسلک اور شرافت کے سراسر منافی ہیں۔"

اس قانون کے نفاذ (۱۷۸۴ء) کے ساتھ وارن ہسٹنگز استعفیٰ دے کر رخصت ہوا۔ اس کی بجائے طبقۂ امرا کے ایک فرد کارن والس کا تقرر کیا گیا۔ یہ شخص انگریزوں کو امریکہ کی جنگِ آزادی ہرا کر آیا تھا، اس کی تلافی میسور کی تیسری جنگ جیت کر کی۔ جنگ کا حال ماسبق اوراق (باب سوم) میں تحریر کیا جا چکا ہے، لیکن کارن والس کی نظام اور مرہٹوں سے سازش، جنگی پیش قدمی، خونریزی، دغا اور نئے مقبوضات کے اضافے پر برطانوی قوم نے نفرین اور مواخذے کی جگہ اسے تحسین کے خلعت اور "مارکوئیس" کے خطاب سے نوازا (۱۷۹۲ء) اور دنیا کو دکھا دیا کہ آٹھ سال پہلے جو اعلان چھاپا تھا، وہ خالی دکھاوے، بلکہ دھوکے کی بات تھی۔[1]

ویلزلی کے منصوبے اور فتوحات:

کمپنی کا نیا گورنر جنرل رچرڈ وے لزلی جو ۱۷۹۸ء میں ہندوستان بھیجا گیا، تجارت کی بجائے ملوکیت کا دلدادہ تھا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ فرانس کے انقلاب نے سارے یورپ میں ہلچل ڈالی، نپولین کی تیغ زنی، کشورکشائی کا غلغلہ بپا ہوا۔ برطانیہ میں بھی حبِ وطن کا ایسا جوش بھرا کہ معلوم ہوتا تھا ہر انگریز اپنی قوم کی سربلندی کے لیے سر کٹانے پر تیار ہے۔ وے لزلی کی عمر ہندوستان آنے کے وقت چالیس برس

---

[1] اوکس، ہسٹری ص ۵۵۲ بحوالہ البرٹ: "پٹس انڈیا ایکٹ" وغیرہ۔

[2] کارن والس نے جس طرح صلح کر کے دھوکے سے کورگ کی شرط بڑھائی، اس پر ونسنٹ اسمتھ جیسے متعصب ملوکیت پرستوں نے بھی نفرین کی ہے (اوکس ہسٹری ص ۵۶۰۔ نیز دیکھو حیدر سلطان حصہ ۱، گرانٹ ڈف ۳ باب سوم وغیرہ)، لیکن ان کی قومی حکومت نے جو طرزِ عمل اختیار کیا، اسے دیکھ کر یہ نفرین فضول بناوٹ معلوم ہوتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بھی کم تھی، جب کہ ہمت جواں، ارادے وسیع ہوتے ہیں۔ دو چھوٹے بھائی ساتھ آئے تھے۔ ایک کرنل آرتھر ویلزلی تھا جو آگے چل کر نپولین سے واٹرلو کی جنگ میں لڑا اور ڈیوک آف ولنگٹن کے نام سے آج تک انگریز قوم کا جنگی سورما ہے۔

ہندوستان میں اُن دنوں مرہٹوں کا جتھا، آخری مرتبہ اکٹھا ہو کر نظام پر چڑھا اور کھرڈا کی جنگ (۱۷۹۵ء) میں نمایاں فتح حاصل کی، مگر اس کے بعد ہی اپنے رئیسوں کے باہمی حسد اور بے جا ہوس کی بدولت کھیل کھیل ہو گیا۔ انگریزوں نے نظام سے دوبارہ گنتور اس اقرار پر لیا تھا کہ وقت پر امدادی فوج بھیجیں گے، لیکن جب وقت آیا تو عہد شکنی کی۔ بہرحال، پونا اور حیدر آباد کی حکومتیں گھر کے عوارض میں گھری ہوئی تھیں۔ انگریزوں کا اصلی اور خطرناک حریف ٹیپو تھا۔ اس کی کمزوریاں بھی معلوم ہو چکی تھیں۔ اگرچہ مدراس والوں نے اعلانِ ۱۷۸۴ء اور عہد نامۂ سرنگاپٹم کے حوالے دے کر جنگ کو ٹالنا چاہا تھا[1] مگر وے لزلی نے ایک نہ سُنی۔ تقدیر کی یاوری نے اس کے جنگی جوش کو اور شہ دی کہ انہی دنوں حیدر آباد کا فرانسیسی سپہ سالار ریموں مر گیا۔ نظام (نظام علی خاں) بیمار و بے کار ہو رہا تھا۔ غدار امیروں کی سازش سے انگریزوں کا قابو چل گیا۔ کار آمد دکنی فوج منتشر کر دی گئی، جو باقی رہ گئی وہ انگریزی لشکر کی بھیر بن کر میسور سے لڑنے چلی۔ اگرچہ دولتِ خداداد کی تباہی کے لیے خود سلطان کے نمک خواروں کی کمک ہی کیا کم کافی اور کارگر تھی؟

دیسی آزادی کا یہ زبردست گڑھ چند مہینے میں ٹوٹ گیا (۱۷۹۹ء) چھوٹی موٹی ریاستیں جیسے تنجور، سورت، ارکاٹ پہلے ہی انگریزوں کی چٹکی میں دب چکی تھیں۔ انہیں وے لزلی نے بے تکلف مسل ڈالا۔ دولت خداداد کے چند ضلعے حیدر آباد کے حصے میں آئے تھے۔ وہ بائیں ہاتھ سے واپس رکھوا لیے۔ سب سے بڑا اور سعادت مند حلیف، والی اودھ پر سب سے بری گزری کہ حُسنِ انتظام کی داد ملنے کی بجائے بدنظمی کے الزام پر تقریباً آدھا ملک سرکار کمپنی کے حوالے کرنا پڑا (۱۸۰۱ء)۔ ایسے جدید الحاق اور نئے مقبوضات

---

[1] حیدر ۔۔۔۔ سلطان، ص ۱۸۲۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے فیصلے کرتے وقت وے لزلی کہا کرتا تھا کہ ہم یہ کام انہی رئیسوں، ریاستوں کے فائدے کے لیے کر رہے ہیں اور یہ کارروائی "اعلان ۱۸۵۸ء" کی روح کے عین مطابق ہے! ممکن ہے وہ اپنی قومی پارلیمنٹ کے اندرونی منشا کو ظاہری بیانوں کی نسبت واقعی بہتر سمجھتا ہو ورنہ عام قیاس یہ تھا کہ اعلان مذکور کا تمسخر اڑاتا ہے، جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے پرانے عقیدے کا قائل اور علانیہ اسی پر کاربند ہے۔

لیکن ہوس کی بیماری میں آدمی جتنا کھاتا ہے، بھوک اسی قدر زیادہ ستاتی ہے۔ وے لزلی نے حیدرآباد کو "حلقۂ معاونت"[1] میں جکڑنے کے بعد پونا پر جال پھینکا جہاں نانا فرنویس کے فوت ہونے کے وقت (۱۸۰۰ء) سے ہلکر اور سندھیا میں حصولِ اقتدار کی زور آزمائی ہو رہی تھی۔ نام نہاد پیشوا (باجی راؤ ثانی) کو اپنے ہم قوموں پر اعتماد نہ تھا، انگریزوں کی محکومی منظور تھی۔ اسے بروئے معاہدہ (عہد نامہ بسین ۱۸۰۲ء) سایۂ حمایت میں لے کر ویلزلی نے وسیع پیمانے پر مرہٹہ رئیسوں سے جنگ کا اعلان کر دیا۔

اس دوسری "جنگ مرہٹہ" میں تین بڑے بڑے مرہٹہ راجا حریف مقابل تھے، لیکن ان میں باہم اتحاد نہ تھا۔ انگریزوں کو ایک ایک سے الگ لڑنے میں آسانی ہوئی، اگرچہ تقریباً تین سال کی جنگ و جدل (۱۸۰۳ء تا ۱۸۰۵ء) سے ہلکر و سندھیا پوری طرح مغلوب نہ ہوئے، بلکہ کمپنی کو لڑائی بند کرنی پڑی۔ ضدی ویلزلی کو عہدے سے ہٹا دینا پڑا، تاہم پونا اور ناگ پور میں ان کے قدم جم گئے۔ مرہٹوں کا اصلی ملک آزادی سے محروم ہو گیا۔ اسی لیے ہندوستان کی داستانِ زوال و محکومی میں یہ جنگ اور اس کے نتائج خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ واقعات بیان کرنے میں انگریز اہل قلم نے حسبِ معمول طرح طرح کی رنگ آمیزی اور افسانہ طرازی

---

[1] یہ بھی ویلزلی کی سیاسی ذہانت کا کارنامہ ہے کہ بروئے معاہدہ دیسی ریاستوں کو پابند کیا جاتا تھا کہ وہ انگریزوں سے مشورے کے بغیر صلح و جنگ نہ کریں، کسی دوسری فرنگی قوم کے آدمی کو نوکر نہ رکھیں اور ایک انگریزی فوج اپنے خرچ سے ریاست میں مقرر کریں۔ اسی امدادی فوج کے لاطینی نام (سب سی ڈیم) سے یہ معاہدہ "سب سڈی ایری الائینس" کہلاتا تھا حالانکہ اس کا منشا صریحاً انگریزوں کی سیادت قبول کرنا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے کام لیا ہے، لیکن یہ تسلیم کرنے میں تامل نہ ہونا چاہیے کہ انگریزوں کے ہندی سپاہی زیادہ تربیت یافتہ اور بہتر اسلحہ سے آراستہ تھے اور اپنے مستعد اور مستقل مزاج فرنگی سرداروں کے تحت میں بڑی جفاکشی، جانبازی سے جنگ کرتے تھے۔ زیر نظر محاربے میں ان کی باقاعدہ فوج کی تعداد بیس ہزار اور کمک وغیرہ ملا کر غالباً ایک لاکھ سے اوپر تھی۔ ممکن ہے حریف سپاہ کی مجموعی تعداد دگنی چوگنی ہو، جیساکہ انگریزی تاریخوں میں بار بار جتایا گیا ہے، لیکن یہ بیشتر غیر منظم، غیر تربیت یافتہ جنگ آزما تھے جو اپنے اپنے سرداروں کے ساتھ وقتی طور پر لڑنے آ جاتے اور معمولی رکاوٹ یا نقصان سے ان کی پیوستگی درہم برہم ہو جاتی تھی۔

سندھیا کی فوج میں کئی انگریز اور فرانسیسی سپہ سالار ملازم تھے۔ ویلزلی نے ایک اعلان شائع کرایا کہ یہ فرنگی، بلکہ ہندوستانی سردار اور سپاہی جو مرہٹوں کا ساتھ چھوڑ دیں گے کمپنی انہیں معقول معاوضہ دے گی، چنانچہ بہت سے فرنگی اجیر عین جنگ شروع ہونے کے وقت سندھیا سے جدا ہو گئے[1] اور اس کی فوج کے جدید نظام کو مختل کر دیا۔[2] اغیار کے سہارے کام کرنے کا یہ بھاری جرمانہ اسے ادا کرنا پڑا۔

جنگ کا پہلا معرکہ اورنگ آباد کے قریب، آسی گاؤں میں لڑا گیا (ستمبر ۱۸۰۳ء) نوجوان آرتھر ویلزلی سپہ سالار بنایا گیا تھا، اس نے اناڑی پن سے کام لیا، تاہم فتح اس کے نام لکھی گئی۔ انگریزوں نے کسی نہ کسی طرح سندھیا کو راضی کر لیا کہ جس طرح پونا چھوڑا تھا، ناگ پور کی امداد کرنے سے بھی دست کش ہو جائے۔[2] اکیلے بھونسلا کے حوصلے ایک ہی ٹکر میں پست ہو گئے (معرکہ ادگاؤں) پیشوا کی تقلید

---

[1] گرانٹ ڈف۔ ج ۲ ص ۲۴۴

[2] انگریزی تاریخوں نے یہ حالات ایسے پُراسرار پیرائے میں لکھے ہیں کہ اصل حقیقت کا پتا چلانا مشکل ہے۔ مثال کے طور پر ونسنٹ اسمتھ کا یہ قول ملاحظہ ہو کہ جنگ آسی کے بعد:

"Wellesley found it expedient to offer sindia A suspension of hostilities in the Deccan & proceeded to deal with the Bhusla Raja of Berar & Nagpur."

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں انگریزوں کی امامت پر ایمان لانا قبول کر لیا (عہد نامہ دیو گاؤں ۱۸۰۳ء)

اسی زمانے میں سندھیا کے لشکروں سے شمالی ہند میں لڑائی چھڑی۔ انگریزی افواج کا سر لشکر جنرل لیک تھا۔ اس نے پہلے دہلی کے قریب، پھر الور کے علاقے میں، دو میدان جیتے۔ مرہٹہ راجا کو نہ صرف جمنا پار کے (مشرقی) اضلاع، بلکہ آگرہ اور دہلی سے ہاتھ دھونے پڑے۔ ان شاہی آثارِ قدیمہ کے ساتھ خود شاہ عالم انگریزوں کو مالِ غنیمت میں ہاتھ آیا۔

فاتح جنرل نے لال قلعے میں جا کر سلامی اتاری، بڑے ادب سے نذر پیش کی۔ اندھے بادشاہ کو یہ سہارا بہت غنیمت ہوا۔ سارے ہندوستان کی دیوانی، کمپنی بہادر کے نام لکھ دی۔ اگرچہ اب اس پوری "سلطنت" کی قیمت اس کی چوتھائی بھی نہ رہی تھی جتنی تیس برس پہلے صرف صوبہ بنگال کی اٹھی تھی، تاہم سکہ، خطبہ، خطاب، القاب، ادب آداب سب قائم رہے۔ سال ہا سال تک انگریز اداکاروں نے بڑی خوبی سے یہ سانگ رچایا۔[1]

جنگ مرہٹہ کے آخری معرکے

سندھیا نے دب کر انگریزوں سے صلح کر لی تھی (عہد نامہ سُرجی ارجن گاؤں دسمبر ۱۸۰۳ء) لیکن ابھی اندور کے مرہٹہ راجا جسونت راؤ ہلکر کا کس بل نہیں گیا تھا۔ اسے اپنے مزاج اور فنِ حرب، دونوں میں

---

[1] دیوانی کی شرائط میں یہ دفعات بھی تھیں کہ [illegible] سرکاری زبان فارسی رہے گی۔ مسلمانوں کی عدالتیں حسبِ سابق اسلامی شریعت کے مطابق فیصلے کریں گی۔ لیکن انگریزی تاریخوں میں تو اس فرمانِ شاہی کی پوری نقل کیا ملتی، غالباً ۱۸۵۷ء کے بعد سرکاری محافظ خانے سے اصل بھی غائب ہو گئی۔ اس کے حوالے تھارنٹن، ہنٹر وغیرہ انگریزوں اور اہلِ ہند کی کتابوں میں مل سکتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عہدِ وسطیٰ کے ہندوستان کا سب سے اچھا اور آخری نمونہ سمجھنا چاہیے۔ توپ و تفنگ تو ضرور موجود تھے، مگر فرنگی طرزِ جنگ اور قواعد کا مذاق اڑاتا تھا۔ اپنے رقیب سندھیا کا انگریزوں سے پٹنا سُن کر بہت خوش ہُوا کہ یہ کوا ہنس کی چال چلا تھا، آخر ذلت اٹھائی۔

ویلزلی نے سندھیا سے فرصت پا کر اس کو بھی 'عہدِ معاونت' کے جال میں آجانے کی دعوت دی۔ ہلکر نے جواب میں وہ شرطیں پیش کیں کہ انگریزوں نے جو اقتدار حاصل کیا تھا، اسی کے لالے پڑ جاتے ویلزلی نے اعلانِ جنگ کیا۔ دوآب، دکن، گجرات تین طرف سے فشونِ قاہرہ کو بڑھنے کا حکم دیا کہ اس سرکش مرہٹے کو گھیر کر فنا کر ڈالیں (۱۸۰۴ء) جنگ میں ہلکر کا سب سے بڑا رفیق و مشیر امیر خاں روہیلا تھا۔[1] چنبل پار کی جاٹ ریاستیں بھی انگریزوں کے استیلا سے بچنے کے لیے شریکِ کار ہوگئی تھیں۔ اسی ندی کے جنوب میں پہلا معرکہ کوٹہ کے قریب مکن درہ مقام پر ہوا۔ انگریز سپہ سالار مون سن جس نے علی گڑھ کا قلعہ سر کرنے میں بڑی دلاوری دکھائی تھی، ان پہاڑی میدانوں کی ایک ہی لڑائی میں دل ہار گیا۔ چنبل پار بچ کر نکل جانا چاہتا تھا، مگر ہلکر اور امیر خاں کے تیز پا سوار برابر گردو منڈلاتے، چیل کوّوں کی طرح ٹھونگیں مارتے رہے۔ بیانہ پہنچتے پہنچتے ساری انگریزی فوج چھچھڑے ہوگئی۔ (اگست ۱۸۰۴ء)[2] کامیابی نے ہلکر کے حوصلے بڑھا دیے۔ ہندوستان بھر میں اُس کی بہادری کے چرچے ہونے لگے۔ اصلی وطن مہاراشٹر، بلکہ خود مالوے کے بعض اقطاع چھن گئے تھے، مگر ایسی قطع برید کی اُسے پروا نہ تھی۔ اس کا قول تھا کہ ہمارا ملک وہاں گھوڑے کی زین پر! یہ چلتا پھرتا ملک اب دوبارہ جمنا تک وسیع ہو رہا تھا۔ جاٹوں کی مدد شاملِ حال ہوگئی تھی۔ ایک بار اندوری دستے دہلی کے پھاٹک پر جا دھمکے تھے۔

---

[1] انگریزی تاریخوں میں از راہِ عناد اُسے پنڈاروں اور لٹیروں کا سرگروہ لکھا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ رُہیل کھنڈ (مراد آباد) کا سربرآوردہ سردار تھا جو بریلی، نجیب آباد کی بربادی کے بعد اپنا لشکر لے کر مالوے چلا آیا۔ جسونت راؤ اسے اپنا مربی اور اتالیق سمجھتا تھا۔

[2] گرانٹ ڈف۔ ج ۳ ص ۲۸۵ و مابعد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کمپنی کی مقامی فوج نے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا۔ قزّاقانہ جنگ میں محاصرے کی فرصت کہاں؟ ہلکر کے بے چین سپاہی جمنا اُتر کر دوآب میں پھیر گئے اور یہیں جنرل لیک کی اگلی چوکیوں سے ان کی ٹکر ہوئی۔ یہ انگریز سپہ سالار کہ آگے چل کر لارڈ کے خطاب سے نوازا گیا، جنگی فتوحات کے اعتبار سے برطانی سلطنتِ ہند کے بانیوں میں شمار ہوتا ہے۔ شمال کی بڑی سپاہ اسی کی قیادت میں تھی۔ برسات اُترتے ہی اس کے لشکر چڑھنے شروع ہوئے۔ مرہٹہ ٹکڑیوں کو ہٹ ہٹ کر جاٹوں کے قلعوں میں پناہ لینی پڑی، مگر انگریزوں کی قلعہ شکن توپوں نے مار مار کر نکال دیا۔ قلعہ ڈیگ کو ایک تیز و تُند تصادم کے بعد لیک نے فتح کر لیا (نومبر ۱۸۰۴ء) قلعہ بھرت پور توڑنے میں انگریزی توپیں ناکام رہیں، لیکن خود جاٹ راجا کو انگریزوں نے توڑ لیا۔ ہلکر، جاٹ حلیفوں سے مایوس ہو کر وسطی راجپوتانے میں ہٹ گیا۔ مالوے کے متعلق سندھیا سے ویلزلی کی پھر کچھ ان بن ہو رہی تھی، لیکن آخر میں اندوری جماعت نے فیصلہ کیا کہ انگریزوں کے وسیع وسائل سے مقابلہ کرنے کے لیے، سکھوں سے مدد حاصل کی جائے اور یا پھر افغانوں کو کابل سے بلوایا جائے۔ اسی ارادے سے یہ خانہ بدوش لشکر اجمیر سے الور ہوتا ہوا، پنجاب میں داخل ہوا۔ لیک بھی اسی لیکھ پہ پیچھے پیچھے چلا اور امید رکھتا تھا کہ اس "جنگلی مرہٹے" کو تھکا تھکا کر مار لے گا، مگر اتنے عرصے میں خود مالکانِ کمپنی تھک گئے۔ تجارت میں حصہ داروں کو دو سال سے نفع تقسیم نہیں ہُوا۔ نئے مقبوضات کی ساری آمدنی آتشِ جنگ کا ایندھن بن گئی۔ پہلا اندوختہ بھی اسی بھاڑ میں جھونک دینا پڑا۔ اِدھر اطلاع ملی کہ ہلکر نے چنبل سے جمنا پار تک آگ بھڑکا دی، انگریزی فتوحات کا سیلاب روک لیا، جگہ جگہ شکستیں دے رہا ہے۔ نظمائے کمپنی کو ویلزلی حقارت سے "پنیر فروش" کہا کرتا تھا، لیکن خود حکومتِ برطانیہ ان دنوں یورپ کے محاربات؛ نپولین کی پے در پے کامیابی سے پریشان تھی۔ اسی نے ویلزلی کو معزول کیا اور دوبارہ کارن والس کو صدر والی بنا کر ہندوستان بھیج دیا۔ اسے تاکید کر دی گئی تھی کہ فوراً، جن شرطوں پہ ممکن ہو لڑائی ختم کر دی جائے (۱۸۰۵ء) وہ بہت بوڑھا ہو چکا تھا۔ ہندوستان آنے کے وقت ہی بیمار تھا اور چند ہی ہفتے میں (بمقام غازی پور) فوت ہو گیا (اکتوبر ۱۸۰۵ء) لیکن ونسنٹ اسمتھ کے بقول "جب تک ہاتھ میں قلم پکڑنے کا دم باقی تھا، وہ برابر اپنے پیش

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا کیا دھرا برابر کر دینے میں مصروف رہا....." (اوکس ہس صفحہ ۹)

صلح اور اس کے نتائج :

کارن والس کے بعد اس کے جانشین بارلو نے حسبِ ہدایت صلح کی تکمیل کی۔ گوالیار اور گوہد سندھیا کو واپس دیے۔ چنبل کے جنوب میں ہلکر کی ریاست اس قول قرار پہ واگزاشت کی گئی کہ کمپنی اس کے معاملات میں کوئی دخل نہ دے گی، مگر وہ جمنا پار قدم نہ بڑھائے گا اور بندھیل کھنڈ کی ریاستوں سے سروکار نہ رکھے گا۔ ہلکر نے یہ شرطیں خوشی سے قبول کیں۔ مونچھوں پہ تاؤ دیتا ہوا اندور آ گیا۔[1]

اس طرح یہ دوسری مرہٹہ جنگ تیسرے سال میں ختم ہوئی۔ ظاہر میں تو سندھیا اور ہلکر کی ریاستیں بنی رہیں۔ ویلزلی کے منصوبے کی آخر میں ناکامی اور عہدے سے برطرفی، انگریزوں کی بدمزگی کا باعث ہوئی، لیکن حقیقت میں دیکھیے تو وہ ایک مختصر مدت میں بہت بڑا کام کر گیا۔ وارن ہسٹنگز نے جس نقشے پر دیواریں اٹھائی تھیں ویلزلی نے وہاں ایک بڑی عمارت تعمیر کر دی۔ ممالکِ دکن پوری طرح کمپنی کے زیرِ اثر آ گئے۔ اندور و گوالیار کے تین طرف انگریزوں کا آنکڑا پڑ گیا۔ راجپوتانہ، پنجاب، مغربی پاکستان ان کے حلقے سے باہر تھے لیکن تفریق و انتشار کے مرض میں گرفتار تھے۔ انگریزوں کو ان سے کوئی خطرہ

---

[1] گرانٹ ڈف ج ۲ صفحہ ۳۰۹۔ اسمتھ، مارش مین وغیرہ بعض انگریز اس صلح نامے سے سخت ناراض ہیں کہ شرائط میں راجپوتانے کی ریاستوں کا ذکر نہ تھا اور یہ مرہٹوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دی گئی تھیں۔ اسی پر لیک نے بگڑ کر استعفا دیا اور انگریزوں کی ملک میں بہت رسوائی ہوئی۔ بارلو کو "دی طینیسٹ (یعنی سب سے گھٹیا) گورنر جنرل" کے لقب سے بھی یاد کیا ہے لیکن اس کی خاص کارگزاری یہ تھی کہ دو ہی سال میں کمپنی کا خالی خزانہ معمور، حصہ داروں کو سالانہ نفع کی طرف سے بالکل مطمئن کر دیا!

(رکین۔ ج ۱ صفحہ ۲۴۶)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ تھا نہ آیندہ پیدا ہوا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ شاہ جہاں آباد دہلی جس کی عظمت اہل ہند کے دل و دماغ میں مسطور تھی، کمپنی کے مال خانے میں درج ہوا۔ اکبر دعالم گیر کا وارث انگریز ریذیڈنٹ کے ہاتھ میں گڈا بن گیا کہ جس کل چاہے اٹھائے بٹھائے ـــ خلاصہ یہ کہ ویلزلی مئی ۱۷۹۸ء میں ہندوستان آیا تو اس اکھاڑے میں کئی برابر کے پہلوان زور آزمائیاں کر رہے تھے۔ سات سال بعد وسط ۱۸۰۵ء میں واپس جانے لگا تو سب پچھڑ چکے یا ہانپنے لگے تھے۔ کمپنی بہادر کی ٹکر کا حریف اب کوئی نظر نہ آتا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ہفتم

تاجری تاجوری بن جاتی ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاجری تاجوری بن جاتی ہے

آیندہ پچاس ساٹھ سال میں انگریزوں کی قوت برابر بڑھتی اور اقبال و اقتدار کی موج اونچی سے اونچی چڑھتی رہی۔ ممالکِ ہند کی ریاستیں اور حکومتیں روز بروز کمزور ہوتی، اپنی سیاسی آزادی کھوتی چلی گئیں۔ فرنگیوں کے اس عام عروج اور مشرقیوں کے مجموعی زوال میں بہت سے گہرے اسباب کا دخل تھا۔ مسیحی سن کی دوسری ہزاری میں یورپ میں چند نئی قوموں کی تقویم ہوئی۔ اسی ہزارہ کے وسط میں، اور زیادہ تر اسلامی قوموں کی ریس اور اسلامی تہذیب و تعلیم کے تاثر سے علم و فن کا شوق بیدار ہوا۔ ملک و موسم کی نامساعدت اور تمدنی ضروریات کی کمی بھی ان قوموں کے حق میں مہمیز کا کام کرتی تھی۔ سخت محنت مشقت نے بالآخر دنیا کی گھڑ دوڑ میں زرخیز مشرق کے سہولت پسند باشندوں سے یورپ والوں کو آگے بڑھا دیا۔ قدرت نے عرق ریزی اور جاں کاری کا یہ ثمر دیا کہ نئی نئی قوتوں کے بھید بتلائے۔ چھپی ہوئی زمینوں کے راستے دکھائے۔ بھاپ کے زبردست موکل کو تابع بنایا جس کی کارگزاری سے کان کنی اور مشین سازی کے ایسے بڑے بڑے کارخانے فرانس و انگلستان، جرمانیہ (جرمنی) اور ولندیزیہ میں تیار ہوئے جن کا پہلے کسی نے تصور بھی نہ کیا ہوگا۔ اٹھارویں انیسویں صدی عیسوی (تیرہویں صدی ہجری) میں ان آلاتِ جرِ ثقیل اور ان کی مصنوعات کی رفتار اتنی تیز ہوگئی کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس عہد کو "مشین کا دور" کہتے ہیں۔ علم کی تشنگی کو گویا خدا کی طرف سے بجھانے کی ایک سبیل یہ نکلی کہ آہنی حروف کی ایجاد اور چھاپے کا فن وجود میں آیا۔ اس نے اعلیٰ تعلیم کی عام اشاعت کو بہت ہی سہل دارزاں کر دیا۔

علم و فن کی ان ترقیوں کا آلات و ادواتِ جنگ پر لامحالہ اثر پڑا۔ سچ پوچھیے تو حضرتِ انسان کی سعی و تلاش کا ایک قوی محرک ہی یہ جذبہ ہے کہ لڑائی کے زیادہ سے زیادہ کارگر، طاقتور ہتھیار تیار کیے جائیں۔ یورپ والوں نے معدنی کوئلے اور لوہے، تانبے وغیرہ دھاتوں کے وہ خزانے جو لاکھوں سال سے بطنِ گیتی میں مدفون تھے، کھود نکالے۔ اعلیٰ درجے کا فولاد اور اس سے بہترین توپ و تفنگ ڈھالنے لگے۔

ایک اور بڑا سبب جس نے فرنگیوں کا حوصلہ اور غلبہ بڑھایا، جہازرانی اور بحر نوردی میں ان کا فروغ تھا کہ بحرِ ظلمات سے لے کر بحر الکاہل تک اور قطبِ شمالی سے قطبِ جنوبی تک ان کے دریائی گھوڑے دوڑنے لگے۔ قسم قسم کے دخانی سفائن و اساطیل کی آمد رفت نے خوفناک سمندروں کو بڑی شاہراہوں کی طرح قدموں سے لگا دیا۔

نہر سویز کی تیاری زیرِ نظر عہد سے کچھ بعد (۱۸۶۹ء) کی بات ہے، تاہم ایسے دخانی جہاز انہی دنوں بننے شروع ہو گئے تھے جو یورپ کی بندرگاہوں سے افریقہ کا چکر لگا کر کوئی ڈیڑھ مہینے میں مشرق و وسطِ ایشیا کے سواحل تک آ جاتے تھے۔ وہ قومیں جنہوں نے انیسویں صدی کی بحری سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اور بڑے بڑے ایشیائی ممالک و جزائر کی مالک بن گئیں، ولندیزی، انگریز اور فرانسیسی تھے۔

بری سمت سے فرنگی روس ایک بہت بڑے بیلن کی طرح شمال و وسطِ ایشیا میں لڑھکتا ہوا مقامی ملوک و اقوام کی آزادیاں پیستا ہوا چلا آتا تھا۔ فرنگیوں کی اسی روز افزوں آمد اور ہر سمت سے یورش و استیلا کو دیکھ کر مسلمان وہم کرنے لگے تھے کہ شاید یہی وہ یاجوج ماجوج قومیں ہیں جن کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خروج اور فتنہ انگریزی کی آسمانی کتابوں میں خبر دی گئی ہے[1]۔

ان جدید فرنگی سلطنتوں میں دولتِ برطانیہ کا درجہ سب سے بلند تھا اور یہی انیسویں صدی عیسوی اس کے عروج و اقتدار کا عہدِ شباب ثابت ہوئی جس میں کرۂ ارض کے وسیع و درخشاں ترین قطعات اس نیم تاریک جزیرے کے توابع بن گئے۔ ان میں ہندوستان اور اوس ترے لیہ بجائے خود برِ اعظم کی شان رکھتے تھے۔ جزیرہ سراندیپ (لنکا) کے سواحل سے پہلے ہی انگریزوں نے ولندیزیوں کو کان پکڑ کر نکال دیا تھا (۱۷۹۵ء)۔ کئی سال تک کمپنی کے مدراسی عمال یہاں کے بندروں کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ پھر اسے علیحدہ شاہی مقبوضہ قرار دیا گیا (۱۷۹۸ء)۔ اور وہاں کے راجا کو جس کا خاندان دو ہزار سال سے حکمرانی کرتا چلا آتا تھا، اس طرح جڑ پیڑ سے اکھاڑا کہ وطن میں بسیرا لینے کی بھی اجازت نہ دی[2]۔ اسی کے قریبی سنین میں سنگاپور کو پہلے اس کے مالکوں سے خریدا تھا (۱۸۱۹ء) کہ رفتہ رفتہ برطانی بیڑے کا بڑا مستقر بن گیا، لیکن مالدار ملایا کی اسلامی ریاستوں کی آزادی کوئی پچپن برس بعد پامالی میں آئی (۱۸۷۴ء)

---

[1] قلعۂ سورت کے قطعۂ تاریخ میں (فرنگی) پرتگیزوں کو "یاجوج" کہا گیا ہے جسے اس تاریخ کی پہلی جلد اول میں ہم نقل کر چکے ہیں۔ بعد کے صوفیہ اور مصنفین کی کتابوں میں بھی یہ اشارہ آیا ہے ــــ تورات (کتابِ تکوین) کے "گوگ" "میگوگ" کو اس کے فرنگی شارح جنوبی روس کی قوم تشخیص کرتے ہیں اور قرآنِ مجید کی بعض تفسیروں سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

[2] یہ ۱۸۱۵ء کا واقعہ ہے۔ انگریزی تاریخوں میں لکھا ہے کہ راجا بہت ہی ظالم و جابر تھا اور خود راس کے اُمرا کی درخواست پر انگریزوں نے اسے لڑکر گرفتار اور ملک بدر کیا ــــ ملک کو اپنی جیب میں داخل کر لیا!

(انسائیکلو برٹانیکا۔ ۵ ص ۸۶۳ بحوالہ "لنکا" مؤلفہ سرائے مرسن ٹے نٹ وغیرہ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان کے ہمسایہ ممالک سے لڑائیاں :

اس بڑھتی ہوئی قوت اور جدید آلاتِ حرب و ضرب کے سامنے ہندوستان کی بکھری ہوئی قدامت پسند ریاستیں زیادہ دن نہ ٹھیر سکتی تھیں۔ وہ تو لڑنی پہلے ہی ان کی ہڈیاں پسلیاں ہلا گیا تھا۔ بنگالے کی عظیم ریاست، اودھ کی آدھی مملکت، میسور کی جاندار سلطنت، ملکِ ارکاٹ سمیت، کمپنی کا لقمہ بن چکی تھیں۔ نیم جان اودھ اور ضعیف حیدر آباد انگریزی سیادت کے ٹاپے میں آ گئے تھے کہ صاحبانِ انگریز جب چاہیں ان کی گردن مروڑ دیں۔ موجودہ پاکستان کے مغربی سرے پر میرانِ سندھ ابھی تک آزاد اور انگریزوں سے چوکنے اور بدگمان تھے، مگر برطانی فوج و فر کے مقابلے میں ان میں طاقت نہ تھی۔ کمپنی بہادر ان ریگستانوں کو کیا خاطر میں لاتی جب کہ اس کی ہمت بلند اور طبع دشوار پسند افغانستان کے پہاڑوں پر چڑھائی کرنے سے نہ چوکی۔[1]

ان اسلامی ممالک سے انگریزوں کی جنگ و جدال کا حال ہم اگلی فصل میں یک جائی پیش کریں گے۔ بر دست زمانی ترتیب کے ساتھ غیر مسلم ریاستوں سے ان کی لڑائیوں اور سلح شوریوں کی مجمل کیفیت دُہرانی ضرور ہے کہ انہی کے حسبِ مراد نتیجے میں ایک عظیم الشان برطانوی سلطنتِ ہند کی کارگاہ تیار ہوئی۔

---

[1] یہاں یہ واقعہ یادداشت کے حاشیے میں ٹانکنے کے قابل ہے کہ ۱۸۲۷ء میں برطانیہ، فرانس، روس نے مل کر دولتِ عثمانیہ پر سمت ضرب لگائی۔ دوست بن کر ہلالی بیڑے میں جنگی جہاز لائے اور یکایک حملہ کر کے تقریباً سارا ترکی بیڑا غرق کر دیا (معرکۂ نوآرینو۔ اکتوبر ۱۸۲۷ء)۔ نتیجے میں ملکِ یونان آزاد ہوا۔ دولِ یورپ کا سلطنتِ ترکی کے گرد گھیرا مضبوط ہو گیا۔ انگریزوں کی بحری قوت کا کوئی مسلمان حریف باقی نہ رہا۔ ترکوں کی کمزوری دیکھ کر فرنگی نصاریٰ ہر جگہ مسلمانوں پر شیر ہونے لگے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس میں ایک نیا تمدن ڈھلنا شروع ہوا۔

جنگِ نیپال :

وے لزلی کے ہندوستان سے جانے اور چند سال ستانے کے بعد کمپنی نے پہلی پالی نیپال سے لڑی جس کی سرحدیں شمالی اودھ تک پھیلی تھیں۔ کالی ندی کے پار ترائی، گڑھوال، کماؤں، الموڑہ اور موجودہ ڈیرہ دون پر وہیں کے راجا ملکیت رکھتے تھے، حالانکہ یہاں گورکھوں کی بجائے دوسری پہاڑی قومیں آباد تھیں۔ وے لزلی نے اودھ کے شمالی اضلاع چھین کر کمپنی کی بساط جمائی تو نخواہی نخواہی نیپال سے آمنا سامنا ہوا۔

ضلع گورکھپور کی حدیں متعین نہ تھیں۔ انگریز جنگل پہاڑ تک تھیانا چاہتے تھے۔ نیپال کے عمال کو جبراً روکنا پڑا۔ انگریزوں نے دوستانہ مراسلت کے دفتر کھولے۔ صلح کے نامہ و پیام سے تسلی تشفی دی۔ اندر خانہ ایک زبردست لشکر تیار کیا جس کی زمام قیادت خود والی ہسٹنگ کے ہاتھ میں تھی[1]۔ باقاعدہ فوج کے چار جیش توپ و تفنگ سے مسلح، چار انگریز جرنیلوں کے تحت ہیں نیپال پر حملہ

---

[1] پورا نام فرانسس رَوڈن ہسٹنگز تھا۔ آئرستان میں موروثی جاگیردار اور "ارل آف موئرا" کا خطاب رکھتا تھا۔ جوانی میں شہزادہ ولی عہد کی مصاحبت کرتا رہا۔ یہ شہزادہ جو آگے چل کر شاہ جورج چہارم بنا۔ اوباشی میں ضرب المثل تھا اور اس کی چند روزہ صاحبت لوگوں کو ہمیشہ کے لیے بدنام کر دیا کرتی تھی۔ ہسٹنگز فوج میں بھرتی ہو کر امریکہ چلا گیا۔ وہاں بھی انگریزوں کو ناکامی ہوئی۔ واپس آکر وہ بہت پریشان حال رہا اور نواب اودھ کے ایک ذیل سے مالی امداد حاصل کی جس کا تیسرے

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیے گئے (نومبر ۱۸۱۴ئ)

یہ ملک مدت سے گورکھا سرداروں کے ہاتھ میں تھا، جو اپنا شجرہ کبھی راجپوتوں سے کبھی جنوبی ہند کی نسلوں سے ملاتے ہیں۔ بیشتر آبادی کی منگولی تبتی اصل ان کی صورت سے ظاہر ہے۔ قدیم باشندے عموماً زراعت پیشہ، امن پسند، بزدل تھے، مگر گورکھے، تعداد میں کم اور غیر منظم ہونے کے باوجود جم کے لڑے۔ پہلا سخت معرکہ ڈیرہ دون کے قریب کالنگا کی گڑھی پر ہوا اور مٹھی بھر گورکھوں نے انگریزی فوج کو شکست دی۔ جنرل گلیسپی مارا گیا۔ ہندوستان بھر میں لڑائی کا چرچا پھیلا، کمپنی بہادر کی بڑی بے توقیری ہوئی[1] اور وہ جنگ جسے چند ہفتے میں ختم کرنے کا یقین تھا، ڈیڑھ سال تک طول کھینچ گئی۔ کالنگا کو گھیر کر پانی بند کر دیا گیا تھا، لہٰذا محصورین وہاں نہ ٹک سکے، لیکن پھر بھی لڑ بھڑ کر سلامت نکل گئے، حالانکہ ان کی تعداد سو بھی نہیں تھی۔

فوجی مبصر کیپن لکھتا ہے (تاریخ ہند۔ ۲ ص ۱۴۱) کہ اس افسوسناک ناکامی سے مغربی جیش کی پیشقدمی میں تاخیر کے علاوہ مشرقی افواج میں سخت بددلی واقع ہوئی۔ جو فوج سپہ سالار مارلے کے ماتحت نیپال کے دارالحکومت کھٹمنڈو پر چڑھائی گئی، اس کے انگریز سردار ایسے نااہل تھے کہ سو میل کا فاصلہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

باب میں ذکر آچکا ہے۔ بارے جورج کی بادشاہی میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنا گورنر جنرل بنانا قبول کیا اور ہندوستان میں نو سال سے زیادہ (۱۸۱۳ تا ۱۸۲۳ء) اس نے یہ خدمت انجام دی۔ تلفظ کی سہولت اور وارن ہسٹنگز سے امتیاز کی خاطر اس کے نام سے آخری ز حذف کر دیتے ہیں۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] انگریزی تاریخوں میں اسے بڑی ذلت آمیز ناکامی بتایا گیا ہے۔ ہمارا خاص ماخذ میجر کیپن کی تاریخ ہند (ج ۲ باب اول) ہے۔ نیز دیکھو اوکس ہس ۲۴۴-۲۴۶ تھارن ٹن (سنین متعلقہ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی طے نہ کر سکے۔ مارلے راستے ہی میں رُک گیا اور حیلہ یہ کیا کہ مزید توپیں آنے کا انتظار ہے۔ گورکھوں نے چھاپے مار کر انگریزی فوج کے کئی دستے کاٹ دیے ۔۔۔ تازہ کمک آنے پر مارلے کی سپاہ کی تعداد تیرہ ہزار ہو گئی، جو دشمن سے قریب قریب دہ گنی تھی۔ پھر بھی مارلے نے قدم آگے نہ بڑھایا اور کمال بزدلی سے فروری ۱۸۱۵ء میں رات کے وقت تنہا گھوڑے پر چڑھ کر اپنی چھاؤنی داناپور کی طرف بھاگ آیا۔

اس کے جانشین جنرل ووڈ نے بھی کچھ زیادہ ہمت و مستعدی نہ دکھائی۔ اُس کے مشرقی جیش کو کئی زکیں اٹھانی پڑیں اور وہ بھی ہٹ کر گورکھپور چلا آیا۔ ان خبروں سے ہندوستان میں ہر طرف انگریزوں کے خلاف شورش و فساد کے آثار اُبھرنے لگے۔ بہت سے اہل الرائے مایوسانہ مشورہ دینے لگے کہ جنگ موقوف کر دی جائے۔

جب فوج کی بہادری اور نئے اسلحہ سے کام نہ چلا تو سازش کے تیر چلے، غداروں کی کمک فراہم کی گئی۔ کماؤں کے پہاڑی زمیندار گورکھا حکام سے توڑ لیے گئے۔ الموڑے کے قلعہ دار نے اطاعت قبول کر لی اور اس وسطی مرکز کے نکل جانے سے دشمن کا دفاعی خط دو ٹکڑے ہو گیا۔ اپنے مغربی اضلاع کی گورکھے حفاظت نہ کر سکے۔ کالی ندی کے جنوب کا علاقہ انگریزوں کے حوالے کرنا پڑا۔ انہیں اس سے بھی زیادہ صلح کی یہ شرط ناگوار تھی کہ ایک انگریز قائم مقام کھٹمنڈو میں متعین رہے گا۔ عہد نامہ سگولی مارچ ۱۸۱۶ء (م ۱۲۳۱ھ) انگریزوں نے وعدہ کیا کہ نیپال کے اندرونی معاملات میں دخل نہ دیں گے اور اس کی خود مختاری کا احترام کریں گے۔

پنڈارے۔ مرہٹوں سے آخری جنگ

جنگِ نیپال سے فرصت پانے کے بعد ہسٹنگ ہندوستان میں امن و انتظام اور انگریزی سیادت کے کامل قیام پر متوجہ ہوا۔ اندرونی امن میں زیادہ خلل پنڈاروں نے ڈالا تھا اور ہلکر و سندھیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی فوجیں راجپوتانے کی ریاستوں پر آئے دن یورش کرتی اور اپنے جنگی ارمان نکالتی رہتی تھیں۔ یہ اب برائے نام "مرہٹہ" رہ گئی تھیں ورنہ ان میں زیادہ تر شمالی ہند کے سپاہی پیشہ مسلمان شامل تھے مسلمانوں میں بھی بڑی تعداد رُہیلوں کی تھی۔ اسی لیے انگریزی تاریخوں میں ان سب کو "پٹھان" لکھ دیا ہے۔

"پنڈاروں" کی اصطلاح کسی خاص قوم یا گروہ سے مخصوص نہ تھی، بلکہ اس میں ہندو مسلمان اور سبھی علاقے کے لوگ شریک تھے جو اصل میں مرہٹوں کی بے قاعدہ فوج میں، یا رفاقت میں لوٹ مار کی مشق کرتے رہے تھے۔ جب مرہٹہ سرگروہوں نے مستقل ریاستیں بنائیں اور غارت گری کا ہاتھ مُضمحل ہوا تو پنڈاروں کے بہت سے سرگروہوں کو بھی جاگیریں، زمینداریاں مل گئیں اور وہ ان میں آباد ہو گئے۔ پھر بھی ہزاروں "بیروزگار" رہ گئے اور قزّاقی کو معاش بنا لیا۔ مالوے کے گھنے جنگل اور پہاڑ ان کے قلعے تھے۔ اور یہاں سے اُن کی ٹولیاں نکل کر دور دور تک چھاپے مارتی تھیں۔ ان کی تعداد سَو دو سَو سے لے کر ہزاروں تک پہنچ جاتی تھی اور بعض اوقات وہ پرگنے کے پرگنے تاراج کر ڈالتے تھے۔ واصل، کریم اور چیتوان کے مشہور سرگروہ گزرے ہیں۔ ایک امباجی مرہٹے کا بھی بار بار نام آتا ہے جس نے کئی سال تک اودے پور (میواڑ) پر پیہم تاختیں کیں اور ایک انگریز تاریخ نگار (میل کوم) کے تخمینے کے مطابق مجموعی طور پر کوئی دو کروڑ اشرفیاں لوٹ کر لے گیا (تاریخ وسط ہند۔ باب دہم)

امباجی اور چیتوا اپنے آپ کو سندھیا راجا کا "جرنیل" بتاتے تھے اور کچھ شک نہیں کہ پنڈاروں کو وسطِ ہند کی ریاستوں سے کچھ نہ کچھ مدد ملتی رہتی تھی۔ اسی خیال سے ہسٹنگ نے پنڈاروں کے استیصال کے لیے اتنی بڑی فوج مرتب کی کہ اس وقت تک انگریزوں نے ہندوستان کے میدانوں میں کبھی نہ اُتاری تھی۔ اس میں تیرہ ہزار گورہ سپاہی اور تین سو توپیں تھیں۔ کل تعداد ایک لاکھ بیس ہزار جوان بتائی گئی ہے۔[1]

---

[1] اوکس ہسٹری ۶۲۸۔ پوری سپاہ کو دو حصّوں میں تقسیم کیا تھا۔ ایک سر جون میل کوم کے تحت میں تھی جس نے وسطِ ہند پر ایک مفصّل تاریخ اپنی "فتوحات" سے زیادہ پائیدار یادگار چھوڑی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان تیاریوں نے وسطی اور مغربی ہند کی چھوٹی بڑی ریاستوں کو خوفزدہ کر دیا. مل کر مقابلہ کرنے کی قابلیت نہ تھی. کمپنی کے مطالبے پر ایک ایک نے اس کی سیادت قبول کر لی. انہی میں بھوپال کی مسلمان ریاست اور میواڑ کا مہارانا بھی شامل تھے جس کے بزرگوں نے مدتوں تک آزادی کے لیے مسلمان بادشاہوں سے جنگ آزمائی کی اور ہزاروں کی تعداد میں کٹ کٹ کے مرے تھے. ان جانبازوں کی شجاعت کے قصے آج تک سنائے جاتے، اور گیت گائے جاتے ہیں، مگر انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ داستان کا تکملہ اخلاف کی ناخلفی اور نامردی کے اعتراف سے کیا جائے۔

ان متفرق ریاستوں کے معاہداتِ "معاونت" کی ہتکڑیاں لگانے کے بعد مرہٹوں سے نامہ و پیام شروع ہوئے۔ پونا کی پیشوائی ریاست، بلکہ اس اعزازی لقب ہی کا خاتمہ کر دیا گیا (۱۸۱۸ء) یہ اودھ کو آدھا کاٹ دینے سے بھی زیادہ ظالمانہ بدعہدی تھی۔ انگریزوں کی جھوٹی تاویلیں زخموں پر نمک چھڑکتی تھیں، مگر باجی راؤ (پیشوا) کی ناراضی سن کر خود اُسی کی تنخواہ دار فوج کو حکم دیا گیا کہ اپنے ولی نعمت کو گرفتار کر لے۔ یہ اسی قسم کی فوج تھی جیسی عہدِ معاونت کے مطابق انگریز سرداروں کے تحت میں ریاست کی حفظ و بقا کے لیے ویلزلی نے تیار کرائی تھیں!

معزول پیشوا کی باقی عمر کان پور کے قریب نظر بندی میں گزری، وظیفہ بحال رہا مگر وطن کی صورت دیکھنی نصیب نہ ہوئی. سندھیا، ہلکر اور امیر خاں انگریزوں سے مراسلت میں اُلجھے رہے اور پنڈاروں کی مدد نہ کر سکے. ان قزاق گروہوں کو انگریزی لشکروں نے گھیر گھیر کر شکار کیا. کریم نے ضلع بستی میں ایک جاگیر کے عوض اطاعت قبول کر لی. واصل خودکشی کر کے مرگیا. چیتو کو اسیر گڑھ کے جنگل میں شیر نے پھاڑ کھایا۔

اسی سلسلے میں پونا، ناگ پور، اندور کی مرہٹہ ریاستوں سے جو لڑائیاں ہوئیں، ان میں مرہٹہ حریفوں نے کوئی استقامت نہ دکھائی. انگریزوں کی جدید فوجی تنظیم ہر جگہ در پڑی. ۱۸۱۸ء م ۱۲۳۳ھ کے آخر تک پنڈاروں کی آفت سے وسطِ ہند کا پنڈ چھوٹ گیا. دورِ لانظمی کی مرہٹہ طاقتیں فنا ہو گئیں یا برطانی تسلط و انتظام کے قابو میں آگئیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پونا کی ساری ریاست چھین کر صرف ضلع ستارا میں ایک مرہٹہ ریاست بحال کی گئی۔ سیوا جی کی اولاد کو اس کا وارث بنایا تھا، اسے بھی چند سال بعد ڈلہوزی نے ضبط کر لیا (۱۸۴۸ء) بھونسلا راجا کی ریاست تہائی رہ گئی۔ ہلکر کے کئی ضلعے چھین گئے اور نابالغ وارث کی اتالیقی، انگریز قائم مقام کے تفویض ہوئی۔ سندھیا سے کسی بڑی جنگ کی نوبت نہیں آئی، مگر اتنا مرعوب کر لیا گیا کہ پھر انگریزوں کے سامنے سر اٹھانے کی ہمت نہ رہی۔ چند سال بعد راجا فوت ہوا تو جنگی زرد خورد کر کے نابالغ متبنّیٰ کو یہاں بھی ریذیڈنٹ کی گود میں دے دیا گیا (۱۸۴۳ء)

راجپوتانہ، مالوہ، گجرات کی اور بہت سی ریاستیں اگرچہ بحال رہیں، لیکن انگریزوں کی باجگزار بنالی گئیں۔ اس طرح ہیسٹنگ نے ویلزلی کے منصوبۂ سیادت کی تکمیل کر دی۔ مغربی پاکستان (= پنجاب و سندھ) کے سوا، موجودہ بھارت (اور بنگال) کے جملہ ممالک کمپنی بہادر کے مطیع و فرمانبردار ہو گئے۔

تازہ محاربات و معبوصات (۱) برما:

ان فتوحات کو چند ہی سال گزرے تھے کہ ہندوستان کی ہمسایہ سلطنت برما سے جنگ چھڑ گئی یہاں کے لوگ بدھ مت کے پیرو، بیشتر چینی نسل سے مخلوط ہیں۔ قدیم سے ان کے سنہری مندر (= پگوڈا) برما کی زردوستی، زرداری کے معلن رہے ہیں کہ یونانی اور لاطینی کتابوں میں اس کا نام ہی "سونا پرانت" کریس ری جیو' یعنی ملک زرنگار، لکھا جاتا تھا۔ شمال مشرق اور جنوبی ساحل تک عمل داری پھیلنے کے علاوہ اُن دنوں صوبہ آسام برما میں بندھا ہوا تھا۔ برمی سپاہی کبھی کبھی جنگلوں کی حدیں چیر کر مشرقی بنگال پر بھی ہاتھ مار جاتے تھے۔ راجا کے دربار میں انگریز تاجروں کی کچھ وقعت نہ تھی۔ اکثر انگریزی تاریخوں میں ان کی بے توقیری کے قصے ملتے ہیں۔

جب سرحدی شکایات اور باضابطہ مراسلات پر توجہ نہ ہوئی تو کمپنی نے برما پر بری اور بحری فوج کشی کی (۱۸۲۴ء م ۱۲۳۹ھ) اور جگہ جگہ اتنے گولے برسائے کہ بدھی سپاہیوں کے ہوش اُڑا دیے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دو سال کی کش مکش اور صلح ہیں ہچر مچر کے بعد راجا نے ارکان و آسام (جنوبی ساحل (تناسرم) اور ایک کروڑ روپیہ تاوان جنگ دینا قبول کیا (عہد نامہ ینڈ بو ۱۸۲۶ء م ۱۲۴۱ھ) مگر حقارت کی بجائے دلی نفرت کی آگ سلگتی رہی۔ انگریزی سفیر و سوداگر بالاتفاق بیان کرتے تھے کہ اہل برما کے ذلت آمیز سلوک میں کچھ فرق نہیں آیا۔ یہاں تک کہ دوسری جنگ کی نوبت آ گئی (۱۸۵۲ء م ۱۲۶۸ھ)

راجا اتنی مزاحمت بھی نہ کر سکا جتنی پچیس برس پیشتر اس کے پیشرو کر چکے تھے جنوبی برما پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس پر بھی، کہتے ہیں کہ یہ مغرور حاکم دوستی کرنے، یعنی فرنگیوں کے آگے سر جھکانے پر تیار نہ ہوئے۔ چونتیس ۳۴ برس بعد برطانی ملوکیت کا تیسرا سیلاب آیا اور برما کی رہی سہی آزادی کو بہا لے گیا (۱۸۸۶ء) راجا نے ہتھیار ڈال دیے صلح کر لی تھی مگر اسے جلا وطن کر دیا گیا۔

(۲) پنجاب :

شمالی ہند کے دوسرے سرے پر عہد لانظمی کی ایک یادگار پنجاب کی سکھا شاہی تھی جس کے قائم ہونے کی کیفیت چوتھے باب میں ہم لکھ چکے ہیں۔ رنجیت سنگھ کو حکومت جمانے کا بہت اچھا موقع ملا۔ اس کی پشت کو ایک مذہبی گروہ بندی سہارا دیتی تھی، لیکن جس طرح سکھ قومیت مختلف عناصر سے معجون مرکب بنی تھی ایسے ہی سکھ سرداروں کے افکار و اعمال سے بے ربطی اور پریشانی برستی ہے۔ رنجیت سنگھ (وفات: ۱۸۳۹ء) کا جانشین بیٹا کھڑک سنگھ مخبوط الحواس بتایا گیا ہے۔ وہ اور اس کا فرزند نونہال سنگھ ایک ہی سال میں ہلاک ہوئے۔ شیر سنگھ (اپنے بیٹے سمیت) ایک خونی سردار کا شکار ہوا۔ رنجیت سنگھ کا تیسرا نابالغ لڑکا دلیپ سنگھ گدی کا وارث اور اس کی ماں رانی جنداں لڑکے کی اتالیق بنی۔ وہ (ایک) بازاری عورت تھی اور انگریزوں کی روایت ہے کہ اسے اور اس کے مشیروں کو اپنے اقتدار کی سلامتی اسی میں نظر آئی کہ سر پھرے سکھ سرداروں کو کمپنی سے ٹکرا دیا جائے۔ مشہور کر دیا کہ انگریز پنجاب پر حملہ کرنے والے ہیں! [1]

---

[1] ان سب حالات کے ماخذ انگریزی ہیں اور ان میں مبالغہ آمیز تعصب اور (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری افواہ یہ بار بار دہرائی گئی ہے کہ سکھ سپاہی دلّی پر ناگہانی حملہ کرکے اُسے لُوٹ لینا چاہتے تھے[1] لیکن اگر واقعی وہ انگریزوں کو اس درجہ غافل و بے خبر سمجھتے تھے، تو ستلج اُترتے ہی اپنی حماقت نظر آگئی ہو گی کہ کوئی بیس میل پر انگریزی فوج آمادۂ جنگ ملی اور سکھوں کا حملہ روک لیا (معرکہ مُدکی دسمبر ۱۸۴۵ء) پھر دو تین آویزشوں کے بعد خود انگریزی فوج نے حملہ کیا اور ستلج کے کنارے سب راؤں گاؤں (ضلع فیروزپور) پر سخت شکست دی۔ (فروری ۱۸۴۶ء) دریا کا پُل جس کے ذریعے بھاگنے والے پار ہو رہے تھے، انگریزی توپوں کی زد میں تھا اور عین اُس وقت گولہ باری سے اڑا دیا گیا جبکہ سکھ توپ خانے، پیادوں اور سواروں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ پُل گرنے سے ہزاروں مارے گئے اور ہزاروں ڈوب کر دُنیا کے پار لگے۔ انگریز گورنر جنرل کے بیٹے نے یہ تماشا اپنی آنکھ سے دیکھا اور باپ کی سوانح عمری میں مزے لے لے کر اس کا نقشہ دکھایا ہے۔

سب راؤں کے پُل کی شکست نے لاہور کا راستہ چوپٹ کھول دیا۔ پھر انگریزوں کی کوئی مزاحمت نہ ہوئی، بلکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود غرض سازشی انہیں لاہور پر قبضہ دلانے میں شریک تھے۔ لیپل گریفن

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تصنع سے کام لیا گیا ہے۔ سکھوں سے پہلی جنگ لارڈ ہارڈنگ (۱۸۴۴ء تا ۱۸۴۸ء) کے زمانے میں ہوئی۔ اس کی سوانح خود اس کے بیٹے نے لکھی اور فرماں روایانِ ہند (= رولرز آف انڈیا) کے سلسلۂ کتب میں چھپی ہے (۱۸۹۱ء) دلچسپ ہونے میں شبہ نہیں مگر بیٹے کی شہادت ہی کیا؟ لیپل گریفن اور کننگ ہم دونوں معاصر مورخ انگریزی جنگ اور سیاست کے باب میں سخت نامعتبر ہیں۔ پہلے کی "تالیف رنجیت سنگھ" یہ نقش نگاری تک سے کام لیا ہے۔ کننگ ہم کی ہسٹری آف دی سکھس کی طبع اوّل (۱۸۴۹ء) کے نسخے خود مؤلف نے ضائع کیے۔ ۱۸۵۲ء میں دوبارہ بہت کچھ بدل کر شائع کی۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] اوکس ص ۲۴ حصہ ۶۶۲ بحوالہ کننگ ہم۔ مارش مین وغیرہ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنی کتاب "رنجیت سنگھ" میں لکھتا ہے کہ "رنجیت سنگھ نے جیسے بیج بوئے تھے، ویسی ہی فصل اٹھی۔ جو حکومت دغابازی اور ظلم و سفاکی پر قائم ہوئی تھی، اپنے بانی کے بعد چند روز بھی سلامت نہ رہی۔۔۔۔" شاید یہ اس دغابازی کے جواز کی دلیل دی گئی ہے جس کا انگریزی فتوحات میں حصہ تھا۔ پہلے معاہدے میں لاہور کا قبضہ ختم سال تک حاصل کیا گیا (مارچ ۱۸۴۶ء) پھر مہاراجا کے بلوغ یعنی آٹھ سال تک بڑھا لیا گیا۔ جالندھر اور ستلج بیاس کا دوآبہ کمپنی کے مقبوضات میں شامل ہوئے۔ پندرہ لاکھ اشرفی تاوان لگایا اور مہاراجا دلیپ کی اتالیقی انگریز قائم مقام (ہنری لارنس) کے تفویض ہوئی۔ آگے چل کر اس کی ماں جنداں تک کو پنجاب سے نکال دیا گیا۔

جموں کے حاکم گلاب سنگھ نے ان کارروائیوں میں بہت مدد دی۔ وہ قوم کا ڈوگرہ اور ادنیٰ درجے سے رنجیت سنگھ کا ساختہ پرداختہ آدمی تھا، اب اپنے ولی نعمت کی مملکت خراب کرنے میں حصہ دار ہو گیا۔ لاہور کے خزانے میں تاوان کی رقم پانچ لاکھ اشرفی سے زیادہ نہ نکلی۔ دس لاکھ اشرفیاں گلاب نے بھرنے کا اقرار کیا اور معاوضے میں گلستانِ کشمیر کی ریاست حاصل کی کہ رسماً آج بھی اس کی اولاد کی میراث ہے۔[۱]

---

[۱] وادیٔ کشمیر وہاں کے مسلمان حاکم وقت سے چھین کر گلاب سنگھ کو دلوانے کے لیے ایک انگریزی فوج بھیجی گئی تھی۔ اس میں سترہ ہزار سکھ بھی بھرتی ہو گئے تھے! (اوکس ہس ص۶۹۶)

(نوٹ) آزادی کے بعد بھارت نے آخری انگریز گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے سازباز کر کے کشمیر کو اپنے فتراک میں باندھ لیا۔ جغرافیائی اور دیگر وجوہ سے کشمیر پاکستان کا حصہ ہے۔ اس کے باشندوں کی غالب اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے اور وہ پاکستان سے الحاق چاہتے ہیں، چنانچہ انہی وجوہ سے پاکستان نے مسلمانوں کی اس عظیم ریاست کو بھارت کی غلامی سے آزاد کرانے کی کوشش کی۔ فوجی کارروائی کے علاوہ یہ مقدمہ اقوام متحدہ میں پیش کیا گیا اور فیصلہ ہوا کہ رائے شماری کے ذریعے کشمیریوں کی رائے معلوم کی جائے، لیکن بھارت اس پر آمادہ نہیں اور یہ معاملہ ابھی تک معلّق ہے۔ شیخ عبداللہ کے بعد اس کا بیٹا فاروق عبداللہ کٹھ پتلی وزیر اعلیٰ ہے (۱۹۸۸ء) (ادارہ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رنجیت سنگھ کی تقریباً نوے ہزار فوج توڑ کر ایک تہائی کر دی گئی تھی۔ دارالحکومت لاہور پر انگریزوں کا عمل دخل تھا صرف ایک بڑا شہر ملتان بچا رہا اور سکھوں کی خاصی بڑی چھاؤنی بن گیا تھا۔ بعید شمال میں ضلع ہزارہ بھی پوری طرح گرفت میں نہ آیا تھا لیکن یہاں کے سکھ سب بے سرے سردار تھے، جن کے متفق ہونے اور کمپنی پر حملہ کرنے کا خطرہ نہ تھا، چنانچہ ہارڈنگ نے رخصت ہوتے وقت اپنے جانشین ڈلہوزی کو یقین دلایا کہ آئندہ سات برس تک ہندوستان میں توپ چلانے کی ضرورت نہیں پڑے گی؛ مگر یہ نیا گورنر جنرل (۱۸۴۸ء تا ۱۸۵۶ء) ہارڈنگ سے زیادہ سخت دل اور برطانی ملوکیت کا بدترین نمونہ نکلا۔ اکثر انگریز مورخ اسے سلطنت کے معماروں میں گنتے اور اس کی صفت و ثنا کے گیت گاتے ہیں، لیکن اہلِ ہند کے دلوں میں اس کے طریقِ عمل نے دشمنی کی جو آگ لگائی تھی، ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں ولایت والوں تک اس کی لو بھڑکتی نظر آئی اور برطانی قوم ایسٹ انڈیا کمپنی سے سخت ناراض ہوئی جس کا حال دمال آگے آتا ہے۔ سرِدست اقتدار کی باگ ڈور اسی ہٹلر مزاج انگریز کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے بڑے پیمانے پر سکھوں کا قلع قمع کرنے کی تیاریاں کیں ختم سال (۱۸۴۸ء) سے قبل بیس ہزار سے زیادہ باقاعدہ فوج اور بڑے بھاری توپ خانے سے ہزارہ میں فوج کشی کرائی۔ سپہ سالارِ اعلیٰ لارڈ گف خود قیادت کر رہا تھا۔ ملتان کا سکھ حاکم محصور کر لیا گیا۔ میدانی مقابلہ ہزارہ کے مقامی سرداروں سے کرنا تھا۔ جو انگریزوں کی دست درازی سے لڑنے پر مجبور ہوئے۔

پہلی بڑی لڑائی جہلم کے کنارے لاہور سے کوئی سو میل شمال مغرب میں لڑی گئی اور انگریزی حملہ بری طرح ناکام ہوا۔ زیادہ بدنامی کی بات یہ تھی کہ کئی توپیں اور گورا فوج کے جھنڈے غنیم نے چھین لیے۔ گوروں کو بھاگ کر پیچھے ہٹنا پڑا (معرکہ چلیانوالہ جنوری ۱۸۴۹ء م ۱۲۶۴ھ)[1] لیکن ظاہر ہے کہ یہ اتفاقی کامیابی تھی۔ سکھ ہر طرف سے گھرے ہوئے تھے۔ ان میں اتحاد اور کسی مذہبی یا قومی غیرت کا پتہ نہیں چلتا

---

[1] ڈلہوزی نے اس لڑائی کو بھی اپنی فتح قرار دیا تھا جس پر مارش مین (صفحہ ۴۶۵)، کیمبرج (۵ صفحہ ...) اور رونسنٹ اسمتھ (صفحہ ۶۹۹) تک تعریض کرتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہزاروں سکھ سپاہی انگریزوں کی طرف سے ہم قوموں کے خلاف لڑنے آئے تھے۔ بہت سردار حلقہ بگوش بن چکے تھے۔

اسی جنوری میں ملتان فتح ہو گیا۔ وہاں کی فوج اور تازہ دم کمک نے گف کے نقصانات کی تلافی کی، بلکہ قوت پہلے سے زیادہ بڑھ گئی۔ ہمسایہ افغانوں سے سکھوں کو مدد کی امید نہ تھی[1] مقامی مسلمانوں کو خود انہوں نے اس قابل نہ چھوڑا کہ تعاون کرتے۔ آئندہ معرکوں کے بیان میں انگریز اہلِ قلم نے مفت میں افسانہ آرائی سے کام لیا ہے۔ چند ہی تھپیڑوں میں دراز موخالصہ کا سارا تار و پود بکھر گیا، غرور سرنگوں ہو گیا۔

ڈل ہوزی نے اپنی مجلسِ شوریٰ یا کمپنی کے نظما کی بھی رائے نہ لی۔ پورے پنجاب کے الحاق کا اعلان کر دیا (۱۸۴۹ء)۔ راجا کی ذاتی جاگیر، مکانات، زر، زیور تک کمپنی کے خزانے میں داخل کیے۔ انہی زیورات میں دنیا کا چمکتا ہوا ہیرا کوہِ نور تھا، جو نادر شاہ کی لوٹ میں ایران اور درانیوں کی غارت گری میں کابل گیا اور شاہ شجاع درانی سے رنجیت سنگھ نے چھپٹ لیا تھا۔ اب تاجِ برطانیہ کی زینت ہے۔ شاید سب سے ناگوار تعدی یہ تھی کہ نابالغ دلیپ سنگھ کے دین دھرم پر چھاپا مارا، ولایت لے جا کر عیسائی! میدانِ جنگ کی بجائے فقط گیند بلے کے میدان میں دوڑیں لگانے کا فن سکھایا۔[2]

پنجاب کی فتح سے آخری آزاد غیر مسلم ریاست ہندوستان کی تاریخ سے خارج ہو گئی۔ سندھ کی

---

[1] سرحد کے افغانی سرداروں میں اتفاق اور قوتِ فاعلہ کا فقدان تھا۔ عام مسلمان سکھوں کے وحشیانہ برتاؤ اور سید احمد بریلوی کی تبلیغ سے سکھا شاہی کے دشمن ہو گئے تھے۔ سید صاحب کی شہادت (۱۸۳۱ء م ۱۲۴۶ھ) نے انہیں حیاتِ جاوداں بخشی اور ان کی تحریک بھی مدتوں تک زندہ رہی۔ یہ حالات ہم آئندہ اوراق میں مطالعہ کریں گے۔

[2] انگریز اہلِ قلم کی دیدہ دلیری دیکھیے کہ مسلمان بادشاہوں خصوصاً عالمگیر پر تہمت باندھتے ہیں کہ وہ مغلوب ہندو رئیسوں کو جبراً مسلمان بنا لیتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی امارت و آزادی چند سال پہلے لُٹ چکی تھی، لیکن یہ سوانح اور کابل پر انگریزوں کی یورشیں انہیں ہم نے ذیل میں یک جا لکھنا مناسب سمجھا کہ وہ ایک ہی ملت کی سرگزشت کے اجزا ہیں۔

سندھ کی پامالی :

برطانی ملوکیت کا بھاٹ، ونسنٹ اسمتھ لکھتا ہے (صفحہ ۶۳۹) کہ ریاست کچھ کا راؤ راجا انگریزی معاہدات کے مہاجال کے وسیع جنگل میں پھنس کر تڑپا، پھڑ کا تو ہسٹنگز نے اسے اور تنگ پکڑا۔ راؤ کے ارکان دولت پہلے ہی اپنے ولی نعمت کے خلاف تھے۔ کمپنی بہادر کے فوجی دستے نے آسانی سے قابو پالیا۔ حسب معمول راؤ معزول، اس کا شیر خوار بچہ انگریز قائم مقام کی اتالیقی میں وارث قرار دیا گیا (۱۸۱۹ء)

اس ریاست کو ایک پتلی آبنائے سندھ سے جدا کرتی ہے، لیکن ہمسائگی کے علاوہ ان میں قدیم روابط کا رشتہ تھا اور امیران سندھ راؤ کی مدد کے لیے لڑنے پر تیار ہو گئے تھے۔ انگریزوں نے فریب کی استمالت سے ٹالا۔ دوستی کے نامہ و پیام شروع کیے۔ کئی سال کی کشش و کاوش سے خود سندھ میں تجارت کے حقوق، پاؤں ٹکانے کی جگہ لے لی (۱۸۳۲ء)

یہ تالپور خاندان کے امیر جیسا کہ ایک گزشتہ باب میں ہماری نظر سے گزرا، تین شاخوں میں بٹ گئے تھے۔ خیر پور، میر پور، حیدر آباد میں الگ الگ دربار لگاتے تھے۔ فرنگی سے بدگمانی میں تینوں متفق تھے۔ یہ ان کی سیاسی فراست کا ثبوت ہے مگر جنگی طاقت کا خانہ خالی تھا۔ بادلِ نخواستہ کمپنی سے تجارتی معاہدے کرنے پڑے، البتہ صراحت کے ساتھ یہ شرط لکھوائی کہ فریقین ایک دوسرے کے علاقے پر کبھی لالچ کی نظر نہ ڈالیں گے۔[1]

---

[1] اس بدعہدی پر اکثر انگریزی تاریخوں نے اوک لینڈ پر ملامت اور مذمت کے پتھر برسائے ہیں (مثلاً ادکسن ہسٹری صفحہ ۶۷۵۔ مارش مین صفحہ ۱۴۳ ... کین جلد دوم وغیرہ) وارن ہسٹنگز، دے لنرلی، ہسٹنگز ڈلہوزی

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھ سال بعد کمپنی کے صدر والی اوک لینڈ (۱۸۳۶ء تا ۱۸۴۲ء) نے افغانستان پر پہلی بار فوج کشی کی (اکتوبر ۱۸۳۸ء) تو سب سے پہلا شکار اسی معاہدے کو بنایا۔ نہ صرف یہ کہ بمبئی کا انگریزی لشکر سندھ سے جبراً گزرا، بلکہ شکار پور، بھکر وغیرہ کئی شہروں پر زبردستی قابض ہوگیا اور میرانِ سندھ کی فریاد کا یہ جواب ملا کہ پہلا عہدنامہ منسوخ کر کے ایک اور معاہدے کا مسودہ بھیجا گیا جو ان آزاد ریاستوں کو صریحاً انگریزوں کا باجگزار بناتا تھا۔ انگریز افسروں کے ماتحت امدادی فوج رکھنے اور تین لاکھ روپیہ سالانہ ادا کرنے کی شرطیں ان کی آزادی کی کامل بربادی کا اعلان کرتی تھی۔ معاہدے پر دہانِ توپ کے زور سے میرانِ سندھ کے دستخط لیے گئے (فروری ۱۸۳۹ء م ۱۲۵۴ھ)

کابل پر انگریزوں کی آراستہ اور شاندار مہمات وہاں مزاحمت کے پہاڑوں سے ٹکرا کر چور چور ہو گئیں۔ نزلہ عضوِ ضعیف پر گرا۔

اوک لینڈ کا جانشین ایلن برا (۱۸۴۲ء تا ۱۸۴۴ء) آشتی کا قاصد بن کر آیا تھا، سندھ کے حق میں موت کا ہرکارا ثابت ہوا۔ اسی گورنر جنرل نے ایک تمغائے امن و صلح ضرب کرایا تھا جو ریاکاری کا داغ بن کر آج تک اس کی سیرت کی پیشانی پر چمک رہا ہے[1]۔ کہتے ہیں اُسے خبط ہوگیا تھا کہ دریائے سندھ کو جہازرانی کی آب راہ بنایا جائے۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

نے کچھ کم بدعہدیاں اور زبردستیاں نہیں کیں جن کی تاویل میں یہ تاریخ نویس عموماً بیلیوں ورق اور خود اپنے اعمال نامے سیاہ کرتے رہے۔ اس فرق کا سبب غالباً یہ ہے کہ اوک لینڈ کی کابلی مہمات، جان و مال کے نقصانات کے ساتھ ذلت و ناکامی پر منتج ہوئیں۔ دوسرے وہ برطانیہ کی نئی آزاد (وہگ) وزارت کا آدمی تھا جس کے تقرر پر وہاں کے قدامت پسند (ٹوری) بہت ناراض ہوئے تھے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] دیکھو مارش مین ص ۲۲۱۔ اسمتھ لکھتا ہے کہ ایلن برا کو اوّل سے سندھ کے (بقیہ حاشیہ آیندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کابل میں ہزیمت کی جھانج، برطانیہ کے دفتر وزرا تک میں سنائی دینی تھی۔ غالباً یہ ایک اور محرک بن گئی۔ بغرض مقامی عمّال ہاں ہاں کرتے رہ گئے۔ ایلن برا نے کسی کی نہ سنی، نے پیپر کو اپنا نائب اور جنگی ملکی، جملہ امور کا مختار کار بنا کر سندھ بھیجا کہ یہاں کے امیروں کی رہی سہی آزادی کو توپوں کی پھونک مار کر اُڑا دے۔

نے پیپر برطانیہ کا شعلہ خو امیرزادہ اور مشہور سپاہی گزرا ہے کہ تلوار چلاتے چلاتے اخلاق اور انسانیت کی دھار تک کند ہو گئی تھی۔ سندھ آتے ہی یہاں کے امیر وزیر کو اتنا دق کیا کہ وہ لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ نے پیپر کی مراد بر آئی۔ میانی کے میدان میں گھیر کر دور مار توپوں سے خوب شکار کھیلا (فروری ۱۸۴۳ء م ۱۲۵۸ھ) سندھی جان ہاروں کے پاس بندوقیں تک ڈھنگ کی نہ تھیں، لہٰذا یہ فخر کہ تین ہزار نے بائیس ہزار کو شکست دی، نے پیپر کی بجائے یورپ کے اسلحہ سازوں کے نام لکھنا چاہیے[1]۔ سندھ کی باقی ساقی فوج کو اگلے مہینے ایک اور شکست دی گئی (معرکہ دُبّو۔ مارچ ۱۸۴۳ء)

غریب میروں نے اطاعت قبول کر لی تھی، پھر بھی رئیس خیرپور کے سوا سب ملک سے نکال دیے گئے۔ خیرپور کی شاخ، بھائی بندوں سے کٹ کر فرنگیوں کی معاون رہی تھی[2]۔ وہ بچ تو گئی، لیکن علاقے چھانٹے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

ہتھیانے کی دھن لگی تھی (ص ۶۸۴) ہمعصر تھارنٹن لکھتا ہے کہ ایسے کمزور بہانوں سے کبھی کسی (حلیف) ریاست کے حقوق پر حملہ نہ ہوا تھا۔ (حالات ۱۸۴۲ء)

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] ہمعصر انگریزی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس جنگ میں انگریز جرنیل کرنیل تک سپاہیوں کے ساتھ مل کر گولیاں چلاتے اور سندھ کے بلوچ سپاہیوں کی پیوستہ ٹکڑیوں کو نشانہ بناتے رہے۔

[2] نے پیپر کے ایک اور معتبر مددگار موجودہ آغا خاں کے دادا پہلے آغا خاں تھے جو ایران کی صوبیداری چھوڑ کر ہندوستان آئے اور سندھ میں اپنے کثیر مریدوں کو انگریزوں کا مطیع بنانے میں نمایاں حصہ لیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیے گئے۔ باقی سارا سندھ کمپنی کے انبار خانے میں داخل ہوا۔ نے پیئر نے مقبوضے کا پہلا حاکم بنایا گیا تھا، مگر بدخوئی سے بمبئی اور ہندوستان کے عمال سے لڑ جھگڑ کر مستعفی ہو گیا۔ پھر بھی قلاش سندھ کی لوٹ سے ستر ہزار اشرفی اپنی جیب میں ڈال لی۔ کراچی میں ایک بڑی سڑک بازار اور بعض سرکاری عمارتیں آج بھی[1] سندھ کے اسی بے درد شکاری کے نام سے موسوم ہیں۔

معاملاتِ افغانستان :

احمد شاہ دُرّانی ملتِ اسلامیہ کا گوہرِ تابندہ تھا کہ انحطاط کی گہرائیوں سے اُبھرا اور پستیوں کے اندھیرے میں چمکا۔ اقوامِ عالم کی تاریخ میں اس لیے ممتاز ہے کہ ایک نئی قوم کا بانی ہوا۔ افغانستان کی آزاد مملکت کا وجود اسی کی ہمت و شجاعت کا رہینِ منت ہے۔ احمد شاہ نے کئی بیرونی ملک فتح کیے اور ایک بڑی سلطنت فراہم کی جو اس کے فرزند تیمور شاہ (۱۷۷۳ء تا ۱۷۹۳ء / ۱۲۰۷ھ) کے زمانے تک قائم رہی۔ پنجاب، کشمیر، سندھ اور شمال میں بلخ و بدخشاں، بلکہ مشرقی ایران کے اضلاع تک کابل کے زیرِ نگیں ہو گئے تھے، لیکن شخصی سلطنتوں کی عمر بہت کوتاہ ہوتی ہے۔ تیمور شاہ نے مرتے وقت ایک بادشاہی، تیئیس بادشاہزادے وارث چھوڑے! یہی کثرت، حکومت کی وحدت کے حق میں آفت ثابت ہوئی۔ بھائیوں نے لڑنا شروع کیا۔ چند سال کے لیے زمان شاہ غالب آ گیا اور دادا کا حق لینے کی غرض سے ہندوستان پر بھی حملہ کرنے کا داعیہ رکھتا تھا۔ (۱۷۹۸ء) مگر دو ہی سال بعد ایک مفرور پناہ گزین کی حیثیت سے ڈھلکتا ہوا پنجاب آیا اور اُسی انگریز کمپنی کی عنایت سے جسے حملے کی دھمکی دی تھی، لدھیانہ میں اقامت اختیار کی (۱۸۰۰ء)

چند سال میں یہی بُرے دن اُس کے بھائی شاہ شجاع کو دیکھنے نصیب ہوئے (۱۸۰۹ء) حتیٰ کہ کابل کی حکومت دُرانیوں کے ہاتھ سے نکل کر بارک زئی قبیلے کے وزیر پایندہ خاں اور اس کی اولاد کے قبضے

---

[1] یعنی اس کتاب کی تحریر (جولائی ۵۲ء) تک۔ مالِ غنیمت کی تفصیل و تقسیم کے لیے دیکھو بوتن: کورن کوئسٹ آف سندھ مارش ہین۔ او کس، ہس ۵۵ء وغیرہ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں منتقل ہوئی۔ یہی خاندان ابھی تختِ کابل کا وارث چلا آتا ہے۔[لہ]

بیس پچیس برس کی خانہ جنگی اور سیاسی انتشار نے دُرّانی سلطنت کو خالصے لگایا اور خود افغانستان کو پارہ پارہ کر دیا تھا۔ پہلا بارک زئی جس نے دُرّانیوں کو دھکا دیا اور علانیہ مسندِ شاہی پر قدم رکھا، پایندہ خاں وزیر کا فرزند دوست محمد خاں تھا۔ (۱۸۲۶ء م ۱۲۴۲ھ) پھر بھی شمال میں ہرات دُرّانی شہزادوں کے ہاتھ میں رہا اور جنوب میں شاہ شجاع سکھوں کی مدد سے حدودِ کابل پر لاتیں چلاتا رہا۔ اسے کامیابی نہیں ہوئی، البتہ اسی تقریب سے رنجیت سنگھ کی فوجیں سندھ پار خیبر تک چڑھ آئیں۔ پشاور میں اپنا عمل دخل کر لیا۔ دوست محمد نے انگریزوں کو دوست بنانے کی کوشش کی۔ کئی سال تک نامہ و پیام کے کنکوے لڑتے رہے۔ اتنے میں ایک بڑا پیچ یہ پڑا کہ جب روس کو ترک تازے سے نجات مل گئی تو خود ایشیا میں جولانی دکھانے لگا۔ ایران کی وساطت سے دوست محمد کے ساتھ دوستانہ روابط قائم کیے (۱۸۳۸ء)

ہر چند کمپنی کا علاقہ شاہی مقبوضہ نہ تھا اور کابل و ہند کے درمیان اُن دنوں سندھ اور پنجاب حائل تھے، مگر روس کے بھاری قدموں کی دھمک برطانی وزارتِ خارجہ کو لندن میں سنائی دی۔ اسی کی ہدایت کے مطابق گورنر جنرل (لارڈ آکلینڈ) نے یہ منصوبہ تیار کیا کہ دوست محمد کو کابل سے جبراً نکالا جائے۔ شاہ شجاع ہی اپنے باپ دادا کی گدی پر بٹھا دیا جائے کہ وہاں بالواسطہ یا بلاواسطہ انگریزوں کا تسلط جمنے کا راستہ نکل آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اب کمپنی بہادر کو علانیہ مغل اعظم کی جانشینی کے دعوے تھے اور کابل، محمد شاہ کے زمانے

لہ اس خاندان کا آخری بادشاہ، ظاہر شاہ سردار داؤد کے ہاتھوں معزول ہوا اور داؤد خاں کو روس نواز کمونسٹوں نے اسکے خاندان سمیت موت کے گھاٹ اتار دیا۔ روس نے اپنے پٹھوؤں کا اقتدار دائمی بنانے کے لیے اپنی مسلح افواج افغانستان میں داخل کر دیں اور اب (۱۹۸۹ء) سات برس سے افغان مسلمان روس کو نکالنے کے لیے جہاد میں مصروف ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق ۱۱ لاکھ مسلمان شہید ہو چکے ہیں اور پچاس لاکھ سے زیادہ مہاجر کی حیثیت سے پاکستان، ایران اور دوسرے ملکوں میں پُرآلام زندگی گزار رہے ہیں۔ (ادارہ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک سلطنتِ مغلیہ کا صوبہ رہا تھا منصوبے میں رنجیت سنگھ کو برائے نام شریک کیا تھا، مگر اس نے پنجاب کے بیدھے راستے فوج گزرنے کی اجازت نہیں دی۔ نہ اس سے کوئی مالی یا فوجی مدد لی گئی۔ دوسرے اُنہی دنوں خود اُس پر جسم و جان کا پرانا دشمن فالج آگرا اور آخر جان سے گزر گیا۔ کابل کی جنگ تنہا کمپنی بہادر نے لڑی

جنگ، تباہی، پسپائی:

اعلانِ جنگ (اکتوبر ۱۸۳۸ء م ۱۲۵۴ھ) کے ساتھ جنوبی پنجاب اور بمبئی کے مرکزوں سے دو زبردست فوجیں چڑھائی گئیں۔ بمبئی کے قشونِ قاہرہ نے راہ میں معاہدے کے احترام اور سندھ کی آزادی کو روند ڈالا جس کا ہم پچھلی فصل میں مرثیہ پڑھ چکے ہیں۔ اپریل ۱۸۳۹ء میں دونوں لشکروں کے سیلاب قندھار پر آملے۔ راستے کی دشواری اور جاڑے کے حملوں کے سوا، سفر میں کوئی غنیم نہ ملا۔ قلعہ غزنی کی مزاحمت کابلی دروازے کے سُرنگ سے اُڑتے ہی ہوا ہو گئی۔ دوست محمد خاں نے یہ دل شکن خبر اور اس لاؤ لشکر کی آمد آمد سُن کر کابل خالی کر دیا۔ اگست ۱۸۳۹ء م ۱۲۵۵ھ میں شاہ شجاع انگریزی فوج کے ساتھ اپنے جدّی پائے تخت میں دوبارہ داخل ہو گیا۔

ایسی سہل فتح سے ملوکیت پسند انگریزوں کے دل کھل گئے، حوصلے بڑھ گئے۔ ایران کی رقابت، روس کی شرارت کے بہانے بناتے رہے۔ مُلکی معاملات میں دخل بڑھاتے رہے۔ فوج کی واپسی ملتوی کر دی۔ اوّل اوّل قبائل کو دوستی کا معاوضہ دینا قبول کیا تھا۔ اب مستغنی ہو کر ادائی روک دی۔ ان کا ناگوار طرزِ عمل، بے جا مداخلت، شجاع کا شاہ شطرنج رہ جانا، دیکھ کر افغانی مسلمانوں کو رفتہ رفتہ احساس ہوا کہ یہ کافر فرنگی حمایت کی بجائے حکومت کی گھات لگا رہے ہیں، جگہ جگہ اپنی چھاؤنیاں جما رہے ہیں۔ غالباً شاہ شجاع کے حریف غیرت و غضب کی ان چنگاریوں کو ہوا دیتے تھے۔ یہی بڑھتے بڑھتے آتشِ قتال بن گئیں۔ مسلم افاغنہ کی شورش نے ایک ایسی قومی جنگ کی صورت اور وسعت اختیار کر لی جس سے ممالکِ ایشیا میں برطانی نبرد آزما، پہلے کبھی دوچار نہ ہوئے تھے۔

یہ خالص اسلامی قوم تھی کہ اپنے انحطاط، انتشار، جہالت، پس ماندگی کے باوجود حمیت کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہتھیاروں سے لڑی اور یورپ کے توپ و تفنگ، مکر و مالِ فرنگ کا منہ پھیر دیا۔ ایک ہی سال (۱۸۴۱ء م ۱۲۵۶ھ) میں صاحب کے اتنی ٹھوکریں ماریں کہ مالکانِ کمپنی سراسیمہ ہو گئے۔ تجارتی حصہ دار خرچ کی زیادتی سے الگ گھبرا گئے تھے۔ اوک لینڈ کو لکھا کہ ہمیں صاف صاف اپنی ناکامی تسلیم کر کے افغانستان کو بالکل چھوڑ دینا چاہیئے۔[1] مگر یہی زمانہ تھا جب کہ دوست محمد خاں نے اِدھر اُدھر حملے کرنے کے بعد اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر دیا (نومبر ۱۸۴۰ء) اور صرف دو لاکھ سالانہ کے وظیفے پر کلکتہ میں (نظربند) رہنا گوارا کر لیا۔ اوک لینڈ کی حرص کشور کشائی تازہ ہو گئی۔ نظمائے کمپنی کی رائے ماننے سے انکار کر دیا۔

اصل میں ہندوستان کے انگریز اربابِ سیاست یقین رکھتے تھے کہ افغانی شاہ و شہریار کے قابو میں آنے سے وہاں کی قوم کو اُسی طرح دبوچ لیں گے جیسے اب تک ہندوستان کے ہر خطے میں کامیاب ہوئے تھے۔ کابل کے مسلمان عوام اپنے امیروں وزیروں سے زیادہ آزادی پسند، باغیرت نکلے۔ ہمعصر مؤرخ مارش مین گواہی دیتا ہے کہ انگریزی فوجوں نے جس قدر سفاکی سے اُنہیں دبانا چاہا، ان میں اسی قدر زیادہ سرفروشی کا جذبہ بلند ہوا اور بچہ بچہ انگریزوں کا دشمن بنتا چلا گیا (ص ۲۰۱)۔ غزنی، جلال آباد، قندھار وغیرہ مضبوط قلعوں میں جو دستے متعین تھے، ان کی رسد، بلکہ آمد و رفت تک بند ہو گئی۔ خود کابل کی زبردست چھاؤنی پر غیر منظم لشکروں نے چھاپے مارنے شروع کیے۔ ایک بڑے معرکے میں انگریزی سپاہ کو سخت شکست

---

[1] اوکس ہس ص ۶۷۔ مارش مین ص ۲۰۲۔ جنگِ کابل کے متعلق انگریزی میں بہت سی کتابیں مختلف عنوانوں سے تصنیف ہوئیں اور کافی تفصیل سے یہ داستان سناتی ہیں، مگر افغان مجاہدین کی جاں بازی کے کارنامے صرف ضمناً آ گئے ہیں۔ خود وہاں کے کسی مؤرخ کی مستند اور مفصل کتاب تک ہماری رسائی نہ ہو سکی۔ ہمارے بیانات کے بڑے انگریزی ماخذ، تھارن ٹن (سنینِ متعلقہ)، مارش مین (ص ۲۰۱ تا ۲۰۴) اور اوکس فورڈ ہسٹری (ص ۶۷۸ تا ۶۸۹) ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دی۔ دربار کابل میں انگریزوں کے بدمعاش ایجنٹ (سر الیک زنڈر برنیس) کو مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا[1] (نومبر ۱۸۴۱ء م ۱۲۵۷ھ)

اس ایک ہی ضربِ شدید نے افغانوں کے حوصلے قوی کر دیے اور انگریزوں کی ہمت توڑ دی۔ چھاؤنی سے شہر تک جاتے ہوئے ڈرنے لگے۔ شہر والوں نے بھی رسد رسانی سے ہاتھ کھینچا۔ لشکر میں اجناس خوردنی کی کمی پڑ گئی۔ انگریز سپاہی بھوک کے بہت کچے نکلے۔ دو ہی دن میں گولہ بارود سے زیادہ انڈا، مرغی دودھ، مکھن کے نہ ملنے کی فریاد کرنے لگے۔ کرنیل، جرنیل تک فوری صلح کے لیے بیقرار پھرنے لگے۔ اسی میں خبر آئی کہ دوست محمد خاں کا فرزند، اکبر خان اپنی جمعیت کے ساتھ حملہ آور افغانوں میں آ گیا ہے اور اس شرط پر مصالحت کے لیے تیار ہے کہ شاہ شجاع شاہی کے دعوے سے دست بردار ہو جائے، انگریزی سپاہ ملک خالی کر دے۔ فوجی حکام نے زور دیا کہ یہ شرطیں منظور کر لی جائیں۔ انگریزی سپاہ کو تہلکے سے نجات دلائی جائے۔ سیاسی اقتدار انگریز سفیر میک ناٹن کے ہاتھ میں تھا جسے خود اس کے ہم قوم اہل قلم فریب و دغا کا پتلا بتاتے ہیں[2]۔ اکبر خاں سے نامہ و پیام کے ساتھ وہ دوسرے قبائل سے ساز باز کرتا رہا کہ اگر وہ شاہ شجاع کی نمک حلالی کا اقرار کریں تو اکبر خاں سے صلح نامہ کا مسودہ ردی میں پھینک دے۔

ان ریشہ دوانیوں کی اکبر خاں کو اطلاع ہو گئی۔ اس نے میک ناٹن کو ملاقات کے لیے بلایا۔ فوج

---

[1] برنیس ہمارے زمانے کے جون لارنس کی طرح، ان اسلامی ملکوں میں سالہا سال تک سیاحت و جاسوسی کر چکا تھا۔ کابل میں سیاسی اقتدار کی بدمستی نے اسے اوباشوں کا بھی سرخیل بنا دیا تھا۔ (دیکھو تاریخ مرتبہ ص ۲۰۲۔ اوکس ہس ص ۴۸)

[2] جنرل سیوے لاک اور ڈیورینڈ نے (جو آئے چل کر سر کے خطاب سے نوازے گئے اور اس جنگ میں موجود تھے) بڑی تفصیل سے یہ واقعات لکھے ہیں۔ "نیرے ٹو آف دی وار ..." ۲ جلد از سیوے لاک۔ اور "دی فرسٹ افغان وار ..." از ڈیورینڈ۔ میک ناٹن کو سبھی انگریز مورخ الزام دیتے ہیں کہ حکومت ہند و برطانیہ کو غلط اطلاعیں دیتا، اور برابر دھوکے میں ڈالتا رہا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکاب فاصلے سے کھڑی ہوئی۔ میک ناٹن تین انگریز مددگاروں کے ساتھ گفتگو کرنے آیا، اور اکبر خاں کی دوستانہ شکایت پر غالباً بدتہذیبی سے بات کی۔ اکبر خاں نے طمنچے کی زبان سے جواب دیا۔ میک ناٹن تو ایک ہی گولی میں تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ ساتھی خوف سے بیدم ہو رہے تھے، تینوں کی مشکیں باندھ لی گئیں۔ حفاظتی فوج والے مدد کو دوڑنے کی بجائے اپنی چھاؤنی کی طرف بھاگے۔ سخت نامردی کا ثبوت دیا۔

(دسمبر ۱۸۴۱ء) انگریزوں نے عہد نامے پر کان دبا کے دستخط کر دیے۔ چھ توپوں کے سوا پورا توپ خانہ، گولہ بارود کا تمام ذخیرہ، کئی فرنگی یرغمال، کثیر مالِ غنیمت، اکبر خاں کے حوالے کیا۔ ڈیرہ ڈنڈا اکھاڑ کر کابل کی چھاؤنی سے پشاور کی جانب روانہ ہوئے۔ باقاعدہ فوج کے سپاہی قریب پانچ ہزار اور گیارہ ہزار لشکری ہمراہ تھے۔ سالِ نو (۱۸۴۲ء) کے پہلے دن کوچ شروع ہوا۔ ناکامی کے رنج نے میلادِ مسیحؑ اور عیدِ نوروز کی خوشیاں پہلے ہی خاک میں ملا دی تھیں، لیکن مصیبت کے پہاڑ سفر میں ٹوٹے کہ خورد کابل کے تنگ درّے میں غلزئی قبائل نے گھیر لیا اور چیلوں کی طرح بوٹیاں نوچ نوچ کے خاتمہ کر دیا۔ مشہور ہے کہ پورے لشکر میں صرف ایک فرنگی، ڈاکٹر برائیڈن، بیمار و نیم جان جلال آباد پہنچ سکا اور وہاں اس ہولناک تباہی کی کیفیت بیان کی۔ صرف وہ عورتیں، بچے، یرغمال اور زخمی انگریز جو اکبر خاں کی تحویل دیے تھے، محفوظ رہ گئے۔[1]

ان خبروں نے کلکتہ سے زیادہ لندن میں غم و غصہ بپا کیا۔ فتحِ کابل کے مجنونانہ منصوبے کی ذمہ داری اوک لینڈ کے سر ڈالی گئی اور اسے برطرف کر کے ایلن برا کو ہندوستان بھیجا گیا کہ جس طرح ہو سکے ہزیمت کی تلافی اور کابل کی بلا سے نجات کی راہ نکالی جائے۔ قندھار، جلال آباد وغیرہ میں قلعہ گیر فوجیں موجود تھیں، ان کی استقامت پر انگریز مصنف مدح کے قصیدے تحریر کرتے ہیں، حالانکہ باہر نکلنے کی انہیں ہمت نہ

---

[1] مارش مین (ص ۲۹۲) کا بیان ہے کہ غلزئی قبائل کے ساتھ انگریزوں نے برا سلوک کیا تھا جس کا اب انہوں نے بڑی بے رحمی سے انتقام لیا اور انگریزوں کو چن چن کر قتل کیا۔ یوں بھی سارا ملک دشمن ہو گیا تھا۔ اکبر خاں اور اس کے بارک زئی رفیق حتی الامکان انگریزوں کو بچاتے رہے، لیکن مجاہدین افاغنہ پر اُن کی انگریز دوستی کا مطلق اثر نہ ہوا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی اور قلعے توڑنے کا نہ تھے مجاہدین سازوسامان نہ رکھتے تھے پھر بھی غزنی کو انہوں نے آگھیرا اور فقط سرفروشی کے جذبے سے نمایاں فتح حاصل کی۔ انگریز سپہ سالار نے ہتھیار ڈال دیے۔ شاید جلال آباد کا بھی یہی حشر ہوتا لیکن اس عرصے میں ایک تازہ دم لشکر بہترین اسلحے سے آراستہ آگ برساتا ہوا قندھار سے بڑھا اور شہر غزنی کو جسے دشمن خالی کر گیا تھا، مسمار کر کے دل ٹھنڈا کیا (اگست ۱۸۴۲ء) اسی طرح شہر کابل کی کسی نے مدافعت نہ کی۔ یہاں کے مسقف بازار سے اس قسم کا انتقام لیا گیا اور پھر انگریز فوجیں الٹے قدم اس بھڑوں کے چھتے سے واپس پشاور چلی آئیں [1]

شاہ شجاع چند ماہ پہلے کسی دشمن افغانی کی گولی سے مارا جا چکا تھا، لہٰذا دوست محمد خاں کا اب کوئی حریف کابل میں نہ رہا۔ انگریزوں نے بھی دوستی کے عہد و پیمان کے ساتھ اسے واپس جانے کی اجازت دی اور وہ تاحیات، اکتیس برس (۱۸۶۳ء) تک وہاں حکومت کرتا رہا۔

---

[1] مارش میں لکھا ہے:

"مہم کا مقصد پورا ہو گیا۔ افغانستان کو ہم نے دوبارہ مغلوب کیا۔ اپنے قیدی چھڑا لیے اور ہماری جنگی شہرت میں پھر وہی آب و تاب آ گئی، تاہم (واپسی کے وقت) پائے تخت کابل میں انتقام کی یادگار چھوڑنی ضرور تھی، چنانچہ وہاں کے بڑے مسقف بازار کو جس میں (افغانوں نے انگریز سفیر (سر ولیم میک ناٹن) کی لاش کی تشہیر کرائی تھی، سرنگ سے اڑا دیا گیا۔ یہ بازار وسط ایشیا میں اپنی طرز کی سب سے شاندار عمارت تھا۔" (ص ۴۲۹) غزنی کی فتح اور آتش زنی کی یادگار دو بڑے کواڑ تھے، جن کی نسبت ایلن برا نے اعلان کیا کہ وہ مندر سومنات کے مقدس کواڑ ہیں، سلطان محمود اکھڑوا کر لے گیا تھا۔ کمپنی بہادر نے اس توہین کا بدلہ لیا اور آٹھ سو برس حق، حقدار کو پہنچایا! کواڑ بڑے اعزاز و احترام سے جلوس بنا کر منزل بمنزل آگرہ تک لائے گئے مگر اسمتھ لکھتا ہے کہ دنیا بھر میں اس بے ہودہ نمائش کا مضحکہ ہوا اور وہ قلعۂ آگرہ کے کباڑ خانے میں ڈال دیے گئے۔ (ص ۶۸۴)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کابل کی پہلی جنگ اس طرح ختم ہوئی۔ دوسری جنگ کہ قریب قریب اسی کا نقش ثانی تھی کوئی تیس برس بعد تاریخ کی لوح پر اُبھری اور آیندہ اوراق میں نظر کے سامنے سے گزرے گی، مگر پورے طومار میں دیکھنے اور یاد رکھنے کے قابل نکتہ یہی ہے کہ گو انگریز کی طاقت اور سیاست افغانستان کے امیر و وزیر کو زیر کر سکتی تھی، ملتِ افغانیہ کی غیرت کو مغلوب کرنے میں ناکام رہی۔ مسلمانوں کا خون بہانے میں کفارِ فرنگ، شاید کفارِ مغول سے کم سفاک نہ تھے لیکن بالآخر انہیں ایک ایسی مسلمان قوم سے سابقہ پڑا جو مدنی اور مادی افلاس کے باوجود ملی آزادی اور خودداری کو جان سے زیادہ قیمتی جانتی تھی۔ ہوسِ ملوکیت عین شباب کی بدمستی میں ان فاقہ مستوں پر چڑھ کر گئی، اور بڑی چوٹ کھا کر توبہ پکارتی ہوئی واپس آئی۔ (نومبر ۱۸۴۲ء م ۱۲۵۸ھ)

امن کی "فتوحات"!

ڈلہوزی (۱۸۴۸ء تا ۱۸۵۶ء) نے ایک طرف برما کو چیر کر، دوسری طرف پنجاب میں خون کی ندیاں بہا کر زمین کے اتنے بڑے قطعات کمپنی کے حلق میں ڈالے جو اس کے وطن (اسکاٹ لینڈ) سے رقبے میں، آبادی میں، زرخیزی میں کہیں زیادہ تھے۔ پھر بھی کشورستانی اور ملک نوشی کی اشتہا سیر نہ ہوئی۔ وہ کمپنی کا سب سے جوان سال اور بدمزاج گورنر جنرل گزرا ہے مگر انگریز تاریخ نویس اس کی قومی خدمات سے اتنے زیرِ بارِ منت معلوم ہوتے ہیں کہ ذاتی اخلاق کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جسارت نہیں کرتے۔[1] حقیقت میں جو کام جنگجو وے لزلی اور صلح شور ہسٹنگ نے شروع کیا تھا، وہ اسی دفتری آدمی نے مکمل و مسلّم کر دکھایا۔ اپنی آخری اوجِ کمال کی صورت میں برطانی ہند کی وسیع و پُرشوکت سلطنت کا صنّاع وہی تھا۔ بہت سی ریاستیں

---

[1] ۱۸۵۷ء کی سخت شورش نے ڈلہوزی کی حکمتِ عملی کو برطانیہ میں کافی مطعون کیا تھا۔ اس ہنگامے کے ساتھ یہ ہنگامی غصہ بھی جاتا رہا، تاہم اس کی خود رائی، خودپسندی کی اکثر تاریخیں مذمت کرتی ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو انگریزی کمپنی کے ظلِ عاطفت میں آگئی تھیں ایک رگڑے میں نقشے سے اُڑا دیں۔ بڑے بڑے عہد نامے حلف نامے، مصدّق اور موثّق دستاویزیں کوڑی پر پھنکوا دیں۔

کہتے ہیں اُسے دینداری میں بہت غلو تھا۔ شاید اسی دعوے سے ایک نئی شریعت Doctrine اپنی رائے سے یہ جاری کی کہ جو رئیس، راجا لاولد فوت ہوگا، کمپنی بہادر اس کی وارث، یعنی ریاست کی مالک ہو جائے گی۔ ہمارے تاریخی ادب میں اسے قانونِ استقراض یا بازگشت کہا گیا ہے۔ خود انگریز معترضین اسے "لاٹھی کا راج" اور "قزاقوں کا قانون" تک کہنے سے باز نہیں رہے[1] جو بداخلاقی کے علاوہ سیاسی دوراندیشی سے خالی تھا۔ نئی مقراض نے ستارا، ناگ پور، جھانسی کی بڑی بڑی ریاستوں کی گدیاں کاٹ دیں۔ جیت پور، سنبھل پور وغیرہ کی چھوٹے چھوٹے راج پاٹوں کی دھجیاں تک باقی نہ چھوڑیں۔ باجی راؤ، معزول پیشوا، بروئے معاہدہ وظیفہ پاتا تھا۔ لاولد فوت ہونے پر اس کے متبنّٰی کو اس مدِ معاش سے بھی محروم کر دیا گیا۔

اخلاق و آئین کی بحث سے قطع نظر، یہ حرکتیں اُس خبطِ ملوکیت کی علامتیں معلوم ہوتی ہیں جس میں اُن دنوں برطانیہ کا حکمراں طبقہ مبتلا تھا۔ ڈلہوزی کی ہر دراز دستی کی کمپنی، بلکہ حکومتِ برطانیہ تائید و توثیق کرتی رہی[2]۔ ۱۸۵۷ء کی عظیم شورش کے بعد کمپنی بہادر کی حکومت ختم ہوئی تو ڈلہوزی کی یہ "شیطانی شریعت" بھی منسوخ کی گئی۔

قانونِ استقراض کی زد میں صرف ہندو ریاستیں آئیں۔ لیکن مسلمان ریاستیں پہلے سے ہٹکی میں لائی جا چکی تھیں۔ ان کی قطع و برید کے لیے کوئی نئی شریعت جاری نہیں کی گئی، طاقت کی قدیم سنت پر عمل کرنا کافی سمجھا گیا۔ نواب نظام سے فوجی مصارف کے لیے صوبہ برار کمپنی کی تحویل میں لے لیا گیا (۱۸۵۳ء)

---

[1] مثلاً دیکھو مارش مین جس نے اپنی تاریخ ہند میں ڈلہوزی پر بہت تفصیل سے لکھا ہے (ص ۲۷۶ وغیرہ)

[2] اوکس ہس ص ۲۰۰۔ نیز دیکھو لی وارنر (سوانح ڈلہوزی) جلد دوم۔ مارش مین، وغیرہ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مال گزاری پچاس لاکھ مانی تھی اور اصل مطالبہ پچیس لاکھ سالانہ کا تھا، لیکن باقی رقم خرچ وصولی میں محسوب کر لیتے اور سرکارِ عالی کو آمد خرچ برابر دکھایا کرتے تھے۔

ایسی کھلی ہوئی جعل سازی پر، جو کسی قابو یافتہ بنیے ہی کے شایاں ہو سکتی تھی، پچاس برس بعد شاہ مزاج و عالی خیال لارڈ کرزن بہادر کو غالباً شرم آئی۔ ان کی دیانت اور انصاف شاہانہ ملاحظہ ہو کہ مالکوں کو پچیس لاکھ روپیہ سالانہ ادا کرنا لازمی قرار دیا مگر دوامی پٹہ لکھوا کر برار کو مستقل طور پر حیدر آباد سے توڑ لیا (۱۹۰۲ء) صوبے کی مال گزاری اُس وقت دو کروڑ روپیہ سالانہ سے زیادہ تھی۔ پھر بھی لاٹ صاحب نے پچاس برس پہلے کے حساب سے پٹے کی رقم کو نصف مال گزاری ثابت کیا۔ سیاسی قوت کے زور سے ریاضی کے دوامی اصول باطل کر دکھائے۔

وفادار حیدر آباد کو بہت بھاری یاری ادا کرنی پڑی، مگر سب سے پرانے خیر خواہ، یعنی اودھ کے بادشاہ کا، انگریزوں کی دوستی میں بالکل ہی قتل ہو گیا۔ انگریزی تاریخوں میں لکھا ہے کہ خود بے رحم ڈلہوزی کو اس دست پروردہ مسکین کے گلے پر چھری پھیرتے ہوئے پھریری آ گئی۔ کمپنی نے نظما کو تحریر کیا کہ شاہانِ اودھ نے ہماری اطاعت و خیر خواہی میں کبھی کوتاہی نہیں کی، انہیں حکومت سے محروم کرنا کمپنی کی سخت ناشکری اور صریح بے انصافی ہو گی۔ انگریز رزیڈنٹ (سلی مین) آٹھ سال سے لکھنؤ میں مقیم اور ہندوستان کے حالات سے خوب واقف تھا۔ اس نے ہر چند سمجھایا بلکہ تنبیہ کی کہ اس حکمتِ عملی کے نتائج خطرناک ہوں گے[1] کمپنی والے یہ تر نوالہ چھوڑنے پر تیار نہ ہوئے اور خود وزرائے برطانیہ نے قطعی حکم صادر کیا کہ بادشاہ کو وظیفہ اور خطاب دے کر حکومت سے بیدخل کر دیا جائے۔ اسے بھی ایک عہد نامے کی صورت میں شاہِ اودھ کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ واجد علی شاہ نے اس قتل کے محضر پر

---

[1] سلی مین نے خبردار کیا تھا کہ انگریزوں نے ریاستیں توڑ دیں تو پھر ہم دیسی فوج کے رحم و کرم پر رہ جائیں گے اور ممکن ہے کہ وہ ہمیشہ ہمارے قابو میں نہ رہ سکے۔ (اوکس ہس ص۲۰۶ بحوالہ خطوط وغیرہ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دستخط نہیں کیے، لہذا اسے جبراً لکھنؤ سے کلکتہ لے آئے، ملکِ اودھ کے الحاق کا اعلان کر دیا گیا (۱۸۵۶ء)[1]

(۲) کمپنی کے آئین و انتظام پر ایک نظر

ڈلہوزی کی جنگ و امن کی عظیم فتوحات نے اسے برطانوی عہدِ ملوکیت کا نامی گرامی کشور کشا بنا دیا تھا۔ کمپنی اُسے اپنا سب سے بڑا گورنر جنرل کہتی تھی، لیکن وہی اس کا سب سے آخری حاکم اور کمپنی بہادر کا خاتم ثابت ہوا۔ ڈلہوزی کے ہندوستان سے رخصت ہونے کے دوسرے ہی سال دوآب، مالوہ اور دہلی وغیرہ میں انگریزوں کے خلاف وہ شورش برپا ہوئی جسے انگریز "غدر ۱۸۵۷ء" کہتے ہیں اور وطن پرستوں کی نئی اصطلاح میں "استحصالِ آزادی کی پہلی جنگ" لکھی جانے لگی ہے۔ اس شورش کے اہم اسباب اور خاص خاص واقعات آئندہ اوراق میں سامنے آئیں گے لیکن اسی کے نتیجے میں مغلوں کی برائے نام بادشاہی کے ساتھ انگریز سوداگروں کی بساطِ حکومت تہ ہوئی، ممالکِ ہند براہِ راست شاہانِ برطانیہ کے مقبوضات قرار دیے گئے۔

اس دَور کو شروع کرنے سے قبل مناسب ہوگا کہ کمپنی کے آئین و انتظام کا مختصر تذکرہ کر دیا جائے کہ گو اوّل اوّل قریب تیس برس تک انگریز عمال اور گماشتے عموماً کسی آئین و اصول کے پابند نہ تھے اور ذاتی اور جماعتی اغراض کے لیے بے تحاشا اور بے محابا لوٹ مار مچاتے رہے جس کی سبھی انگریزی تاریخوں اور تذکروں میں مذمت آئی ہے لیکن جب کمپنی کے مالکوں کو ولایت میں احساس ہوا کہ یہ لانظمی خود ان کے مداخل میں معترض کا کام کرتی ہے، تو حکومتِ وقت کا سہارا لیا، مزید دخل گوارا کیا۔ وزیرِ اعظم پٹ کا "قانونِ امورِ ہندوستان مجریہ ۱۷۸۴ء" نفاذ میں آیا۔ سرکاری طور پر ایک "مجلسِ نگرانی" قائم کی گئی جسے کمپنی کے ہندوستانی مقبوضات میں ہر قسم کے انتظامی امور کو جانچنے اور مداخلت کرنے کا حق دیا گیا تھا۔ ہر چند یہ ایک مبہم سا قانون تھا، جس پر صحیح معنیٰ میں کبھی عمل نہ ہو سکا، تاہم اسی زمانے میں کمپنی کے نظم و نسق میں باقاعدگی کے آثار نظر آئے۔ ہندوستان کا حاکمِ اعلیٰ وزارتِ برطانیہ کی طرف سے نامزد ہونے

[1] مذکورہ بالا واقعات کیلئے دیکھو مارشمین ص۴۸۲، کین ج۲ ص۴۰۹۔ اس مؤرخ نے "بدانتظامی" کے الزام کی بھی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ: "اودھ کے باشندوں کی خوش حالی میں کوئی فرق نہ آیا تھا اور خود انگریزی علاقے کے لوگ اپنے گھر چھوڑ کر اودھ میں جا بسے تھے" ج۲ ص۱۱۶ وغیرہ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لگا۔ کلکتہ میں عدالتِ عالیہ کچھ عرصہ پہلے قائم کی گئی تھی جس کے ارکان برطانی حکومت مقرر کرتی تھی۔

مال گزاری کے سابقہ (مغلیہ عہد کے) انتظامات معمولی ردوبدل کے ساتھ بحال رہے، البتہ شروع ہی میں کارن والس نے ایک بڑی تبدیلی یہ کی کہ بنگالے میں دوامی بندوبست جاری کیا (۱۷۹۳ء) اصل مقصد یہ تھا کہ پرانے زمینداروں کی بجائے نئے سرمایہ داروں کے ہاتھ زمین بیچی جائے اور کمپنی کو زیادہ سے زیادہ مال گزاری وصول ہو، لیکن ابتدا میں اس انتقالِ اراضی نے مُلک بھر میں ایک ہل چل سی ڈال دی۔ لگان کی عدم ادائی کی سزا، زمین کا نیلام قرار دی گئی، اور اس پر پورے تشدد سے عمل ہوتا تھا۔ نتیجے میں بہت جلد صدہا زمینداریاں اور جاگیریں جو صدیوں سے بڑے بڑے خاندانوں میں چلی آتی تھیں عمالِ کی سنگین قلم اور نیلامی کی شمشیرِ زبان سے ککڑی کی طرح کٹتی چلی گئیں۔ خدا جانے کتنے رئیس ور اجاد وسائلِ معاش اور ذریعۂ عزت و وقار سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گئے۔ خود انگریز اہل الرائے کی خفگی کا اصلی سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ چند ہی سال میں دوامی بندوبست سے جو واقعی یا فرضی توقیر ہوئی تھی، وہ غائب ہو گئی اور نئے زمیندار ایسے نمایاں قانون داں نکلے کہ آئندہ کسی ردوبدل کی تجویز نہ چلنے دی۔ قریب قریب سو برس تک کاشت کار بالکل زمیندار کا غلام رہا اور سرکار کے حق میں یہ بندوبست، دوامی خسارے کا طوق بن گیا۔[1]

مال گزاری کا ایک اور طریقہ جسے تقریباً تیس برس بعد مدراس اور مہاراشٹر وغیرہ جنوبی ہند کے اضلاع میں رواج دیا گیا "رعیت واڑی" موسوم ہے۔ کمپنی کے عمال اور اکثر تاریخ نویس انگریز اسے مدراس کے گورنر ٹامس منرو کی ایجاد بتاتے تھے، حالانکہ وہ برابر انکار کرتا رہا۔ حقیقت بھی یہی تھی کہ چھوٹی ریاستوں کے مالک براہِ راست کسان سے مال گزاری وصول کرتے اور اسی کو "رعیت واڑی" طریقہ کہتے تھے، لیکن بڑی ریاستیں یا سلطنت کی طرف سے عموماً موروثی زمیندار وصولِ مال گزاری کی خدمت انجام دیتے اور مالکانہ حقوق رکھتے

---

[1] اسی خسارے کے باعث بندوبست کے بیس پچیس برس بعد سے اکثر اہل قلم انگریز کارن والس کی مذمت اور تحمیق کرتے رہے ہیں۔ (دیکھو "رومیش دت" کی تاریخ ہند، ۱ مقدمہ فصول جلد سوم) وغیرہ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ انگریزوں نے فائدے کے لالچ میں یہ توسط اٹھا دیا۔ زمینداروں کی حق تلفی کی اور کسان پر سرکاری غلے کا توسط قائم کیا۔ یہ کنویں سے نکال کر بھٹی میں ڈالنے والی بات ہے۔ کمپنی کو اس ظالمانہ تجربے میں بھی آگے چل کر نقصان رہا۔ مال کی بجائے بہت بدنامی وصول ہوئی۔[1]

انگریزی عدالت

وارن ہسٹنگز کے زمانے میں برطانی حکومت نے ایک عدالتِ عالیہ کلکتہ میں قائم کرا دی تھی کہ "اہلِ ہند کو انگریزوں کی عدالت اور انصاف پسندی سے بہرہ مند ہونے کا موقع ملے۔" عدالت میں خود ہسٹنگز پر ایک ہم صفیر نے خیانت و رشوت ستانی کا مقدمہ چلایا مگر گورنر جنرل نے طلب نامے کی تعمیل نہیں کی۔ تھوڑے دن بعد دوسرا جج ولایت سے آیا جو ہسٹنگز کا دوست تھا۔ پچھلے مقدمے کے لیے ایک برہمن راجا (نند کمار) نے ہسٹنگز کے خلاف ثبوت فراہم کیے تھے۔ اب خود اس پر جعل سازی کا مقدمہ قائم ہوا اور عدالتِ عالیہ کے نئے میر مجلس (چیف جسٹس) نے پھانسی کی سزا تجویز کی۔ داد فریاد ایک طرف یہ خبر پوری طرح شائع بھی نہ ہونے پائی تھی کہ مجرم دوسری دنیا میں پہنچ گیا۔

اسی عدالتِ عالیہ کے تین فیصلے عبداللہ یوسف علی صاحب (آئی سی ایس) نے ایک حالیہ تالیف میں نقل کیے ہیں:

(۱) دسمبر ۱۸۰۳ء میں الیکزنڈر مور کو قتلِ انسانی کی سزا میں ایک سال قید اور بیس روپیہ جرمانہ کیا گیا۔

(۲) ایک انگریز فوجی کو اسی جرم قتل کی سزا فقط ایک ہفتہ قید اور ایک روپیہ جرمانہ کافی سمجھی گئی!

(۳) لفٹننٹ راٹن نے ایک فوجی افسر کو مار ڈالا تھا۔ عدالتِ عالیہ سے سو روپیہ جرمانہ اور ایک ماہ کی قید سزا ہوئی۔[2]

---

[1] امپیریل گزیٹیر، عنوان: مدراس، بمبئی۔ نیز دیکھو ادکس ہس ص ۵۶۲ و مابعد۔

[2] "انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ" (شائع کردہ (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انگریز حاکمانِ عدالت کے یہ چند فیصلے نمونے کے طور پر یہاں اس لیے دہرائے گئے کہ اُن دنوں کمپنی کے صدر والی بار بار زور دیتے تھے کہ ہندوستانی حاکم بالکل قابلِ اعتبار نہیں۔ تعزیری مقدمات میں صاحبانِ انگریز ہی بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔[1] اسی بنا پر انگریزوں کو دیسی زبانوں کی تعلیم دلوا کر اکثر فوجداری اختیارات انہی صاحبانِ ضلع (یا کلکٹروں) کے حوالے کیے جاتے رہے۔ انگریزی قوانین کا بتدریج ہندوستان میں نفاذ کیا جانے لگا، تاہم دیوانی مقدمات کے لیے ماتحت دیسی اور قاضیوں کی عدالتیں قائم تھیں۔ اسلامی شرع اور ہندوؤں کے لیے دھرم شاستر کے احکام مانے جاتے تھے، اگرچہ ان کے انگریزی تراجم اور شروح میں بہت دن تک غلطیاں ہوتی رہیں۔[2] غنیمت ہے کمپنی کے کارخانہ دار نئے قانون بنانے پر متوجہ نہ ہوئے، بلکہ صرف ایک، یعنی ستی کے انسداد کا مفید قانون ڈرتے ڈرتے نافذ کیا (۱۸۲۹ء) مسلمان

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

ہندوستانی اکیڈمی، الٰہ آباد) ص۱۔ خود برطانیہ میں عدالتی قوانین کے "مبہم اور سخت" ہونے اور انصاف کی بجائے "محض ضابطہ پرستی" کی نسبت مرزا ابو طالب نے اپنے سفرنامے میں بڑی بے لاگ تنقید کی ہے۔ وہ انیسویں صدی کے بالکل آغاز میں برطانیہ گئے تھے۔ (دیکھو انگریزی ترجمہ از اسٹوارٹ)

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] دیکھو مارش مین، کارن والس کے حال میں۔ نیز ادکس ہس، ص۵۰

[2] ہندوستان میں انگریزی قوانین کے نفاذ اور عدالتوں کے طریقِ کار کی مکالے نے شدید مذمت کی ہے (ملاحظہ ہو اس کا مقالہ وارن ہسٹنگز پر) دیسی معاصرین میں صاحب 'سیر المتاخرین' (جلد سوم میں) فریاد کرتا ہے کہ انگریزی عدالت میں دادرسی کے لیے جانا، اپنے سر پر نئی مصیبت لانا ہے۔ میجر باسو (عیسائی قوت ... ہند میں، جلد پنجم) ایک مشہور انگریز جج کا قول نقل کرتا ہے کہ کمپنی والوں نے "انصاف" کو بھی تجارت کا مال بنا دیا تھا کہ جو زیادہ دام دیتا اسی کے ہاتھ آجاتا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بادشاہوں کے عہد میں اور ہندو ریاستوں میں بغیر مرضی بیوہ کو جلانے کی ممانعت تھی۔ اب اس فعل کو قتلِ عمد قرار دیا گیا اور ہندو آبادی نے بھی اس قانون کی کوئی نمایاں مخالفت نہیں کی۔

تعلیم:

زیرِ نظر دور میں کمپنی کی طرف سے چند مدرسے قائم کیے گئے۔ اوّل اوّل عربی، سنسکرت کے علوم اور قوانین کی تعلیم پر توجہ تھی۔ پھر انگریزوں کو دیسی زبانیں اور علوم سکھانے کا خیال پیدا ہوا۔ فورٹ ولیم کالج کلکتہ اسی غرض سے بنایا تھا (۱۸۰۰ء)، مگر نظمائے کمپنی خرچ کی زیادتی سے گھبرا گئے۔ دو ہی سال میں کالج بند کر دیا گیا، تاہم جون گل کرسٹ کی کوشش سے پہلی مرتبہ زبانِ اُردو کا باقاعدہ مطالعہ شروع ہوا۔ قواعدِ صرف و نحو اور لغت پر ابتدائی کتابیں انگریزی میں لکھی گئیں۔ بول چال کی زبان میں ادبی نثر نے ظہور کیا۔ میرامّن کی "چار درویش" اسی کوشش کی سب سے مقبول کہانی ہے۔

مشکل یہ تھی کہ مسلمان اہل الرّائے فارسی کو چھوڑنا نہ چاہتے تھے۔ وہ اُن کے عہدِ ملوکیت کا تبرک تھی۔ انگریز حکام کو ان جذبات کا احترام کرنا پڑتا تھا۔ سرکار، دربار، عدالت بلکہ نئے نکلنے والے اخباروں میں عرصے تک فارسی چلتی رہی۔[1] اس قدامت پرستی نے اُردو کو نہ صرف علمی ادبی زبان بننے سے روکا بلکہ صوبائی زبانوں کو موقع دیا کہ فارسی کی بجائے وہ تعلیمی اور عدالتی زبان بن گئیں (۱۸۳۹ء)۔ اُردو یا ہندوستانی اس قدرتی استحقاق سے محروم ہوتی چلی گئی۔

کمپنی کے زمانے کا ایک قابلِ ذکر مدرسہ دہلی کالج تھا، جو اصل میں غازی الدین (عماد الملک ثالث)

---

[1] کلکتہ میں انیسویں صدی کے شروع میں چھاپے کی نئی کلیں آگئی تھیں۔ فارسی، اُردو حروف بھی ڈھالے گئے اور ۱۸۱۸ء یا کچھ بعد ہفت روزہ فارسی اخبار "جامِ جہاں نما" شائع ہوا۔ اُس کا ضمیمہ اردو میں چھاپا جاتا تھا۔ چند سال بعد آئینۂ سکندری، سلطان الاخبار، مہرِ منیر بھی فارسی میں کلکتہ سے نکلے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے تعمیر کیا اور اسلامی علوم کی تعلیم دیتا رہا۔ پھر انگریزوں نے اس کی از سرِ نو تنظیم کی۔ ایک صاحب فضل علی خاں دہلوی اعتماد الدولہ کے خطاب سے اودھ کے وزیر ہو گئے، مگر اپنے اُجڑے دیار کو نہ بھولے تھے انہوں نے بہت سا روپیہ اہلِ دہلی کی تعلیم کے لیے وقف کیا۔ اسے بھی دہلی کالج کے کام میں لایا گیا اور قدیم علوم کے ساتھ ساتھ جدید علوم اور انگریزی زبان کی تعلیم کا انتظام ہوا (۱۸۲۸ء)

کالج کا پرنسپل انگریز ہوتا تھا، مگر اساتذہ میں بعض مشہور دیسی علماء کے نام آتے ہیں۔ یہ کالج ہنگامہ ۱۸۵۷ء تک قائم رہا اور اس کا انگریز پرنسپل بھی بلوائیوں کے ہاتھ سے مارا گیا، لیکن اسی پچیس تیس برس میں درس تدریس کے ساتھ ایک بڑا کام دہلی کالج نے یہ سرانجام دیا کہ ریاضیاتِ عالیہ، تاریخ جغرافیہ، قانون وغیرہ کے علاوہ جدید طبیعیات (نور، حرارت، برق، مقناطیس، حرکت) میکانیات، معدنیات، کیمیا جیسے تجربی علوم کی معیاری کتابیں انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیں اور انہی کو پڑھا کر طالب علم تیار کیے جو انگریزی میں تعلیم پانے والوں سے بہتر ثابت ہوئے۔[۱] لیکن اوّل تو کمپنی کے تعلیمی مقاصد میں دینِ مسیحی کی اشاعت کا جذبہ اور اہلِ ہند کو تہذیبِ فرنگ میں رنگ دینے کا شوق شامل ہوا، دوسرے انقلابِ حکومت کے ساتھ زبانِ اُردو کی ترقی کا یہ امید افزا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ سرکاری مدارس میں انگریزی زبان مسلّط کر دی گئی۔[۲]

فوجی تنظیم ۔ شورشیں

انگریز تاجروں کو ہندوستان کی فتوحات بہت سستی پڑی تھیں۔ جنگ اور خونریزی کی کبھی کبھار

۱۔ یہ انگریز حکام اور ماہرینِ تعلیم کی رائے تھی۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ڈاکٹر مولوی عبدالحق کا تحقیقی مقالہ "مرحوم دہلی کالج" جو پہلے رسالہ "اردو" (۱۹۳۳ء) میں باقساط چھپا پھر علیحدہ شائع کر دیا گیا ہے۔ کالج کی مترجمہ کتابوں کا شمارہ ۱۱۷ تھا۔

۲۔ انگریزوں کی تعلیمی حکمتِ عملی کے کچھ اینچ پیچ آئندہ اوراق میں ہمارے سامنے کھلیں گے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نوبت آئی تھی، تاہم وقت کی ضرورت اور مقبوضات کی وسعت کے ہم قدم فوج کی تعداد بڑھانی لازم ہوئی سترہویں صدی کے آخر تک یہ تعداد پوری تین سو بھی نہ تھی اور بیشتر کمپنی کے انگریز ملازم اور چند آوارہ گرد یا مفرور گوری سپاہی اس میں داخل تھے[1] ارکاٹ اور بنگالے کی لڑائیوں میں دیسی سپاہی بھرتی کیے گئے اور ۱۷۶۳ء میں ان کی بارہ پلٹنیں تیار ہو گئیں جو اپنے انگریز افسروں کے ماتحت خود اپنے صوبیدار میر قاسم اور اپنے بادشاہ شاہ عالم سے لڑیں اور اپنا ملک فتح کر کے فرنگی آجروں اور تاجروں کے حوالے کر دیا۔ بنگال آرمی میں جنگ آزما صرف ڈیڑھ ہزار تباہے گئے ہیں۔ مدراس اور بمبئی کی انگریزی فوجوں میں بھی قریب قریب یہی تناسب تھا، لیکن چالیس برس بعد اولوالعزم وے لزلی نے کشور کشائی کا بڑے پیمانے پر آغاز کیا تو فوجی تعداد کے ساتھ دیسی سپاہ کا تناسب اور بھی زیادہ ہو گیا، یعنی ۲۴ ہزار گوروں کی تقویت کے لیے ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ دیسی اجیر انگریز کمپنی کی وردیاں پہن کر میدان میں آئے اور ٹیپو اور مرہٹہ ریاستوں کو فنا کرنے میں شریک ہوئے۔ ان میں بڑی تعداد شمالی ہند کے اونچی ذات کے ہندوؤں اور جنوب کے مرہٹوں کی تھی۔ سوار فوج میں بیشتر سپاہی پیشہ مسلمان بھرتی ہوتے تھے۔ توپ خانہ عموماً انگریز سپاہ و سردار کے تحت میں رکھا جاتا تھا۔ دیسی فوج میں کبھی کبھی جو شورشیں بپا ہوئیں وہ انگریزوں کو چوکنا بناتی رہتی تھیں اور ۱۸۵۷ء کی بڑی شورش کے قریب زمانے میں بھی انہوں نے دیسی سپاہ کا تناسب کچھ کم کیا اور فرنگیوں کی نگرانی کڑی کر دی تھی۔

ہمعصر انگریزی تاریخوں میں اس عہد کے بعض فوجی فسادات کا تذکرہ خاصی تفصیل سے ملتا ہے، جن میں انگریز سپاہی اور سردار مارے گئے۔ ان کے فرد کرنے میں کچھ بہت دیر یا دقت نہیں ہوئی، البتہ یہ لوگوں کی ذہنیت اور انگریزوں سے عام مذہبی بدگمانی کی جھلک دکھاتے ہیں۔ ہم دیسیوں کو ذرا ذرا سی بات پر مشتعل ہوتے دیکھتے ہیں، مگر یہ بھڑک محض وقتی بلوے کی صورت اختیار کرتی ہے، کوئی دیرپا

---

[1] عام درسی تاریخوں کے علاوہ کمپنی کی فوجی تاریخ کے لیے اوزم اور ملِ کی تاریخیں سب سے ابتدائی ماخذ ہیں۔ نیز دیکھو امپی ریئل گزیٹیر انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا متعلقہ عنوانات کے تحت میں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحریک نہیں ملتی۔ اس کی پہلی مثال ویلور (مدراس) کا فساد ہے جہاں دیسی فوج کی بڑی چھاؤنی تھی اور قلعے میں سلطان میسور (شہید) کی اولاد گورہ فوج کے زیر حراست رکھی گئی تھی۔ انگریز سپہ سالار نے دیسیوں کی وردی میں ایک نئی وضع کی پگڑی جاری کی۔ ڈاڑھی والوں کو حکم دیا کہ ذرا اس طرح ترشوائیں کہ یکسانی کی خوش نمائی پیدا ہو جائے۔ مدراس کے ہندو ماتھے پر لمبی چوڑی لکیریں بناتے ہیں۔ یہ ایسی علامتیں ہیں کہ ان کی صراحت بھی دوسروں کو تہذیب کے خلاف معلوم ہوگی، مگر فرنگی کمیدان کی ممانعت سے کہ سرکاری فرائض کے وقت یہ لکیریں نہ بنائی جائیں، ہندو سپاہی سخت مشتعل ہوئے، عام رائے یہی ٹھہری کہ فرنگی ہمیں کرشتان بنانے کی تدبیر کرتے ہیں۔ یکایک قلعے میں جا گھسے اور سو سے زیادہ گورہ سپاہی اور فوجی افسروں کو انہی ہتھیاروں سے مار جن کا چلانا انگریزوں سے سیکھا تھا، مگر اتنی دیر میں کہ ارکاٹ سے انگریزی فوج آئے جوش و خروش سرد ہو چکا تھا۔ سرکشی کرنے والے بلا مزاحمت پکڑ لیے گئے اور صدہا گولیوں کا نشانہ بنے۔ سلطان میسور کے نظر بند بیٹوں کو یہاں سے ہٹا کر کلکتہ بھیج دیا، اگرچہ اس ہنگامی بغاوت اور خونریزی میں ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ (۱۸۰۶ء)

دوسرے سال ایک اور ہنگامہ ریاست ٹراونکور میں برپا ہوا۔ اس کی وجہ دیوان اور انگریز رزیڈنٹ کی ناچاقی بتائی گئی ہے لیکن دیوان کے اعلان پر کہ دین دھرم خطرے میں ہے ہزاروں نائر دوڑ پڑے رزیڈنٹ تو بچ کر نکل گیا اس کی مختصر فوجی جمعیت مفت میں ماری گئی۔ فساد بہت جلد رفع دفع ہو گیا۔ اہل فساد کیفر کردار کو پہنچے تاہم زیادہ تباہی ہنگاموں کے اندیشے سے برطانی پارلیمنٹ نے کمپنی کو حکم دیا کہ دین مسیحی کی تبلیغ کا کام صرف اجازت یافتہ پادریوں تک محدود کر دیا جائے۔ انہیں کمپنی کی طرف سے تنخواہ ملتی تھی۔ یہ انہیں زیادہ محتاط بنانے کا پیرایہ قرار دیا گیا تھا۔ چند سال بعد ایک اور خطرناک بلوہ بریلی شہر میں ہوا (۱۸۱۶ء) لوگوں کی ناراضی کا سبب نئے شہری محصول تھے لیکن ایک پرجوش مفتی نے جہاد کا فتویٰ دے کر ایسی آگ لگائی کہ شہریوں نے انگریزی فوج پر ایک دم حملہ بول دیا اور صدہا اس کی آتشباری سے مارے گئے۔ فوجی نقصان معمولی تھا پھر بھی انگریز حکام بہت دن تک پریشان رہے کہ ایسے مذہبی جذبات کے پھوٹ پڑنے کا کس طرح انسداد کیا جائے؟ انہیں زیادہ فکر دیسی فوج کی طرف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے رہتی تھی اور انہی سے زیادہ سابقہ اور کام پڑتا تھا۔ ان کے قومی حسیات کے احترام کی ایک دلچسپ مثال بینٹنک کے زمانے (۱۸۳۲ء) کا وہ فوجی حکم نامہ ہے جس کی رو سے دیسی سپاہیوں کو سزائے تازیانہ سے قطعی مستثنیٰ کیا گیا تھا۔ حالانکہ گورے سپاہی فوجی عدالت سے اس قسم کی سزا پاتے تھے۔ گوروں کے احتجاج پر کچھ عرصے بعد یہ "ناگوار فرق" دور کیا گیا۔ دیسیوں کے پچاس کوڑے تک لگانے کی اجازت ہو گئی۔[1]

مجموعی طور پر دیکھیے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ انگریز حکام دیسی فوج کو خوش رکھنا چاہتے تھے۔ انہیں اچھی وردیاں پہناتے، جدید اسلحہ سے آراستہ کرتے، جنگی قواعد، بھاگ دوڑ، سواری، قادر اندازی کی خوب مشق کراتے تھے۔ فوج کو لڑانے، سرداری اور قیادت کرنے کا فن اور توپ خانہ انگریزوں نے اپنے ہاتھ میں رکھا تھا۔ پھر بھی دیسیوں کو ان سے کچھ نہ کچھ واقفیت ہو جاتی تھی۔ ذاتی برتاؤ برابر تھا۔ انگریز افسر تا امکان اُن کے مذہبی عقائد و شعائر کا لحاظ رکھتے تھے۔ مالی، تمدنی اور تہذیبی اعتبار سے فرنگی سردار اور ہندی سپاہی میں غالباً اتنا فرق نہ پڑا جتنا کمپنی کی حکومت ختم ہونے کے بعد برطانی بادشاہی کے دور میں نمایاں ہوتا چلا گیا۔ بایں ہمہ سلی مین جیسے اہل نظر کا یہ خوف بے جا نہ تھا کہ دیسی فوج اپنی تعداد اور تنظیم و قواعد دانی کے باعث ایک بڑی قوت بن گئی ہے جو کبھی انگریزوں پر پلٹ پڑی تو انہیں لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ اس خطرے کا واقعی ظہور ۱۸۵۷ء میں ہوا

---

[1] ادکس ہس ص ۶۵۸۔ نیز دیکھو سلی مین (ریم بلز....) جس نے انگریزوں کو تنبیہ کی تھی کہ دیسی فوج سے ہوشیار رہیں۔ اسی سے کچھ پہلے بنگال اور مدراس کی دیسی فوج میں بے چینی کی اطلاع ملتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ہشتم

سیّد احمد صاحبؒ کی تحریک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سید احمدؒ صاحب کی تحریک

سید احمد صاحب بریلویؒ کی تحریک ۱۸۵۷ء کے ہنگامے سے زمانی تقدم رکھتی ہے اور ملی اعتبار سے نہایت اہم ہے کہ مدت دراز کے بعد مسلمانوں میں جہاد فی سبیل اللہ کا آوازہ بلند ہوا، شرعی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ صدیوں سے بادشاہوں نے جہاد کے دینی فریضے کو جہانگیری اور کشور کشائی کا برقع بنالیا تھا۔ جب کسی غیر مسلم قوم سے لڑنے جاتے، جہاد کا جھنڈا میدان میں لاتے اور علمائے وقت کے فتوے بھر بروں پر چپکا لیتے تھے۔ حد ہے کہ امیر تیمور نے ہندوستان پر تاخت کی تو بارہ مولویوں سے فتویٰ لکھوایا کہ یہاں فسق و فجور کی گرم بازاری ہے، حکومت سدِ باب نہیں کرتی۔ ایسے مسلمانوں پر کفارِ حربی کی طرح جہاد واجب ہے[1]۔

تیمور کی اولاد میں بابر نے رانا سانگا سے لڑائی چھیڑی تو شراب چھوڑی اور دینی جنگ کا اشتہار دیا

---

[1] فارسی تاریخوں میں یہ واقعہ مذکور ہے۔ ہماری تاریخ کی پہلی جلد . . . میں اس کا اشارہ ملے گا۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے پورا فتویٰ کتب معتبرہ سے نقل کیا اور اپنے ایک جوابی مکتوب کا ضمیمہ بنایا تھا۔ 'سوانح احمدی' (تالیف مولوی محمد جعفر تھانیسری) میں بجنسہٖ چھاپ دیا گیا ہے (صفحہ ۲۲۹)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا۔ جہانگیر نے (بغیر ترکِ شراب ہی) اودے پور کے معرکے اور نگر کوٹ کی فتح پر یہی رنگ چڑھایا ہے۔ عالم و زاہد عالمگیر نے پیرانہ سالی میں مرہٹوں پر فوج کشی کی تو اسے بھی جہاد خیال کیا تھا۔ وہ بادشاہ کے لیے ریاضتِ شاقہ اور سخت مجاہدہ ضرور تھی ۔ یہ عظیم فرق سید صاحبؒ کی سعی کو مزید عظمت بخشتا ہے کہ کوئی شاہی اقتدار، بلکہ معمولی دولت و ثروت بھی ان کو شہ دینے میں شامل نہیں تھی۔ محض دین کے جوش سے اٹھے۔ توکل بہ خدا لڑے اور اسی راہ میں جان سے گزر گئے۔ سکھوں کے مقابلے میں ان کی ناکامی سے تاریخ ایک اور سبق حاصل کرتی ہے۔ وہ یہ کہ لانظمی کے دور میں ضرر بخش قوتیں کس قدر جلد بڑھتی اور نشو و نما پا جاتی ہیں۔ گویا چند سال کی بے غوری دیرینہ کشت و خیاباں کو جنگل بنا دیتی ہے۔ پھولوں کی جگہ آکھ اور ناگ پھنی پھیل جاتے ہیں۔ بیبدی پہ جو انسا غالب آجاتا ہے۔

سید صاحبؒ کے متعلق حال میں کئی چھوٹی بڑی کتابیں، مضامین و مقالات لکھے گئے اور لکھے جا رہے ہیں۔ اگرچہ اُن کے جہاد کا مقصد بظاہر محدود، اور عملی دشواریوں کے اندازے ناقص تھے، لیکن کوئی شبہ نہیں کہ پاکستان و ہند کی ملتِ اسلامیہ کی زندگی میں یہ سب سے پہلا اجتماعی اقدام اور مسلمانوں کی پہلی قومی نوعیت کی تحریک تھی۔ اس کے پیشوا کی جتنی یاد منائی جائے، بجا ہے۔ پھر یہ کہ اُن کی سوانحِ عمری میں ہم جا بجا گزشتہ صدی کے ہندی مسلمانوں کے عقائد و اخلاق، ملکی اور مذہبی احوال سے دوچار ہوتے ہیں۔ اس کتاب کے محدود صفحات میں انہی گوشوں پر نگاہ دوڑانی چاہیے۔

ابتدائی حالات :

سید احمد صاحبؒ تیرہویں صدی ہجری کے عین آغاز میں پیدا ہوئے (صفر ۱۲۰۱ھ م نومبر ۱۷۸۶ء[1]) رائے بریلی (اودھ) کے مشہور حسنی سادات سے تھے جن کے مورثِ اعلیٰ سید قطب الدین ساتویں صدی ہجری

---

[1] "سوانح احمدی" میں محرم ۱۲۰۱ھ لکھا ہے۔ ہم نے "سیرت سید احمد شہیدؒ" (ا ص ۶۹) سے تصحیح کی۔ یہ کتاب سید صاحبؒ کے خاندان کے ایک فاضل سید ابوالحسن علی صاحب نے حال میں تالیف کی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یں ہندوستان آئے اور دوآب (۱۲۸۷ء) میں سکونت اختیار کی[۱] خاندان کی شاخیں پھیلیں اور اس کے افراد علم و فضل میں ممتاز رہے، مگر خود سید احمد صاحب کو پڑھنے لکھنے کا زیادہ شوق نہ تھا، لڑکپن میں سپاہیانہ ورزشیں مرغوب تھیں۔ خوب ڈنڈ پیلتے اور تیرنے کی مشق کرتے تھے۔

جوانی میں نوکری کے لیے لکھنؤ گئے تھے، وہاں سے ایسا دل اُکھڑا کہ پیادہ پا دلی کی طرف چل پڑے اور شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے (۱۲۲۲ھ) یہاں بھی درس کے مدارج سے زیادہ منازلِ سلوک میں قدم تیز تھا، لیکن یہ حضرت مجددؒ اور شاہ ولی اللہؒ کا اصلاح یافتہ تصوف تھا جس میں شریعت کو اجمال اور طریقت کو محض تفصیل قرار دیا ہے۔ سید صاحب کو اس تعلیم نے زاویہ نشینی نہیں سکھائی، بلکہ دو سال بعد ہم انہیں نواب امیر خاں کے لشکر میں میدانی مشقیں کرتے دیکھتے ہیں (۱۲۲۴ھ م ۱۸۱۰ء)۔ اُن دنوں امیر خاں اپنے مرہٹہ حلیفوں کے ساتھ راجپوتانے میں جولانیاں دکھاتے تھے۔ سید صاحب نے بھی کئی گڑھ جیتنے میں حصہ لیا۔ اسی ضمن میں ان کی بعض روحانی فتوحات کا ذکر آتا ہے۔ کم سے کم خود امیر خاں اُن کی دینی تونگری کا ضرور قائل ہو گیا تھا اور ایک روایت کی رو سے انہی کے مشورے سے انگریزوں کے ساتھ مصالحت پر تیار ہوا۔[۲] سید صاحب صلح سے کچھ پہلے دہلی چلے آئے۔ (۱۲۲۹ھ م ۱۸۱۶ء)

معلوم ہوتا ہے اس مرتبہ شہرت اُن کی ہراول بن کر آئی تھی۔ خاندانِ شاہیہ نے بہت

---

[۱] سید قطب الدین کے پوتوں سے تاریخ فیروز شاہی کا مؤلف برنی ملاقات رکھتا تھا، اپنی تاریخ میں اس خاندان کی بڑی تعریف کرتا ہے (ص ۲۴۵ وغیرہ)

[۲] یہ روایت حیاتِ طیبہ (شاہ اسمٰعیل شہیدؒ) میں مرحوم مرزا حیرت دہلوی نے کافی صراحت سے تحریر کی ہے (ص ۱۹۲) اس دَور کا خاص ماخذ سید صاحب کے کاتب میر جعفر علی نقوی کی کتاب "سوانح احمدیہ" ہے، ان کا بیان کچھ مبہم ہو گیا ہے۔ سیرت (از ابوالحسن صاحب علوی) میں سید صاحبؒ کو انگریزوں سے صلح کرنے کے بالکل مخالف بتایا ہے (ص ۸۰)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ خاص شاہ عبدالعزیزؒ کے ایما سے مولانا عبدالحیؒ اور شاہ اسماعیلؒ جیسے فاضل سیّد صاحبؒ کے مرید ہوگئے۔

شاہ اسماعیلؒ کی پُرجوش اصلاحی سرگرمیاں کئی سال پہلے شروع ہوئیں اور انہیں ناموری کے منبر پر استادہ کرچکی تھیں۔ جیسا کہ اُن کے حال میں آگے آئے گا، وہ سکھا شاہی پنجاب کا بھی ایک دورہ لگا آئے تھے۔ غرض جہاں جہاں ان صاحبوں کا اثر تھا، وہاں اس نوجوانؒ بزرگ کے اشتیاق کی لہر دوڑ گئی۔ دہلی سے وطن واپس ہوئے تو جگہ جگہ صدہا اشخاص نے بیعت کی اور توبہ کی توفیق پائی۔ ضلع سہارنپور کے قصبات میں زیادہ قیام رہا تھا، وہیں زیادہ تعداد میں لوگ مستفید ہوئے۔ مولانا عبدالحیؒ اور شاہ اسماعیلؒ سفر میں ہمرکاب اور خدمت گزاری میں پیش پیش تھے۔ ان کے فصیح و بلیغ مواعظ نے سیّد صاحبؒ کے حلقۂ ارادت کو صحیح معنیٰ میں دینی درس گاہ بنا دیا تھا۔

عملی اصلاح کا یہ آغاز سیّد صاحبؒ نے اپنے خاندان سے کیا کہ ایک بیوہ خالہ کا، دوسرا نکاح کرا دیا جو اُن دنوں مسلمان شرفا میں سخت معیوب سمجھا جاتا تھا۔ وطن کے اسی قیام کے زمانے میں کتاب "صراط المستقیم" تالیف ہوئی۔ یہ سیّد صاحبؒ کے ملفوظات ہیں جن کو شاہ اسمٰعیلؒ اور مولانا عبدالحیؒ نے جمع کیا تھا۔ گویا تینوں صاحبوں کی طرف سے مشترک ہدایت نامہ ہے کہ تصوّف کی تعلیم کے ضمن میں ان مشرکانہ بدعات اور فاسد عقائد کا حال سناتا ہے جو ہندوستان کے مسلمانوں میں بلا روک ٹوک پھیل رہے تھے۔[1] ملّی خرابیوں کے یہ ابواب کچھ نئے نہ تھے:

پیر پرستی، قبر پرستی، سویم چہلم، شادی کی ہندوانہ رسوم، بے جا اسراف، ممانعتِ نکاحِ بیوگان وغیرہ۔ اور نہ آج تک ان کا پورا دفعیہ ہوا ہے، لیکن سیّد صاحبؒ کی تحریک اس اعتبار سے نئی اور

---

[1] ہنٹر نے "ہندوستانی مسلمان" صہ ۶۹ میں اسے شاہ صاحبؒ کی تصنیف بتایا ہے جس کا اردو ترجمہ مولوی عبدالجبار کانپوری نے کیا تھا۔ غالباً اسی کے قول سے دوسروں کو غلط فہمی ہوئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادہ اثر انگیز تھی کہ وہ ایک صوفی پیر کے لباس میں مجددی شدت کے ساتھ عوام و خواص، ہر طبقے سے محاسبہ کرتے تھے۔ انہوں نے عارف کے وظائف میں ایک مصلح واعظ کے فرائض کو شامل کر لیا تھا۔

آیندہ چار پانچ سال میں سید صاحبؒ نے دوآب کے (بنارس تک) چند سفر کیے۔ مختلف شہروں میں اپنے "طریقہ محمدیہ" کی اشاعت کی۔ اودھ میں غازی الدین حیدر کی بادشاہی تھی۔ پایۂ تخت لکھنؤ شیعیت کا اشاعت گڑھ بن گیا تھا۔ سید صاحبؒ اپنے لشکرِ اصلاح کے ساتھ یہاں داخل ہوئے۔ شہر بھر میں شاہ اسمٰعیلؒ اور مولانا عبدالحئیؒ کی تقریروں نے غلغلہ ڈال دیا۔ صدہا اشخاص مرید ہوئے، بدعات سے توبہ کی۔ حکومت نے تعظیم تکریم کی تدبیروں سے انہیں رخصت کرنا ضروری سمجھا۔ رائے بریلی کے قریب قصبہ نصیر آباد میں بھی ایک مرتبہ سنی شیعہ فساد کی آندھی اٹھی تھی۔ سید صاحبؒ نے مریدوں کو جہاد کی تیاری کا حکم دیا۔ خود بھی اسلحہ لگاتے۔ اہلِ خانقاہ کو مشقِ تفنگ کی تاکید فرماتے تھے[1]۔ بارے حکومتِ اودھ نے ہوش مندی سے کام لیا اور یہ قضیہ آپ کے حسبِ دلخواہ طے کرا دیا۔

حج کا سفر:

سید صاحبؒ کے ہمعصر سوانح، خوش اعتقادی سے قدرے مشکوک اور بے احتیاطی سے کچھ نامربوط ہو گئے ہیں، لیکن بہت ممکن ہے کہ آپ نے سکھوں کے خلاف جہاد کا پہلے سے ارادہ کر لیا ہو اور فریضہ حج ادا کرنے میں اسی بزرگ ترین عبادت کی تمرین اور تنظیم کی مصلحت مرکوز ہو۔

---

[1] کہتے ہیں اس موقع پر بعض ارادت مندوں نے ایراد کیا کہ عسکری تیاریاں سلوکِ صوفیہ کے خلاف ہیں۔ سید صاحبؒ نے جواب میں گرم تقریر کی۔ سنتِ انبیاءؑ کے حوالے سے فرمایا کہ جہاد افضل عبادات ہے۔ جو اس سے جان چراتا ہے وہ ہمارے کام کا نہیں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک اور اصلاحی پہلو یہ تھا کہ ہندی مسلمان حج کو جانے سے ڈرتے تھے۔ عالمگیر بادشاہ کے بعد فرنگیوں کے استیلا نے سمندر کا طولانی سفر مخدوش کر دیا تھا۔ حجاز میں بدو، خدا کے مہمانوں کو اپنے لیے خوانِ یغما سمجھتے تھے۔ انہی وجوہ سے بعض مولویوں نے فتویٰ دیا کہ آج کل حج کو جانا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اہلِ ہند کو آیۂ لا تُلقوا بایدیکم الی التھلکۃ پر عمل کرنا چاہیے! شاہ عبدالعزیزؒ صاحبؒ کو اس مفسدے کا سدِ باب کرنا پڑا، شاہ اسمٰعیلؒ اور مولانا عبدالحئیؒ سے جواب لکھوایا۔

سید صاحبؒ کا قصدِ سفر سن کر دور دور سے لوگ آپ کے قافلے میں آملے۔ عید الفطر ۱۲۳۶ھ م ۱۸۲۱ء کا دوگانہ ادا کر کے رائے بریلی سے کوچ شروع ہوا۔ ڈل مئو سے کئی کشتیاں کرائے پر لی گئیں اور گنگا کے کنارے جگہ جگہ ٹھیرتے ہوئے کلکتہ چلے۔ حج کے سفر سے آج بھی مخلص دلوں میں للّٰہیت کی موجیں اُٹھنے لگتی ہیں۔ ان بزرگوں پر کیا کچھ وارفتگی طاری نہ ہوگئی ہوگی؟ ہر مقام پر صدہا مشتاق آتے اور بیعت کے لیے کھچے جاتے تھے۔ الٰہ آباد میں وہاں کے رئیسِ اعظم، شیخ غلام علی صاحب نے بارہ دن قافلے کی مہمانی کی اور صادر و وارد سبھی کو دعوت میں شریک کیا۔

سیدؒ صاحب کو عوام کی اصلاح کے ساتھ مساکین کی دل دہی کا خاص خیال تھا۔ نومسلم بھنگیوں تک کو اپنے دسترخوان پر بٹھاتے تھے۔ ایک بازاری عورت توبہ کر کے ہمرکاب ہوئی، اُسے اپنی مستورات کی کشتی میں سوار کرایا۔ مرزا پور میں گدھے والوںؔ کے ہاں جن سے لوگ ملنے میں عار کرتے تھے، دعوت کھانے تشریف لے گئے۔ بنارس میں تلو کا چمار حضرتؒ کے ہاتھ پر ایمان لایا۔ گویا دین و دنیا کی دولت کی کنجی ہاتھ آگئی۔ چند ہی سال میں میاں الٰہی بخش کے نام سے ممتاز شہری بن گیا، مسجد تعمیر کی، مدرسہ جاری کرایا۔ جاہل عوام کو بڑا فائدہ اُن رسوم کو چھوڑنے سے پہنچا جنہیں مذہبی فریضہ سمجھ کر ادا کرتے اور زیر بار ہوتے تھے۔

سارے دوآبے کے باشندے اُن دنوں قبر پرستی سے بڑھ کر تعزیہ پرستی میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سیدؒ صاحب نے اسی سفر میں صدہا چبوترے توڑے گئے جنہیں تعزیے بٹھانے کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے خاص اہتمام سے تعمیر کراتے اور مسجدوں کی طرح مقدس جانتے تھے۔ خدا جانے کتنے تعزیے توڑ کر اہلِ قافلہ کے چولہوں میں ڈالے گئے اور کتنے علَم اور پنجوں کی چاندی حاجیوں کے خزانے میں داخل ہوئی۔

کلکتہ میں تین مہینے قیام رہا۔ غالباً بادِ مراد کے موسم کا انتظار کرنا پڑا۔ منشی امین الدین ایک معزز پیرزادے سرکار کمپنی کے وکیل تھے، انہوں نے قافلے کے واسطے شہر میں باغ خرید لیا تھا۔ سب اسی میں ٹھیرے۔ لکھا ہے کہ ان دنوں کلکتہ میں آبِ شیریں کم یاب تھا۔ اس باغ میں تین کنوئیں میٹھے پانی کے موجود تھے، حاجیوں کو ذرا تکلیف نہ ہوئی۔ منشی صاحب نے دل کھول کر مہمانی کی پہلے ہی دن جملہ اہلِ قافلہ کو نئی جوتیاں خرید کر پہنائیں۔ خورونوش کے ساتھ پوشش کا بھی انتظام کیا۔ دوسرے اہلِ خیر الگ دعوتیں کرتے اور نذرانے لاتے رہتے تھے۔ سیدؒ صاحب کو بارہا انہیں قبول کرنے سے انکار کرنا پڑا۔ رجوعِ عام کی حالت یہ تھی کہ ایک ایک دن میں ایک ایک ہزار آدمی، مرد و زن، مرید ہو جاتے تھے۔

گیارہ بادبانی جہازوں میں اہلِ قافلہ روانہ ہوئے۔ سب کے آخر میں سید صاحب کا جہاز چلا۔ ہمراہیوں کی تعداد آٹھ سو تھی۔ ان میں ایک چوتھائی کے قریب عورتیں تھیں۔ عدن اور مُخہ میں کئی ہفتے ٹھیرے۔ شعبان کے آخر میں مکہ معظمہ کی حاضری کا شرف حاصل کیا۔ حج کے بعد مدینہ منورہ گئے اور دوسرے سال (۱۲۳۸ھ) کے شوال ہی میں وطن کی طرف مراجعت کی[1] واپسی میں چند روز بمبئی ٹھیرے

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (۴، ص ۸۵۰) میں لکھا ہے کہ حجاز کے حکام نے سیدؒ صاحب کو حرمین میں زیادہ قیام نہ کرنے دیا۔ واپس جانے پر مجبور کیا۔ ہمارے ماخذوں میں حکومت سے ایسے کسی اختلاف کا ذکر نہیں آتا۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ چند ہی سال قبل "موحدین" (یعنی وہابیہ فرقے) کے لوگ جنگ و خونریزی کے بعد حجاز سے نکالے گئے تھے اور حکام و عوام ان کے خیالات سے بہت بھڑکتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر جہاز سے کلکتہ اور وہاں سے منزل بمنزل رائے بریلی آئے (شعبان ۱۲۳۷ھ) پورے سفر میں کچھ کم تین سال کی مدت صرف ہوئی۔

حجاز میں اہلِ علم و عمائدین کی ملاقات کا ذکر آتا ہے۔ یہاں کے بہت سے لوگوں نے سیّد صاحبؒ سے بیعت کی۔ "صراط المستقیم" کا عربی ترجمہ شائع کیا گیا، لیکن کسی وہابی عالم کے آپ سے ملنے اور آپ کے خیالات پر اثر ڈالنے کا سراغ نہیں ملتا۔ بظاہر یہ محض قیاس یا غلط روایت ہے جسے ہنٹر کی کتاب (ہندوستانی مسلمان) نے شہرت دی، تاہم کچھ شک نہیں کہ سفرِ حج نے آپ کے ارادوں میں بڑی پختگی اور حوصلوں میں نئی بلندی پیدا کی اور آپ کے ضعیف، عزلت پسند ساتھی تک ایسے تر و تازہ جنگی جوان بن کر واپس آئے کہ پہچانے نہ جاتے تھے۔ سفر کے گرم و سرد سے جسم قوی، زیارتِ حرمین سے ایمان جوان ہو گیا تھا ــــــ چند ماہ کے وقفے کے بعد ہی واقعی جہاد کی تیاری ہونے لگی۔

جہاد کا اعلان و آغاز:

سیّد صاحبؒ کئی سال سے پنجاب کے مسلمانوں پر سکھوں کے مظالم کے قصے سنتے اور غصے سے بے تاب ہو جاتے۔ یہ ان ظالموں کے چند روزہ راج کا عروج تھا۔ پنجاب و کشمیر انہی کے پنجے میں پھنسے تھے۔ کابل کی خانہ جنگی میں شاہ شجاع سکھوں کو حلیف بنا کر دریائے سندھ کے پار لے گیا اور ان لمبے بال والوں کا ہاتھ درۂ خیبر تک دراز ہو گیا تھا۔ سیّد صاحبؒ کے حج سے واپس آنے کے سال ہی پشاور کے کابلی سرداروں نے رنجیت سنگھ سے ہار مان لی، سکھوں کی سیادت قبول کر لی تھی (۱۲۴۰ھ م ۱۸۲۵ء)۔

پچھلے دنوں نپولین کی پراگندہ فوج کے چند سردار بہتے بہاتے پنجاب میں آ نکلے اور سکھ فوج کو نئے سرے سے آراستہ، نئی توپوں سے مسلح کر دیا تھا۔[۱] غرض سکھوں سے لڑنا ایک زبردست جنگی

۱؎ رنجیت سنگھ کی فوج کی انتہائی تعداد اٹھاسی ہزار سے بڑھ (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قوت سے باقاعدہ جنگ چھیڑنا تھا۔ سال بھر تک جہاد کی پیہم دعوت اور سارے شمالی ہند میں اعلان و اشتہار کے باوجود سید صاحبؒ کے رفیقوں کی تعداد جنہیں رائے بریلی اور پھر ٹونک سے لے کر چلے چند ہزار سے زیادہ نہ تھی[1] اگرچہ بعد میں بھی کمکی دستے برابر پہنچتے رہتے تھے۔ اکثر مجاہدین سپہ گری کے فنون سے واقف اور بندوق طپنچہ، ڈھال تلوار سے مسلح تھے۔ پھر بھی یہ کوئی باقاعدہ فوج نہ تھی۔ خرچ کے لیے دولت مند مرید و معتقد چندے دیتے تھے۔ رقوم دہلی میں مولانا محمد اسحاق صاحبؒ[2] کی وساطت سے مجاہدین کو سرحد میں بھیجی جاتی تھیں۔ ٹونک، تھانیسر وغیرہ دوسرے مقامات سے بھی روپیہ آجاتا تھا۔ بہر حال جس طرح خرچ کا صحیح اندازہ نہ تھا، آمدنی غیر مقرر تھی۔

مجاہدین کو زیادہ تکلیف رسد رسانی کا انتظام نہ ہونے سے پیش آتی رہی۔ پہلے سے کوئی نقشۂ جنگ مرتب نہیں کیا گیا تھا۔ پوری تحریکِ جہاد، بیشتر دینی جوش کی وارفتگی اور عقیدۂ توکل کی گرمی سے دوڑائی جارہی تھی۔

بعض روحانی بشارات سے سید صاحبؒ کو اپنی کامیابی پر یقین تھا۔ رفقا ان کی ولایت و کرامت پر اعتقاد رکھتے تھے۔ بعض عقیدت مند مہدی وقت سمجھتے اور آس لگاتے تھے کہ ان کے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

گئی تھی۔ اس میں دو تہائی کے قریب پیادے تھے۔ کچھ کم پانچسو میدانی توپیں تھیں۔ تین فرنگی جرنیلوں کے نام آتے ہیں: دن تورا، ایلار اور (ایک اطالوی) اوی تابیل۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] 'سوانح احمدی' میں سب سے پہلے قافلے کی تعداد دو ہزار بتائی گئی ہے (ص ۳۹)

[2] شاہ عبد العزیزؒ صاحب کا ۱۲۳۹ھ میں انتقال ہوا۔ دوسرے بھائی پہلے وفات پا چکے تھے۔ بھتیجے (شاہ اسماعیلؒ) سید صاحبؒ کے ساتھ رہے۔ درس و افتا کی مسند پر نواسے مولانا محمد اسحاق بٹھائے گئے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہاتھوں پھر اسلام کا دنیا میں بول بالا ہوگا۔[۱]

جنگی معرکے۔ امامت۔ شرعی حکومت:

سید صاحب نے ٹونک میں اپنی جماعت مرتب کی اور اجمیر سے دہلی، پھر کرنال، تھانیسر مالیر کوٹلہ، ممدوٹ آئے۔ یہاں سے انگریزی سرحد عبور کی۔ بہاولپور، حیدر آباد سندھ، شکارپور ہو کر درۂ بولان کی راہ سے افغانستان میں داخل ہوئے۔ پھر شمال میں کابل تک جا کر مشرق کی طرف مڑے اور پشاور سے چند کوس پر یوسف زئی علاقے میں نوشہرہ کو غالباً پہلا جنگی پڑاؤ بنایا۔ ٹھیک تاریخیں نہیں ملتیں لیکن یہ طولانی سفر تقریباً کئی مہینے میں طے ہوا (۱۲۴۱-۴۲ھ مطابق ۱۸۲۶ء)

افغانی عوام کی طرف سے مجاہدین کا جگہ جگہ پُرجوش خیر مقدم ہوتا تھا۔ لڑنے والوں کی اس علاقے میں کچھ کمی نہ تھی۔ جہاد کے لیے جوق در جوق لوگ آتے اور سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے۔

اُس زمانے کی معمولی ہتھیار، توڑے دار بندوقیں، تیغے، قرابین بلکہ چھوٹی توپیں زنبورشاہین وغیرہ ملک میں ڈھلتی یا قیمتاً فراہم ہو جاتی تھیں، البتہ رسد کی بھی کبھی دشواری پیش آتی تھی۔ اسی بیت

---

[۱] سید صاحب نے مکہ معظمہ سے شاہ عبدالعزیز صاحب کو ایک مفصل خط لکھا تھا۔ اس میں اور بشارتوں کے ساتھ یہ نویدِ غیب مذکور ہے کہ "تا اقصے البحار ابخشیدم" (سوانح احمدی مکتوب (۱) ص ۱۷۱) ہنٹر نے "ہندوستانی مسلمان" (باب دوم) میں شاہ نعمت اللہ ولی کا قصیدہ اور کئی رسائل و کتب کا نام لکھا ہے جن کی عبارتوں سے سید صاحب کی فتح مندی کی تعبیر لی جاتی تھی۔ مومن دہلوی نے جہاد کے قطعہ تاریخ میں مہدویت کا اشارہ کیا ہے:

وہ شاہِ مملکت ایماں کہ جس کا سالِ خروج ـــــ "امام برحق مہدی نشانِ علی فرّ" ہے
۱۲۴۲ھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک خٹک سردار نے آکر خبر دی کہ میرا بھتیجا میری جاگیر (اکوڑہ) پر سکھوں کا لشکر چڑھا لایا ہے، وہیں اُن پر حملہ کیا جائے۔

بیچ سیر میں ایک ندی پڑتی تھی۔ رات کو قریب ایک ہزار مجاہدین اس کے پار اُتر گئے اور دشمن کے مورچہ بند پڑاؤ پر شب خون مارا۔ سکھوں کی باقاعدہ فوج تعداد میں کئی گنا زیادہ اور بندوقوں سے مسلح تھی، لیکن اس اچانک حملے میں بہت مارے گئے۔ خود سردار بدھ سنگھ بچ کر نکل گیا اور فرار ہونے والوں کو دوبارہ جمع کر کے مجاہدین پر کئی باڑھیں ماریں کہ انہیں پڑاؤ چھوڑ کر ہٹنا پڑا، تاہم اس پہلے ہی معرکے نے اُن کے حوصلے بڑھا دیے اور سکھوں کو جو اپنے پندار میں مجاہدین کو محض بھیڑ بھاڑ سمجھتے تھے، متشوش کر دیا۔ سید صاحب کے جہاد کا یہ پہلا خوں ریز معرکہ ۱۲ ربیع الاول ۱۲۴۲ھ م ۲۱ دسمبر ۱۸۲۶ء کی رات میں واقع ہوا۔

کہتے ہیں اسی شب خون میں مقامی رفقاء کا میلانِ غارت گری ظاہر ہو گیا تھا۔ ہندوستانی مجاہدین کا نقصان ہنٹر سے زیادہ نقصان نہیں تھا، لیکن بعض پُرجوش و کارداں بہادر کام آئے۔ غالباً اسی لیے حضرو کی (جو سندھ کے پار خاص سکھوں کی عملداری میں داخل تھا) تاخت میں سید صاحب نے ہندوستانیوں کو آگے نہیں بڑھایا، البتہ جب افغانی حملہ آور یہ بازار لوٹ کر واپس چلے اور سکھوں نے انہیں آگھیرا تو مجاہدین کی کمک بھیجی گئی اور ان کی تادر اندازی نے دشمن کو دور تک بھگا دیا۔ اسی حملے کے بعد مالِ غنیمت کی تقسیم کا سوال پیدا ہوا اور اہل الرائے کے مشورے سے سید صاحب کے امامِ برحق اور خلیفۂ وقت ہونے کا باقاعدہ اعلان کیا گیا۔ خطبۂ جمعہ میں آپ کا نام پڑھا جانے لگا۔ لوگوں نے دوبارہ آپ کی امامت پر بیعت کی (۱۲ جمادی الثانی ۱۲۴۲ھ م ۱۸۲۷ء) ہندوستان کے مختلف شہروں میں فتح اکوڑہ کی اطلاع کے ساتھ یہ خوشخبری خوشبو کی طرح اُڑی اُڑی پھری کہ دین کا سچا محافظ آگیا، خلافتِ حقہ نے دوبارہ دنیا میں ظہور کیا۔[1]

---

[1] دیکھو سوانح احمدی ص۱۰۱، حیاتِ طیبہ، وغیرہ۔ ہنٹر نے لکھا (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری طرف یہی واقعہ تھا جس نے مقامی خوانین کی نظر میں جہاد کی نوعیت بدل دی۔ سید صاحب کا مقصد بے شبہ خدا کی رضاجوئی اور اعلائے کلمۃ اللہ تھا، لیکن اب وہ طریقت کی اُس منزل میں تھے جہاں درویشی کا بوریا، تختِ بادشاہی بن جاتا ہے۔ یہ صورت صوفی و مرشد کے روایتی حال سے بالکل مختلف تھی۔ صدیوں کے مشاہدے نے مسلمانوں کا تصوّر اس باب میں پست و محدود کر دیا تھا۔ سرحد کے دنیادار سردار جو ان کی آمد کے وقت ہی مشتبہ تھے، اعلانِ امامت کو اپنے اقتدار کے خلاف جنگ کا اشتہار سمجھے، اگرچہ اس اقتدار کے ہاتھوں میں سکھوں نے بہت پہلے ہتھکڑی ڈال دی تھی۔ بہرحال امارت کی نئی کلاہ مجاہدین کے واسطے نئی نئی ذمہ داریوں کا دردِ سر لے کر آئی۔ پشاور کے پٹھان سردار رفاقت کا ظاہری اقرار کر کے سکھوں سے مل گئے۔ چند آویزشوں کے بعد دوسرے ہی سال سید صاحب کو یہ علاقہ چھوڑ کر پنج تار میں اپنا مستقر بنانا پڑا (۱۲۴۳ھ) یہاں صوات و بُنیر کے بہت سے جنگ جُو لشکر میں شامل ہوئے۔ ہندوستان سے کمکی دستے آتے رہے۔ لڑنے والوں کی تعداد بڑھتی ہی جاتی تھی۔

مقامی مجاہدین میں جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ غارت گری کا شوق غالب تھا اور نظم و ضبط کے بھی قابو میں نہ آتے تھے، تاہم سکھوں کے خلاف ملک بھر میں ایسا تلاطم پڑ گیا کہ رنجیت سنگھ کے فرنگی جرنیل اور آتشین اسلحہ کے دبائے نہ دبتا تھا۔ انہوں نے پنج تار پر بھی دو حملے کیے مگر کوئی کارگر کامیابی نہ ہوئی۔ رنجیت کی طرف سے یوسف زئی علاقے کی پیش کش اور صلح کے توڑ جوڑ چلے۔ وہ سید صاحب کی اس شرط کی تیز دھار سے کٹ گئے کہ پنجاب کے مسلمانوں کی مذہبی آزادی کا

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

ہے کہ سید صاحب نے اپنے نام "احمد العادل" کا سکہ ضرب کرایا تھا (ہندوستانی مسلمان ص۲۸) لیکن یہ غالباً فتح پشاور کے بعد کی بات ہے۔ سوانح اور حیاتِ طیبہ میں حضرت کی مہر کا ذکر آتا ہے کہ اس پر "اسمہٗ احمد" اور شاہ صاحب کی مہر پر "واذکر فی الکتاب اسمٰعیل" کندہ تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اطمینان دلایا جائے! آخر میں رنجیت سنگھ خود پشاور آیا اور وہی داؤ کھیلا جس کے زور سے آیندہ انگریزوں نے پٹھانوں کو زیر کیا تھا۔ پشاور میں کابلی سردار یار محمد اور اس کا بھائی سلطان محمد حکومت کے مدعی تھے۔ رنجیت سنگھ نے ان کا دعویٰ تسلیم کیا۔ فوجی اور مالی امداد سے پیٹھ تھپکی۔ از سر نو مجاہدین سے بھڑا کر خود آڑ میں ہو گیا۔ اگلے دو تین سال تک مسلمان آپس ہی میں لڑتے اور ایک دوسرے کا خون بہاتے رہے۔ انہی لڑائیوں کی خبروں سے ہندوستان میں پریشانی اور بدگمانی کی آندھیاں چلیں۔ سیدؒ صاحب کی طرف سے پے در پے مکتوبات کے رسالے دوڑائے گئے کہ پٹھان سرداروں کے غدر و نفاق کا احوال سنائیں اور اپنے طریقِ عمل کا شرعی جواز سمجھائیں۔[1]

۱۲۴۳ھ تا ۱۲۴۵ھ کے مختلف معرکوں میں اگرچہ کبھی فتح کبھی شکست ہوئی، سیدؒ صاحب کا اثر وسیع و قوی ہوتا گیا۔ سندھ پار دادیٔ کاغان اور کشمیر کے مغربی اضلاع تک دعوتِ جہاد کی لپٹ پہنچی اور وہاں کے مسلمانوں کے دل گرما دیے۔ بہت سے افراد بیعت کے لیے آنے اور التجا کی کہ سیدؒ صاحب اُن علاقوں میں تشریف لائیں۔

ایک مرتبہ جب کہ شاہ اسمٰعیلؒ صاحب ہنڈ کے قلعے میں گھر کر گرفتار ہوئے، تو سیدؒ صاحب نے پریشان ہو کر کاغان کی طرف جانے کا قصد کیا تھا۔ بارے شاہؒ صاحب بخیر و سلامت نکل آئے اور اُمب کے الحاق سے ہنڈ کی تلافی کی۔[2] لیکن زمانۂ جہاد کا سب سے فیصلہ کن معرکہ ۱۲۴۶ھ کے اوائل (م ۱۸۳۰ء) میں موضع مہیار کے میدان میں لڑا گیا جس میں سردار سلطان محمد کے درّانی سوار ہزاروں کی تعداد میں دیوانہ وار حملہ کرتے اور مجاہدین کی بھرمار بندوقوں سے مر مر کے گرتے رہے۔

---

[1] اسی موقع پر شاہؒ صاحب نے ایک طویل مکتوب مولوی مظہر علیؒ صاحب عظیم آبادی کے نام لکھا اور عہدِ تیمور کا وہ فتویٰ منسلک کیا تھا جس کا اس باب کے شروع میں حوالہ آچکا ہے۔

[2] یہ غالباً ۱۲۴۴ھ کے واقعات ہیں۔ مولانا عبدالحیؒ صاحب کا ۱۲۴۳ھ میں انتقال ہوا اور اس نے سیدؒ صاحب کو پہلے سے دل آزردہ کر دیا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سید صاحبؒ کو کامل فتح حاصل ہوئی۔ یار محمد زخم کھا کے فوت ہو چکا تھا۔ سلطان محمد نے اب ہتھیار ڈال دیے۔ بیعت کی تجدید کی۔ لشکرِ مجاہدین فاتحانہ شہر پشاور میں اور افغانی ولایت کا یہ حاکم نشین شہر حکومتِ شرعیہ کے دائرے میں داخل ہوا۔ ممکن ہے اسی موقع پر "احمد العادل" کا سکہ ضرب کرایا گیا ہو جس کی ہنٹر نے روایت سنائی ہے۔ شہر کی سرداری حسبِ سابق سلطان محمد کو واگزاشت ہوئی، لیکن نو وارد فاضل مولوی مظہر علیؒ قاضی مقرر کیے گئے۔ شرعی قوانین کا نفاذ عمل میں آیا۔ عشر و زکوٰۃ کی وصولی کے لیے مفصلات میں تحصیل دار بھیجے گئے۔ یہ بھی عموماً ملا مولوی صاحبان تھے۔

مقامی سرداروں کی بغاوت

سید صاحبؒ کی امامت کا آفتاب نصف النہار پر آگیا تھا۔ حصولِ پشاور نے فتحِ پنجاب کی امیدیں چمکا دی تھیں۔ کچھ پہلے انہوں نے اپنے بیوی بچوں کو بھی بلوایا اور امب کو مستقر بنایا تھا جہاں سے ہزارہ اور مظفر آباد پر زد پڑتی تھی۔ یہ دونوں ان دنوں حکومتِ پنجاب کا مقبوضہ تھے۔ غازیوں کا دعویٰ تھا کہ چند مہینے میں سکھوں کو پٹے پکڑ کے یہاں سے نکال دیں گے، لیکن انہی چند ماہ میں امیدیں برخاک اور سارا معاملہ دگرگوں ہو گیا۔

حکومتِ شرعی نے جہاں شراب و مسکرات، فواحش و جرائم کا سدِّ باب کیا، احکامِ شرع کی پابندی کرائی، وہیں عقدِ یوگان پر بڑا زور دیا۔ پٹھانوں میں ایک رواج یہ تھا کہ زیادہ رقم لگانے والے سے بیٹی کی منگنی کر دیتے تھے۔ پھر جب تک وہ روپیہ ادا نہ ہو، نکاح نہ ہو سکتا تھا۔ اکثر لڑکیاں بے بیاہی رہتی تھیں۔ ہنٹر کا بیان قرینِ صواب ہے کہ بہت سے ہندوستانی مجاہد جن کی بیویاں نہ تھیں، شادی کے لیے بیتاب تھے۔ انہوں نے مولویوں سے فتویٰ دلوایا کہ بارہ دن کے اندر ایسی لڑکیاں بیاہ دی جائیں، ان کے عوض میں روپیہ لینا اور دختر فروشی شرعاً بالکل ممنوع ہے۔[۱]

---

[۱] "ہندوستانی مسلمان" صفحہ ۳۰۔ "حیاتِ طیبہ" میں لکھا ہے کہ مولویوں (بقیہ حاشیہ آیندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہتے ہیں ان احکام نے جو نفسانیت سے خالی نہ تھے، پٹھانوں کو سخت مشتعل کیا۔ قاضی صاحب کی گردن سلطان محمد کے حکم سے ماری گئی۔ دیہات کے مولویوں کو لوگوں نے ایکا کر کے ایک ہی رات میں ہلاک کر دیا (۱۲۴۶ھ)۔ دو چار تھے جو اس خونی سازش سے بچ کر نکل گئے۔ سید صاحب کو رفیقوں کے خونِ ناحق سے جس قدر صدمہ ہوا ہو، کم تھا۔ زیادہ رنج و یاس کی بات یہ تھی کہ حکومتِ شرعی اور خلافتِ الٰہی کا جو بلند اور گرامی تصور، قوت سے فعل میں آتا چلا تھا، خود مسلمانوں کے نفاق سے درہم برہم ہو گیا۔ اسی مایوسی میں افغانی ولایت کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔ افغان مریدین مخلصین کے مکرر اصرار اور جاں نثاری کے بار بار اقرار پر بھی ارادہ نہ بدلا۔ ہندی مجاہدین کو اجازت دی کہ جس کا جہاں جی چاہے چلا جائے، مگر غالباً کسی نے آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ہر قسم کی تکلیف اٹھانے، جان فدا کرنے کے مصمم اور مقدس ارادے پر قائم رہے۔ ساتھ چلنے والوں کی یہی استقامت رہنما کے اخلاص کی گواہی دیتی ہے۔ قرینہ کہتا ہے کہ خود سید صاحب اب آخری منزل یعنی فی سبیل اللہ شہادت پانے کے لیے بیقرار تھے۔ اور اسی جذبے سے دشمنانِ اسلام یعنی سکھوں کے علاقے میں گھس گئے۔ بظاہر منصوبہ یہ تھا کہ ملکِ کشمیر کو رنجیت کے آزار سے نجات دلائیں اور ممکن ہو تو وہاں اسلامی حکومت کا مرکز بنائیں۔ ماہِ رجب ۱۲۴۶ھ (اوائل ۱۸۳۱ء) میں دریائے سندھ کو پار کیا اور ضلع ہزارہ کے موضع راج دواری میں پڑاؤ ڈالا۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

نے دیہات میں بڑا اودھم مچایا تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر سخت مواخذہ کرتے اور لڑکیوں کو زبردستی اپنے نکاح میں لے آتے تھے۔ مولوی مظہر علی صاحب نے سید صاحب اور شاہ صاحب کی تصدیق سے ایک فتویٰ جاری کیا تھا کہ تین دن کے اندر بیوہ عورتوں کا عقدِ ثانی کر دیا جائے۔ (ص ۱۹۴)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ پہاڑی علاقہ جو اب صوبہ سرحد کا جزو ہے، مختلف افغان و غیر افغان قبائل میں منقسم تھا، لیکن وحدت سے محروم ہونے کے باوجود رنجیت سنگھ کو اپنی سیادت منوانے میں وہاں سالہا سال تلوار چلانی، ہزاروں دراز موکٹوانے پڑے تھے۔ سردار ہری سنگھ نلوہ جس کی وحشیانہ سفاکی ضرب المثل ہوئی، اسی ضلعے کا حاکم بنایا گیا تھا۔ مجاہدین کے آنے اور چھوٹے موٹے قلعوں پر جبراً قبضہ جمانے سے دربار لاہور کو بڑی تشویش ہوئی۔ راجا شیر سنگھ کے ماتحت ایک زبردست لشکر مقابلے کے لیے بھیجا گیا۔

بالاکوٹ کی ہزیمت :

اس وادیٔ کاغان میں بالاکوٹ کا قلعہ لاہور کے راستے پر زد ڈالتا تھا۔ سکھ لشکر نے اسے چھین لینے کی کوشش کی۔ قلعہ دار حبیب اللہ نے سیدؒ صاحب سے مدد کی درخواست کی۔ مجاہدین کے بروقت آجانے سے قلعہ بچ گیا، لیکن خود مجاہدین باہر کی آبادی اور میدان میں گھر گئے۔ سیدؒ صاحب نے مدافعت پر اکتفا نہ کی۔ دشمن کے پہاڑی مورچوں پر حملے کے لیے کھیتوں اور دلدلوں میں کود کود کر آگے بڑھے اور گولیاں کھا کھا کر شہادت کا جام پیا۔ مجاہدین کی بڑی تعداد اور تقریباً سب سرِ لشکر اسی لڑائی میں کام آئے۔ سکھوں نے بستی اور قلعے کو لوٹ کر آگ لگا دی (۲۴ ذی قعد ۱۲۴۶ھ م مئی ۱۸۳۱ء)

سکھ فوج کے چلے جانے کے بعد مقامی لوگوں نے شہیدوں کی نعشیں اٹھائیں۔ انہی میں شاہ اسمٰعیلؒ صاحب کی لاش ملی اور علیحدہ قبر میں دفن کی گئی۔ خود سیدؒ صاحب کی بے سر کی لاش سکھوں نے شناخت کرا کے پہلے ہی دفن کرا دی تھی اور ایک روایت یہ ہے کہ پانی میں بہا دی، یا آگ میں جلا دی تھی[1]۔ سادہ دل معتقد ایک زمانے تک یقین رکھتے تھے کہ وہ زندہ اٹھا لیے گئے اور دوبارہ

---

[1] دیکھو سوانح احمدی ص ۱۳۷ جس میں عینی شاہدوں کی روایات جمع کی گئی (بقیہ حاشیہ آیندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظہور کریں گے۔

جس طرح افغان سرداروں کی بغاوت سے شرعی حکومت کا نقشہ برآب ہوا تھا، بالاکوٹ کی ہزیمت نے منصوبۂ جہاد کو برباد کر دیا۔

سید صاحب کے سات آٹھ سو ہندی رفیق زندہ بچ رہے تھے۔ اکثر سید صاحب کے بال بچوں کو لے کر ٹونک چلے آئے۔ کوئی ڈیڑھ سو مجاہد ایسے تھے جنہوں نے ہندوستان واپس جانا گوارا نہ کیا۔ مولوی نصیر الدین کو اپنا امیر منتخب کیا اور حدودِ سوات کے قریب موضع استھانہ (یا ستھیانہ) میں ڈیرہ ڈال دیا جہاں کے باشندے مجاہدین سے دلی عقیدت رکھتے تھے۔ ان کے یہاں قیام سے تحریکِ جہاد کی آئندہ جو لہریں اٹھتی رہیں، وہ اجمالاً اگلے اوراق میں مسطور ہیں۔ بالفعل شکست نے ہندوستان کے حامیانِ جہاد کے دل توڑ دیے۔ تازہ مجاہدین اور مالی امداد بھیجنے کا سلسلہ رک گیا۔ دہلی میں تنظیم کا مرکزِ اعظم ختم ہو گیا۔ بخلاف اس کے، خود مسلمانوں کے مخالف گروہ نے علانیہ خوشیاں منائیں۔ جامع مسجد دہلی میں شاہ اسمٰعیلؒ صاحب کے مارے جانے کی مٹھائی بانٹی۔[1]

---

[1] (بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

ہیں۔ لڑائی کا حال کننگ ہم نے بھی "تاریخ سکھاں" میں خاصی تفصیل سے لکھا ہے۔ قریب زمانے میں رسالہ اسلامک کلچر، حیدر آباد دکن کے ایک مقالہ نگار نے لاہور کے محافظ خانے سے انگریز ایجنٹ کے وہ سرکاری مراسلات بہم پہنچائے تھے جن میں سید صاحب کی شہادت اور نعش کی شناخت کی روایت مذکور ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] "حیاتِ طیبہ" ص ۱۳۸ (بحوالہ مجموعۂ واقعات وغیرہ) شاہ نصیر دہلوی کے قصیدۂ مسرت سے

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ :

کلمہ گو بھائی ، سکھ دشمنوں سے لڑ کر مارے گئے۔ اس پر کسی مسلمان کا خوش ہونا، حیرت و افسوس کا مقام ہے۔ حقیقت میں یہ اصلاحاتِ شاہیہ کا شدید ردِ عمل تھا۔ شاہ ولی اللہؒ ان اصلاحات کے بانی، اُن کے جانشین مفسر و ناشر تھے، مگر ان سے اسلحہ کا کام شاہ اسمٰعیلؒ صاحب نے لیا۔ وہ شاہ ولی اللہ صاحب کے چوتھے بیٹے شاہ عبدالغنی کے فرزند تھے۔ غالباً ۱۱۹۳ھ م ۱۷۷۹ء میں پیدا ہوئے۔ حفظِ قرآن کے بعد چند ہی سال میں کتبِ درسی سے فراغت حاصل کر لی۔ تدریس و تحقیق کا بہترین سامان گھر کے گھر میں موجود تھا۔ علومِ دین کے ساتھ، کہتے ہیں، نوجوان شہزادے کو دنیا کی تاریخ اور ہندوستان کے جغرافیے سے نہایت شغف تھا، مگر ان موضوعات پر چند ہی کتابیں عربی فارسی میں مل سکیں۔ پھر وہ قوائے ذہنی کو جلا دینے کے ساتھ قوائے جسمانی کی تربیت پر متوجہ ہوئے۔ سپہ گری کے فنون، پہلوانی، پیراکی وغیرہ کی مشق کی۔ ان کاموں کے اُستاد دہلی میں موجود تھے۔ شاہ اسمٰعیلؒ اُن سے فن کی باریکیاں سیکھتے اور معاوضے میں دین کے گُر انہیں سکھاتے تھے۔

معلوم ہوتا ہے خاندان کے بزرگوں کو یہ مشغلے پسند نہ آئے۔ بڑے شاہ صاحب نے بھتیجے کو دنگل میں جانے سے روکا، درس و وعظ کی مجلس میں کھینچ لائے۔ بھتیجے کی پُر جوش طبیعت نے خود مجلس کا طور بدل دیا۔ پہلا ہی عام وعظ جمعۃ الوداع کے دن دہلی کی بھری جامع مسجد میں مشرکانہ عقائد و بدعات کے خلاف اس شدت سے کیا کہ عوام کی آنکھیں کھل گئیں، خواص کے کان کھڑے ہو گئے۔ بشیخ سدّو

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

محمد حسین آزاد نے دو تین شعر مزے لے لے کر سنائے ہیں (تذکرہ آب حیات ص ۲۱۱) شاہ شہیدؒ قرآن و حدیث کی سند لانے کے شائق تھے۔ اس کو بھی شاہ نصیر لائقِ استہزا سمجھتے ہیں :ـ

کلام اللہ کی صورت ہوا دل ان کا سیپارہ

نہ یاد آئی حدیث ان کو نہ کوئی نصِ قرآنی !

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بجرے، احمد کبیر کی گائیں، غیر اللہ کی نذر نیاز مسلمانوں میں مذہبی پابندی سے ادا کی جاتی تھیں۔ بڑے پیر صاحب کی دستگیری اور حضرت علیؓ کی مشکل کشائی، گویا ایمان کا جزو بن گئی تھی۔ شاہ صاحب نے آیاتِ قرآنی سے ان اعمال و عقائد کی تردید کی۔ واشگاف لفظوں میں لوگوں کو متنبہ کیا۔ تقریر بجائے خود ایسی دل پذیر و پُرتاثیر تھی کہ مخالف تک لوہا مان گئے۔

شاہ صاحب نے باقاعدہ وعظ گوئی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مسجدوں میں، عرسوں میں، مجلسوں میں، جہاں مسلمان جمع ہوتے اور انہیں موقع ملتا تقریر کرتے، کجروی سے روکتے، توحید و تقویٰ کے سیدھے راستے کی طرف پکار پکار کر بلاتے تھے۔ بعض اوقات محفلِ سماع خالی ہو جاتی، قوالی چھوڑ کر لوگ ان کی تقریر سننے کے لیے دوڑ پڑتے تھے۔

بڑا فساد رنگے ہوئے صوفیوں اور بنے ہوئے درویشوں نے مچایا تھا۔ دنیاوی خلاکت و زوال کے زمانے میں باطنی قوت کے عجیب عجیب کرشمے دکھاتے، خوارق و کرامات کے قصے سناتے اور ضعیف الاعتقاد مخلوق کو لوٹتے تھے۔ شاہ صاحب نے ان کی اچھی طرح خبر لی۔ کئی مکار پیروں کو شہر سے بھگا دیا۔ عینی شہادتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ نطقِ شاہی کی آتش باری نے بہت سی بدعتوں کے قلعے توڑے، صدہا مسلمانوں سے طاعتِ الٰہی، ترکِ معاصی کا اقرار کرایا[۱]۔ بڑی بڑی رسمیں چھڑوائیں۔ عقدِ بیوگان کی سنت مردہ ہو گئی تھی، پھر جلا دی لیکن شاہ صاحب کو اصلی جنگ مقلد مولویوں سے لڑنی پڑی۔ بزرگانِ سلف کی مفرط تعظیم اور شخصیت پرستی کی بحث آگے چل کر خواصِ نبوت کے شاخسانوں میں الجھ گئی۔ شاہ صاحب نے اعتراض کرنے والوں کا قرآنی دلائل سے منہ بند کر دیا[۲]۔ مگر وہ جو کسی نے کہا

---

[۱] مشہور ہے کہ ایک مرتبہ شاہ صاحب طوائف کی کسی بڑی تقریب میں جا پہنچے اور ایسا پُراثر وعظ کیا کہ روتے روتے ان کا بُرا حال ہو گیا۔ کئی رنڈیوں نے اپنے پیشے سے توبہ کی اور ان کی زندگی بالکل بدل گئی (سوانح احمدیہ ص۱۲۵ بحوالہ تاریخ جلی وغیرہ)

[۲] اسی سلسلے میں مولانا فضل حق سے مباحثہ ہوا جسے غالب کی مثنوی (بقیہ حاشیہ آیندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے : ع

باخدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

ایسے مناظرے احتیاط کے خلاف تھے۔ دشمنوں کو بدگوئی کرنے، بدگمانی پھیلانے کا موقع مل جاتا تھا۔

اسی زمانے میں شاہ صاحبؒ نے سکھا شاہی پنجاب کا خفیہ دورہ لگایا۔ وہاں کے مسلمان جس مصیبت میں پھنس گئے تھے، اس کی حقیقت اپنی آنکھوں سے دیکھی، مظلوموں کی زبانوں سے سُنی۔ بہت سی غیر آباد مساجد، مقابر، خانقاہیں، جنگلی حاکموں کے طویلے بن گئی تھیں۔ جہاں آبادی باقی رہی وہاں اذان دینی مخدوش، بلکہ کہیں کہیں بالکل ممنوع تھی۔ شاید سفر کی ایک مصلحت یہ ہو کہ دہلی میں مخالفت کا غبار فرو ہو جائے۔ ممکن ہے وہ رسائل جن میں اصلی تصوف کی تعریف لکھی ہے اسی زمانے کی تصنیف ہوں۔ ان میں سے عبقات، منصبِ امامت چھپ گئے، بعض اب نایاب ہیں۔

چچا کے ایسا سے سید احمدؒ صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرنا بھی بدگمانی کی روک تھام کرتا تھا اگرچہ نئی پیری مریدی کا پیرایہ اُسی دینی اصلاح کے لیے اختیار کیا گیا جو تحریکِ شاہیہ کا اصل مقصود تھی۔ وعظ و تلقین کا وظیفہ برابر جاری رہا۔ سید احمدؒ صاحب کی تبلیغ و دعوت کی زبان اور قلم ہی گویا شاہ اسمٰعیلؒ

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

'امتناع نظیر خاتم النبیینؐ' نے ہماری ادبی تاریخ کا لطیفہ بنا دیا ہے۔ مولانا عربی کے بڑے ادیب اور منطق و فلسفہ میں ماہر کامل مانے جاتے تھے۔ انہوں نے انگریز رزیڈنٹ سے کہہ کر شاہ اسمٰعیلؒ صاحب کے وعظ حکماً رکوا دیے۔ شاہ صاحبؒ نے جواب میں 'اسی دلائل' کی عرضی بھیجی، پھر خود جا کر ملے حکم منسوخ کرایا۔ بلکہ خود مولانا صاحب کو جو اُن دنوں رزیڈنسی کے میر منشی تھے معطّل کرا دیا۔ یہ غالباً ۱۲۲۵ھ م ۱۸۱۰ء کے معرکے ہیں (دیکھو حیاتِ طیبہ ص۲۰ وغیرہ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صاحب تھے، لیکن انہوں نے اپنی ہستی کو پیر کی شخصیت کا جزو بنا دیا تھا۔ انہی کی رفاقت میں بے تکلف جان قربان کر دی۔[1] یہ موت نہ صرف ان کے حق میں حیاتِ جاودانی، بلکہ ملتِ اسلامی کو زندگی بخشنے والی کہی جائے تو بجا ہے۔

شاہ صاحب کے افاداتِ تحریری میں سب سے بڑھ کر عام نفع کتاب تقویت الایمان سے پہنچا جس کا پہلا حصہ انہوں نے ایسی سلیس و نفیس اردو میں لکھا ہے کہ اس وقت کی معدودے چند علمی کتابوں میں نظیر نہیں ملتی۔ بعد کی مولویانہ ادق انشاپردازی دیکھ کر اس تحریر کی ادبی قدر و منزلت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔

تحریکِ اسلامی کی بعد کی لہریں:

بالاکوٹ کی نشیبی دلدل میں اس عہد کے پہلے اور سب سے بڑے جہاد کا قصہ تمام ہوا، مگر اس کی یاد کی گرمی باقی رہی۔ یہی گرمی ستھیانہ، ملکا اور مہاجرین کے پہاڑوں میں کبھی کبھی آگ بن کر لپکتی اور سکھوں کے بے طبل و نشان ہو جانے کے بعد انگریزوں کے دل جلاتی رہتی تھی۔ خود سید صاحب

---

[1] حال ہی میں مولوی محمد علی صاحب قصوری کی فرمائش سے شاہ صاحب کی شہادت پر یہ قطعہ تاریخ نظم ہوا ہے:

فاضلِ عالی مقام، زاہدِ والا جناب
وارث و شائع گر علمِ رسالت مآب

زینتِ اسمِ ذبیح، عزتِ نسلِ عدی
قائدِ خالد مثل، کشتۂ حمزہ جواب

مظہرِ عاش حمید، مصدقِ مات شہید
عالم کامل عمل، صالحِ مصلح خطاب

زندۂ جاوید را سال وفاتے نبود
چشمِ بصیرت ببیں "شاہ شہیدے بخواب"

۱۲۴۶ھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے انگریزوں سے کبھی جنگ نہیں کی۔ بار بار یہی کہا کہ ان کی حکومت میں مسلمانوں کو کامل مذہبی آزادی حاصل ہے، ان پر جہاد کرنا جائز نہیں۔[1] سرکار کمپنی کی طرف سے سید صاحب کی دعوت و تبلیغ کو بالکل نہیں روکا گیا، بلکہ سکھوں پر جہاد کی اجازت اور آسانیاں دی گئیں۔ اس حکمت کے داؤ پیچ ہم اگلی فصل میں جانچیں گے۔ وہیں یاغستان کے جنگی معرکے دیکھیں گے۔ سردست ہندوستان کے مسلمانوں میں تحریکِ اصلاح کے نشیب و فراز پر نظر ڈالتے چلیں۔

ایک سوانح نویس[2] لکھتا ہے کہ حضرت سید صاحب کے ہاتھ پر تیس لاکھ مسلمان بیعت ہوئے اور تقریباً چالیس ہزار ہندو ایمان لائے۔ صدہا خلفاء نے ہند اور بیرونِ ہند میں آپ کی تعلیم جاری رکھی۔ یہ خوش اعتقادی کے تخمینے ہیں، تاہم کچھ شک نہیں کہ دہلی، دوآب، ٹونک، پھر سندھ و سرحد میں ہزارہا اشخاص مرید ہوئے۔ بہار و بنگال میں اہلِ ارادت کی یہ کثرت تھی کہ بارہا آپ کا عمامہ یا فرش پھیلا دیا جاتا۔ وقتِ واحد میں صدہا اشخاص اسے ہاتھ میں لیتے، توبہ کرتے اور بیعت کے حلقے میں آجاتے تھے۔ کلکتہ میں شجرۂ طریقت لاکھوں کی تعداد میں چھپا اور لوگوں نے دکان لگا لگا کر اسے فروخت کیا۔

بہت سے نامی گرامی خلفاء کے نام کتابوں میں آتے ہیں۔ ان میں پاکستان و ہند کے چند ممتاز افراد لائقِ ذکر ہیں جو تحریکِ اصلاح کی کسی نہ کسی پہلو سے پشتی بانی کرتے رہے۔

۱۔ مولوی حبیب اللہ قندھاری کہ اپنے وطن کے نامی فاضل تھے۔ مولانا عبداللہ غزنوی (امرتسری)

---

[1] عزیز مکرم مولوی محمد علی صاحب کینٹ (قصوری) کا بیان ہے کہ اپنے یاغستان کے سفر (۱۹۱۷ء) میں انہوں نے وہاں سید صاحب کے جانشینوں کے پاس مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی قلم کے لکھوائے ہوئے بعض مکاتیب (اسلامی ملوک و سلاطین کے نام) دیکھے جن میں اسلام کا سب سے بڑا پُرفن دشمن انگریزوں کو بتایا تھا اور صاف پتا چلتا تھا کہ خود سید صاحب کا مقصد پورے ہندوستان کو کفارِ فرنگ سے آزاد کرانا اور یہاں خالص دینی حکومت قائم کرنا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب

[2] مولوی جعفر علی تھانیسری جنہوں نے بڑی محنت سے سوانح احمدی جمع کی ہے۔ (ص ۱۳۹۔ نیز 'تواریخ عجیبہ' ص ۱۳)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُن سے فیض یاب ہوئے۔

۲۔ مفتی الٰہی بخشؒ (ساکن کاندھلہ) فضیلتِ علمی کے ساتھ پُرگو شاعر تھے کہ مثنوی مولانا رومؒ کا تکملہ (دفتر ہفتم) لکھا۔ سید صاحبؒ کی جوتیاں سیدھی کرنا فخر کا طرّہ سمجھتے تھے۔

۳۔ شاہ نور محمدؒ جھنجھانوی حاجی امداد اللہؒ صاحب کے پیر و مرشد اور مولانا رشید احمدؒ و مولانا محمد قاسمؒ بانیٔ دیوبند کے اُستاد تھے۔

۴۔ جونپور کے دو بھائی جہاد میں شریک رہے۔ ان میں سے ایک مولوی کرامت علیؒ، صاحبِ مفتاح الجنۃ بہت مشہور ہیں۔ مشکوٰۃ شریف اور شمائلِ ترمذی کا ترجمہ کیا۔ مشرقی بنگال اور کلکتہ میں بہت لوگ آپ سے مستفید ہوئے۔[1]

۵۔ مولوی سید اولاد حسنؒ قنوجی، نواب صدیق حسنؒ خاں کے والد۔

۶۔ مولوی محمد علیؒ رامپوری جنہوں نے مدراس کے سیاہ خانوں میں کتاب و سنت کے چراغ جلائے۔ مقلدین کے گروہ نے مولوی صاحب کا رہنا دشوار کر دیا تھا، پھر بھی وہاں اصلاح کا قدم جم گیا۔

۷۔ آخر میں بزرگ ترین خلیفہ مولوی ولایت علیؒ صاحب عظیم آبادی کا تذکرہ ایک مستقل ذیلی عنوان چاہتا ہے کہ بالاکوٹ میں تہہ و بالا ہونے کے بعد انہی نے پوری تحریک کو سنبھالا اور اس پژمردہ کھیت کی ہر کیاری کی آبیاری کی۔

مولانا ولایت علی عظیم آبادی:

مولانا صاحب پٹنہ عظیم آباد کے امیر زادے تھے۔ اسی شہر کی بستی صادق پور میں ان کا خانوادہ

---

[1] "موجِ کوثر" صفحہ ۳۲ میں لکھا ہے کہ سید امیر علی جن کی انگریزی تصانیف آج تک جدید تعلیم یافتہ طبقے میں نہایت مقبول ہیں، اپنے عربی علوم کا معلم انہی کو مانتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انگریزوں کے زمانے تک معزز و ممتاز رہا۔ ۱۲۰۵ھ م ۱۷۹۰ء میں پیدا ہوئے اور اعلیٰ تعلیم کی غرض سے لکھنؤ آئے تھے جہاں سید صاحب سے ملاقات اور بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ حج سے واپسی میں سید صاحب کے قافلے کی صادق پور میں کئی دن مہمانی کی، سارے خاندان کو حضرت کا مرید کرایا۔ پھر دنیا کے عیش و راحت چھوڑ کر بھائیوں سمیت رائے بریلی گئے۔ مہینوں ادنیٰ مزدوروں کیساتھ لکڑیاں ڈھوئیں، اینٹ گارے کی چنائی کا کام کیا۔ جہاد میں حضرت کے ہمرکاب سرحد آئے اور سفیر بنا کر کابل بھیجے گئے، وہیں ایک وعظ میں وہ قطعہ "ردِّ شرک" نظم کیا تھا جو ہمارے زمانے تک اہلِ حدیث اپنے بچوں کو حفظ کراتے تھے۔[1]

کہتے ہیں سید صاحب نے از روئے الہام آپ کو ملکِ دکن بھیجا تھا جو بدعات و اوہام کا پرانا گھرانا ہے۔ یہ بھی کہا تھا کہ آپ نئی فصل کا تخم بن کر لہلہائیں گے۔

بالاکوٹ کی خبر سن کر مولوی صاحب پٹنہ آئے اور تحریکِ اصلاح کے زخمی دل کو ٹوٹنے سے بچالیا۔ ہر مرکزی مقام پر مستعد خطیب و داعی مقرر کیے۔ بنگال میں اپنے بھائی مولوی عنایت علی کو بھیجا، خود جگہ جگہ گئے۔ پھر حجاز اور اطرافِ عرب کا طویل سفر کیا۔ قاضی علی شوکانی جو اس زمانے

---

[1] چند شعر یہ ہیں :-

فرمودِ رسول ؐ آشکارا	من نیز برادرم شمارا
من مشکل خود نمی کشائم	بر غیر مرا کجاست یارا
طاقت نبود سوائے ایزد	درویش و فقیر و اولیا را
جُز حق کہ بود کہ دست گیرد	مسکین و غریب و بے نوارا
. . . .	. . . .
اے مومنِ پاک اے مسلمان	می خواستی گر رہِ رضارا
قرآن و حدیث را بسر نہ	بگذار کلام ماسوا را

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مشہور محدث گزرے ہیں؛ ان سے حدیث کی سند حاصل کی۔ واپس آنے کے بعد پیر کی سنت کے مطابق سرحد کا رُخ کیا۔ مجاہدین کو جمع کرنے، اُن کے دستے سرحد پر بھیجنے، رسد و اسلحہ کے لیے روپیہ بہم پہنچانے کا گسستہ سلسلہ دوبارہ جوڑا، جہاد کی تحریک اور مقامی تنظیم میں لامحالہ جان پڑ گئی۔

یہ (تیرھویں) صدی کے چھٹے عشر کے واقعات ہیں۔ ان سنین میں بار بار ستھیانہ کے مجاہدین کشمیر و ہزارہ پر تاخت کرتے، چھاپے مارتے رہے۔ کبھی کبھی گرد و نواح کے افغانی رئیسوں سے بھی اُلجھ پڑتے تھے۔ ان معرکوں کی صحیح تفصیل نہیں ملتی، مگر ستھیانہ کی جنگی استعداد کا اسی واقعہ سے کچھ نہ کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ کابُل کی پہلی جنگ میں غزنی کا بڑا دروازہ سرنگ لگا کر اڑایا گیا تو اہل قلعہ کے کثیر نقصان میں تین سو لاشیں صرف یاغستانی مجاہدین کی شمار ہوئیں[۱] جو دوست محمد خاں کی دوستی میں انگریزوں سے لڑنے آئے تھے۔ (۱۲۵۵ھ م ۱۸۳۹ء)

چند سال بعد پنجاب، کمپنی بہادر کے پنجے میں دبا، سدا بہار کشمیر راجا گلاب سنگھ کے ہاتھ فروخت ہوا۔ بیع میں اوّل اوّل ہزارہ شامل تھا۔ وہاں کے ایک رئیس ضامن شاہ نے گلاب سنگھ سے مقابلہ کیا اور مدد کے لیے مولوی ولایت علیؒ صاحب کو بلایا۔ وہ مجاہدین کا لشکر لے کر آئے۔ راجا نے انگریزوں سے فریاد کی۔ ان کی مختصر جمعیت، عیاروں کی بے پناہ سپاہ، ترغیب و تہدید کے اسلحہ سے آراستہ ہو کر میدان میں اُتری اور مقامی باشندوں کو مجاہدین سے لڑا دیا۔ خود ضامن ٹوٹ گیا۔ مولوی صاحب گھیر لیے

---

[۱] ہندوستانی مسلمان ص ۲۵۔ درایۃً اس روایت کو تسلیم کرنا دشواری سے خالی نہیں۔ ستھیانہ کے مجاہدین کے حالات لکھنے میں انگریزوں نے عموماً مبالغہ کیا ہے۔ سوانح احمدی، در المنثور (مولوی عبدالرحیم)، اور بعض حالیہ رسائل میں واقعات کی کڑیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ ہنٹر نے اپنی کتاب مختلف سرکاری کاغذات، خصوصاً اس مقدمے کی روداد دیکھ کر مرتب کی تھی، جو بزرگانِ صادق پور پر ۱۲۸۰ھ م ۱۸۶۴ء میں چلایا گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گئے۔ انہوں نے مسلکِ قدیم کا اِعادہ کیا کہ ہماری انگریزوں سے کوئی لڑائی نہیں۔ ہتھیار رکھ دیے اور حراست میں لاہور لائے گئے۔ ہزارہ میں بہت سے ساتھی کام آئے، بہت سے بچ کر ستھیانہ پہنچ گئے پھر بھی مولوی صاحب کی فوجی جمعیت کی تعداد پانچسو کے قریب تھی۔ انہیں انگریزوں نے چڑھی ہوئی تنخواہیں دے کر رخصت کیا۔ مولوی صاحب پٹنہ میں دو سال کے لیے نظر بند کر دیے گئے[1] (۱۲۶۴ھ م ۱۸۴۹ء)۔

یہ مدت پوری ہوتے ہی وطن کو دوبارہ خیرباد کہا اور پھر سرحد کی راہ لی۔ بہت سے اہلِ خاندان اور مرید ہمراہ چلے۔ آہستہ آہستہ یہ قافلہ دہلی، لدھیانہ ہو کر ستھیانہ آیا اور یہیں مقیم ہو گیا۔ مولوی صاحب کے وعظ و پند کی مجلسیں سفر میں ہر منزل پر جمتی رہیں۔ دینی اصلاح کی کوشش میں کمی نہیں آئی، مگر معلوم ہوتا ہے جہاد بالسیف کے باب میں انہیں توقف ہو گیا تھا۔ انگریزی حکومت سے مذہبی آزادی کے لیے لڑنے کی کوئی وجہ نظر نہ آتی تھی، جہاد علی النفس پر زیادہ زور دیتے اور درس و عبادات میں وقت گزارتے تھے۔

ستھیانہ کی چھاؤنی درویشوں کی خانقاہ بن گئی تو پُر جوش رفیقوں میں بے چینی پیدا ہوئی، مولوی صاحب کے بھائی عنایت علیؒ کی سرخیل میں علیحدہ جنگی مرکز قائم کیا۔ ولایت علی صاحبؒ کے انتقال (۱۲۶۹ھ م ۱۸۵۳ء) پر وہی (مولوی عنایت علی) پوری جماعت کے امیر مان لیے گئے۔

تحریکِ اصلاح کی مختلف شاخیں

سید احمدؒ صاحب اور ان کے شاہی رفیقوں کی تحریک اُس وقت کے لحاظ سے ایک جامع ملی تحریک تھی۔ ظاہری شریعت اور باطنی طریقت کی تعلیم کے ساتھ عسکری تنظیم کو ضم کر دیا گیا تھا جس نے

---

[1] سوانح احمدی صا۱۶ و صا۶۲۔ اونچی تنخواہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ستھیانہ میں فوجیوں کو نوکر رکھنے کا بھی انتظام تھا۔ ہنٹر کی کتاب سے ان واقعات کی تصدیق ہو سکتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کی زندگی میں خاصا توجہ اور مل کر کام کرنے کا جذبہ پیدا کیا۔ صوبہ سرحد میں آکر سید صاحبؒ نے شرعی حکومت کا نظام قائم کیا، مگر ساری جدوجہد کا محرک یہی تھا کہ پنجاب کے مسلمانوں کی مذہبی آزادی کے لیے بے دین و بے آئین سکھوں سے جنگ کی جائے۔

ہندوستان میں انگریزوں کا غلبہ اُس طوفانِ بے تمیزی سے بہرحال بہتر تھا جو بارہویں صدی ہجری کے نصف کے آخر میں ملوک طوائف اور نیم وحشی قوموں کی خانہ جنگی اور لوٹ مار نے بپا کیا۔ مذہبی اعمال و عقائد میں انگریز کوئی دخل نہ دیتے تھے۔ دہلی میں مسلمان بادشاہ کو رسماً بٹھائے رکھا تھا۔ قانون قاعدے سے حکومت کرنا چاہتے اور امن و رفاہِ عام کو اپنا مقصد بتاتے تھے۔ علمائے مذہب کو سیاست و ملک داری میں دخل نہ تھا۔ بادشاہی نظام کے طولانی قیام نے قومی حکومت اور جمہوری آزادی کے تصور کی جڑیں کاٹ دی تھیں۔ ان حالات میں حیرت نہ ہونی چاہیے کہ سید صاحبؒ نے بار بار اعلان کیا کہ انگریزوں سے ہماری کوئی لڑائی نہیں، ان کے مقبوضات میں شورش و فساد مچانا ہم جائز نہیں سمجھتے[۱]۔ سکھوں سے نامہ و پیام کی ضمن میں بھی وہ یہی جتاتے تھے کہ جہاد کا مقصد حکومت و بادشاہی حاصل کرنا نہیں ہے، ہم صرف مسلمانوں کی مذہبی آزادی کے لیے لڑتے ہیں۔

کمپنی کے انگریز حکام نے جہاد کی دعوت و تبلیغ کو بالکل نہیں روکا۔ سید صاحبؒ جہاد کے ارادے سے ٹونک روانہ ہوئے، تو غلام علی صاحب رئیس الٰہ آباد نے صوبہ شمال مغربی کے انگریز نائب (= لفٹنٹ گورنر) کو باضابطہ اطلاع دی اور یہ تحریری جواب پایا کہ جب تک ہماری عملداری میں فتنہ و فساد نہ ہو، ہم جہاد کی تیاری میں مزاحم نہ ہوں گے۔ دہلی اور نواح میں مجاہدین کی بھرتی اور اسلحہ کی فراہمی سے خاصا ہنگامہ گرم رہا۔ کمشنر نے کمپنی کے اعلیٰ حکام کو خبر دی۔ وہاں سے یہی ہدایت

---

[۱] 'سوانح احمدی' کے واقعات اور مکاتیب میں کوئی بیس جگہ سید صاحبؒ نے انگریزوں کی مخالفت کو غیر ضروری اور ناجائز بتایا ہے۔ (ص ۲۴۶)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئی کہ ان تیاریوں میں دست اندازی نہ کی جائے[1] اس حکمتِ عملی کی ایک دلچسپ شہادت یہ ہے کہ مولانا محمد اسحاق ؒ نے دہلی کے کسی مہاجن کی ہنڈوی مہاجرین کو بھیجی تھی۔ پنجاب میں اس کا روپیہ وصول نہ ہوا۔ مولانا صاحب نے دہلی کی انگریزی عدالت میں مہاجن پر دعویٰ کیا اور ڈگری حاصل کی۔ آگرہ کی عدالتِ بالا سے بھی مہاجن کا اپیل خارج ہوا، ڈگری کی رقم اسے ادا کرنی پڑی[2]

سرکار کمپنی کا طرزِ عمل اصولِ قانون کی رو سے غلط نہ تھا۔ سیاسی مصلحت یہ تھی کہ سکھوں سے لڑایا جائے۔ گورکھوں اور مرہٹوں کی طرف سے مطمئن ہو جانے کے بعد ممالکِ ہند میں سکھوں کی آزاد قوت ہی ایسی رہ گئی تھی جسے قابو میں لانا سیادتِ ہندوستان کے منصوبے کا تکملہ تھا۔ سید صاحب کا مذہبی جہاد انگریزوں کو غیبی امداد نظر آیا۔ خوشی خوشی سرحد پر جانے کا راستہ دیا۔ روپیہ آدمی اسلحہ کسی چیز کی فراہمی میں تعرض نہ کیا، لیکن جس وقت پنجاب خود کمپنی بہادر کا مال ہوگیا تو یہ حکمتِ عملی لامحالہ بدل گئی۔ "ستھیانہ شر و فساد کا ماخذ" مجاہدین کی مالی اعانت "جرم و بغاوت" قرار پائی۔

انگریزوں کی فوجی مہمات اور ہندوستان میں قانونی جبر و تعدی کا حال ہم آگے پڑھیں گے، یہاں ان اثرات کو خیال میں لانا ہے جو سکھ ریاست کے خاتمے اور دوسرے اسباب سے سید احمد صاحب کی تحریک پر وارد ہوئے۔ جب وہ حکومت جس سے لڑنے کے لیے جہاد کرنا واجب قرار دیا تھا، باقی نہ رہی تو خود سید صاحب کے جانشین مولوی ولایت علی نے بظاہر لڑائی روک دی۔ وہ اور گروہِ اصلاح کے بہت سے سرخیل، درس تدریس لسانی اور کتابی مشاغل میں منہمک ہوگئے

---

[1] سرسید ؒ نے اپنے اخبار "انسٹی ٹیوٹ" (دسمبر ۱۸۷۱ء) میں ہنٹر کا جواب لکھا تھا۔ کتاب "مسلمانوں کا روشن مستقبل" میں اس کا اقتباس دیا گیا ہے۔ (صفحہ ۱۱۲) اس میں بھی یہ مذکور ہے۔

[2] "سوانح احمدی" صفحہ ۔ نیز مذکورہ بالا مضمون سرسید وغیرہ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحریک سے عسکریت کا جز نکل گیا[1]۔ تب خستہ نیش تیلتوں کی طرح اکثر مولوی آپس میں گُتھ گئے۔ آمین و رفع یدین جیسے جزوی مسائل پر مسلمانوں میں لٹھ چلنے لگا۔ اصل میں یہ تقلید و عدم تقلید کی بحث تھی۔ شاہ اسمٰعیلؒ اور اصلاحی تحریک کے گرمائے ہوئے علماء براہِ راست قرآن و حدیث سے استناد اور استخراجِ مسائل پر زور دیتے تھے۔ ائمۂ فقہ، خصوصاً امام اعظمؒ کے بعض احکام کی غلطیاں نکالتے تھے۔ یہ تنقید اہلِ تقلید کو نہایت ناگوار گزرتی تھی۔ غیر مقلدوں کا نام "وہابی" رکھ دیا، سنّی مسلمانوں کے زمرے سے انہیں الگ کر دیا تھا۔ وہ خود "اہلِ بدعت" و تقلید سے نفرت کرنے اور اپنی جماعت کو "اہلِ حدیث" کے نام سے امتیاز دینے لگے تھے۔ یہ بھی اصلاحاتِ شاہیہ میں ایک قسم کا تفرقہ پیدا کرنے والی بات تھی۔ دہلی میں اہلِ حدیث کا مرکز مدرسۂ رحیمیہ سے جدا اورنگ آبادی مسجد میں قائم ہوا اور میاں نذیر حسین صاحب کے درس نے اسے بڑی مرجعیت عطا کی۔ سہارن پور، ٹونک، الٰہ آباد، غازی پور، بنارس وغیرہ کئی مقامات پر اہلِ حدیث کا خوب زور بندھا تھا۔ صادق پور کی مرکزیت مولانا یحییٰ علیؒ اور احمد اللہؒ جیسے بزرگوں نے بنائے رکھی تا آنکہ انگریزی حکومت نے بغاوت کی سزا میں انہیں کالے پانی بھجوایا، مکان تک منہدم کرا دیے۔ (۱۲۸۰ھ ۱۸۶۴ء)

مجاہدینِ سرحد:

مولانا ولایت علیؒ صاحب عظیم آبادی نے انگریزوں پر جہاد نہیں کیا، لیکن ان کے علم و فضل اور عبادات و تقویٰ نے ستھیانہ کو سرحد میں خاصا مقدس مقام بنا دیا تھا جہاں علومِ ظاہر کی تعلیم اور باطن کی تطہیر و تربیت کے لیے دور دور سے لوگ آتے تھے۔ ان کے جانشین بھائی مولانا عنایت علی

---

[1] ہنٹر اور دوسرے سیاسی اور عدالتی انگریز حکام کچھ مدت بعد یہ رائے ظاہر کرتے تھے کہ سیدؒ صاحب کے متبعین در پردہ انگریزوں سے جنگ کی تعلیم دیتے، برابر بغاوت کی سازشیں کرتے رہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درس تدریس پر قناعت کرنے والے نہ تھے۔ معلوم ہوتا ہے اُنہی نے سب سے پہلے اپنے گروہ کا سابق مسلک ردّ کیا اور انگریزوں کے کفارِ حربی ہونے کا فتویٰ دیا۔[1] چنانچہ ہنٹر کے قول کے مطابق اسی زمانے میں چند خطوط راولپنڈی میں پکڑے گئے جن میں دیسی فوج (کے مسلمان) سپاہیوں کو مجاہدین سے مل جانے کی ترغیب دی گئی تھی۔ یہ بات کہ ان کوششوں نے اثر کیا، اسی سے ثابت ہے کہ ۱۸۵۲ء م ۱۲۶۹ھ میں بہت سے سپاہی غداروں کے ساتھ خط کتابت کرنے کے جرم میں سزایاب ہوئے، لیکن آزاد قبائل میں جو آگ بھڑکی وہ چھاؤنی کی فوجی عدالت میں بیٹھ کر فرو نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس غرض کے لیے بار بار لشکر کشی کرنی پڑی۔ سرحدی فوج کی تعداد بڑھاتے بڑھاتے پینتیس ۳۵ ہزار کر دی گئی۔ علاقے کے افغان روسا کو مجاہدین سے توڑ لیا۔ ہزاروں جوانوں کو نوکری کا لالچ دے کر بے قاعدہ فوج اور پولس میں بھرتی کیا۔ بایں ہمہ ہنٹر لکھتا ہے کہ آیندہ پانچ سال میں سولہ مرتبہ تادیبی مہمات لے جانی پڑیں آخر انگریز سپہ سالار سر سڈنی کوٹن ایک طاقتور فوج سے ستھیانہ پر جا چڑھا اور اسے بالکل تباہ کر دیا (۱۸۵۷ء م ۱۲۷۲ھ) پھر بھی مجاہدین کو کوئی بڑا نقصان نہ پہنچا سکا۔ وہ مہابن پہاڑ کی دشوار گزار وادیوں میں ہٹ گئے۔ ان کی تعداد و قوت میں کوئی کمی نہ آئی۔ ہمسایہ قبائل نے ان کے موضع ملکا میں لے جانے کا فوراً انتظام کر دیا۔

اسی کے قریب زمانے میں مولانا عنایت علیؒ کا انتقال ہوا (۱۲۷۴ھ) اور ان کے جانشین ایک افغانی قبیلے کے خلیفہ بنائے گئے۔ ان کے خلاف انگریزوں کو یہ سازش کرنے کا موقع ملا کہ دوسرے قبیلوں کو بھڑکا کر افغانی خلیفہ صاحب کو قتل کرا دیا اور قاتل قبیلے کو ستھیانہ کا قبضہ دلا کر واپس ہوئے۔

سید صاحب کے متروکۂ جہاد کے وارث اب مقامی لوگ ہو گئے تھے۔ اُدھر انہی دنوں

---

[1] اس فصل کے آیندہ واقعات تمام تر ہنٹر کی کتاب "ہندوستانی مسلمان" سے ماخوذ ہیں۔ مسلمانوں کی کوئی ہمعصر و معتبر تحریر ہمیں نہیں ملی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کمپنی بہادر کی حکومت منقلب ہوئی، ہندوستان تاجِ برطانیہ میں ضم کر دیا گیا۔ ان واقعات کے بعد بھی مجاہدینِ سرحد کا رابطہ یہاں کے مسلمانوں سے نہ ٹوٹا۔ ان کی سرگرمیاں جاری رہیں۔ مگر ان کا اجمالی تذکرہ ہم اگلے باب میں ۱۸۵۷ء کا قصہ سنا کر، سنائیں گے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب نہم

برطانی ملوکیت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برطانی مُلوکیت

ہنگامۂ ۱۸۵۷ء ـــــ احوال و عواقب

۱۸۵۷ء م ۷۴-۱۲۷۳ھ میں انگریزوں کے خلاف شورش کا وہ طوفان آیا کہ ان بحری تاجروں کو ہندوستان کے بّر کاہل میں ایسے تلاطم کی غالباً امید نہ تھی۔ جنگ و جہاد کا جھنڈا شروع میں انہی کی دیسی فوج نے لہرایا تھا، لہٰذا وہ اسے "میوٹنی" کہتے تھے اور شہری رعایا کی انگریز دشمنی پر فوجی اصطلاح کا پردہ ڈالتے تھے۔ اُردو میں اُس کا ترجمہ "غدر" کیا گیا تھا جس میں کمپنی کے نمک خواروں کی بے وفائی اور دغا کا پہلو نکلتا ہے، لیکن جب عوام کی زبان پر چڑھ کر گھسا تو "غدر" کے معنی فقط فساد اور گڑبڑ" رہ گئے، بلکہ اہلِ ہند کی مظلومی اور خود انگریزوں کے ظلم و خونریزی کا کنایہ شامل ہوگیا! قریب زمانے میں انگریزوں سے نفرت حبِ وطن کی شرط قرار پائی اور نئی تعلیم نے مغربی تصورات کی ترجمانی کی، تو یہی ہنگامہ ہندوستان کی پہلی جنگِ آزادی" کہلایا۔

غدر میں زیادہ نقصان و تباہی دہلی کے حصے میں آئی۔ اس کے رونے والے بھی زیادہ تھے، لہٰذا بعد کی اُردو تحریروں کی سیاہی میں غم کے آنسو گھل گئے ہیں، مگر ۱۸۵۷ء کی دہلی اور محمد شاہی یا اور پہلے کی دہلی میں التباس نہ کرنا چاہیے۔ بہت سی ہمعصر انگریزی تصانیف، مراسلے، مقالے، رسالے، اخبار موجود ہیں۔ ان کی مدد سے ابوظفر بہادر شاہ کے عہد کی دہلی کا صحیح تاریخی مرقع اُتر سکتا ہے۔ اُن دنوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شہر فصیلوں کے اندر سمٹ گیا تھا۔ امن و انتظام ہو جانے سے بازار کھل گئے، خصوصًا ساہوکارا بحال ہوا، مگر تجارت محدود پیمانے پر تھی۔ آبادی کا اندازہ ایک لاکھ سے ڈیڑھ لاکھ تک کیا جاتا تھا۔[1]

بادشاہی کرّ و فر کبھی کا خاتمے لگ چکا تھا۔ شہزادے اور سلاطین زادے اگرچہ صاحبِ عالم کہلاتے تھے، مگر ان میں صدہا ایسے تھے جن پر دنیا تنگ تھی۔ لال قلعے سے باہر نکلنے نہ پاتے تھے۔ امیر، وزیر، ناظر، دیوان، بخشی وغیرہ پرانے عہدوں کے اکثر نام باقی رہے، مگر معنی کی روح نکل چکی تھی۔ دولت و اقتدار قصۂ ماضی ہو گئے تھے۔ اردگرد چند چھوٹی ریاستیں اور بڑی جاگیریں فی الجملہ وضع قدیم نباہتی اور مشرقی علوم و فنون کی سرپرستی کیے جاتی تھیں۔ پرانی معاشرت اور مغلیہ تہذیب کے آثار باقیہ ضرور باقی تھے، بلکہ حق یہ ہے کہ خود فرنگی حاکم جو ہندوستان کے تہذیبی مرکزوں میں رہتے، وہ اپنے لباس و طعام کو مشرقی عبا اور قبا کے مقابلے میں گھٹیا اور رادچھا' اور مسلمانوں کے قورمے کباب، لوازمات وغیرہ کے سامنے اپنے کھانے بہت پھیکے سیٹھے پاتے تھے۔ اور اکثر یہاں کے طور طریق اختیار کر لیتے تھے، چنانچہ دہلی، لکھنؤ اور حیدر آباد کے انگریز رزیڈنٹ، کلکتہ سے لندن تک اپنے ہم وطنوں میں "نباب" کہلانے لگے تھے۔

جس وقت سے ممالکِ ہند کی دیوانی کمپنی کے پلّے بندھی، اس کے اعلیٰ عمال میں لامحالہ حکومت

---

[1] یہ واقف کار اور اہل الرائے انگریزوں کا تخمینہ ہے۔ اُس عہد کی دہلی پر متعدد کتابیں، مضامین اور مقالات انگریزی میں، نیز اُردو میں لکھے گئے ہیں۔ ایک تازہ تر تالیف "ٹوای لائٹ آف دی مغلز" لندن سے ۱۹۵۱ء میں شائع ہوئی ہے۔ مؤلف نے تاریخ کے شوق اس وقت اسے مرتب کیا جب انگریزی ملوکیت ملک سے دست بردار ہو چکی تھی۔ ہمعصر سرکاری کاغذات اور یادداشتیں روزنامچے وغیرہ مآخذ سے مؤلف نے استفادہ کیا۔ یہ تخمینۂ آبادی بھی اسی نے نقل کیا ہے۔
ص ۱۹۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے پندار کے ساتھ ذمہ داری کا احساس بڑھنے لگا۔ علانیہ اور بے حساب لوٹ مار سے ہاتھ کھینچا سمجھے کہ اپنے ملک و مال کو برباد کرنا خسارے کی بات ہوگی۔ رشوت ستانی اور زرکشی کے پیچیدہ داؤپیچ برابر چلتے رہے، لیکن گورنر جنرل بین ٹنگ کے زمانے سے امن و انتظام کے قیام پر توجہ کا رُخ پھر گیا۔ اس حاکم نے سرکاری ملازمت میں اہلِ ہند کو مزید حصّہ دلوانا ضروری قرار دیا اور اسی مصلحت سے ان میں انگریزی تعلیم کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ یہ تعلیم بیشتر ہندو آبادی میں پھیلائی گئی۔ اس کے پھیلانے میں مسیحی داعیوں نے والہانہ اعانت کی۔ انہیں یقین تھا کہ بالآخر اس بھٹکی مخلوق کو حضرت مسیحؑ کے گلے میں گھیر لائیں گے۔

غرض یہ اسباب انیسویں صدی عیسوی کے دوسرے ثُلث میں ہوسِ تر کے منہ زور گھوڑے کی لگام کھینچتے تھے اور انگریزوں کو کسی حد تک اہلِ ہند کی ہمدردی پر مائل کرتے تھے، اگرچہ اسے بھی دوراندیشی کی مطلب پرستی کہا گیا ہے۔ انہی حالات میں ۱۸۵۷ء کا خوفناک ہنگامہ برپا ہوا۔ انگریزی کتابوں سے اس کے ظاہری اسباب اور اہم واقعات کا خلاصہ ہم ذیل میں مرتب کرتے ہیں لیکن خود مسلمان اہلِ فکر نے اس طوفان کو جس نظر سے دیکھا اور اُس کی گہرائیوں میں اُترے اُن کی رائے کا سب سے اچھا نمونہ سرسید احمد خاں کا رسالہ "اسبابِ بغاوتِ ہند" مانا جاسکتا ہے۔ سیّد صاحب انگریزوں کے ملازم اور سچے خیر اندیش تھے، ممکن ہے کمپنی بہادر کی مدح اور "باغیوں" کی قدح میں مبالغے کا نمک مل گیا ہو۔ بایں ہمہ انہوں نے بڑے پتے کی باتیں لکھی ہیں اور دوستانہ نکتہ چینی میں کمی نہیں کی ہے حتّٰی کہ دوستوں کے مشورے سے کتاب چھاپنے کے بعد عرصے تک اس کی عام اشاعت روکے رکھی پھر بھی بعض انگریز عہدیداران کی صاف گوئی سے مکدّر ہو گئے تھے۔ بہرحال تاریخی اعتبار سے یہ رسالہ نہایت قیمتی معصر شہادت کا مرتبہ رکھتا ہے اور ہم نے باب کے آخر میں اس کا ضروری حصّہ طوالت کے باوصف بجنسہٖ نقل کر دینا جائز سمجھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ا۔ اسباب و واقعات :

فروری ۱۸۵۶ء میں جب ڈلہوزی نے حکومت کی باگ اپنے جانشین (کے ننگ) کے حوالے کی تو شورش و فساد کا مواد تیار ہو چکا تھا، لیکن یہ بات کہ پھوٹنے والے پھوڑے کی نباض حکام کو خبر تک نہ تھی، ڈلہوزی کی وداعی تقریروں سے مترشح ہوتی ہے۔ دوسرے انہی دنوں برطانی ملوکیت نے چین و ایران میں پنجے گاڑے اور جنگ کی نوبت آئی تو گورا فوج کے کئی دستے ہندوستان سے باہر بھیج دیے گئے۔ وی اسمتھ کی تحقیقات کے مطابق سال مذکور کے آخر میں دیسیوں کے مقابلے میں فرنگی سپاہی بیس فیصدی بھی نہ تھے اور ان میں آدھے سے زیادہ اُن دنوں پنجاب کی چھاؤنیوں میں پڑے تھے۔ دو آبہ خصوصاً بہار و بنگال کا ملک گورا فوج سے قریب قریب خالی تھا۔[1] یہ واقعہ بھی انگریز حکام کے مادۂ شورش سے بے خبر ہونے کی خبر دیتا ہے۔

دیسی فوج اور اس کے چند مفسدات پر ایک گزشتہ باب میں نظر ڈالی جا چکی ہے۔ فوجیوں کی بددلی کا ایک سبب دیسیوں کی فرنگیوں سے عمومی نفرت و بدگمانی سمجھنا چاہیے، مگر اندرونی قضیہ مدت سے یہ درپیش تھا کہ ہندی سپاہی جس قدر زیادہ دور لڑائی میں بھیجے جاتے اسی قدر تنخواہ اور مواجب میں اضافہ مانگتے تھے۔ ہندوؤں کو بیرونی ممالک، خصوصاً سمندر، بلکہ سندھ ندی کے پار جانے میں مذہبی عذرات تھے۔ کمپنی کی سرکار بھتے سے بھی ان کا منہ میٹھا کرنا نہ چاہتی تھی اس لیے وہ اور کڑھ جاتے تھے، چنانچہ مہم کابل کے بعد سے دوسری جنگ برما تک (۱۸۴۲ء تا ۱۸۵۲ء) صرف دس برس کے عرصے میں چار دفعہ اضافے کے معاملے میں جھگڑا بڑھا اور کئی دیسی پلٹنیں نہ صرف نوکری چھوڑنے بلکہ علانیہ فتنہ و فساد اٹھانے پر آمادہ ہو گئی تھیں۔ اسی بنا پر کے ننگ نے حکومت کی باگ سنبھالتے ہی ایک نیا ضابطہ یہ بنایا کہ "دکنی فوج" کی طرح "افواجِ بنگالہ" میں نئے بھرتی ہونے والوں سے اقرار

---

[1] اوکس ہس ص ۱۳

www.KitaboSunnat.com

لیا جائے کہ انہیں ہر جگہ جہاں سرکار بھیجے گی، بلا عذر جانا ہو گا۔ پہلے کے ملازم سپاہیوں کے لیے یہ شرط لازم نہ تھی، مگر آیندہ بھرتی میں بلشتر انہی کے بیٹے بھتیجے ہوتے تھے، لہٰذا نئے ضابطے نے انہیں اور ناراض کر دیا۔ واضح رہے کہ سکھوں، گورکھوں کی چند نئی پلٹنوں کے سوا، اُس وقت بنگال آرمی کی ساری نفری ہندوستان خاص کے باشندے تھے اور ان میں بھی مسلمانوں کی تعداد کم تھی۔ زیادہ تر چھتری اور برہمن جاتیوں کے افراد تھے جنہیں مذہبی قیود کا بہت پاس و احساس تھا۔

عام رعایا میں نفرت و ناگواری کے محرکات بالکل دوسرے اور ایک حد تک قدرتی تھے۔ ڈلہوزی کے زمانے میں جس تیزی اور دھینگا دھینگی سے کمپنی کے مقبوضات میں اضافہ ہوا، اُس نے اہلِ ہند کو سخت حیران و سراسیمہ کر دیا تھا۔ اسی کے ساتھ انگریزوں کے طرزِ عمل میں نمایاں فرق نظر آنے لگا تھا۔ اب کمپنی بہادر فقط گورے سوداگروں کی جماعت نہ تھی، بلکہ علانیہ شاہنشاہی کا داعیہ رکھتی تھی۔ نام نہاد مُغل بادشاہِ دہلی اس کا محتاج وظیفہ خوار تھا۔ فرنگی کی قوت و سطوت علاء الدین و بلبن، اکبر و عالمگیر سے بڑھی چڑھی چلی جاتی تھی۔ اس نے ناگ پور و ستارا کی بڑی بڑی گدّیوں کو نوکِ قلم سے پارہ پارہ کر دیا۔ حضرت جانِ عالم (واجد علی) شاہِ اودھ کو بھرے دربار میں معزولی کا حکم سنایا۔ بے روک ٹوک زرنگار لکھنؤ سے کھینچ کر مٹیابُرج کلکتہ میں پھینک دیا۔ دکن کے کُشتینی صوبیدار نظام الملک آصف جاہ رابع، کو ایک معمولی سوداگر بچّے (ڈلہوزی) نے دھمکی دی کہ اگر صوبہ برار کی تفویض میں لیت و لعل کیا تو آں عالی جاہ را بے نام و نشاں خواہم ساخت! سکھوں کی نئی فوج کی بڑی دھاک تھی۔ چند ہفتے میں خاک میں ملا دی۔ بڑے بڑے قد آور سردار فرنگی رزی ڈنٹ کے آستانے پر سرنگوں نظر آنے لگے۔ سندھیا کی سینا سے چند روز میں ہتھیار رکھوا لیے۔ ریاست کی رہی سہی آزادی کو حکایتِ ماضی کر دیا۔ ــــــ غرض جدھر قدم، بلکہ نظر اٹھائی، کامیابی پائی اور پاکستان و ہند کے اندر جو کوئی اُن سے ٹکرایا چکّر کھا کے گر پڑا۔

یہ پے در پے واقعات اہلِ ہند کی دقعت اور انگریزوں کا دماغ بگاڑے دیتے تھے کہ تنگ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے کلکتہ میں حکومت سنبھالنے کے بعد غریب بادشاہ دہلی کو باضابطہ لکھ بھیجا تھا کہ خطابِ شاہی اور "قلعہ معلیٰ" کی سکونت اور "دربار" لگانے کی اجازت آپ کے دم تک ہے۔ آپ کے جانشین (ولیعہد بہادر) وظیفہ مقرر پائیں گے، مگر بادشاہ نہیں کہلائیں گے۔ قصرِ شاہ جہانی آیندہ "ٹامیوں" کا مسکن بنے گا!

شاہ اودھ کی معزولی کے بعد ہی اس دوسری اطلاع نے ہند کے دور دست اقطاع میں سناٹا ڈال دیا۔ طبقۂ اعلیٰ کے قدامت پرست دعیش دوست افراد مدت سے پست حوصلہ، دِل مُردہ تھے، جدّ وجہد، ایثار و قربانی کی صلاحیت نہ رکھتے تھے۔ ان میں انقلابِ حکومت کا ارمان تھا بھی تو اس کی قابلیت مفقود تھی، چنانچہ آیندہ جنگ و جدال میں اس طبقے کے کسی نواب یا راجا، خان و مرزا نے حصّہ لیا، تو وہ بے ہودہ جوشِ انتقام اور بے محل بہادری کا پیرایہ دکھاتا ہے۔ کوئی دور اندیشی ضبط و نظم قائم رکھنے کی لیاقت ثابت نہیں ہوتی۔ رہے متوسط اور عوام وہ "سیاسی اوصاف" میں بدتر تھے۔ شخصی بادشاہی نے صدیوں سے انہیں مُلکی معاملات سے بے دخل و بے خبر کر دیا تھا۔ مل کر معمولی کام کرنے کی اہلیت نہ رہی تھی۔

ملک میں کوئی نظامِ حکومت قائم کرنا تو بہت دور کی بات ہے جو آج تک غریب عوام کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اس نشیبی طبقے سے پھر کسی حیدر علی جیسے شخص کا ابھر آنا شاید ممکن ہوتا، لیکن شخصی اقتدار کا موسم گزر چکا تھا اور جو قوت اب اہلِ ہند پر مستولی ہوئی اس کی پشت پر ایک قوم کا ہاتھ تھا۔ معلوم ہوتا ہے خود عوام اہلِ ہند اتنا سمجھنے لگے تھے کہ ان چالاک فرنگیوں سے عہدہ برآ ہونا دشوار ہے، مگر اپنی بے بسی کا یہ احساس بھی انہیں انگریزوں سے دِلی نفرت سکھاتا تھا۔

دوسرے، ہر چند ملک و حکومت میں عوام کا حصّہ نہ تھا، لیکن انگریز کمپنی کے تسلط نے رئیس و راجا ہی کو محروم و خوار نہیں کیا، بلکہ جہاں اس کے قدم آئے وہاں کسانوں پر مال گزاری کی سختیاں بڑھ گئیں۔ دیسی مصنوعات کا بازار ٹھنڈا پڑ گیا۔ ہزاروں پیشہ ور، بیروزگار و مفلوک الحال ہو گئے۔ بغرض غیر قوم سے طبعی نفرت، اس کی قوت کا خوف اور اقتصادی بدحالی کا عمومی نتیجہ یہ ہوا کہ اہلِ ہند، خصوصاً

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمان باشندے فرنگی حکمرانوں سے سخت بیزار ہو گئے۔ پھر قحط و گرانی، وبا اور بیماری غرض ہر قسم کی مصیبت کا الزام کمپنی کے سر لگایا جانے لگا۔ فرنگیوں کے خلاف طرح طرح کی جھوٹی سچی افواہیں ذرا سی دیر میں پھیل جاتی تھیں۔

ان میں سب سے بڑھ کر یہ چنگاری لوگوں کو مشتعل کرتی رہتی تھی کہ انگریز ہندوستانیوں کا دین بگاڑنا اور انہیں عیسائی بنانا چاہتے ہیں جیسا کہ سرسید کے اقوال میں ہم پڑھیں گے، یہ محض ہوائی اور بے بنیاد افواہ نہ تھی؛ زیرِ نظر عہد میں عیسائی پادری قریب قریب ہر بڑے شہر اور ضلع میں پہنچ گئے تھے۔ جگہ جگہ گرجا، وعظ خانے، مدرسے، خانقاہیں تعمیر ہوئیں، طرح طرح کی تدبیروں سے دینِ مسیحی کی تبلیغ ہونے لگی تھی۔

کمپنی کی حکومت اہلِ ہند کے مذہبی ..... عقائد و اعمال میں مداخلت کرنے سے تحاشی (تحاشی) برتتی تھی، مگر عیسائیت کی علانیہ حامی تھی۔ پادریوں کی تنخواہیں مقرر تھیں۔ تبلیغی اداروں کی اعانت کی جاتی تھی۔

انیسویں صدی عیسوی کے اکثر تعلیم یافتہ فرنگی دین سے برگشتہ تھے۔ مسیحیت کے بنیادی مطالبات کو عقل و تحقیق کی عدالت میں غلط ثابت کرتے تھے۔ ان کا پادریوں کی سرپرستی کرنا سیاسی مصلحت یا قومی عصبیت پر مبنی ہو گا، مگر ان میں ایسے روشن خیال بھی پائے جاتے ہیں جو چاہتے تھے کہ پادری، عیسائی مذہب کی صداقت ثابت کر سکیں یا نہ کر سکیں، اہلِ ہند کے "اوہام" کا ضرور ابطال کریں اور انہیں اپنے دین دھرم سے بیگانہ یا مشکوک بنا دیں[1] ___ ایسے ملک میں جہاں عام لوگ ہر نئی چیز کو خوف و بدگمانی

---

[1] اسی زمانے میں پادریوں نے چند نیم ملّانوں کا دامنِ ہوس پورا بھر دیا اور ان کے دینِ صافی کو گدلے بپتسمے میں غوطہ دیا تھا۔ ان مرتدوں میں پادری عماد الدین مشہور رہے۔ اس طرح کے کئی زر خرید شخص اسلام کے خلاف طرح طرح کے اتہام چھاپتے اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے پر نوکر تھے۔ بارے

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے دیکھتے تھے، فرنگیوں کو اخلاق و روحانیت سے بالکل عاری، ناپاک و نجس حرام خوار سمجھتے تھے، جہاں کسی دیسی کے محض کوٹ پتلون پہن لینے پر کفر کے فتویٰ اور تشبہ کے تازیانے لگائے جاتے تھے، انگریز عمال کی یہ مذہبی حکمت عملی احمقانہ جسارت کا پیرایہ رکھتی ہے۔ ماننا پڑتا ہے کہ اقتدار کے خمار، برتری کے پندار نے انہیں اہلِ ہند کی ناراضی کی طرف سے بے پروا کر دیا تھا۔ انہی بے پروائیوں نے ۱۸۵۷ء کی فوجی بغاوت، پھر عام فساد و خونریزی کی کھیتی تیار کی۔

نفرت کی سُرنگ کا پہلا بڑا دھما کا میرٹھ چھاؤنی میں ہوا۔ جنوری ۱۸۵۷ء میں ایک نئی قسم کی بندوق (اِن فیلڈ رائفل) فوجوں میں رائج کی گئی تھی۔ اس کے کارتوس کو چربی سے چکنا کیا جاتا تھا پھر دانت سے کارتوس کا ایک سرا کترتے تھے۔ فرنگیوں کو کسی گندی گھناونی چیز کی حس نہ تھی، مگر ہندوستانی سپاہیوں میں یہ نیا کارتوس بدگمانی کا میگزین بن گیا۔ شمالی ہند میں آناً فاناً مشہور ہوا کہ اسے چکنا کرنے میں گائے اور سور کی چربی لگائی جاتی ہے کہ ہندو مسلمانوں کا دین چھٹ جائے۔

جیسا کہ ایچسن وغیرہ نے لکھا ہے واقعی ولایت سے بچھڑے کی چربی لگی ہوئی آتی تھی اور ہندوستان کے حاکموں نے اسے رد کرنے اور دوسری چکنائی سے کام لینے کی ہدایات بھی جاری کیں، لیکن یہ بعد از وقت تدارک تھی۔ مارچ کے مہینے میں سب سے اول ایک برہمن سپاہی نے انگریز اجیٹن (ایڈجوٹنٹ)

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

ان کے فرنگی سرخیل پادری فنڈر (مصنف میزان حق) کو مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے آگرہ کے ایک بڑے مناظرے میں شکست دی۔ صدر جلسہ انگریز جج تھا۔ فنڈر عیسائیت کے فرنی عقائد کی جھوٹی تاویل بھی نہ کرسکا۔ اس قدر ذلیل ہوا کہ پھر ہندوستان چھوڑ کر چلا گیا۔

انگریزی تاریخوں میں عام واقعات کو عموماً سبھی نے تسلیم کیا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ مارش مین آنر کی تاریخیں اور غدر کے متعلق کیئے (J. W. KAYE) کی سپوے دار، نیز ایچیسن کی "لارڈ لارنس" لائق مطالعہ ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا حکم ماننے سے انکار کیا اور اس کی زباں درازی کے جواب میں نوکِ سنگین سے کام لیا۔ ساتھی کھڑے تماشا دیکھتے رہے۔ صرف ایک مسلمان سپاہی بچانے دوڑا تھا، مگر نہ بچا سکا۔ قاتل کو بعد میں گولی سے اڑا دیا گیا۔[1]

چھوٹی موٹی وارداتیں دوسری چھاؤنیوں میں بھی ہوئیں لیکن اجتماعی طور پر میرٹھ کے ایک جوق نے حکم عدولی کی جسارت کی۔ اور جنگی عدالت سے ہر شخص کو دس برس کی قیدِ بامشقت کی سزا سنائی گئی۔ یہ رسالے کے پچاسی سپاہی تھے کہ ساری فوج کے سامنے ان کی وردی اتاری اور ہتھکڑی لگا کر جیل خانے بھیج دیا گیا (۹ مئی ۱۸۵۷ء م ۱۲۷۳ھ)

اس واقعے نے خشک بارود پر چنگاری ٹپکا دی۔ دوسرے دن اتوار تھا۔ صاحبانِ انگریز شام کی نماز ادا کر رہے تھے کہ اسی رسالے اور دو پیادہ پلٹن والوں نے جیل کا دروازہ توڑ کر ساتھیوں کو رہا کیا اور انگریزوں کو جو ہاتھ پڑا، قتل کر ڈالا۔ اُن کے بنگلوں میں آگ لگا دی اور صاف صاف انگریزی حکومت سے جنگ کا اعلان کر دیا۔

میرٹھ میں گورا فوج کا ایک جیش موجود تھا، مگر اس نے دم نہ مارا اور شورش کا انسداد کرنے کی ہمت نہ کی جس کا سبب فرنگی سپہ سالار (جنرل ہیوئٹ) کی بزدلی قرار دیا گیا۔ باغی سپاہیوں نے دہلی کی راہ لی جہاں اُن کی آمد آمد کی خبر سُن کر بلوہ ہو گیا اور انگریزوں کو چن چن کے مارا جانے لگا۔ شہر میں گولہ بارود کا بڑا مخزن بھرا ہوا تھا۔ اسی عمارت میں آٹھ نو فرنگی پہرہ دار گھرے ہوئے تھے جبکہ ایک طرف سے آگ لگی اور دھماکے میں بہت سے بلوائیوں کے ساتھ چند گورا سپاہی اُڑ گئے۔ انگریزوں کی ملکی تاریخوں میں اسے ان کی سرفروشی بتایا ہے اور ہمارے زمانے تک کشمیری دروازے کے ایک کتبے پر اُن کے نام اور کارنامے کندہ نظر آتے تھے۔[2]

---

[1] اوکس ہس ص۱۵۔

[2] غالباً یہ بناوٹی افسانہ تھا۔ قرائن کہتے ہیں کہ مخزن میں بلوائیوں نے آگ لگائی اور یا ممکن ہے کہ پہرہ داروں نے انہیں ہٹکنے کے لیے ایک حصہ اڑا دیا ہو جس میں غلطی سے خود بھی نقصان اٹھایا اور آدھے گورا سپاہی اُڑ گئے۔ پھر بھی چار سلامت رہے۔ (دیکھو مارشمین کی تاریخ ص ۴۹۶)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنگی مرکز (۱) دہلی :

میرٹھ کا فتیلہ سلگتے ہی رفتہ رفتہ دوآب کی ساری چھاؤنیوں میں شعلے بھڑک اٹھے۔ پنجاب کے انگریزوں نے چالاکی سے ہندوستانی فوجوں کے ہتھیار لے لیے۔ سکھوں اور ڈوگروں کو تھپکی دے کر اپنا حلیف بنالیا۔ آزر کھتا ہے (ص ۲۰۴) کہ گزشتہ محاربات پنجاب نے ان میں اور دوآب والوں میں ایک قسم کی رقابت پیدا کردی تھی۔ انگریزوں نے لالچ دے کر اس نا اتفاقی سے خوب نفع کمایا۔ سکھوں کی نئی فوج تیار کر کے دہلی پر چڑھا لائے جسے باغی سپاہیوں نے اپنا پہلا مرکز بنایا اور ابوظفر بہادر شاہ کی آزاد بادشاہی کا اعلان کرایا تھا۔ اس بادشاہ بے ملک کی عمر اسی سال سے متجاوز تھی جبکہ آدمی کو اپنے حواس پر ہی قابو رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ وہ شورہ پشت سپاہ اور بدامنی کے لشکروں کو کیا سنبھال سکتا تھا۔ باغی فوج میں بہت سے تلنگے سپاہی آئے تھے جن کی بات چیت بلکہ سراپا اہل دہلی کو عجیب اور لائق مضحکہ معلوم ہوتی تھی۔

بہادر شاہ کے ایک پرجوش فرزند مرزا مغل امیر لشکر مقرر ہوئے، مگر وہ بھی شہر و بیرون شہر میں کوئی انتظام نہ قائم کر سکے، لوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا۔ در آمد بند، سامان خور ونوش کی کمی پڑ گئی۔ ایک انگریزی کتاب میں یہ لطیفہ بھی نظر سے گزرا کہ شہر میں افیون کا گراں ہو جانا افیمیوں کو بہت گراں گزرا اور وہ لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے۔[۱]

ڈیڑھ دو مہینے کی سخت بدنظمی اور افراتفری کے بعد بریلی کی ایک اور فوج انگریز کو ہندوستان سے اور مغل سلطنت کو ذلت کی قبر سے نکالنے کے لیے دہلی پہنچی (جولائی ۱۸۵۷ء، اواخر ۱۲۷۳ھ)

---

۱ ٹو اے لائٹ ...... ص ۲۱۰۔ ہم نے اسی قسم کی حکایت لکھنؤ کے افیمیوں کی نسبت سنی تھی۔ واضح رہے کہ ان دنوں بھنگ اور افیون شمالی ہند میں بہت مقبول نشے تھے۔ کبیرہ گناہ کی چیز فقط شراب خواری کو سمجھا جاتا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی تعداد چودہ ہزار تخمین کی گئی ہے۔ اس میں صرف کمپنی کے باغی سپاہی نہ تھے، بلکہ بہت سے مجاہدین تازہ بھرتی کیے گئے تھے۔ خود سپہ سالار بخت خاں روہیلہ، خاصا دیندار سنجیدہ قسم کا آدمی نظر آتا ہے جو پہلے انگریزی فوج میں رسالداری کر چکا تھا۔ نئی تنظیم اور قواعدِ جنگ سے آشنا تھا۔ پھر، کہا جاتا ہے کہ اپنے پیر کے حکم سے کافر فرنگی کی نوکری چھوڑ کر گوشہ نشین ہو گیا تھا۔ اس کے وطنی جذبے کی دلیل یہ واقعہ ہے کہ انگریزوں کے جانی دشمن دھوندو پنت (ناناصاحب) کے بھائی کو بٹھور سے بلا کر اپنا شریکِ کار بنا لیا تھا۔ انگریزوں کی معصر شہادتوں میں اعتراف کیا گیا ہے کہ اسی نے دہلی آکر امن وانتظام پر توجہ کی اور ایک شہری مجلس بٹھائی کہ بدنظمی کو سر اٹھانے نہ دے۔ عیدالاضحیٰ کے موقع پر شاہی فرمان جاری کرایا کہ ہندو ہم وطنوں کی خاطر گائے بیل کی عام قربانی نہ کی جائے۔[1]

انہی کارگزاریوں کی بنا پر بہادر شاہ نے ملکی اور عسکری اختیار بخت خاں کے سپرد کیے اور گویا اپنا نائب السلطنۃ بنا دیا تھا۔ حقیقت میں، کم سے کم دہلی کے دائرے میں یہی شخص توجہ کا محور ہے کہ ذاتی لیاقت و کاروائی سے آگے بڑھا اور دلیری اور حوصلہ مندی کے ساتھ انتظام کی قابلیت و فراست سے اتصاف رکھتا تھا۔

---

[1] "ٹوانی لائٹ"...... بحوالہ "ساندرس پیپرز" وغیرہ۔ مارٹن مین اور کیئے (جلد دوم) کی تاریخوں اور مقدمہ بہادر شاہ کی روداد میں یہ واقعات جستہ جستہ منقول ہیں۔ ہمعصر شاعر ظہیر دہلوی کی "داستانِ غدر" بھی لائق اعتماد شہادت پیش کرتی ہے۔ بخلاف ان کے مولوی نذیر احمد خاں نے بخت خاں کی آنکھوں دیکھی یہ بدنما تصویر دکھائی ہے (فسانہ ابن الوقت وغیرہ) کہ شاہی گندھی سے عطر کا شیشہ طلب کیا۔ ڈاٹ کھولنے کی بجائے توڑ کر اپنے اور اپنے گھوڑے پہ بہا دیا۔ یہ روایت صحیح ہو تو اندازہ ہوتا ہے کہ "جنگِ آزادی" کے بہترین سردار بھی وحشت وظلم کے عناصر سے پاک نہ تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُدھر انگریزوں کی انبالہ کی فوج کی اطاعت گزاری میں بال برابر فرق نہیں آیا تھا۔ وہ جون ہی میں اُسے دہلی پر چڑھا لائے اور سازش کی سُرنگیں قلعۂ معلّٰی تک لگا رہے تھے۔ میرٹھ کی باغی سپاہ میں کوئی تنظیم و پیوستگی نہ تھی۔ دہلی آتے آتے کئی دستے کٹ کر اپنے گھروں کو چل دیے تھے۔ دکنی تلنگے بھی زیادہ تر اس لیے جمے رہے کہ وطن سے دور پڑے تھے۔ خاص شہر بلکہ لال قلعے میں وظیفہ خوار یا امیدوارِ خیر خواہانِ انگریز بھرے ہوئے تھے۔ صدہا اشخاص مفت میں جاسوسی کی خدمت انجام دیتے اور انگریز کی حکومت قائم کرا دینے کے لیے بیقرار معلوم ہوتے تھے۔

جو قوم اپنی آزادی تباہ کرنے پر اس طرح تُل جائے، ظاہر ہے اس کا حشر کیا ہو گا۔ اگلے دو مہینے میں بخت خاں کے آجانے سے روک تھام ہوئی ورنہ ممکن ہے اُسی مہینے یہ سانگ ختم ہو جاتا۔ نئے سپہ سالار کی پامردی نے انگریزوں کی ہمت پست کر دی۔ پنجاب کی تازہ دم بڑی فوج اور قلعہ شکن توپیں آتے تک شہر پر حملہ نہ کر سکے۔

مگر اس گولہ باری سے بھی پہلے پائے تخت میں اتحاد کا قلعہ ٹوٹ چکا تھا مرزا مُغل اور ان کے تلنگے رفیق، بخت خاں سے حسد کرنے لگے تھے۔ اس کا حکم ماننے کی بجائے ضد سے مخالفت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ شمالی پہاڑی سے شہر پر گولے برسنے شروع ہوئے۔ بادشاہ سلامت نے قلعہ خالی کر دیا۔ اپنے جد اور سلطنت کے ایک بانی ہمایوں کے مقبرے میں پناہ لی اور اسی مدفن میں اُن کی گرفتاری پر نام نہاد تیموری سلطنت ہمیشہ کے لیے دفن ہوئی۔

بخت خاں نے آخری مشورہ یہ دیا تھا کہ دہلی سے دور جاکر روہیل کھنڈ یا دکن میں انگریزوں سے مقابلے کا سامان کیا جائے۔ ضعیف العمر، ضعیف الارادہ، ضعیف العقیدہ بادشاہ میں ایسی جدوجہد کی تاب و تواں نہ تھی۔ بخت رخصت ہو کر اودھ چلا گیا، پھر نیپال کی پہاڑی وادیوں میں جاکر گُم ہوا، تاہم ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی تاریخ میں اس کا نام باقی رہے گا۔

دہلی کی دوبارہ تسخیر اور بہادر شاہ کی قید و معزولی (ستمبر ۱۸۵۷ء م اوائل ۱۲۷۴ھ) مغلوں کی برائے نام موروثی بادشاہ کی موت کا نقارہ تھی جس نے تمام اہلِ شورش کے دل ہلا دیے۔ انگریزوں سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لڑائی رکی پوری تحریک میں یاس و جمود کی گرہیں ڈال دیں۔ کمپنی کی فتح یابی کو یقینی چیز بنا دیا، لیکن وقتی اور مقامی اہمیت کے علاوہ، یہ واقعہ پاکستان و ہند کی ملی تاریخ میں سوگواری کا گہرا زخم تھا جو مدتوں تک مسلمانوں کے دل میں ٹیسیں مارتا رہا۔ یوں بھی، خاندانِ تیموری کا زوال و خاتمہ دنیا کی آنکھوں میں عظیم عبرت کا نقشہ دکھاتا ہے۔ ہندوستان میں اس جاہ و جلال سے اور اتنے دن تک کسی خاندانِ شاہی نے سلطنت نہیں کی۔ نہ آئندہ انگریزوں کو نصیب ہوئی۔ دوسری جنگ پانی پت (۱۵۵۶ء) سے ابتدا کریں تو اس کا زمانہ، غدر تک تین سو ایک سال شمسی شمار ہوتا ہے۔

(۲) لکھنؤ:

شورش و جنگ کے سب سے خونیں معرکے اودھ میں پڑے جہاں لوگوں کے دل میں ریاست کی غاصبانہ ضبطی کا غم و غصہ بھرا ہوا تھا۔ انگریزوں نے یہاں رزیڈنسی کی عمارت کو پہلے سے مورچہ بند کر رکھا تھا اور ان کے کئی بڑے جرنیل، بلکہ آخر میں خود جنگی لاٹھ کمک لے لے کر آئے۔ باوجود اس کے نومبر (۱۸۵۷ء) میں انہیں شہر خالی کرنا پڑا۔ انگریز چیف کمشنر، سر ہنری لارنس پیشتر ہی برطانی ملوکیت کی بھینٹ چڑھ چکا تھا۔ شاہی کے چند پرجوش حامی شہر میں واجد علی شاہ کے ایک بیٹے برجیس قدر کی شاہی کا ڈھنڈورا پیٹ رہے تھے۔ اس شہزادے کی عمر دس سال کی تھی، لہٰذا اس کی ماں حضرت محل ولیہ بنائی گئی تھی اور بے شک بڑی دلیر و مستعد بیگم گزری ہے، لیکن انگریزوں کی باغی سپاہ یا شورش کرنے والے عوام کو قابو میں رکھنا محال تھا۔ بڑے جاگیردار و امرا میں بہت کم کسی نے رفاقت کرنے کی جرأت کی۔

ایک اور آفت کا غبار یہ چھایا ہوا تھا کہ سال ڈیڑھ سال پہلے مولوی سید امیر علی امیٹھوی کو فیض آباد کی مسجد کے جھگڑے میں دربارِ اودھ نے توپ سے اڑوا دیا، ملک بھر میں سنی عوام کے دل مشتعل کر دیے تھے[۱]۔ عجب نہیں کہ فرنگی شاطر نے اس موقع سے بھی فائدہ اٹھایا ہو کہ امیر علی صاحب

---

[۱] فیض آباد سے باہر ایک مسجد کو ہندو، راجا رام چندر جی کا قدیم استھان بتاتے (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی شہادت کے چند ہفتے بعد شیعہ شاہی کی بساط الٹ دی حقیقت میں سنی اس واقعے کو خدائی انتقام سمجھتے تھے۔ اودھ پر انگریزوں کا قبضہ کرنا انہیں ناگوار تھا، مگر شیعہ بادشاہی بھی ایسی گوارا نہ تھی کہ اس کی تجدید کے لیے جان کی بازی لگا دیتے۔ فیض آباد میں کمپنی کی جو دیسی فوج بگڑی اور لکھنؤ آکر مرکزِ جنگ قائم کیا، اس میں اکثر سپاہی سنی اور مولوی احمد اللہ شاہ صاحب کے معتقد تھے۔ انہوں نے برجیس قدر و حضرت محل کی خاطر خواہ اطاعت قبول نہیں کی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ میں بخت خاں روہیلے کو جو شہرت دہلی میں نصیب ہوئی، اس سے افزوں تر ناموری لکھنؤ میں ان شاہ صاحب نے حاصل کی۔ حالانکہ اصلی حالات کو اُن کی پُراسرار شخصیت اور مریدوں کی خوش اعتقادی نے مشتبہ کر دیا ہے تاہم اتنا یقینی معلوم ہوتا ہے کہ مدراس کے خاندانی آدمی اور حیدر آباد کے کسی بڑے گھرانے میں بیاہے گئے تھے۔ لندن کی سیاحت اور ممالکِ اسلامی کی زیارت سے مستفیض ہوئے پھر گھر بار چھوڑ کر فقیری اختیار کی۔ گوالیار کے قلندر محراب شاہ کے سامنے ارادت کی گردن جھکائی اور غدر ۱۸۵۷ء میں آگرہ سے اودھ آکر اہلِ شورش کے سرخیل و ہادی ہو گئے تھے۔

تاریخ شاہ جہاں پور وغیرہ بعد کی اُردو کتابوں میں انگریزوں کے یہ اعتراف منقول ہیں کہ عام وحشت و خونریزی کے ایام میں جب فرنگی کا قتل عین صواب سمجھا جاتا تھا' احمد اللہ شاہ کا دامن خونِ ناحق کے دھبے سے پاک رہا۔ برجیس قدر کی طفلانہ اور چند روزہ حکومت کے ارکان سے بھی

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

تھے۔ دربار اودھ کو رشوت و استمالت سے اس کی واگذاشت پر آمادہ کیا اور وہاں بُت رکھ دیے تھے۔ سید امیر علی صاحب نے اسے دین کی صریح بے حرمتی سمجھا۔ جبراً مسجد پر قبضہ کر لیا۔ حکومتِ اودھ نے چند مولویوں کا فتویٰ لے کر فوج روانہ کی اور سید موصوف اور کئی رفیقوں کو گولہ باری سے شہید کیا۔ یہ ۱۸۵۵ء کا واقعہ ہے۔ مسجد کا محلِ وقوع "ہنومان گڑھی" اور اجودھیا بھی موسوم تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ اسی لیے اُلجھتے تھے کہ ظلم وزرستانی کا ہاتھ رُکے۔ امن وانصاف کی عملداری قائم ہو۔

یہ لوگ دینی اختلاف اور دنیاوی اقتدار کے انہی جھگڑوں میں پھنسے رہے اور کانپور کو انگریزوں نے دسمبر میں دوبارہ اَینٹھ لیا۔ پھر فرصت سے لکھنؤ پر فوج کشی کی۔ کمپنی کا اعلیٰ سپہ سالار جسے آیندہ لارڈ کلائڈ کا خطاب ملا، خود میدان میں آیا تھا اور ادھر کوئی ادنیٰ سپہ سالار بھی نہ تھا جو دفاع کا ذمہ دار ہوتا۔ الگ الگ لشکروں میں دیسی سپاہی اور سردار خوب لڑے، مگر نئی تنظیم و اسلحہ کی برتری پرانی سپہ گری پر غالب آئی۔ حضرت محل اور احمد اللہ شاہ دونوں کو نقصان اٹھا کر شہر چھوڑنا پڑا۔ اودھ کی راجدھانی میں پھر انگریز کے قدم جم گئے (مارچ ۱۸۵۸ء)

شاہ صاحب نے شاہ جہاں پور کے قریب قصبۂ محمدی کو دارالحکومت بنایا اور صاحب "قیصر التواریخ" کا بیان ہے (۲ صـ۴۶۷) کہ وہاں اپنا خطبہ اور سکہ جاری کیا۔ اگرچہ اس شعر میں جو سکے پر کندہ کرایا، مشیخت کے ساتھ فقیر کی صدا گونجتی ہے:

زد بروئے ہفت کشور خادم محراب شاہ

حامیٔ دین محمدؐ احمد اللہ بادشاہ!

اس چھوٹی سی بادشاہی میں بھی باہمی اختلاف، تفرقہ ڈال رہا تھا۔ جب یہ سرکش گروہ معمولی لشکروں سے زیر نہ ہوئے تو لارڈ کلائڈ اپنی پوری فوج دریا موج کو فقیر پر چڑھا لایا۔ انہی سیلابی

---

[1] احمد اللہ شاہ کے کارنامے فورسٹ کی "ہسٹری آف دی انڈین میوٹنی" اور علیٰ ہذا کمال الدین حیدر کی اردو "قیصر التواریخ" کی دوسری جلد میں جگہ جگہ مسطور ہیں۔ کیئے کی ضخیم "سیپوئے وار" کا تکملہ میلسن نے "... میوٹنی" لکھا تھا اس میں بھی (۲ صـ۳۸۱) شاہ صاحب کی شجاعت، حب وطن اور قتل و نہب سے اجتناب کی تعریف آتی ہے۔ فتح محمد تائب لکھنوی نے غالباً "سوانح احمدی" کے نام سے شاہ صاحب کے حالات نظم کیے تھے۔ یہ مثنوی مجھے نہیں ملی، مگر اقتباسات میں بیان کی شستگی جھلکتی ہے۔ قریب زمانے میں کئی اردو مقالات و کتب شاہ صاحب کے ذکر خیر سے مزین ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ریلوں میں بخت خاں، حضرت محل وغیرہ نیپال کی وادیوں میں بہ گئے۔ شاہ صاحب ایک ہندو راجا کی گڑھی کے سامنے دھوکے سے مارے گئے۔ راجا نے معتقدانہ دعوت دی تھی۔ اب سر کاٹ کر شاہ جہان پور بھیجا، انگریز کی خوشنودی حاصل کی (جون ۱۸۵۸ء م ۱۲۷۴ھ)۔ قریب زمانے میں قوم پرست مسلمانوں نے سر کے مدفن پر ایک کتبہ نصب کرا دیا ہے۔

(۲) کانپور، مالوہ وغیرہ:

جنگ کے دوسرے دائروں میں شورش کے سرگروہ غیر مسلم رئیس تھے۔ انگریزوں کی سب سے بڑی تعداد گھیر لی گئی تھی (۷، جون، ۱۸۵۷ء) قریب ہی بیٹھور کی جاگیر میں آخری مرہٹہ پیشوا باجی راؤ کا لے پالک دھونڈو پنت عرف نانا صاحب رہتا تھا۔ باجی راؤ کو انگریزوں نے جیسی بیرحمی بے وفائی سے ریاست سے محروم اور اس جاگیر میں لاکر نظر بند کیا، اُسی کا زخم نہیں بھرا تھا کہ ڈلہوزی نے باجی راؤ کے مرتے ہی اس کا پنشن قرار وظیفہ بند کر دیا۔ ان بے انصافیوں کا پنت نے یہ بدلہ لیا کہ کانپور جاکر بلوائیوں کا سرغنہ بنا، اپنی پیشوائی کا اعلان کیا۔ محصور فرنگیوں کے بوڑھے جرنیل (سرہیو وہیلر) سے قول و قرار کیے کہ اسلحہ اور اپنی عورتوں، بچوں کو چھوڑ کر گورا سپاہیوں کو الٰہ آباد لے جائے، مگر جب وہ کشتیوں میں سوار ہونے چلے تو ان پر چاندماری کرائی۔ کہتے ہیں صرف چند آدمی زندہ نکل سکے، باقی دریا کی ریتی میں کھیت رہے یا ڈوب کر پار لگے۔ بدترین قساوت یہ تھی کہ انگریزی فوج باقاعدہ کے آنے کی خبر سُن کر عورتوں بچوں کو جو حراست میں تھے، بے دریغ تہِ تیغ کرا دیا۔ لاشیں اسی مکان کے کنویں میں پھنکوا دیں۔ دوبارہ قبضے کے بعد انگریزوں نے اس کے گرد پتھر کی جالی اور باغ بنوا کے "مقدس روضہ" بنا لیا تھا۔ جو لوگ حقیقت کے بالکل برعکس "بلیک ہول" کا افسانہ تصنیف کر سکتے ہیں انہیں ذرا سی بات کو افسانہ بنا دینا کیا مشکل ہے۔[1]

---

[1] ٹریولیان؛ ہمعصری کے وثوق سے مقتول زن و بچہ کی تعداد دو سو چھ (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمان باشندے فرنگی حکمرانوں سے سخت بیزار ہو گئے۔ پھر قحط و گرانی، وبا اور بیماری غرض ہر قسم کی مصیبت کا الزام کمپنی کے سر لگایا جانے لگا۔ فرنگیوں کے خلاف طرح طرح کی جھوٹی سچی افواہیں ذرا سی دیر میں پھیل جاتی تھیں۔

ان میں سب سے بڑھ کر یہ چنگاری لوگوں کو مشتعل کرتی رہتی تھی کہ انگریز ہندوستانیوں کا دین بگاڑنا اور انہیں عیسائی بنانا چاہتے ہیں جیسا کہ سرسید کے اقوال میں ہم پڑھیں گے، یہ محض ہوائی اور بے بنیاد افواہ نہ تھی؛ زیرِ نظر عہد میں عیسائی پادری قریب قریب ہر بڑے شہر اور ضلع میں پہنچ گئے تھے۔ جگہ جگہ گرجا، وعظ خانے، مدرسے، خانقاہیں تعمیر ہوئیں، طرح طرح کی تدبیروں سے دینِ مسیحی کی تبلیغ ہونے لگی تھی۔

کمپنی کی حکومت اہلِ ہند کے مذہبی ..... عقائد و اعمال میں مداخلت کرنے سے تحاشی دبتی تھی، مگر عیسائیت کی علانیہ حامی تھی۔ پادریوں کی تنخواہیں مقرر تھیں۔ تبلیغی اداروں کی اعانت کی جاتی تھی۔

انیسویں صدی عیسوی کے اکثر تعلیم یافتہ فرنگی دین سے برگشتہ تھے۔ مسیحیت کے بنیادی مطالبات کو عقل و تحقیق کی عدالت میں غلط ثابت کرتے تھے۔ ان کا پادریوں کی سرپرستی کرنا سیاسی مصلحت یا قومی عصبیت پر مبنی ہوگا، مگر ان میں ایسے روشن خیال بھی پائے جاتے ہیں جو چاہتے تھے کہ پادری، عیسائی مذہب کی صداقت ثابت کر سکیں یا نہ کر سکیں، اہلِ ہند کے "اوہام" کا ضرور ابطال کریں اور انہیں اپنے دین دھرم سے بیگانہ یا مشکوک بنا دیں[1] ۔۔۔ ایسے ملک میں جہاں عام لوگ ہر نئی چیز کو خوف و بدگمانی

---

[1] اسی زمانے میں پادریوں نے چند نیم ملّانوں کا دامنِ ہوس پورا بھر دیا اور ان کے دینِ صافی کو گدلے بپتسمے میں غوطہ دیا تھا۔ ان مرتدوں میں پادری عماد الدین مشہور ہے۔ اس طرح کے کئی زر خرید شخص اسلام کے خلاف طرح طرح کے اتہام چھاپتے اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے پر نوکر تھے۔ بارے

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہتے ہیں رانی کے تحت میں ۱۲ ہزار سپاہی جمع تھے آخر میں مالوہ اور دوآب کی بگڑی اور بکھری ہوئی جماعتوں کا وہی مرجع ہوگئی تھی۔ ۱۸۵۸ء میں وہ انگریزوں کی باقاعدہ فوج سے تین لڑائیاں لڑی اور آخری معرکے میں گوالیار کے قریب زخم کھا کے ہلاک ہوئی (جون ۱۸۵۸ء)۔ بے شبہ جنگِ آزادی کی داستان میں اس کی مردانگی اونچا مقام رکھتی ہے۔ تانتیا توپی جو آخر میں اسی جتھے کا دست و بازو بن گیا تھا، اگلے سال گرفتار ہو کر پھانسی پر چڑھایا گیا۔

شورش کے شرارے کہیں کہیں بہار و بنگال، راجپوتانہ اور وسطِ ہند کی بستیوں میں بھڑکے، مگر یہ مقامی آگ انگریزوں نے معمولی بھاگ دوڑ سے فرو کر لی۔ سرفروش لکشمی بائی کی آخری لڑائی کے بعد کمپنی کے دشمن یا باغی سپاہی کہیں کوئی بڑی گروہ بندی نہ کر سکے اور ۱۸۵۹ء کے اوائل تک فساد کے شعلے آہستہ آہستہ دھواں بن کے غائب ہوگئے۔ یوں بھی اس کی لپیٹ دہلی، دوآب، وسطِ ہند کے شہروں سے آگے نہیں گئی۔ گجرات و دکن اور دوسرے سرے پر بنگال، اڑیسہ و آسام میں کوئی قابلِ ذکر خونی معرکہ نہیں پڑا۔

حیدر آباد کے سالار جنگ اور گوالیار کے دیوان ڈنکر راؤ نے کمپنی کو کمک بھیجی۔ پنجاب کے سکھ سرداروں نے ایسی جانفشانی سے وفاداری کا حق ادا کیا کہ معلوم ہوتا تھا انگریزوں نے چند سال پہلے جو ہزاروں جوان مار کر اُن کی حکومت چھینی وہ کوئی بڑا احسان تھا۔ کچھ اسی قسم کی خود غرضانہ بے غیرتی نیپال کے وزیر جنگ بہادر کے حصے میں آئی جو خواہی نخواہی انگریزوں کا ساتھ دیتا رہا۔

اُدھر چالاک فرنگی دار الخلافت استنبول سے حضرت شیخ الاسلام کا فتویٰ خرید لائے تھے کہ یہ جنگ و جدال کوئی مذہبی نوعیت نہیں رکھتی، مسلمانوں کو فساد فی الارض سے اجتناب کرنا چاہیے۔ سرحد کے مجاہدین حسبِ معمول کبھی کبھی چھاپے مارتے رہے مگر امیر کابل (دوست محمد) نے کوئی جنبش نہ کی حالانکہ پشاور پر قبضہ کرنے اور منوا لینے کا امکان تھا۔[1]

---

[1] کیئے۔ جلد دوم، ابواب متعلقہ۔ نیز دیکھو اوکس، ص ۲۲۰۔ مارش وغیرہ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خود ان مقامات میں جو شورش کے بڑے مرکز تھے اور جہاں عام باشندے بھی انگریز کے قتل وغارتگری میں حصہ دار ہوئے، بہت سے لوگ (سپاہی اور غیر سپاہی) کمپنی بہادر کی خیر مناتے رہے مگر انہوں نے جا بجا انگریز مردوں، عورتوں کو اپنے گھروں میں چھپایا اور ان کی جانیں بچائیں۔ قیامِ امن کے بعد سرکارِ انگریزی کی طرف سے ایسے خیر خواہوں کو انعام اکرام اور خوشنودی کے پروانے دیئے گئے۔ ان اسناد کی نقول ایک زمانے تک حصولِ ملازمت میں مجرّب نسخے کا کام دیتی تھیں، لیکن ایسے نصیبے والے اگر دس بیس ہزار تھے تو اُن کی تعداد جنہوں نے جان و مال کا نقصان اٹھایا، لاکھوں میں تخمین ہوتی ہے اگرچہ ایک زمانے تک ان کا کوئی رونے والا تک نہ تھا۔

انگریزوں کا انتقام:

اہلِ برطانیہ کی نسبت مشہور ہے کہ ٹھنڈے مزاج کے لوگ ہیں، دیر میں مشتعل ہوتے ہیں، لیکن جب دشمنی پر آتے اور قابو پاتے ہیں تو بیرحمی میں درندوں کو مات کر دکھاتے ہیں۔ ۵۸-۱۸۵۷ء میں غلبہ حاصل کرنے کے بعد انگریزوں نے فساد کے اکثر مقامات پر اہلِ ہند سے وحشیانہ انتقام لیا۔ گناہگار و بے گناہ کو طاقت کی چکی میں بلا امتیاز پیس دیا۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، اپاہجوں تک پر مطلق ترس نہ کھایا۔ اوّل اوّل ہندو مسلمان سبھی عداوت کی آگ میں بھسم ہوئے، لیکن آخر میں ملّتِ اسلامی خصوصیت کے ساتھ قہر کا نشانہ بنائی گئی اور آیندہ پچیس تیس برس تک حکومت اُسے کمزور و ناکارہ بنانے میں ساعی رہی۔

فرنگی مظالم کی تحقیق کے ساتھ تفصیل بیان کرنا محال ہے۔ ایک وسیع اور آباد قصبے میں مہینوں تک گورے سپاہی اور سردار نہتے باشندوں کا شکار کھیلتے پھرے۔ اِن مرنے والوں کی تعداد کا اندازہ کون بتا سکتا ہے؟ مغلوب ہندیوں کی یہ ہمت نہ تھی کہ جو کچھ گزر رہی تھی، صحت اور وضاحت کے ساتھ اُسے قلم بند کرتے، البتہ مختلف مقامات کی زبانی روایتیں ایک زمانے تک زبان زد رہیں۔ ہمعصر انگریزی اور چند سال بعد کی اردو تحریروں سے ان قصّوں کی صرف اجمالی تصدیق ہو سکتی ہے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ سرسری تخمینہ قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے کہ ہر انگریز کے عوض میں کم از کم ایک ہزار دیسی مارے گئے۔ فرنگی مقتولوں کی مجموعی تعداد پانچ سات ہزار نفوس کہی جاتی ہے[۱]۔ ان پانچ چھ لاکھ سندی مقتولین میں شاید باغی سپاہیوں کی تعداد ہی تیس چالیس ہزار سے کم نہ ہوگی جو مارے گئے یا زیادہ تر نیپال کے پہاڑوں میں چھپ کر مفقود الخبر ہو گئے[۲]۔

جنگ و شورش کا پہلا بڑا مرکز دہلی تھی۔ غالباً سب سے زیادہ مصیبت اسی کو اٹھانی پڑی۔ گولہ باری اور تسخیر شہر کے بعد اہلِ شہر سے باقاعدہ انتقام لیا گیا۔ بوڑھے بادشاہ اور اس کے اہلِ خاندان امان مانگ چکے تھے۔ بے دست و پا قیدی ہو گئے تھے۔ میجر ہوڈسن حفظِ جان کا عہد و پیمان کر کے فوجی پہرے میں انہیں ہمایوں کے مقبرے سے شہر کو لا رہا تھا۔ بعض انگریزوں نے لکھا ہے کہ مغل بادشاہی کے اس تباہ شدہ قافلے کو دیکھنے کے لیے بہت سے شہری مضطربانہ باہر نکل آئے تھے۔ یکایک ہوڈسن پلٹا اور بہادر شاہ کے دو بیٹوں اور ایک پوتے کو تڑاتڑ گولیاں چلا کر مار ڈالا۔ پھر سینے پر چڑھ کر سر کاٹ لیے اور عام روایت کی بموجب ایک خوان میں رکھ کر بدنصیب باپ کے سامنے پیش کرائے۔ یہ قول کہ بلوہ ہونے کے خوف سے اُس نے یہ حرکت کی تھی، بظاہر جھوٹ ہے۔ بلوہ

---

[۱] دیکھو کیئے (اور میلیسن) کی تاریخ "...... سپوے وار" اور "...... میوٹنی" جلد دوم، اسی نام کی تاریخ از ہومز۔ سوانح لارڈ کیننگ، از کننگ ہم۔ نیز انز اور مارش مین کی عام تاریخیں۔ کچھ مدت بعد کی انگریزی کتابوں میں سر چارلس ڈلکہ کی کتاب "گریٹر برٹین" مطبوعہ ۱۸۸۵ء لائقِ ذکر ہے کہ وہ عرصہ دراز تک پارلیمنٹ کے رکن رہے۔ اور نو آبادیوں کے معاملات میں ماہر مانے جاتے تھے۔ انہوں نے ہندوستان میں انگریزی سپاہ کے مظالم کا تحقیق کے ساتھ اعتراف کیا ہے۔ (ص ۴۳۸ و مابعد)

[۲] دی اسمتھ نے لکھا ہے (ص ۷۳۳) کہ کمپنی کی دیسی فوج کے ایک لاکھ ۲۸ ہزار میں سے ایک لاکھ بیس ہزار منحرف ہو گئے تھے، ان میں سے کم و بیش ایک تہائی لڑ کر ضائع ہوئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنا ایک طرف، شہر والوں میں جمع ہونے کی بھی جرأت نہ تھی۔ شہر پناہ کے باہر جہاں یہ شہزادے ذبح کیے گئے، وہاں ایک بڑا دروازہ بنا ہوا تھا، وہ ہمارے زمانے تک "خونی" کہلاتا رہا۔

شہر میں اُن لوگوں کے مکانات پر جن کی خیرخواہی مسلّم تھی، بڑے بڑے اشتہار چسپاں کرا دیے تھے۔ انہیں چھوڑ کر باقی مسلمانوں کی فاتح فوج کو گویا چھٹی مل گئی تھی۔ ان وحشی گوروں اور سکھوں، ٹوڈگردوں نے کوئی بڑی حویلی تاراج کیے بغیر نہ چھوڑی۔ پھر کئی ہفتے تک جنگی "عدالتوں" میں جنہیں لوچڑ خانہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا، محلّے محلّے کے مسلمان شرفا بھیڑ بکریوں کی طرح گھیر گھیر کر لائے جاتے تھے اور اُن سے پوچھا جاتا تھا کہ تم نے کمپنی بہادر کی کیا خیرخواہی کی؟ اگر کوئی خیرخواہی ثابت نہ کر سکتے تو گولیوں سے اڑا دیے جاتے تھے۔ یا کفایت کے لیے درختوں میں پھانسیاں آویزاں کر دی تھیں، ان کے پھندوں میں گلا گھونٹ کر ہلاک کیے جاتے تھے۔ عدلِ فرنگی کے یہ فیصلے عموماً جمنا کے کنارے عمل میں لائے جاتے اور دریا میں روزانہ بے تعداد لاشیں بہتی اور مچھلیوں کی خوراک بن جاتی تھیں۔ قیصر التواریخ، میں دہلی کے ان کشتگانِ فرنگ کا تخمینہ ستائیس ہزار لگایا گیا ہے۔ (۲ ص ۴۵۴)

ابوظفر بہادر شاہ پر سرکار کمپنی کے خلاف بغاوت کرنے کا مقدمہ ایک خاص عدالت میں چلایا گیا۔ اس قسم کے ڈھونگ رچانے میں انگریز غضب کے ڈھیٹ مانے جاتے ہیں۔ گزشتہ جنگِ یورپ کے بعد بھی جنگ کے مجرموں پر عدالتیں بٹھائی گئی تھیں۔ خالص قانونی اعتبار سے انگریز کمپنی، ہندوستان میں دیوانی کا عہدہ رکھتی تھی اور اسی بادشاہ بے کلاہ کی نوکر تھی جسے باغی قرار دے کر معزول و جلاوطن کیا۔ بہادر شاہ کی قیدِ حیات کے باقی چار برس رنگون میں بسر ہوئے ۱۸۶۲ء میں وہیں وفات پائی۔

شہر کے بے زبان بیدار سے یہ انتقام لیا گیا کہ قلعے کے قریب کے عالی شان گنجان محلے اور کئی بازار مسمار کرا دیے۔ ان پر گورا سپاہی فوجی قواعد کرتے اور زمین کے برابر کر دینے پر بھی شاید قدموں سے روند کر اپنا دل ٹھنڈا کرتے اور شہر والوں کو جلاتے تھے۔ لال قلعے اور شاہی عمارتوں کو تڑوا دینے کی تجویز تھی مگر کہا جاتا ہے کہ اس میں بہت روپیہ خرچ ہوتا اسلیئے منسوخ کر دی تاہم قلعے کے بعض محلات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

توڑے اور گوروں کے رہنے کی بدنما بارکیں بنوا لی تھیں، جنہیں ہمارے زمانے میں خود انگریز حاکموں نے شرما کر صاف کرا دیا۔ غنیمت ہے جامع مسجد کہ فنِ تعمیر بلکہ مغل تہذیب کی بے بہا نشانی ہے انتقام کے تیشۂ انہدام سے بچ گئی۔ انگریز کی حرصِ زر، جذبۂ غضب پر غالب آئی۔ سال بھر سے زیادہ "جرنیلی" ضبطی میں رہی، پھر ایک لاکھ روپیے کر کے بعض شرائط کے ساتھ واگزاشت کر دیا تھا۔

دہلی کو ایک اور سزا یہ دی تھی [1] کہ ممالکِ مشرقی سے توڑ کر اُسے پنجاب سے وابستہ کیا جہاں ایک زمانے تک آئینی حکومت نہ تھی۔ انتظامی حاکموں کو استبدادی اختیارات حاصل تھے۔ دوآب کے دوسرے "فساد زدہ" بلاد و اقطاع میں الٰہ آباد، بلکہ آرے تک اسی طرح کے ظلم ڈھائے، قتلِ عام کرائے گئے۔ گو پیمانہ مختلف ہو، جور و تشدد کی نوعیت میں چنداں فرق نہ تھا۔

ملتِ اسلامیہ سے عداوت :

اس جنگ و فساد کی طغیانی میں جہاں مغلوں کی نقلی بادشاہی تنکے کی طرح بہ گئی، وہاں کمپنی کی فرعونی سرکار بھی غرقِ فنا ہونے سے نہ بچی، برطانوی وزیروں نے اقتدار کی گدی ان ملوکِ تجارے چھین لی۔ ممالکِ ہند کو شاہی مقبوضہ قرار دیا۔ نظم و نسق کی ذمہ داری براہِ راست اپنے ہاتھ میں لے لی۔ ان آئینی تغیرات کی کیفیت ہم آیندہ اوراق میں دیکھیں گے، سرِ دست دشمنی کی تدبیروں اور

www.KitaboSunnat.com

---

[1] قریب زمانے میں غدر کے بہت سے قصّے، افسانے، رسالے مقالے اردو میں چھپے ہیں اور ان میں غدرِ دہلی کے المناک واقعات تحریر ہیں۔ تاریخی لحاظ سے انہیں ماننے میں احتیاط ضروری ہے، تاہم اس میں کچھ شک نہیں کہ مسلمانوں کی نہ صرف دولت و خوش حالی بلکہ شہری اکثریت مستقل طور پر تلف کر دی گئی۔ امن اماں ہو جانے کے بعد شرفائے دہلی کے شاید ایک چوتھائی خاندان بھی دوبارہ اپنے گھروں میں آباد نہیں ہوئے۔ جو قتل و ہلاکت سے بچ گئے تھے ان میں بہت سے پردیسوں میں جا کر مر کھپ گئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عناد کے اُن تیروں کا مختصر حال سُن لیجیے جن کا تودہ ہندوستان کی شکستہ دل، پریشان حال اسلامی ملّت کو بنایا جارہا تھا۔

یہ سطوت فرنگ کے اوج و عروج کا زمانہ تھا۔ جو ملک چند صدی پہلے کسی شمار قطار میں نہ تھے۔ اب دنیا میں "دُولِ عظمیٰ" کہلانے کا دعویٰ رکھتے تھے۔ کرۂ ارض کے وسیع قطعات پر کہ پہلے سمندر پار نا معلوم و لاوارث غیر آباد پڑے تھے، انہوں نے قدم جما لیا تھا اور زیر نظر عہد میں جابجا اسلامی ممالک پر ہاتھ ڈال رہے تھے۔

ہندوستان اگرچہ آبادی کے لحاظ سے "اسلامی" نہ تھا، لیکن رسمًا مسلمانوں کی ملکیت اور عملًا اسلام کے حلقۂ اثر میں داخل تھا۔ اس کی ریاستیں اور ولایتیں انگریزوں نے کس طرح دھڑی دھڑی کر کے سنگوا لیں، یہ روداد گزشتہ صفحات میں پیش کی گئی ہے۔ ایک باب میں ذرا کھول کر یہ بھی بتا دیا ہے کہ تیرہویں صدی ہجری (انیسویں صدی) کے آغاز (عہدِ ویلزلی) سے برطانی تاجروں میں تاجوری کی ہوس نمایاں ہوئی اور ممالک ہند کو مستقل طور پر اپنی ملکِ مقبوضہ بنانے کا منصوبہ عزم مصمم ہوتا چلا گیا۔ "ہندوستان کے بہتر نظم و نسق کا قانون" (اگست ۱۸۵۸ء) جس نے کمپنی کی بساطِ حکومت کو تہ کر دیا، اسی ارادے کا صاف صاف باضابطہ اعلان تھا۔

۱۸۵۷ء بلکہ چند سال پہلے ممالکِ ہند میں کوئی آزاد ریاست یا مملکت باقی نہیں رہی تھی۔ سب سے بڑی ریاست حیدر آباد اور ملکِ نیپال کی نام نہاد آزاد حکومت نے ۱۸۵۷ء میں محکوموں سے بڑھ کر انگریزوں کی خیر خواہی دکھائی۔ غرض برطانیہ کو یہاں کے موروثی رئیسوں اور والیانِ ملک سے کسی سرکشی یا قوت آزمائی کا خطرہ نہ تھا۔ عام باشندوں کی اکثریت جاتیوں کی الگ الگ ڈھیریوں میں پراگندہ تھی۔ کاشت کار، کاروباری اہلِ حرفہ، کرہ کمین، پشت ہا پشت سے ملک داری اور عسکریت کے خصائل و مشاغل سے دور پڑے تھے۔ کئی فرقوں اور کثیر التعداد جماعتوں کا جزوِ ایمان اہِنسا کا عقیدہ تھا۔ یہ سب امن پسند مسکین اور ہر حکومت کے اطاعت گزار تھے۔

راجپوت قوموں کی بڑی تعداد راجپوتانے کی دیسی ریاستوں میں منقسم تھی۔ برطانی ہند کے باشندوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ہتھیار لے لیے گئے تھے کہ انہیں چلانا ایک طرف گھروں میں بھی رکھنے سے پرہیز کریں۔ تدبیر کے انہی پھندوں سے ہندوستان کی جملہ اقوام وملل کو ایسا جکڑا تھا کہ وہ محکومی کے گڑھے سے سر نکالنے کی جرأت نہ کر سکیں۔ غیر منظم عوام کہ قومی یا اجتماعی کام کرنے کی صلاحیت، بلکہ خواہش تک نہ رکھتے تھے ان کو اس طرح باندھ باندھ کے رکھنا، حفظِ ماتقدم سے بڑھ کر ظالمانہ استبداد کی شان دکھاتا ہے۔

ہندوستان کے مسلمان عوام کی حالت اوروں سے قدرے مختلف تھی اسی لیے ملوکیت کے مراقبوں کو ان کی طرف سے زیادہ اندیشہ تھا۔ وہ حاکم قوم سے ہونے کا ادعار کھتے تھے۔ انگریز تاجروں کو پہلے حقیر، پھر تابوچی غاصب سمجھتے تھے۔ اسلامی تعلیم کی رو سے جہاد ایک دینی فریضہ تھا۔ خود غرض بادشاہوں نے اس فرض کو ملک ستانی کی تلوار بنایا، مگر ظاہر ہے کہ فراموش نہ ہونے دیا تھا۔ اسلام کے لشکر میں دنیا کی جنگ جُو قومیں جوق در جوق شریک ہوئی تھیں؛ یعنی عرب، ترک، بربر، مغول وافاغنہ۔ لہٰذا سپہ گری مسلمانوں کی ملی سیرت کا جُزو ہو گئی تھی۔

یہ سب اسباب دور اندیش فرنگیوں کو لامحالہ اندیشہ مند کرتے تھے۔ مجاہدین کے لیے "دینی مجانین" (رفنے نے تک) یورپ میں مقبولِ عام اصطلاح بن گئی تھی کہ فرنگیوں کے دلی خوف وعناد کی غمازی کرتی ہے۔ اسلام سے مسیحی یورپ کے حسد کی ایک اور عجیب وجہ یہ پیدا ہوئی کہ تعلیم وتحقیق کے چراغ جلتے ہی کلیسا کے تاریک گوشے سامنے آنے لگے۔ دینِ مسیح کی تاریخی کمزوریاں کھل گئیں۔ معلوم ہوا کہ بانیٔ مذہب علیہ السلام کی اصل (عبرانی) تعلیم ہی بعد کے یونانی تراجم سے خدا جانے کیا کی کیا ہو گئی ہے؛ اسی کے ساتھ علم کی نئی روشنی سے پادری اکاذیب کے وَل بادل پا در ہوا ہوئے، تو اسلام کی خدائی کتاب کی تاریخی صداقت وحقیقت چمک اٹھی۔ اہلِ علم کو تسلیم کرنا پڑا کہ دنیا کے بڑے مذاہب میں صرف اسلام کی اصلی تعلیم ابھی تک محفوظ ہے۔ پھر کہتری کے باطنی احساس نے اُسے متعصب عیسائیوں میں اور زیادہ مبغوض ومحسود بنا دیا۔ اب سارا زور اس بات پر صرف ہونے لگا کہ قرآن کے قوانین اور پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شمائلِ شریفہ پر طعن وتعریض کے گولے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برسائے جائیں۔ ان میں ایک بڑا اعتراض یہ تھا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا اور قرآن جہاد یعنی قتلِ کفار کی ترغیب دیتا ہے۔

اس طویل تقریر کا مقصد اجمالاً یہ بتانا ہے کہ اُن دنوں انگریزوں کی عام ذہنیت ایسی مسلم آزار و اسلام بیزار کیوں ہوگئی تھی کہ ملوکیت کے مصالح اور سیاسی تدبّر کی رسّیاں تُڑا کر اُن کا وزیر گلیڈ اسٹون پارلیمنٹ کے بھرے اجلاس میں بازاری پادریوں کی طرح دینِ اسلام کے خلاف بہتان کے طوفان اٹھاتا اور بغض و عداوت کی آگ برساتا تھا۔ کچھ اسی قسم کے محرکات ہندوستان میں سرگرمِ کار ہوئے جن کا روشن ثبوت ذیل کی صورتوں میں دیکھا جاسکتا ہے:-

۱۔ غدر، ۱۸۵۷ء کا بدلہ لینے میں انگریزوں نے جو وحشیانہ قتلِ عام، تاراجی، غارت گری، ضبطیاں، قرقیاں، خانہ بربادیاں، جلاوطنیاں کیں ان میں مسلمانوں کو نسبتہً کہیں زیادہ نقصان پہنچایا اور ظلم و تعدّی کا نشانہ بنایا۔

۲۔ مجاہدینِ سرحد کے استیصالِ کامل کے لیے بڑے پیمانے پر فوج کشی کی، ان کے معاونین پر بغاوت و سازش کے مقدمے بنائے اور اسی سلسلے میں تمام "وہابی" فرقے کو دشمنِ فرنگ قرار دیا۔ نہ صرف اہلِ قلم اور سیاست پیشہ انگریز، بلکہ عدالتی اور انتظامی حکّام تک علانیہ کہتے تھے کہ یہ فرقہ مسلمانوں کو قرآن کی اصلی تعلیم سکھاتا اور قرنِ اوّل کی روح تازہ کرنی چاہتا ہے جس کے معنی کفار کا قتل اور فرنگی حکومت سے جنگ و جہاد کی ترغیب دینا ہے۔

۳۔ مختلف حیلے بہانوں سے مسلمانوں کی زمینداریاں، معافیاں، اوقاف ضبط کیے گئے اور صدہا بڑے بڑے رئیس خاندانوں کو ذلّت و افلاس کے گڑھے میں دھکا دے دیا۔ ان پر سرکاری ملازمت کے دروازے بند کردیئے حکومت کے لیے اشتہار و اعلان کی مثالیں مل سکتی ہیں جن میں صراحت ہوتی تھی کہ ملازمت کی درخواست صرف غیرمسلم اشخاص دیں، مسلمانوں کو نوکری نہیں ملے گی[۱] سرکاری خدمات کے لیے انگریزی مدرسوں کی سند لازم کردی گئی تھی اور محکمۂ تعلیم

---

[۱] یہ مثالیں ولیم ہنٹر نے اپنی مشہور کتاب "انڈین مسلمانز" (باب چہارم) میں نقل کی ہیں۔ اسی باب (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا عملہ، درس کا نصاب اور طریقِ تعلیم، غرض پورا ماحول مسلمانوں کے لیے ناسازگار بنا دیا تھا۔ اور جب وہ انگریزی تعلیم نہ پا سکتے تو سرکاری ملازمت میں کس طرح آ سکتے تھے۔ صدر صدور اور قاضیوں کی خدمات خالص عدالتی نوعیت رکھتی تھیں۔ مسلمانوں کے شرعی مقدمات میں ان کی ضرورت مسلّم تھی۔ عداوت کے غیظ میں سب موقوف کر دی گئیں (ایکٹ ۱۱ مجریہ ۱۸۶۴ء)۔ بالواسطہ دینی تعلیم پر یہ ضرب لگائی کہ آیندہ مولویوں کی وجہ معاش فقط مسئلے مسائل بتانا، نماز میں اور نکاح پڑھانا، وعظ و مولود خوانی کرنا رہ گئی۔ تجارت میں ان کا حصہ پہلے ہی کم تھا۔ صنعت و حرفت کو مشینوں کی ولایتی مصنوعات معدوم کر رہی تھیں۔ اس شعبے کے برباد ہونے والوں میں بھی مسلمانوں کا تناسب اوروں سے زیادہ تھا۔

۴۔ ملّتِ اسلامی کی تضعیف و تذلیل کا سب سے کارگر منصوبہ یہ بنایا کہ ہندوؤں کو سرکاری سرپرستی کے زور سے مسلمانوں پر مسلّط کیا جائے۔ سابقہ محکومی کی یاد جگا کر عداوت و انتقام کی آگ بھڑکائی جائے۔ نفسِ انسانی میں نفرت کا جذبہ نہایت قوی اور سخت جان ہوتا ہے۔ وہ شیطانی تحریکیں جو اس دیو کو بھوگ کھلاتی ہیں اکثر نہایت طاقتور ہو جاتی ہیں۔ انگریزوں کو اپنے منصوبے میں خاطر خواہ اور اتنی دیرپا کامیابی ہوئی کہ خود ملک سے چل دیے مگر وہ نفرت کے شعلے آج تک اطرافِ ہند میں بھڑک رہے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

میں مسلمانوں کی معاشی تباہی پر مفصل تبصرہ اور انگریز حکام کے ظلم و تعدی کا بالواسطہ اعتراف کیا ہے۔ سرکاری اعداد و شمار سے واضح کیا گیا ہے کہ غدر ۱۸۵۷ء کے دس بارہ برس بعد بنگالے میں مسلمان عہدیداروں کا تناسب دس فیصدی بھی نہیں رہا تھا۔ اکثر دفتروں میں ان کے سابق سلاطین و امرا کی اولاد فقط چپراسیوں کے زمرے میں نظر آتی تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجاہدینِ سرحد پہ فوج کشی:

گزشتہ باب میں ہم سیّد احمد صاحب کے پس ماندہ مجاہدین کی روداد ۱۸۵۸ء تک لے آئے تھے جب کہ انگریز کشور کشاؤں نے ان کے مرکز ستھیانہ کے در و دیوار، بلکہ آس پاس کی پہاڑیاں تک جلاکر خاک کر دیں خانماں سوزی سے بڑھ کر یہ کہ جاہل قبائل میں نفاق کی خلیجیں دوڑا دیں۔ لوہے سے زیادہ چاندی کی خوفناک ضرب لگائی، بایں ہمہ یہ تحریک صرف جسمی اور مادّی نہ تھی۔ اس کی روح فنا نہ ہوئی۔ نام نہاد مجاہدین انگریزی علاقے پر کبھی کبھی چھاپے مارتے رہے اور جیسا کہ پہلے بیان ہوا تھا، مہابن کی پہاڑیوں میں موضع مُلکا میں اپنی نو آبادی بسالی۔ ان کی قوت میں کسی خاص افزائش کا ثبوت نہیں ملتا، مگر انگریز حکام کے تعصب اور ذکاوتِ حس میں ضرور ترقی ہو گئی تھی۔

اشتعال کا سبب یہ ہوا کہ مُلکا والوں نے ستھیانہ کے ویران موضع کی دوبارہ تعمیر و بحالی کی کوشش کی اور اسی چوکی سے انگریزوں کے دوست نواب امب کے دیہات اور دو ایک آگے نکلے ہوئے پڑاؤ پر چھاپہ مارا۔ ہنٹر لکھتا ہے کہ انہوں نے انگریز کافروں کے خلاف جہاد کا باقاعدہ اعلان بھی چھاپ دیا تھا۔[1] غالباً یہ اور مجاہدین کی کثرتِ تعداد اور تشدد کے قصّے اہل برطانیہ اور پارلیمنٹ کو دھوکا دینے کے لیے گھڑے گئے تھے۔ بہرحال، وزیر ہند نے لشکر کشی کی منظوری دے دی۔ ۱۸ اکتوبر ۱۸۶۳ء کو ایک بڑی برطانوی سپاہ، کہ جدید ترین اسلحہ سے آراستہ تھی، کئی جانب سے نیم مسلح غیر منظم پہاڑیوں پر چڑھائی گئی۔ "توپ خانے اور بار برداری کے لیے ۴ ہزار خچروں کے علاوہ ہزاروں بار کش جانور پنجاب کے کونے کونے سے فراہم کیے گئے تھے۔"

واقعات سے جو تمام تر ہنٹر کی معصر شہادت (انڈین مسلمانز، باب اوّل) پر مبنی ہیں صاف معلوم ہوتا ہے کہ انگریز بہادر کو حسبِ معمول زیادہ بھروسہ حریف کے باہمی نفاق و غدّاری پر تھا، مگر فرنگی

---

[1] انڈین مسلمانز، باب اوّل۔ اُردو ترجمہ ڈاکٹر صادق حسن ص ۴۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی اپنے ملک میں پیش قدمی دیکھی تو اُن قبائل کے سرداروں کی بھی غیرت بیدار ہوئی اور آنکھیں کھل گئیں جنہیں طمع نے اندھا کر رکھا تھا۔ وہ فوج در فوج مقابلے کے لیے جمع ہونے لگے۔

یہ خبریں سن کر سپہ سالارِ افواجِ برطانیہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ تیسری منزل ہی پہ قدم رُک گئے۔ امبیلا کی پہلی گھاٹی پار کرنے کی بھی ہمت نہ کر سکا۔ تار پہ تار بھیجنے لگا کہ مزید کمک اور گولہ بارود روانہ کیا جائے۔ پنجاب کی ہر چھاؤنی سے امدادی سپاہ دوڑا دی گئی۔ حتیٰ کہ تین ہفتے بعد میاں میر کے فوجی حاکم کے لیے یہ مشکل ہو گیا کہ پنجاب کے لاٹ صاحب کے واسطے پہرے کے ۲۴ (گورہ؟) سپاہی فراہم کر سکے! (ہنٹر)

سرکارِ برطانیہ کا یہ حکم تھا اور جنگی حکام نے یقین دلایا تھا کہ یہ مختصر مہم ۱۵ نومبر تک ختم ہو جائے گی، لیکن ۱۴ نومبر کو حالت یہ تھی کہ ہماری فوج کے لیے آگے بڑھنا محال ہو گیا تھا۔ بجائے اس کے کہ ہم کھلے میدان کے معرکوں میں مہذبانہ جنگ کے آلات سے کام لے سکتے، اب ایک ایک چوکی کی حفاظت کرنی پڑی جو ذرا آگے بڑھ کر پہاڑوں پہ قائم کی جاتی تھیں۔

بے شبہ جہاں کہیں قبائل 'مہذب آلاتِ جنگ' کی زد میں آ جاتے انہیں بہت نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔ بایں ہمہ جو لوگ مذہب کی بنا پر شریک ہوئے، ان کا 'شوقِ فتح یا شہادت مطلق کم نہ ہوتا تھا' اور ادھر انگریز سردار و سپاہی ایک ہی مہینے کے خطرات و مصائب سے دل برداشتہ ہو گئے تھے تب حسبِ معمول فوجی سورماؤں کی بجائے یہ مہم دیوانی عمال کے ہاتھوں سر ہوئی۔ خود ہنٹر کے الفاظ حقیقتِ حال کا اظہار کرتے ہیں:

"کوہستانی قبائل کا اتحاد عام طور پہ ناپائیدار ہوتا ہے۔ جس کام کو ہماری فوج سرانجام نہ کر سکی، اسے (دشمن کا) اندرونی نفاق اور (ہماری) حکمتِ عملی پورا کر رہی تھی۔ ۲۵ نومبر ہی کو پشاور کا کمشنر بنیر کے کئی قبیلوں کو توڑ لینے میں کامیاب

ل انڈین مسلمانز۔ باب اول۔ ترجمہ ڈاکٹر صادق حسین ص ۴۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو گیا۔ اس نے دو ہزار (مجاہدین) کی ایک جمعیت کو واپس لوٹ جانے پر اور صوات کے مذہبی پیشوا (پیر صاحب عبدالغفور) کو اپنے ہزاروں مرید منتشر کرا دینے پر بھی رضامند کر لیا۔ کئی چھوٹے سرداران کا ارادہ تاڑ گئے۔ وہ خود متحدہ لشکر سے الگ ہو گئے اور دوسروں میں بے اعتمادی کا بیج بو گئے۔[۱]

چنانچہ چند روز بعد بنیر کے جنگ آزما فرنگی لشکر کے حلیف و رہنما بن کر ملکا تک آئے اور مجاہدین کی اس نو آبادی کو آگ لگا دی پھر انگریز الٹے پاؤں امبیلا اور وہاں سے اپنی میدانی چھاؤنیوں میں واپس آئے (دسمبر ۱۸۶۳ء) کہ فتح کے تمغے اور انعام حاصل کریں۔ اس اعتبار سے کہ غنیم کے لشکر نہ صرف منتشر، بلکہ آپس میں لڑنے لگے، انگریزوں کو یقیناً کامیابی ہوئی، مگر اس میں ان کی فوج اور بہادری کا حصہ یقیناً کم تھا۔

سرحدی قبائل کو باہم لڑانے میں سب سے کارگر ہتھیار تو بے دریغ رشوت اور طمع کی مار تھی، لیکن پرانی عداوتیں تازہ کرنے کے علاوہ ایک داؤ یہ تھا کہ پیروں اور مقلد مولویوں کو مجاہدین کے وہابی عقائد سنائے جاتے، وہابیوں کو پیری مریدی، نذر نیاز کا دشمن اور مقبرہ شکن بتایا جاتا۔ عیار انگریز خیر خواہانہ تاسف کے ساتھ کہتے کہ دیکھیے حرمین شریفین میں ان وہابیوں نے کیسے کیسے بزرگانِ دین، امہات المومنین تک کی قبریں توڑ دیں۔ حضرت خلیفۃ المسلمین سلطان روم کے خلاف تلوار اٹھائی، حجازی مسلمانوں کا خون بہایا۔ اہل تقلید کے خلاف ان کے تکفیر و تضلیل کے فتوے دکھاتے اور مسلمانوں میں تفرقے کی آگ دہکاتے تھے۔

اصل مجاہدین کے استیصالِ کامل کے واسطے چار برس بعد ایک اور مہم ۱۸۶۸ء میں اور زیادہ ساز و سامان کے ساتھ بھیجی گئی تھی، مگر قریب قریب یہی واقعات و نتائج بر آمد ہوئے جو ۱۸۶۳ء میں پیش آئے تھے۔ ہنٹر دانت پیستا ہے کہ جو آفت سید احمد (شہیدؒ) سکھوں کے سر پر لایا تھا،

---

[۱] انڈین مسلمانز۔ باب اول۔ ترجمہ ڈاکٹر صادق حسین ص ۵۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ ناگوار ورثہ اب ہمیں ملا کہ تین دفعہ بڑی بڑی مہنگی لڑائیاں لڑنی پڑیں مگر پھر بھی یہ خطرہ قائم رہا :

"ان مجاہدین کو تباہ کرنے کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ آج تک یہ ہماری سب بے وفا رعایا اور ہمارے بیرونی دشمنوں کی امید کا مرکز ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ کس وقت ہم اُن اقوام کی جنگ و جدال کی لپیٹ میں آجائیں جو وسطِ ایشیا میں دست و گریبان رہتی ہیں.... ہندوستان نو صدی سے شمالی حملہ آوروں کی ترک تازیوں کا میدان رہا ہے۔ اگر کوئی رہنما ایشیا کی قوموں کو جہاد کے لیے جمع کرنے میں کامیاب ہو جائے تو سرحد کا یہ باغی مرکز ایسی اہمیت حاصل کر سکتا ہے جس کا آج اندازہ لگانا محال ہے۔"

یہ عبارت جس پر کتاب کا پہلا باب ختم ہوتا ہے، جہاں مصنّف کے تشویش و غضب کی شاہد ہے وہیں تاریخ کا یہ اخلاقی سبق یاد دلاتی ہے کہ جو اوروں کے لیے کنواں کھودے گا، وہ خود گرنے سے نہیں بچے گا۔ سید صاحب کی تحریکِ جہاد انگریزی عملداری میں پروان چڑھی، انگریزوں نے سرحد پر مہم لے جانے کا راستہ دیا، سہولتیں فراہم کیں، سکھوں سے مسلمانوں کو لڑا کر بہت خوش ہوئے تھے، مگر تیس بتیس برس کے عرصے میں جب کہ وہ تحریک بظاہر آدھی بھی نہ رہی تھی، اسی کی باقیات نے انگریزوں کو ناک چنے چبوا دیے۔ یہ اُن کی درپردہ سازش و بدسگالی کی سزا تھی۔

مقدمۂ بغاوت ۶۴-۱۸۶۳ء :

امبیلا کی مہم کامیاب تھی یا ناکام، انگریزوں کو اتنی فرصت ضرور مل گئی کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا رہا سہا کس بل نکال دیں اور ان کی مذہبی حمیت و حریّت کو جبر و جور کے شکنجے میں کس لیں۔ سرحدی جہاد کے سلسلے میں ایک بڑا مقدمۂ بغاوت چلایا گیا۔ اصل ملزم تو گیارہ تھے، مگر ان کے دوست آشنا، عزیز، اقربا کی تعداد، جنھیں طرح طرح سے تکلیف دی، سینکڑوں تک پہنچتی ہے، ملزموں کو قید میں وحشیانہ عذاب اور عدالت سے انتہائی سزائیں ملیں۔ لاکھوں روپے کی املاک ضبط کی گئی،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مگر سارا مقدمہ اصل میں اُسی حکمتِ عملی کی فصل کا جلی عنوان تھا جو مذہبی عناد کے خمیر سے بنی اور دنیاوی اقتدار کی نمائش کا مادہ رکھتی تھی۔ بیسیوں علمائے اسلام غدر ۱۸۵۷ء کے تعلق سے قتل و قید کیے جا چکے تھے۔[۱] اب سارے "وہابی" یا بنگالے کے "فرائضی" فرقے کو بغاوت سے متصف کیا جانے لگا اور پھر اسی حیلے سے ہر مسلمان کی دینی گرم جوشی کو نگاہِ گرم سے دیکھا جانے لگا۔[۲]

زیرِ نظر مقدمے کی کیفیت ہنٹر نے اپنی کتاب کے باب دوم میں خاصی تفصیل سے تحریر کی ہے، مگر یہ دردبھری کہانی خود مظلوموں کی زبانی سننی ہو تو مقدمے کے ایک بڑے ملزم محمد جعفر صاحب تھانیسری کی "تواریخِ عجیب" مطالعہ کرنی چاہیے جس میں گرفتاری، عدالتی تحقیقات، سزا، جلاوطنی اور آخر میں رہائی تک سب حالات بے کم و کاست درج ہیں۔ کتاب کا نام تاریخی ہے، ۱۳۰۲ھ میں تالیف ہوئی، ٹیمپل پریس انبالہ میں چھپی تھی۔ یہ مقدمہ انگریزوں کے اوائل عہدِ بادشاہی کی سیاست و عدالت کی تاریخی مثال ہے، مگر ہم اپنی کتاب کی محدود گنجائش میں اس کا صرف ملخص پیش کر سکتے ہیں۔ واقعات کا مقابلہ اور تصدیق ہنٹر کی تصنیف سے کر لی گئی ہے:

جعفر صاحب مقدمے کی تمہید میں لکھتے ہیں (ص ۲۵) کہ:

"۱۸۶۳ء میں انگریزی فوج یاغستان کے غیر ملک میں جا گھسی تھی۔ لامحالہ

---

[۱] حال میں اُردو میں ان صاحبوں کے حالات جمع کرنے پر توجہ ہوئی ہے۔ "ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء" کے نام سے انتظام اللہ صاحب شہابی نے ایک کتاب تلاش و محنت سے مرتب کی ہے۔ اگرچہ اس میں غیر علماء بھی شامل کر لیے گئے ہیں۔ (مطبع فاروقی پریس دہلی۔ سن ندارد)

[۲] انگریزوں کی تحریک سے حیدر آباد دکن میں بھی وہابیوں کی دار و گیر کے لیے ایک عدالت قائم ہوئی تھی اور میں نے سنا کہ پولیس کے مخبر ہر مسلمان کو جو روزے نماز کا پابند ہوتا تھا "وہابی" بنا کر پریشانی میں پھنسا دیتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہاں کے لوگ مدافعت اور مقابلے پر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ درۂ ابیلا پر سخت لڑائیاں ہوئیں۔ اگر لاکھوں روپیہ رشوت دے کر ان بگڑے ہوئے افغانوں کو راضی نہ کیا جاتا تو ایک آدمی بھی فوجِ انگریزی کا واپس نہ آتا۔ سرکار کا بہت نقصان ہوا اور سخت زک اٹھا کر بے نیل مرام لوٹ آنا پڑا، مگر بموجب اس مثل کے کہ کمہار پر بس نہ چلا، تو گدھی کے کان اینٹھے، سرکار اُن لوگوں کا تو کچھ نہ کر سکی، ہم غریب رعایا پر جو اُس کے ہاتھ میں تھی جس کو چاہا سزا دی اور کروڑوں روپے کا مال صدہا مسلمانوں کا ضبط کر لیا اور اخیر ۱۸۶۳ء سے دس برس تک برابر ہندوستان کے مسلمانوں پر قیامت برپا رکھی۔ صدہا مسلمان مارے خوف کے گھر بار چھوڑ کر عرب وغیرہ ملکوں میں جا بسے۔"

ایک خاص محکمہ اسی دار و گیر کے لیے بنایا گیا تھا کہ جسے چاہا پکڑ بلاتا اور جو معقول رشوت یا مضبوط سفارش نہ لا سکتا، اسے شدید سزائیں دے سکتا تھا۔ چیمبر لین[1] اس محکمے کا کمشنر، راولپنڈی مستقر تھا۔ اُس نے بڑے ظلم کیے۔ مولوی نذیر حسین صاحب تک کو دہلی سے بازپرس کے لیے پکڑ بلایا

---

[1] درۂ ابیلا کی مہم کا سپہ سالار بھی سر این بی چیمبر لین تھا جو بعد میں امیر شیر علی کی خدمت میں سفیر بنا کر بھیجا گیا اور دوسری جنگِ افغانستان کا محرک ہوا۔ اکثر مقامات پر شکستیں کھانے کے باوجود انگریزوں نے اُسے بہت سے خطاب اور تمغے دیے اور "فیلڈ مارشل" بنایا تھا، مگر سطورِ بالا میں کوئی دوسرا چیمبر لین مراد ہے۔ اس محکمے کا ذکر ہنٹر نے بھی کیا ہے کہ ۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۸ء تک قائم رہا۔ (ص ۱۴۶) موجِ کوثر میں شیخ محمد اکرام صاحب نے لکھا ہے (اگرچہ حوالہ نہیں تحریر کیا) کہ انہی مقدماتِ بغاوت کے سلسلے میں مولانا نذیر حسین صاحب قریباً ایک سال تک راولپنڈی میں قید رکھے گئے۔ (ص ۵۱)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا، مگر قضائے الٰہی سے خود مر گیا اور اسی کے ساتھ یہ محکمہ معدوم ہو گیا۔

القصہ دسمبر ۱۸۶۳ء میں سوار پولیس کے ایک پٹھان کی مخبری سے منشی محمد جعفرؒ کی خانہ تلاشی ہوئی اور ایسے خط پکڑے گئے جن سے ثابت ہوا کہ وہ سرحد کے مجاہدین کو باقاعدہ روپیہ اور آدمی بھیجتے رہتے ہیں جعفرؒ قصبۂ تھانیسر (ضلع انبالہ) کے سرکاری نمبردار اور ضلع کے عرضی نویس تھے۔ زمینداری سے کہیں زیادہ دینداری میں امتیاز رکھتے تھے۔ خط پکڑے جانے پر انہوں نے گھر چھوڑا اور دہلی ہو کے علی گڑھ بھاگے کہ وہاں سے ریل میں سوار ہو کر آگے نکل جائیں (اس وقت ریل کلکتہ سے علی گڑھ تک بن گئی تھی) مگر پولیس کے انگریز مہتمم نے اُن کے گھر والوں پر ظلم توڑے کہ ایک لڑکے نے ڈر کر بتا دیا۔ محمد جعفرؒ کو علی گڑھ سے گرفتار کر لیا گیا۔ راستے ہی سے بھوک پیاس کی مار شروع ہو گئی تھی، انبالہ کی حوالات میں کئی دن تک برابر خود انگریز افسر کئی کئی گھنٹے تک مارتے رہتے تھے۔ ادھر بیسیوں اشخاص جن کا محمد جعفرؒ سے کوئی تعلق معلوم ہوا، دور دور سے گرفتار کر کے انبالہ لائے جا رہے تھے۔ مصنف کے الفاظ میں "پشاور سے لے کر مشرقی وشمالی کنارہ بنگال تک شاید کوئی مالدار مسلمان یا مولوی ونمازی باقی رہا ہو جس کو ایک دفعہ پولیس نے پکڑ کر اپنا ہاتھ نہ گرم کر لیا ہو....." (تواریخ عجیب ص ۱۰)

محمد جعفرؒ اور دوسرے خاص ملزم محمد شفیعؒ ٹھیکیدار کے خلاف ان کے سگے بھائیوں کو جسمانی عقوبت اور پھانسی کی دھمکی دے کر سلطانی گواہ بنایا گیا تھا۔ یہ اور دیگر گواہ عدالت میں ملزموں کی صورت دیکھ کر رونے لگتے تھے "مگر بے بس تھے کہ اگر گواہی نہ دیویں تو قطع نظر مار پیٹ کے پھانسی کا سامنا تھا اور یہ سب گواہ تا ادائے شہادت محکمہ سشن کے قیدیوں کی مثل زیر حراست پولس رکھے گئے تھے۔" حتیٰ کہ ایک لڑکا گواہی دینے میں ہچکچایا تو اسے اتنا مارا کہ جان سے گزر گیا۔

(ص ۳۸)

مصنف لکھتا ہے کہ "صاحب لوگوں کا تعصب یہاں تک تھا کہ بر وقت پیشی مقدمہ نماز کا وقت آگیا، ہم نے درخواست کی کہ نماز پڑھنے کی اجازت دی جائے تو یہ اجازت بھی ہم کو نہ دی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گئی، مگر وہ ہمارا کیا کر سکتے تھے۔ ہم نے عین دورانِ مقدمہ میں تیمّم کر کے بیٹھے ہوئے اشاروں سے نماز پڑھ لی!"

ایک انگریز وکیل (پلوڈن) بعض ملزموں کی طرف سے پیروی کرنے آیا [illegible] اس نے حجت کی کہ جرم انگریزی عملداری سے باہر واقع ہوا ہے، اس پر قانوناً بغاوت کا الزام وارد نہیں ہوتا تو سشن جج اور دوسرے انگریز سناٹے میں آ گئے، مگر بقول مصنّف فرطِ تعصّب نے اس مقدمے میں شروع سے قانون طاق پر رکھ دیا تھا: تین ملزموں کو پھانسی اور باقی آٹھ کو حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا سنائی گئی۔ جج نے محمد جعفرؒ سے یہ بھی کہا کہ میں تم کو پھانسی پر لٹکتا ہوا دیکھ کر بہت خوش ہوں گا۔ مسلمان قیدی نے جواب دیا "جان لینا خدا کا کام ہے تمہارے ہاتھ میں نہیں۔ ربّ العزت [illegible] ہے کہ میرے مرنے سے پہلے تم کو ہلاک کرے"۔ خدا کی شان مصنّف برسوں زندہ سلامت رہا اور جج صاحب (سر ہربرٹ ایڈورڈ) کی چند ہی روز میں مرگِ ناگہاں کے برقنداز نے جان نکال لی۔ پولس کے ظالم افسر پارسن کا انجام اور بھی خراب ہوا کہ قریب زمانے میں پاگل ہو گیا، اپنا سر پھوڑ پھوڑ کر مرا۔

قیدیوں کی نیکی اور خدا پرستی کا عام اہلِ وطن پر جیسا گہرا اثر پڑا اس کا اندازہ مصنّف کے اس بیان سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ ایک رات خود پھانسی گھر کے پہرے داروں نے آپس میں صلاح کر کے ان سے کہا کہ تم تینوں بھاگ جاؤ، ہم کو غفلت کی جو سزا ہو گی، بھگت لیں گے۔ بہادر قیدیوں نے ان کی ہمدردی اور ہمت کا شکریہ ادا کیا اور یہ جواب کہ شاید سقراط کی روح سن کر پھڑک گئی ہو، دیا کہ ہم اس طرح چھپ کر نہیں بھاگیں گے۔ جب خدا چھڑائے گا آپ سے آپ چھوٹ جائیں گے! (ص ۴۵)

سزائے موت کو پنجاب کی عدالتِ عالیہ نے حبسِ دوام بعبور دریا سے بدل دیا۔ مصنّف لکھتا ہے کہ یہ تبدیلی بظاہر غیر ممکن تھی، مگر انگریزوں نے دیکھا کہ پھانسی کی سزا سن کر مجرم بہت خوش ہوئے کہ شہادت کا درجہ حاصل کریں گے، لہٰذا کمالِ عناد و عداوت سے فیصلہ کیا کہ انہیں "کالے پانی بھیج کر مصائب اور سختیوں سے ہلاک کرانا چاہیے۔ مطابق اسی ہماری پیش گوئی کے یکایک صاحب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈپٹی کمشنر ۱۶ ستمبر کو پھانسی گھر میں تشریف لائے اور چیف کورٹ کا حکم ہم کو پڑھ کر سنا دیا کہ تم لوگ پھانسی پڑنے کو بہت دوست رکھتے اور شہادت سمجھتے ہو' اس واسطے سرکار تمہاری دل چاہتی سزا تم کو نہیں دیوے گی۔ تمہاری پھانسی کی سزا دائم الحبس بعبور دریائے شور سے بدلی گئی۔" (ص۷۶)

اس بیان کی تائید ہنٹر کی تحریر سے بخوبی ہو سکتی ہے (ترجمہ ص۱۴۴)۔ اسی ضمن میں محمد جعفر صاحب نے ایک یہ لطیفہ سنایا ہے کہ ان کے بھاری مجرم ہونے کی وجہ سے پھانسی کا ریشمی رسہ اور کٹ گھر خاص طور پر تیار کرایا گیا تھا، مگر تقدیر کی زبردستی سے میری پھانسی تو موقوف ہو گئی اور اسی اثنا میں بجرم قتل ایک خاص ولایت زاد انگلش مین گورے کو پھانسی کا حکم ملا۔ وہ سب سامانِ پھانسی جو میرے واسطے تیار ہوا تھا اس بے چارے یورپین ہم قوم کے نصیب ہوا....." (ص۷۷)

مقدمہ بغاوت کے اخیر میں ظلم و عدوان کی غالباً سب سے بدنما نمائش یہ تھی کہ محمد شفیع ٹھیکدار کو پہلے حبسِ دوام کا حکم سنایا، پھر تعذیب و تہدید کے ساتھ بہت کچھ وعدے وعید کر کے سرکاری گواہ بنایا اور پٹنے جا کر مدرسہ صادق پور کے ناظم اور صدر کے خلاف بناوٹی شہادتیں فراہم کیں۔ یہ فاضل شخص، مولانا احمد اللہ، فرشتہ خصال بزرگ مانے جاتے تھے۔ انہیں کالے پانی کی سزا دی۔ مدرسے کی املاک و اوقاف بحق سرکار ضبط کر لیے۔ محلے کا محلہ اجاڑ دیا گیا۔ طرفہ تر یہ کہ محمد شفیع کو ساری خیر خواہی اور گواہی کے باوجود معافی تو ملی پچاس لاکھ کی منضبطہ جائیداد واپس نہ کی اور وہ بدنصیب خَسِرَ الدُّنیا وَالآخِرَۃ کا مصداق ہوا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضمیمہ باب نہم

رسالہ اسباب بغاوت ہند از (سر) سید احمد خاں

(منقول از حیاتِ جاوید، ضمیمہ ۲ طبع انجمن ترقی اُردو، دہلی ۱۹۳۹ء۔ ابتدائی پانچ ورق حذف کر دیے گئے ہیں)

"یہ نقص جو ہماری گورنمنٹ میں تھا اس نے تمام ہندوستان کے حالات میں سرایت کی اور جس قدر اسباب سرکشی کے جمع ہو گئے گو وہ اسی ایک امر پر متفرع ہیں مگر غور کر کے سب کو احاطے میں لایا جائے تو پانچ اصول پر مبنی ہوتے ہیں:۔

اوّل۔ غلط فہمی رعایا، یعنی برعکس سمجھنا تجاویز گورنمنٹ کا۔

دوم۔ جاری ہونا ایسے آئین اور ضوابط اور طریقہ حکومت کا جو ہندوستان کی حکومت اور ہندوستانیوں کی عادات کے مناسب نہ تھے یا مضرت رسانی کرتے تھے۔

سوم۔ ناواقف رہنا گورنمنٹ کا رعایا کے اصلی حالات اور اطوار اور عادات اور اُن مصائب سے جو اُن پر گزرتی تھیں اور جن سے رعایا کا دل گورنمنٹ سے پھٹا جاتا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چہارم۔ ترک ہونا اُن امور کا ہماری گورنمنٹ کی طرف سے جن کا بجالانا ہماری گورنمنٹ پر ہندوستان کی حکومت کے لیے واجب اور لازم تھا۔

پنجم۔ بدانتظامی اور بے اہتمامی فوج کی۔

اب ہم ان پانچوں اصل کی تفصیل اور اُس کی ہر ہر شاخ کو جدا جدا بیان کرتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

اصل اوّل :

غلط فہمی رعایا، یعنی برعکس سمجھنا تجاویز گورنمنٹ کا۔

اس مقام پر جتنی باتیں ہم بیان کرتے ہیں اُن سے ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ درحقیقت ہماری گورنمنٹ میں یہ باتیں تھیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ لوگوں نے یوں غلط سمجھا اور سرکشی کا سبب ہوگیا۔ اگر ہندوستانی آدمی بھی لیجس لیٹو کونسل میں مداخلت رکھتے تو یہ غلط فہمی واقع نہ ہوتی۔

مداخلت مذہبی۔ کچھ شبہ نہیں کہ تمام لوگ جاہل اور قابل اور اعلیٰ اور ادنیٰ یقین جانتے تھے کہ ہماری گورنمنٹ کا دلی ارادہ ہے کہ مذہب اور رسم و رواج میں مداخلت کرے اور سب کو کیا ہندو اور کیا مسلمان عیسائی مذہب اور اپنے ملک کی رسم و رواج پر لا ڈالے اور سب سے بڑا سبب اس سرکشی میں یہی ہے۔

ہر شخص دل سے جانتا تھا کہ ہماری گورنمنٹ کے احکام بہت آہستہ آہستہ ظہور میں آتے ہیں اور جو کام کرنا ہوتا ہے رفتہ رفتہ کیا کرتے ہیں، اس واسطے دفعۃً اور جبراً مسلمانوں کی طرح دین بدلنے کو نہیں کہتے، مگر جتنا جتنا قابو پاتے جائیں گے اتنی اتنی مداخلت کرتے جائیں گے اور جو باتیں رفتہ رفتہ ظہور میں آتی گئیں جن کا بیان آگے آئے گا اُن کے اس غلط شبہے کو زیادہ تر مستحکم اور مضبوط کرتی گئیں۔ سب کو یقین تھا کہ ہماری گورنمنٹ علانیہ جبر مذہب بدلنے پر نہیں کرے گی،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلکہ خفیہ تدبیریں کر کر مثل نابود کر دینے علمِ عربی و سنسکرت کے اور مفلس اور محتاج کر دینے ملک کے اور لوگوں کو جو اُن کا مذہب ہے اس کے مسائل سے ناواقف کر کر اور اپنے دین و مذہب کی کتابیں اور مسائل اور وعظ کو پھیلا کر نوکریوں کا لالچ دے کر لوگوں کو بے دین کر دیں گے۔ ۱۸۳۷ء کی قحط سالی میں جو یتیم لڑکے عیسائی کیے گئے وہ تمام اضلاع ممالک مغربی و شمالی میں ارادہ گورنمنٹ کے ایک نمونہ گنے جاتے تھے کہ ہندوستان کو اس طرح پر مفلس اور محتاج کر کر اپنے مذہب میں لے آئیں گے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ جب سرکار آنربل ایسٹ انڈیا کمپنی کوئی ملک فتح کرتی تھی ہندوستان کی رعایا کو کمال رنج ہوتا تھا اور یہ بھی میں سچ کہتا ہوں کہ منشا اس رنج کا اور کچھ نہیں ہوتا تھا بجز اس کے کہ لوگ جانتے تھے کہ جوں جوں اختیار ہماری گورنمنٹ کا زیادہ ہوتا جائے گا اور کسی دشمن اور ہمسایہ حاکم کے مقابلے اور فساد کا اندیشہ نہ رہے گا دوں دوں ہمارے مذہب اور رسم و رواج میں زیادہ تر مداخلت کریں گے۔

ہماری گورنمنٹ کی ابتدائی حکومت ہندوستان میں گفتگو مذہب کی بہت کم تھی روز بروز زیادہ ہوتی گئی اور اس زمانے میں بدرجۂ کمال پہنچ گئی، اس میں کچھ شک نہیں کہ ہماری گورنمنٹ کو ان امور میں کچھ مداخلت نہ تھی، مگر ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ یہ سب معاملے بموجب حکم اور بموجب اشارہ اور مرضی گورنمنٹ ہوتے ہیں۔ سب جانتے تھے کہ گورنمنٹ نے پادری صاحبوں کو ہندوستان میں مقرر کیا ہے۔ گورنمنٹ سے پادری صاحب تنخواہ پاتے ہیں۔ گورنمنٹ اور حکام انگریزی ولایت زا جو اس ملک میں نوکر ہیں وہ پادری صاحبوں کو روپیہ واسطے خرچ کے اور کتابیں بانٹنے کو دیتے ہیں اور ہر طرح ان کے مددگار اور معاون ہیں۔ اکثر حکام متعہد اور افسرانِ فوج نے اپنے تابعین سے مذہب کی گفتگو شروع کی تھی۔ بعضے صاحب اپنے ملازموں کو حکم دیتے تھے کہ ہماری کوٹھی پہ آن کر پادری صاحب کا وعظ سنو اور ایسا ہی ہوتا تھا۔ غرض کہ اس بات نے ایسی ترقی پکڑی تھی کہ کوئی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شخص نہیں جانتا تھا کہ گورنمنٹ کی عمل داری میں ہمارا یا ہماری اولاد کا مذہب قائم رہے گا۔

پادری صاحبوں کے وعظ نے نئی صورت نکالی تھی، تکرارِ مذہب کی کتابیں بطور سوال جواب چھپنی اور تقسیم ہونی شروع ہوئیں۔ اُن کتابوں میں دوسرے مذاہب کے مقدس لوگوں کی نسبت الفاظ اور مضامین رنج دِہ مندرج ہوئے۔ ہندوستان میں دستور وعظ اور کتھا کا یہ ہے کہ اپنے اپنے معبد یا مکان پر بیٹھ کر کہتے ہیں جس کا دل چاہے اور جس کو رغبت ہو وہاں جا کر سُنے۔ پادری صاحبوں کا طریقہ اس کے برخلاف تھا وہ خود غیر مذہب کے مجمع اور تیرت گاہ میلے میں جا کر وعظ کہتے تھے اور کوئی شخص صرف حکام کے ڈر سے مانع نہ ہوتا تھا۔ بعض ضلعوں میں یہ رواج نکلا کہ پادری صاحبوں کے ساتھ تھانے کا ایک چپراسی جانے لگا۔ پادری صاحب وعظ میں صرف انجیلِ مقدس ہی کے بیان پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ غیر مذہب کے مقدس لوگوں کو اور مقدس مقاموں کو بہت برائی سے اور ہتک سے یاد کرتے تھے جس سے سننے والوں کو نہایت رنج اور دلی تکلیف پہنچتی تھی اور ہماری گورنمنٹ سے ناراضی کا بیج لوگوں کے دل میں بویا جاتا تھا۔

مشنری سکول بہت جاری ہوئے اور اُن میں مذہبی تعلیم شروع ہوئی۔ سب لوگ کہتے تھے کہ سرکار کی طرف سے ہیں۔ بعض اضلاع میں بہت بڑے بڑے عالیقدر حکام متعہد اُن اسکولوں میں جاتے تھے اور لوگوں کو اُس میں داخل اور شامل ہونے کی ترغیب دیتے تھے۔ امتحان مذہبی کتابوں میں لیا جاتا تھا اور طالب علموں سے جو لڑکے کم عمر ہوتے تھے پوچھا جاتا تھا کہ تمہارا خدا کون، تمہارا نجات دینے والا کون اور وہ عیسائی مذہب کے موافق جواب دیتے تھے۔ اُس پر اُن کو انعام ملتا تھا۔ ان سب باتوں سے رعایا کا دل ہماری گورنمنٹ سے پھرتا جاتا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہاں ایک بڑا اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر لوگ اس تعلیم سے ناراض تھے تو اپنے لڑکوں کو کیوں داخل کرتے تھے؟ اس بات کو عدم ناراضی پر خیال کرنا نہیں چاہیئے بلکہ یہ ایک بڑی دلیل ہے ہندوستان کے کمال خراب اور مفلس اور نہایت تنگ اور تباہ حال ہونے پر۔ یہ صرف ہندوستان کی محتاجی اور مفلسی کا باعث تھا کہ لوگ اس خیال سے کہ ان اسکولوں میں داخل ہو کر ہماری اولاد کو کچھ درجہ معیشت اور روزگار حاصل ہوگا۔ ایسی سخت بات جس سے بلاشبہ ان کو دلی رنج اور روحانی غم تھا گوارا کرتے تھے نہ رضامندی سے۔ دیہاتی مکتبوں کے مقرر ہونے سے سب لوگ یقین سمجھتے تھے کہ صرف عیسائی بنانے کو یہ مکتب جاری ہوئے ہیں۔ پرگنہ وزیٹر اور ڈپٹی انسپکٹر جو ہر گاؤں اور قصبے میں لوگوں کو نصیحت کرتے پھرتے تھے کہ لڑکوں کو مکتبوں میں داخل کرو۔ ہر ہر گاؤں میں کالا پادری اُن کا نام تھا جس گاؤں میں پرگنہ وزیٹر یا ڈپٹی انسپکٹر پہنچا اور گنواروں نے آپس میں چرچا کیا کہ کالا پادری آیا۔ عوام النّاس یوں خیال کرتے تھے کہ یہ عیسائی مکتب ہیں اور کرسٹان بنانے کو بٹھاتے ہیں اور فہمیدہ آدمی اگرچہ یہ نہیں سمجھتے تھے، مگر یوں جانتے تھے کہ ان مکاتب میں صرف اُردو کی تعلیم ہوتی ہے۔ ہمارے لڑکے اس میں پڑھ کر اپنے مذہب کے احکام اور مسائل اور اعتقادات اور رسمیات سے بالکل ناواقف ہو جائیں گے اور عیسائی بن جائیں گے۔ اور یوں سمجھتے تھے کہ گورنمنٹ کا یہی ارادہ ہے کہ ہندوستان کے مذہبی علوم کو معدوم کر دے تاکہ آئندہ کو عیسائی مذہب پھیل جائے۔ اکثر اضلاع شرقی ہندوستان میں ان مکتبوں کا جاری ہونا اور لڑکوں کا داخل ہونا صاف حکماً ہوا اور کہہ دیا کہ گورنمنٹ کا حکم ہے کہ لڑکوں کو داخل کیا جائے۔

لڑکیوں کی تعلیم کا بہت چرچا ہندوستان میں تھا اور سب یقین جانتے تھے کہ سرکار کا مطلب یہ ہے کہ لڑکیاں اسکولوں میں آئیں اور تعلیم پائیں اور بے پردہ ہو جائیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ یہ بات حد سے زیادہ ہندوستانیوں کو ناگوار تھی۔ بعض بعض اضلاع میں اس کا نمونہ قائم ہوگیا تھا۔ پرگنہ وزیٹر یہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم سعی کر کر لڑکیوں کے مکتب قائم کر دیں گے تو ہماری بڑی نیک نامی گورنمنٹ میں ہوگی، اس سبب سے وہ ہر طرح پر بطریق جائز و ناجائز لوگوں کو واسطے قائم کرنے لڑکیوں کے مکتبوں کی فہمائش کرتے تھے اور اس سبب سے زیادہ تر لوگوں کے دلوں کو ناراضی اور اپنے غلط خیالات کا اُن کو یقین ہو جاتا تھا۔

بڑے بڑے کالج جو شہروں میں مقرر تھے اوّل اوّل گو اُن سے بھی کچھ کچھ وحشت لوگوں کو ہوئی تھی۔ اُس زمانے میں شاہ عبدالعزیزؒ جو تمام ہندوستان میں نہایت نامی مولوی تھے زندہ تھے۔ مسلمانوں نے ان سے فتویٰ پوچھا انہوں نے صاف جواب دیا کہ کالج انگریزی میں جانا اور پڑھنا اور انگریزی زبان کا سیکھنا بموجب مذہب کے سب درست ہے۔ اُس پر سینکڑوں مسلمان کالجوں میں داخل ہوئے، مگر اُس زمانے میں کالجوں کا حال ایسا نہ تھا، بلکہ اُن میں تعلیم کا سررشتہ بہت اچھا تھا۔ ہر قسم کے علوم فارسی اور عربی اور سنسکرت اور انگریزی پڑھائے جاتے تھے۔ فقہ اور حدیث اور علم ادب پڑھانے کی اجازت تھی۔ فقہ میں امتحان ہوتا تھا، سندیں ملتی تھیں۔ کسی طرح کی ترغیب مذہبی نہ تھی۔ مدرس بہت ذی عزت اور معتبر اور مشہور اور ذی علم اور پرہیزگار مقرر ہوتے تھے، مگر آخر کو یہ بات نہ رہی۔ قدر عربی کی بہت کم ہوگئی اور فقہ اور حدیث کی تعلیم یکسر جاتی رہی۔ فارسی بھی چنداں قابلِ لحاظ نہ رہی۔ تعلیم کی صورت اور کتابوں کے رواج سے بالکلیہ تغیر پکڑا۔ اردو انگریزی کا رواج بہت زیادہ ہوا جس کے سبب سے وہی شبہ کہ گورنمنٹ کو ہندوستان کے مذہبی علوم کا معدوم کرنا منظور ہے قائم ہوگیا۔ مدرس لوگ معتبر اور ذی علم نہ رہے، وہی مدرسہ کے طالب علم کہ جنہوں نے ابھی تک لوگوں کی آنکھوں میں اعتبار پیدا نہ کیا تھا مدرس ہونے لگے، اس لیے ان مدرسوں کا بھی وہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حال ہو گیا۔

ادھر تو دیہاتی مکاتب اور کالجوں کا یہ حال تھا کہ اُن پر سب کو شبہ رواج دینے مذہب عیسائی کا ہو رہا تھا کہ دفعتاً پیش گاہ گورنمنٹ سے اشتہار جاری ہوا کہ جو شخص مدرسے کا تعلیم یافتہ ہو گا اور فلاں فلاں علوم اور زبان انگریزی میں امتحان دے کر سند یافتہ ہو گا وہ نوکری میں سب سے مقدم سمجھا جائے گا۔ چھوٹی چھوٹی نوکریاں بھی ڈپٹی انسپکٹروں کے سرٹیفکیٹ پر جن کو ابھی تک سب لوگ کالا پادری سمجھے جاتے تھے منحصر ہو گئیں اور ان غلط خیالات کے سبب لوگوں کے دل پر ایک غم کا بوجھ پڑ گیا اور سب کے دل میں ہماری گورنمنٹ سے ناراضی پیدا ہو گئی اور لوگ یہ سمجھے کہ ہندوستان کو ہر طرح بے معاش اور محتاج کیا جاتا ہے تاکہ مجبور ہو کر رفتہ رفتہ ان لوگوں کی مذہبی باتوں میں تغیر و تبدل ہو جائے۔

اسی زمانے میں بعض اضلاع میں تجویز ہوئی کہ قیدی جیل خانوں میں ایک شخص کے ہاتھ کا پکا ہوا کھائیں جس سے ہندوؤں کا مذہب بالکل جاتا رہتا تھا۔ مسلمانوں کے مذہب میں اگرچہ کچھ نقصان نہیں آتا تھا، مگر اس کا رنج سب کے دل پر تھا کہ سرکار ہر ایک کا مذہب لینے پر آمادہ اور ہر طرح پر اُس کی تدبیر میں ہے۔

یہ سب خرابیاں لوگوں کے دلوں میں ہو رہی تھیں کہ دفعتاً ۱۸۵۵ء میں پادری اے ایڈمنڈ نے دارالامارت کلکتہ سے عموماً اور خصوصاً سرکاری معزز نوکروں کے پاس چٹھیات بھیجیں جن کا مطلب یہ تھا کہ اب تمام ہندوستان میں ایک عمل داری ہو گئی، تار برقی سے سب جگہ کی خبر ایک ہو گئی، ریلوے سڑک سے سب جگہ کی آمد و رفت ایک ہو گئی، مذہب بھی ایک چاہیئے اس لیے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی ایک مذہب ہو جاؤ۔ میں سچ کہتا ہوں کہ ان چٹھیات کے آنے کے بعد خوف کے مارے سب کی آنکھوں میں اندھیرا آگیا پاؤں تلے کی مٹی نکل گئی۔ سب کو یقین ہو گیا کہ ہندوستانی جس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقت کے منتظر تھے وہ وقت اب آگیا۔ اب جتنے سرکاری نوکر ہیں اوّل ان کو کرسٹان ہونا پڑے گا اور پھر تمام رعیت کو۔ سب لوگ بے شک سمجھتے تھے کہ یہ چھٹیاں گورنمنٹ کے حکم سے آئی ہیں۔ آپس میں ہندوستانی لوگ اہل کارانِ سرکاری سے پوچھتے تھے کہ تمہارے پاس بھی چٹھی آئی؟ اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ تم بھی بسبب لالچ نوکری کے کرسٹان ہو گئے؟ ان چٹھیوں نے یہاں تک ہندوستانی اہل کاروں کو الزام لگایا کہ جن کے پاس چٹھیاں آئی تھیں وہ مارے شرمندگی اور بدنامی کے چھپاتے تھے اور انکار کرتے تھے کہ ہمارے پاس تو نہیں آئی۔ لوگ جواب دیتے تھے کہ اب آجائے گی، کیا تم سرکار کے نوکر نہیں ہو۔ اگر سچ پوچھو تو یہ چٹھیاں تمام ہندوستانیوں کے غلط شبہات کو پکا اور مستحکم کرنے والی تھیں چنانچہ انہوں نے کر دیا اور اُس کے مٹانے کو کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔

کچھ عجب نہ تھا کہ اُسی زمانے میں کچھ برہمی اور تھوڑا بہت فساد ملک میں شروع ہو جاتا، چنانچہ اُس وقت کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے مگر جناب معلی القاب نواب لفٹنٹ گورنر بہادر بنگال نے بہت جلد خبر لی اور ایک اشتہار جاری کیا جس سے فی الجملہ لوگوں کے دلوں میں تسلی ہوئی اور وہ اضطراب جو ہو گیا تھا وہ دھیما ہوا، مگر جیسا کہ چاہیے ویسا قلع اور قمع اس کا نہ ہوا۔ لوگ سمجھے کہ بالفعل یہ بات موقوف ہو گئی، پھر کبھی قابو پا کے وقت پر جاری ہو گی۔ پادری اے ایڈمنڈ کی چٹھی اور نواب معلی القاب لفٹنٹ گورنر بہادر بنگال کا اشتہار آخر کتاب میں مندرج ہے وہاں دیکھو۔

اِن سب باتوں سے مسلمان بہ نسبت ہنود کے بہت زیادہ ناراض تھے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہندو اپنے مذہب کے احکام بطور رسم و رواج کے ادا کرتے ہیں نہ بطور احکامِ مذہب۔ اُن کو اپنے مذہب کے احکام اور عقائد اور وہ دلی اور اعتقادی باتیں جن پر نجاتِ عاقبت کی موافق اُن کے مذہب کے منحصر ہے مطلق معلوم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہیں اور نہ ان کے برتاؤ میں ہیں۔ اس سبب سے وہ اپنے مذہب میں نہایت سُست اور بجز اُن رسمی باتوں کے اور کھانے پینے کے پرہیز کے اور کسی مذہبی عقیدے میں پختہ اور متعصب نہیں ہیں۔ اُن کے سامنے اُن کے اس عقیدے کے جس کا دل میں اعتقاد چاہیے برخلاف باتیں ہوا کریں ان کو کچھ غصہ یا رنج نہیں آتا۔ برخلاف مسلمانوں کے کہ وہ اپنے مذہب کے عقائد کے بموجب جو باتیں کہ اُن کے مذہب میں نجات دینے والی اور عذاب میں ڈالنے والی ہیں بخوبی جانتے ہیں اور ان احکام کو مذہبی احکام اور خدا کی طرف کے احکام سمجھ کر کرتے ہیں۔ اس سبب سے اپنے مذہب میں پختہ اور متعصب ہیں۔ ان وجوہات سے مسلمان زیادہ تر ناراض تھے اور ہندوؤں کی بہ نسبت زیادہ تر فساد میں اُن کا شریک ہونا قرینِ قیاس تھا، چنانچہ یہی ہوا۔ بلاشبہ جتنی گورنمنٹ کی مداخلت مذہب میں خلافِ قواعد ملک داری ہے ویسا ہی کسی مذہب کی تعلیم کو روکنا علی الخصوص اُس مذہب کے جس کو وہ حق سمجھتے ہیں برخلاف اور بے جا ہے مگر ہمارا مطلب صرف اتنا ہے کہ باوجودیکہ ہماری گورنمنٹ ایسی ہی ہے مگر کام اس طرح پر ہوئے کہ رعایا کا یہ غلط شبہ رفع نہ ہوا۔

اصل دوم :

جاری ہونا ایسے آئین اور ضوابط اور طریقۂ حکومت کا جو ہندوستان کی حکومت اور ہندوستانیوں کی عادات کے مناسب نہ تھے۔

لیجس لیٹو کونسل سے بھی امورِ مذہبی میں مداخلت ہوئی۔ ایکٹ ۲۱ ۱۸۵۰ء صاف مذہبی قواعد پر خلل انداز تھا۔ پھر اس ایکٹ سے ایک یہ بدگمانی لوگوں کو تھی کہ یہ ایکٹ خاص واسطے ترغیب عیسائی مذہب قبول کرنے کے جاری ہوا ہے کیونکہ یہ بات ظاہر تھی کہ غیر مذہب کا کوئی آدمی ہندوؤں میں شامل نہیں ہو سکتا۔ پس ہندو تو اس قانون کے مفاد سے محروم تھے۔ غیر مذہب کا کوئی آدمی اگر مسلمان ہو جائے تو اس کو اپنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذہب کی رو سے جو اُس نے اختیار کیا ہے اپنے مورثوں کا متروکہ جو غیر مذہب میں تھے لینا منع ہے۔ پس کوئی نومسلم بھی اس ایکٹ سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا، البتہ عیسائی مذہب جس نے قبول کیا ہے وہ فائدہ مند ہو سکتا تھا۔ اس سبب سے لوگ خیال کرتے تھے کہ علاوہ مداخلت مذہبی کے اس ایکٹ سے صاف ترغیب ہے۔

ایکٹ ۱۵ ۱۸۵۶ء درباب بیوہ ہنود کے رسوم مذہبی میں خلل ڈالتا تھا۔ گو اس میں بڑی بحثیں ہوئیں اور بیوتنے بھی لیے گئے مگر ہندو لوگ جو مذہب سے زیادہ پابند رسم رواج کے ہیں اس ایکٹ کو نہایت ناپسند کرتے تھے، بلکہ باعث اپنی ہتک عزت اور بربادیٔ خاندان کا جانتے تھے اور یوں بدگمانی کرتے تھے کہ یہ ایکٹ اس مراد سے جاری ہوا ہے کہ ہنود کی بیوائیں خود مختار ہو جائیں اور جو چاہیں سو کرنے لگیں۔ ضابطہ عورتوں کی فعل مختاری کا جو فوجداری سے عدالتوں میں جاری تھا کس قدر ہندوستانیوں کی عزت اور آبرو اور رسم اور رواج میں نقصان پہنچاتا تھا۔ منکوحہ عورتیں تک فوجداری سے فعل مختار ہو گئیں۔ ولیوں کی ولایت عورتوں پر سے اٹھ گئی اور یہ باتیں صریح مذہب میں نقصان پہنچاتی تھیں۔ دیوانی عدالت پر جو اس کا تدارک حوالے کیا گیا تھا بلاشبہ ناکافی اور بے فائدہ تھا اور جس بات کا فی الفور تدارک ہونا از روئے مذہب اور رسم و رواج کے چاہیے تھا وہ ایسی تاخیر اور جھمیلے میں ڈالا گیا تھا کہ زیادہ تر فساد اُس سے برپا ہوتا تھا۔ دیوانی کی ڈگریات بابت دلا پانے زوجہ کے بہت ہی کم تعمیل ہوئی ہوں گی، اکثر مقدمات ایسے نکلیں گے کہ عورت نے غاصب کے گھر دو تین بچے بھی جن لیے اور ہنوز مدعی اُس کی نشاندہی کی تدبیر میں سرگرداں ہے۔

چند ایکٹ اور قانون ایسے ہیں کہ جن کی رو سے باوصف متحد المذہب ہونے متخاصمین کے برخلاف اُن کے مذہب کے مقدمات دیوانی عدالت سے فیصل ہوتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ ہمارا یہ مطلب نہیں کہ ہماری گورنمنٹ کسی مذہب کی طرفداری کرے۔ مختلف مذہب ہونے کی صورت میں بلاشبہ انصاف کا لحاظ چاہیے۔ بشرطیکہ وہ انصاف دونوں مذہبوں کے یا دونوں اہل مقدمہ کے معاہدہ کے برخلاف نہ ہو الا جب طرفین متحد المذہب ہیں تو ضرور ہے کہ اُن ہی کے مذہب یا اُن ہی کے رسم و رواج کے مطابق مقدمات حقوق متعلقہ دیوانی کے فیصل ہوں۔

قوانین اراضیات و اخراج جس کا آخر قانون ۲ ۱۸۱۹ء ہے حکومت ہندوستان کو نہایت مضر تھا ضبطیٔ اراضیات نے جس قدر رعایائے ہندوستان کو ناراض اور بدخواہ ہماری گورنمنٹ کا کر دیا تھا اس سے زیادہ اور کسی چیز نے نہیں کیا تھا۔ سچ فرمایا تھا لارڈ منرو اور ڈیوک آف ولنگٹن صاحب بہادر نے کہ ضبط کرنا معافیات کا ہندوستانیوں سے دشمنی پیدا کرنی اور ان کو محتاج کر دینا ہے۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ ہندوستانیوں کو کس قدر ناراضی اور دلی رنج اور ہماری گورنمنٹ کی بدخواہی اور نیز کتنی مصیبت اور تنگیٔ معاش اس سبب سے اُن کو تھی۔ بہت سی معافیات صدہا سال سے چلی آتی تھیں اور ادنیٰ ادنیٰ حیلے پر ضبط ہو گئیں۔ ہندوستانی صاف خیال کرتے تھے کہ سرکار نے خود تو ہماری پرورش نہیں کی، بلکہ جو جاگیر ہم کو اور ہمارے بزرگوں کو اگلے بادشاہوں نے دی تھیں وہ بھی گورنمنٹ نے چھین لیں، پھر تو ہم کو اور کیا توقع گورنمنٹ سے ہے ضبطیٔ اراضیات کے باب میں اگر ہماری گورنمنٹ کی طرف سے یہ عذر صحیح اور واقعی بھی سمجھا جائے کہ اگر ضبطیٔ اراضیات لاخراجی نہ ہوتی تو واسطے پورا کرنے اخراجات گورنمنٹ کے جس کو نہایت کفایت شعاری سے مان لینا چاہیے ہندوستانی آدمیوں سے اور کسی محصول کے لینے کی تدبیر کرنی پڑتی، مگر رعایا کو اس سے کسی طرح پر تسلی اور جو مصیبت کہ اُن پر پڑی اُس کا دفعیہ نہیں ہو سکتا۔ دیکھو اس زمانے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں جہاں جہاں باغیوں نے اشتہارات واسطے بہکانے اور ورغلانے رعایا کے جاری کیے ہیں سب میں بجز دو باتوں کے یعنی مداخلت مذہبی اور ضبطی معافیات کے اور کسی چیز کا ذکر نہیں ہے۔ اس سے بخوبی ثابت ہے کہ یہ دونوں باتیں اصلی منشا اور بہت بڑا سبب ناراضی اہل ہند کا تھا علی الخصوص مسلمانوں کا جن کو یہ نقصان بہت زیادہ بہ نسبت ہندوؤں کے پہنچا تھا۔

اگلی عملداریوں میں بلاشبہ حقیقیت زمینداری کی خانگی بیع اور رہن اور ہبہ کا دستور تھا، مگر یہ بہت کم ہوتا تھا اور جہاں ہوتا تھا، رضامندی اور بخوشی ہوتا تھا۔ بہ علت باقی یا بہ علت قرضہ جبراً اور تحکماً نیلام حقیقیت کا کبھی دستور نہیں ہوا۔ ہندوستان میں زمیندار اپنی موروثی زمینداری کو بہت عزیز سمجھتے ہیں۔ اس کے زوال سے ان کو کمال رنج ہوتا ہے۔ اگر بہ خیال کیا جائے تو ہندوستان میں ہر ایک محال زمینداری کا ایک چھوٹی سی سلطنت دکھائی دیتی ہے۔ قدیم سے سب کی رضامندی سے ایک سردار ہوتا ہے۔ وہ ایک بات تجویز کرتا تھا اور ہر ایک حقیقیت دار کو بقدر اپنے حصۂ زمینداری کے بولنے اور دخل دینے کا اختیار ہوتا تھا۔ رعیت باشندہ دیہ کے چودھری بھی حاضر ہو کر کچھ کچھ گفتگو کرتے تھے۔ اگر کسی مقدمے نے زیادہ طول پکڑا تو کسی بڑے گانوں کے مقدم اور سردار کے حکم سے فیصلہ ہو گیا۔ ہندوستان کے ہر ایک گاؤں میں بہت خاصی صورت ایک چھوٹی سلطنت اور پارلینٹ کی موجود تھی۔ بے شک بادشاہ کو جس قدر اپنی سلطنت جانے کا رنج ہوتا تھا اتنا ہی زمیندار کو اپنی زمینداری جانے کا غم تھا۔ ہماری گورنمنٹ نے اس کا مطلق خیال نہ کیا، ابتدائے عمل داری سے آج تک شاید کوئی گاؤں باقی ہو گا جس میں تھوڑا بہت نہ انتقال ہوا ہو، ابتدا ابتدا میں ان نیلاموں نے ایسی بے ترتیبی سے کثرت پکڑی کہ تمام ملک الٹ پلٹ ہو گیا۔ پھر ہماری گورنمنٹ نے اس کے تدارک کو قانون اوّل ۱۸۲۱ء جاری کیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ایک کمیشن مقرر ہوا اُس سے ادر قسم کی صدہا خرابیاں بر پا ہو گیئں یہاں تک کہ یہ کام حسبِ دل خواہ انجام نہ ہو سکا اور آخر کار یہ محکمہ بند ہو گیا۔

اس مقام پر ہم یہ گفتگو کرنی نہیں چاہتے کہ اگر سرکار وصولِ مال گزاری کا یہ قاعدہ مقرر نہ کرتی تو پھر کیا کرتی اور جب کہ زمین مال گزاری سرکار میں مستغرق اور اُس کی ذمہ دار سمجھی جاتی ہے تو کیوں نہیں نیلام ہوتی؟ کیونکہ ہم اس مقام پر صرف یہ بات بیان کرتے ہیں کہ سرکشی کے یہ اسباب ہوئے خواہ ان سببوں کا ہونا بہ مجبوری ہوا خواہ ناواقفی سے اور اگر اس امر کی بحث دیکھنی ہو تو ہماری دوسری رائے طریقۂ انتظام ہندوستان ہے اس کو دیکھو مگر اتنی بات یہاں لکھ دیتے ہیں کہ زمین کا مال گزاری میں مستغرق سمجھنا بہت قابل مباحثہ کے ہے۔ درحقیقت دعویٰ سرکار کا پیداوار پر ہے نہ زمین پر۔

بعوض زرِ قرضہ نیلام حقیت کے رواج نے بہت سے فساد برپا کیے۔ مہاجنوں اور روپے والوں نے دم دے کر زمینداروں کو روپے دیے اور قصداً اُن کی زمینداری چھیننے کو بہت فریب برپا کیے اور دیوانی میں ہر قسم کے جھوٹے سچے مقدمات لگائے اور قدیم زمینداروں کو بے دخل کیا اور خود مالک بن گئے۔ ان آفات نے تمام ملک کے زمینداروں کو ہلا ڈالا۔

بندوبستِ مال گزاری جو ہماری گورنمنٹ نے کیا نہایت قابل تعریف کے ہے مگر اگلے بندوبستوں کی نسبت سنگین ہے۔ اگلی عمل داریوں میں بطور خام تحصیل مال گزاری لی جاتی تھی۔ شیر شاہ نے تہائی پیداوار کا حصہ گورنمنٹ مقرر کیا تھا، کچھ شک نہیں کہ اس طریقے میں بہت مشکلیں تھیں اور گورنمنٹ کو نقصان متصور تھا، مگر کاشت کار سب آباد رہتے تھے، کسی کو ٹوٹا دینا نہ پڑتا تھا۔ اکبر اوّل نے اسی بندوبست کو یعنی پیداوار کا تہائی حصہ لینا پسند کیا اور اسی کو جاری کیا، مگر بندوبست پختہ کر دیا جس کا ذکر لارڈ الفنسٹن صاحب کی عمدہ تاریخ میں مندرج ہے اور آئینِ اکبری میں بھی اُس کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیان ہے، اکبر نے اقسام زمین کے مقرر کیے، اوّل قسم کی زمین سے جس کا نام پولج تھا اور ہر سال لائی جاتی تھی برابر مال گزاری کا حصہ لیا جاتا تھا۔ دوم قسم کی زمین جس کا نام پڑوتی تھا اور ہمیشہ کاشت نہ ہوتی تھی، بلکہ چندے واسطے زور بڑھانے کے چھوڑ دیتے تھے، اُس زمین سے اُنھیں سالوں کی بابت مال گزاری لی جاتی تھی جس میں وہ کاشت ہوتی تھی۔ سوم قسم کی زمین جس کا نام چچر تھا اور تین چار برس سے بے تردد تھی اور اس کی درستی کے لیے خرچ بھی درکار ہوتا تھا اوّل سال زراعت میں پچیدو لیا جاتا تھا اور پھر بڑھتا جاتا تھا، یہاں تک کہ پانچویں میں پورا ہوتا تھا۔ چہارم قسم کی زمین جس کا نام بنجر تھا اور پانچ برس سے زیادہ بے تردد پڑی تھی اور بھی ملائم شرطیں تھیں۔ اس خام بندوبست کا نقدی سے بدلنا اس طرح پر تھا کہ پیداوار ہر بیگہ کی اور ہر قسم زمین کی اوسط کے حساب سے غلے کے وزن پر نکالی جاتی تھی، مثلاً بیگھے پیچھے نو من غلے کی پیداوار نکالی اور تین من غلہ اُس بیگھے کا کاشت کار سے لینا حصہ گورنمنٹ ٹھیر گیا۔ پھر اوسط نرخ ناموں سے قیمت غلہ قرار دی گئی اور وہ نقدی اُس بیگھے کی ٹھیر گئی۔ پھر اس میں بڑی رفاہ یہ تھی کہ اگر کاشت کار بعوض نقدی گرانی نرخ سمجھ کر تین من غلہ دے دے تو اس کو اختیار تھا۔ سرکاری بندوبست میں ان میں سے بہت باتوں کا خیال نہیں رہا۔ افتادہ زمین پر برابر محصول لگ گیا۔ جن زمینوں کا زور بڑھانے کو کچھ دنوں افتادہ رکھتا تھا اُس کی منہائی نہیں ہوئی۔ ہر سال برابر جوتے جانے سے زور کم ہوتا گیا، پیداوار کم ہونے لگی، جو حساب بندوبست کے وقت لگایا تھا وہ نہ رہا، اکثر اضلاع میں ہر ایک بندوبست سخت ہوگیا، زمینداروں کاشت کاروں کو نقصان عائد ہوئے، رفتہ رفتہ وہ بے سامان ہو گئے، زراعت کا سامان بہت کم ہوگیا اور اس سبب سے جو زمین کاشت کرتے تھے وہ جیسا کہ چاہیے کمائی نہ گئی، اس سبب سے بھی کمی پیداوار ہوئی۔ ادائے مال گزاری کے لیے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ قرضدار ہوئے۔ سود قرضہ زیادہ ہونے لگا۔ بہت سے زمیندار مال گزار جو بہت اچھا سامان اور معقول خرچ رکھتے تھے مفلس ہو گئے، جن دیہات میں اُفتادہ زمین سوا تھی وہ اور زیادہ خراب ہو گئے۔ آنریبل تامسن صاحب بہادر اپنے ہدایت نامے کی دفعہ ۴۶ میں لکھتے ہیں کہ آئینِ نہم ۱۸۵۲ء کے بندوبست میں علی العموم یہ بات نظر آتی ہے کہ اچھے دیہات کی جمع کچھ نرم تجویز ہوئی اور خراب دیہات کی جمع سنگین ہو گئی۔ زمینداروں کی ناجائز منفعتیں جاتی رہیں اگرچہ یہ بات بہت اچھی تھی مگر بندوبست کے وقت اُس کی رعایت چاہیے تھی جو نہ ہوئی۔ غرض کہ ان اسباب سے زمینداروں اور کاشتکاروں کو مفلسی نے گھیر لیا تھا جس کے سبب باوجود اس امن و آسائش کے جو زمینداروں کو تھی اُن کے دل سے پچھلی عملداریوں کی یاد بھولتی نہ تھی۔

تعلقہ داری بندوبست کا شکست کر دینا۔ اگرچہ ہم یہ نہیں کہتے کہ اس میں کچھ ناانصافی ہوئی، مگر عمدہ سبب فساد کا ہوا۔ خصوصاً ملک اودھ میں تعلقدار راجا بنے ہوئے تھے۔ اپنی تعلقہ داری کے دیہات میں حکومتیں کرتے تھے۔ نفع اٹھاتے تھے۔ وہ بادشاہت اور منفعت اُن کی دفعتاً جاتی رہی۔ اس باب میں بھی کہ اگر سرکار یہ نہ کرتی تو اصل زمینداروں کو ان ظالموں کے ہاتھ سے کیونکر نکالتی ہم اس مقام پر بحث نہیں کریں گے، بلکہ اس کی بحث ہماری دوسری رائے میں ہے یہاں صرف یہ بیان کرنا ہے کہ شکست تعلقہ داری بھی سبب سرکشی ہے۔

اشٹامپ کا جاری ہونا بالکل ایک ولایتی پیداوار ملک کا قاعدہ ہے جہاں کی آمدنی گویا کہ نہیں لی جاتی۔ ہندوستان میں اس کا جاری کرنا اور پھر رفتہ رفتہ اُس کی قیمت میں اضافہ ہوتا جانا جس کی انتہا اب قانونِ دہم ۱۸۲۵ء میں ہے بلاشبہ خلاف طبائع اہلِ ہند، بلکہ بہ نظرِ حالات مفلسی اہلِ ہند نامناسب تھا۔ اشٹامپ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بے کے جاری ہونے میں پچھلے لوگ بہت بحث کر گئے ہیں اور بہت سی دلیلیں پیش ہوئی ہیں کہ اصلی بات برخلاف اس کے ہے مگر ہم اس مقام پر اُن سب بحثوں سے قطع نظر کرتے ہیں کہ اُن بحثوں کی حاجت اُن ملکوں میں ہے جہاں کی رعایا تربیت یافتہ اور متموّل اور راست باز معاملہ فہم ہے۔ ہندوستان کی رعایا جو دن بدن مفلس ہوتی جاتی ہے وہ ہرگز اس زیر باری اٹھانے کے لائق نہیں۔ سب عقلا اس محصول کو ناپسند کر گئے ہیں اُن کا قول ہے کہ دستاویزات پر محصول لگانا جتنا قابل الزام اور بے وجہ محض ہے اس سے زیادہ۔ بلا دہ محصول ہے جو کہ غذات پر انصاف کرنے کے لیے لیا جاتا ہے۔ علاوہ زیر باری اخراجات کے بہت سی صورتوں میں عدالت گستری سے باز رکھتا ہے، چنانچہ مل صاحب کی کتاب پولٹیکل اکونمی اور لارڈ بروم صاحب کی پولٹیکل فلوزوفی اس کے ناپسندیدہ ہونے سے پُر ہیں اور جس قدر کہ ولایت میں اُس پر عذر ہے اُس سے بہت زیادہ ہندوستان میں اُس کے رواج پر الزام ہے

دیوانی عدالت کا انتظام جو پریسیڈنسی بنگال اور آگرہ میں ہے وہ نہایت شائستہ ہے اُس کو اس عذر میں کچھ مداخلت نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ اکثر حکام کی رائے اس کے برخلاف ہوگی اور پنجاب کے انتظام کو پسند کرتے ہوں گے، مگر یہ گفتگو نہایت قابل بحث کے ہے قانونِ پنجاب کا ایک مجمل مطلب ہے اُن ہی قوانین کا جو اس ملک میں جاری ہیں۔ اُن کے لبسط اور پھیلاؤ اور عمل کے واسطے قواعد مقرر نہیں ہیں۔ ہر حاکم اس میں خود مختار ہے، سب حاکموں کی رائے سلیم ہونی ضرور نہیں ہے، پھر اس میں کس قدر خرابیاں انجام کو پہنچنی متصور ہیں۔ دیوانی کا محکمہ سب محکموں سے زیادہ تر عمدہ ہے جس پر اہتمام چاہیے، یہی محکمہ ہے جس پر آبادیٔ ملک اور اجرائے تجارت اور افزونی بیع بیوپار و استحکام حقوق منحصر ہیں۔ پنجاب میں یہ محکمہ نہایت کم قدر ہو رہا ہے۔ حکام مطلق متوجہ نہیں بلکہ ہم کہتے ہیں متوجہ ہونے کی فرصت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں۔ جس قدر مقدمات غور طلب بسبب انتقالات اور معاملاتِ کثیر اور بسبب زیادہ مدت ہو جانے عملداری سرکار کے اس ملک میں ان ملکوں کی عدالتوں میں دربیش ہوتے ہیں وہ ابھی تک پنجاب میں نہیں اور جب ہوں گے تو اس میں شک نہیں کہ قوانینِ پنجاب اُن کی درستی سے فیصلہ کرنے کو کافی نہیں۔ اس عذر میں دیوانی عدالت کا جس قدر اثر پایا جاتا ہے وہ صرف اتنا ہے، اول انتقالات، حقیت دوم مقروض ہونا یا مدیون ہونا لوگوں کا کہ یہ دونوں باتیں آپس کے فساد کی باعث ہوئیں بمقابلہ سرکار کی ان باتوں سے آپس میں دلی رنج تھا اور یہ قاعدہ ہے کہ جب عملداری کو سستی ہوتی ہے آپس کے تنازع سے فسادات برپا ہوتے ہیں۔ پھر ان دونوں باتوں میں جو لوگوں کو آپس میں رنج تھا سب سے بڑا سبب اس کا یہ تھا کہ انتقالات واجبی اور قرضہ ناجائز لوگوں کے سر پر ہو گیا تھا۔ وہ جھوٹی ڈگریوں کے مدیون ہو گئے تھے اور اسی سبب سے دیوانی عدالت پر الزام لگایا جاتا ہے۔ خیال کرنا چاہیے کہ جس قدر کم توجہی اور ابتری اور سرسری تحقیقات اور خود اختیاری حکام مجوزہ مقدمات دیوانی کی پنجاب میں ہے وہ بہت اس سے زیادہ خرابیاں پیدا کرے گی۔ دیوانی عدالت کی تاثیر دس برس میں ظاہر نہیں ہوتی۔ پچاس برس بعد پنجاب کو ممالکِ مغربی شمالی کے انتظام اور تاثیر عدالتِ دیوانی سے مقابلہ کرنا چاہیے نہ اب ہم اس بات کو منظور کرتے ہیں کہ پریسیڈنسی بنگال اور آگرہ کا قانون مطلق مقدمات دیوانی قابلِ اصلاح ہے، انفصالِ مقدمات میں بہت تاخیر ہوتی ہے، اسٹامپ کے بیش قیمت ہونے سے اپیل کے ہر مقدمے میں بہت سے درجات قائم ہونے سے لوگوں کو زیر باری ہے۔ حکام دیوانی کو بعض قسم کا اختیار نہ دینے سے انفصالِ مقدمات میں ہرج تھا سو اس کو ایکٹ ۱۹ ۱۸۵۳ء نے کچھ کچھ رفع کیا اور جس قدر باقی ہے وہ قابلِ اصلاح ہے، اس میں اگر زیادہ گفتگو دیکھنی منظور ہو ہماری دوسری رائے کو جو درباب انتظام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان ہے اُس کو ملاحظہ کرو۔

اصل سوم:

ناواقف رہنا گورنمنٹ کا رعایا کے اصلی حالات اور اطوار اور عادات اور اُن مصائب سے جو اُن پر گزرتے تھے اور جن سے رعایا کا دل ہماری گورنمنٹ سے پھٹتا جاتا تھا۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ہماری گورنمنٹ کو رعایا کے حالات اور اطوار اور جو جو دُکھ ان کو تھے اُن کی اطلاع نہ تھی اور اطلاع ہونے کا کیا سبب تھا کیونکہ حالات اور اطوار کی اطلاع اختلاط اور ارتباط اور باہم آمد و رفتِ بے تکلفانہ سے ہوتی ہے اور یہ بات جب ہوتی ہے کہ ایک قوم دوسری قوم میں مل جُل کر اور محبت اور اخلاص پیدا کر کر بطور ہم وطنوں کے توطن اختیار کرے۔ جیسا کہ مسلمان غیر مذہب اور غیر ملک کے رہنے والوں نے ہندوستان میں توطن اختیار کر کے پیدا کیا اور غیر ملکوں سے برادرانہ راہ و رسم پیدا کی، مگر درحقیقت ہماری گورنمنٹ کو یہ بات جو اصلی سبب رعایا کے حالات کی اطلاع کا ہے حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ اس طرح کی سکونت مختلطانہ ہماری گورنمنٹ کو ہونی متخیل ہے۔ اب رہی یہ بات کہ رعایا خود اپنے مصائب کی اطلاع کرتی، تو اُس کا قابو رعایا کو نہ تھا کیونکہ رعایائے ہندوستان کو تجاویز گورنمنٹ میں ذرا بھی مداخلت نہ تھی اور اگر کسی نے کچھ بے قاعدہ کوئی عرضی پرچہ بھیجا یا بحضور نواب گورنر جنرل بہادر پیش کیا وہ بطور استغاثہ تصور کیا گیا نہ بطور استحقاق مداخلت تجاویز گورنمنٹ میں اور اسی لیے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا۔ اب ضرور ہوا کہ کوئی اور شخص حالاتِ رعایا کی اطلاع گورنمنٹ میں کرے وہ اطلاع منحصر تھی حکام متعہد اضلاع کی رپورٹ پر، وہ خود اس سے ناواقف تھے اور کوئی راہ نہ تھی اُن کو اطلاع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاصل ہونے کو اور اُن کی عدم توجہی اس باب میں اور اُن کی نازک مزاجی ایک مشہور بات ہے اُن کے رعب سے سب ڈرتے تھے، کسی کو سچی بات علی الخصوص وہ کہ مخالف طبع اور مزاج حاکموں کے ہوتی تھی کہنے کا مقدور نہ تھا، ہر شخص ملازم اور درباری رئیس سب ڈر کے مارے خوشامد کی بات کہتے تھے اور ہماری گورنمنٹ نوعیہ ہے۔ ان باتوں سے گورنمنٹ شخصیہ کی صورت پیدا کی تھی۔ پھر یہ طریقہ اطلاعِ حالاتِ رعایا کا بذریعہ حکّامِ اضلاع ناکافی ہی نہ تھا، بلکہ درحقیقت معدوم تھا۔ اس لیے حالات رعایا کے ہمیشہ گورنمنٹ سے مخفی رہے۔ جو نیا قانون گورنمنٹ سے جاری ہوا اُس سے جو مضرت رعایا کے حال اور رفاہ اور فلاح کو پہنچی۔ اُس کا رفع کرنے والا اور اُس کی خبر دینے والا کوئی نہ تھا۔ اس قسم کے امور میں کوئی غمخوار رعایا کا نہ تھا بجز اُن کے لہو کے جو جل جل کر اُن کے بدن میں رہتا تھا اور بجز ان کی بے کسی کے جس پر وہ آپ رو کر چُپ رہتے تھے۔

مفلسی اور تنگیٔ معاش ہندوستان کی رعایا کو ہماری گورنمنٹ کی حکومت میں کیوں نہ ہوتی سب سے بڑی معاش رعایائے ہندوستان کی نوکری تھی اور یہ ایک پیشہ گنا جاتا تھا اگرچہ ہر ایک قوم کے لوگ روزگار نہ ہونے کے شاکی تھے، مگر یہ شکایت سب سے زیادہ مسلمانوں کو تھی۔ غور کرنا چاہیے کہ ہندو جو اصلی باشندے اس ملک کے ہیں زمانۂ سلف میں اُن میں سے کوئی شخص روزگار پیشہ نہ تھا، بلکہ سب ملکی کاروبار میں مصروف تھے۔ برہمن کو روزگار سے کچھ علاقہ نہ تھا بَیش برن جو کہلاتے ہیں وہ ہمیشہ بیوپار اور مہاجنی میں مصروف تھے۔ چھتری جو اس ملک کے کسی زمانے میں حاکم بھی تھے پُرانی تاریخوں سے ثابت ہے کہ وہ بھی روزگار پیشہ نہ تھے، بلکہ زمین سے اور ایک ایک ٹکڑا زمین کی حکومت سے بطور بھیاچارہ علاقہ رکھتے تھے۔ سپاہ ان کی ملازم نہ تھی، بلکہ بطور بھائی بندی کے وقت پر جمع ہو کر لشکر آراستہ ہوتا تھا جیسا کہ کچھ تھوڑا سا نمونہ روس کی مملکت میں پایا جاتا ہے، البتہ قوم کایت اس ملک میں قدیم سے روزگار پیشہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دکھلائی دیتے ہیں۔ مسلمان اس ملک کے رہنے والے نہیں ہیں اگلے بادشاہوں کے ساتھ بوسیلہ روزگار کے ہندوستان میں آئے اور یہاں توطن اختیار کیا، اس لیے سب کے سب روزگار پیشہ تھے اور کمیٔ روزگار سے اُن کو زیادہ تر شکایت بہ نسبت اصلی باشندوں اس ملک کے تھی۔ عزت دار سپاہ کا روزگار جو یہاں کی جاہل رعایا کے مزاج سے زیادہ تر مناسبت رکھتا ہے ہماری گورنمنٹ میں بہت کم تھا۔ سرکاری فوج جو غالباً مرکب تھی تلنگوں سے اُس میں اشراف لوگ نوکری کرنی معیوب سمجھتے تھے سواروں میں البتہ اشرافوں کی نوکری باقی تھی، مگر وہ تعداد میں اس قدر قلیل تھی کہ اگلی سپاہ سوار سے اُس کو کچھ بھی نسبت نہ تھی۔ علاوہ سرکاری نوکری کے اگلے عہد کے صوبیداروں اور سرداروں اور امیروں کے بچ کے نوکر ہوتے تھے کہ ان کی تعداد بھی کچھ کم خیال کرنی نہیں چاہیے۔ اب یہ بات ہماری گورنمنٹ میں نہیں ہے اس سبب سے حد سے زیادہ قلتِ روزگار تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب باغیوں نے لوگوں کو نوکر رکھنا چاہا ہزار ہا آدمی نوکری کو جمع ہو گئے اور جیسے بھوکا آدمی قحط کے دنوں میں اناج پر گرتا ہے اُسی طرح یہ لوگ نوکریوں پر جا گرے ؎

ملحدِ گرسنہ در خانۂ خالی برخواں　　　عقل باور نہ کند کز رمضان اندیشد[1]

بہت سے آدمی صرف آنہ ڈیڑھ آنہ یومیہ پر نوکر ہوئے تھے اور بہت سے آدمی بعوض یومیہ کے سیر ڈیڑھ سیر اناج پاتے تھے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے

---

[1] ترجمہ: یقین نہیں آتا کہ جس بھوکے ملحد (منکرِ خدا) کا دسترخوان خالی ہے اُسے رمضان کی فکر ہو گی (یعنی وہ رمضان کے روزے کیوں رکھے گا جبکہ وہ خدا ہی پر ایمان نہیں رکھتا۔ وہ تو محض اس لیے بھوکا ہے کہ اُس کے پاس کھانے کو کچھ نہیں۔)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ ہندوستان کی رعایا جیسی نوکری کی خواہش مند تھی ویسی ہی مفلسی اور ناداری سے محتاج اور تنگ تھی۔

ایک اور راہ تھی اگلی عمل داریوں میں آسودگی رعایا کی، یعنی جاگیر روزینہ انعام اکرام۔ جب شاہ جہاں تخت پر بیٹھا تو صرف بروز تخت نشینی چار لاکھ بیگھے زمین اور ایک سو بیس گاؤں جاگیر میں اور لاکھوں روپے انعام میں دیے۔ یہ بات ہماری گورنمنٹ میں یک قلم مسدود تھی بلکہ پہلی جاگیریں بھی ضبط ہو گئی تھیں جس ضبطی کے سبب ہزارہا آدمی نانِ شبینہ کو محتاج ہو گئے تھے، زمینداروں کاشت کاروں کی مفلسی کا حال بیان کر چکے۔ اہلِ حرفہ کا روزگار بہ سبب جاری اور رائج ہونے اشیائے تجارت ولایت کے بالکل جاتا رہا تھا، یہاں تک کہ ہندوستان میں کوئی سوئی بنانے والے کو بھی نہیں پوچھتا تھا۔ جولاہوں کا تار تو بالکل ٹوٹ گیا تھا جو بدذات سب سے زیادہ اس ہنگامے میں گرم جوش تھے۔ خدا کے فضل سے جبکہ ہندوستان بھی سلطنت گریٹ برٹن میں داخل تھا تو سرکار کو رعایا کی اس تنگی حال پر توجہ کرنی اور اُن کے ان روحانی غم اور دلی رنجشوں کے مٹانے میں سعی کرنی ضرور تھی۔

کمپنی نوٹ سے ایک نئی طرح کی زیر باری ملک کو ہوئی تھی جو کسی پہلی عملداری میں اُس کی نظیر نہیں ہے۔ جتنا روپیہ قرض لیا جاتا تھا اُس کے سود کے وصول کرنے کی تدبیر بلکہ سود اور اخراجات اور انتفاع کے وصول کرنے کی تدبیر ملک سے ہوتی تھی، غرض کہ ہر طرح سے ملک مفلس اور محتاج ہو گیا۔ اگلے خاندان جن کو ہزاروں کا مقدور تھا معاش سے بھی تنگ تھے اور یہ ایک اصلی سبب ناراضی رعایا کا گورنمنٹ سے تھا۔ لوگوں کے دل جو تبدیل عملداری کو چاہتے تھے اور نئی عملداری کے راغب اور دل سے اُس سے خوش تھے میں سچ کہتا ہوں کہ اسی سبب سے تھے۔ ہم سچ کہتے ہیں اور پھر ہم بہت سچ کہتے ہیں کہ جب افغانستان سرکار نے فتح کیا لوگوں کو بڑا غم ہوا۔ کیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سبب تھا؛ صرف یہ تھا کہ اب مذہب پر علانیہ دست اندازی ہو گی۔ جب گوالیار فتح ہوا۔ پنجاب فتح ہوا۔ اودھ لیا گیا لوگوں کو کمال رنج ہوا، کیوں ہوا ؛ اس لیے ہوا کہ اُن کے پاس کی ہندوستانی عملداریوں سے ہندوستانیوں کو بہت آسودگی تھی نوکریاں اکثر ہاتھ آتی تھیں، ہر قسم کی ہندوستانی اشیاء، تجارت بکثرت تھی، ان عملداریوں کے خراب ہونے سے زیادہ افلاس اور محتاجی ہوتی جاتی تھی۔ ہماری گورنمنٹ کی عمل داری میں خوبیاں اور بھلائیاں بھی حد سے زیادہ تھیں۔ میں سب پر عیب نہیں لگاتا، بقول شخصے: شعر

عیب ہا جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو　　　نفی حکمت مکن از بہر دل عامے چند

امن اور آسائش اور آزادی رستوں کا صاف ہونا، ڈاکوؤں اور رہزنوں کا نیست نابود ہونا، سڑکوں کا آراستہ ہونا، مسافروں کی آسائش، بیوپاریوں کا مال دُور دُور بھیجنا، غریب، اعلیٰ، ادنیٰ کے خطوط کا دور دست ملکوں میں برابر پہنچنا، خونریزی اور خانہ جنگی کا بند ہونا، زبردست سے زبردست کا زور اٹھنا اور اسی قسم کی بہت سی باتیں ایسی اچھی ہیں کہ کسی عملداری میں نہ ہوئی ہیں نہ ہوں گی، مگر غور کرو کہ ان باتوں سے وہ مصیبت جس کا ہم ذکر کرتے ہیں نہیں جاتی۔ ایک اور بات دیکھو کہ یہ نفع عملداری کا جو مذکور ہوا کن لوگوں کو زیادہ تھا اوّل عورتوں کو کہ سب طرح سے آسائش میں تھیں خانہ جنگی میں اولاد کا مارا جانا، ٹھگوں کے ہاتھ سے لٹنا، عاملوں کے ہاتھ سے خاوندوں اور بچوں کا محفوظ نہ رہنا اور ہزار طرح کے مصائب سے محفوظ تھیں پھر دیکھو کہ کس قدر خیر خواہ اور مداح سرکار کی عملداری کی تھیں۔ مہاجن اور تجارت پیشہ لوگ بہت آسائش سے تھے۔ پھر ان میں سے کوئی بھی بدخواہ نہ تھا۔ حاصل یہ کہ جن لوگوں کو عملداری سرکار سے نقصان نہیں پہنچا تھا ان میں سے کوئی بدخواہ نہیں ہوا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصل چہارم :

ترک ہونا اُن امور کا ہماری گورنمنٹ کی طرف سے جن کا بجالانا ہماری گورنمنٹ پر ہندوستان کی حکومت کے لیے واجب اور لازم تھا۔ جو مراتب کہ ہم اس مقام پر لکھتے ہیں گو وہ ہمارے بعض حکام کے ناگوارِ طبع ہوں مگر ہم کو سچ لکھنا اور دل کھول کر کہنا ضرور ہے۔ یہ وہ بات ہم کہتے ہیں کہ جس سے جنگلی وحشی جانور دام میں آتے ہیں، درندے رام ہوتے ہیں، انسان کی تو کیا حقیقت ہے۔ کیا لارڈ بیکن، الیسز کافی نہیں کہ ہم اس مقام پر دوستی اور محبت اور ربط اور اتحاد کے فائدے بیان کریں، ہاں اتنی بات بیان کرنی ضرور ہے کہ آپس کی محبت اور ہمسائے کی دوستی سے گورنمنٹ اور رعایا کی محبت بہت بڑھ کر ہے، دوست کو ایک شخص سے دوستی کرنی پڑتی ہے اور گورنمنٹ کو تمام رعایا سے ایسا ارتباط پیدا کرنا پڑتا ہے کہ رعیت اور گورنمنٹ سب مل کر ایک تن ہو جائیں ؛ ع

رعیت چو بیخ است سلطاں درخت درخت اے پسر باشد از بیخ سخت

کیا یہ بات ہندوستان میں ہماری گورنمنٹ سے نہیں ہو سکتی تھی ؟ کیوں نہ ہو سکتی تھی۔ اس لیے کہ ہم کو دن رات تجربہ ہوتا ہے کہ دو غیر ملک اور مختلف مذہب کے آدمیوں میں اتحاد ہوتا ہے، اُس صورت میں کہ وہ اتحاد کرنا چاہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ دو ہم قوم اور ہم مذہب اور ہم وطن آدمیوں میں کمال دشمنی اور عداوت ہوتی ہے، اس سے ثابت ہے کہ محبت اور اتحاد اور دوستی ہونے کو اتحادِ مذہب اور ہم وطن اور ہم قوم ہونا ضرور نہیں۔ کیا پال مقدس کی یہ نصیحت حکمت آمیز نہیں ہے کہ جیسے ہم تم سے محبت کرتے ہیں ویسا ہی خداوند تمہاری محبت آپس میں دوسروں کے ساتھ بڑھنے اور زیادہ ہونے دیوے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ صرف اپنے پڑوسیوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ہم وطن سے، بلکہ سب سے، یہاں تک کہ دشمنوں سے سچی محبت ہو اور وہ محبت اور مہربانی بڑھتی جائے اور کیا مسیحِ مقدس کا یہ قول دل کو تسلی دینے والا نہیں ہے کہ جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں ویسا ہی تم بھی ان سے کرو، کیونکہ توریت اور نبیوں کی کتاب کا خلاصہ یہی ہے۔ مراد مسیحِ مقدس کی نصیحت سے محبت ہے۔ غرض کہ کوئی عقل مند اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ محبت اور اتحاد بہت عمدہ چیز ہے اور بہت اچھے اچھے نتیجے دیتی ہے اور بہت سی برائیوں کو رد کرتی ہے۔ آج تک ہماری گورنمنٹ نے یہ محبت ہندوستان کی رعایا کے ساتھ پیدا نہیں کی۔

یہ بھی ایک عام قاعدہ محبت کا جبلّتِ انسانی، بلکہ حیوانی میں بھی قدرتی پیدا کیا گیا ہے کہ اعلیٰ کی طرف سے ادنیٰ کی طرف محبت چلتی ہے، باپ کی محبت اپنے بیٹے کی طرف پہلے اُس سے شروع ہوتی ہے کہ بیٹے کو باپ سے، اسی طرح مرد کی محبت اپنی عورت کی طرف عورت کی محبت سے جو مرد کی طرف ہے مقدم ہے۔ اسی بنا پر یہ بات ہے کہ ادنیٰ جو اعلیٰ سے محبت شروع کرے وہ خوشامد گنی جاتی ہے نہ محبت۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری گورنمنٹ کو اوّل چاہیے تھا کہ رعایا کے ساتھ محبت اور اتحاد کرنے میں تقدم کرتی۔ پھر محبت کا یہ قاعدہ جو ہزارہا تجربے سے حاصل ہوا ہے کہ خواہ مخواہ محبت دوسرے کے دل میں اثر کرتی ہے اور اور اپنی طرف کھینچ لاتی ہے، رعایا کے دل میں اثر کرتی اور رعایا اس سے زیادہ ہماری گورنمنٹ کی محب بلکہ فریفتہ ہو جاتی۔ شعر

عشق آں خاناں خراب است — کہ ترا آورد بہ خانۂ ما

مگر افسوس کہ ہماری گورنمنٹ نے ایسا نہیں کیا۔

اگر ہماری گورنمنٹ دعویٰ کرے کہ یہ بات غلط ہے ہم نے ایسا نہیں کیا بلکہ محبت کی اور نیکی کا بدلا بدی پائی، تو اس کا انصاف ہم خود گورنمنٹ کے سپرد کریں گے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر یہ بات یوں ہی ہوتی تو رعایا کو بلاشبہ ہماری گورنمنٹ کی محبت سے زیادہ محبت ہوتی بے شک محبت ایک دل کی چیز ہے جو کہنے سے اور بنانے سے نہیں بنتی ظاہر میں بھی اگرچہ اس کے آثار پائے جاتے ہیں الا سچ یہ ہے کہ نہ وہ بیان ہو سکتی ہے اور نہ نشان دی جا سکتی ہے مگر دل اس کو خوب جانتا ہے بلکہ اس کے ہاتھ میں ایک ایسی سچی ترازو ہے کہ وہ کمی بیشی کو بھی پہچانتا ہے: شعر

از سوئے کینہ کینہ واز سوئے مہر مہر
دل را ز دل رہیست دریں گنبد سپہر

ہماری گورنمنٹ نے اپنے آپ کو آج تک ہندوستانیوں سے ایسا الگ اور ان میل رکھا ہے جیسے آگ اور سوکھی گھاس۔ ہماری گورنمنٹ اور ہندوستانی پتھر کے دو ٹکڑے ہیں سفید اور کالے کہ الگ الگ پہچانے جاتے ہیں اور پھر ان دونوں میں ایک فاصلہ ہے کہ دن بدن زیادہ تر ہوتا جاتا ہے حالانکہ ہماری گورنمنٹ کو ہندوستان کی رعایا کے ساتھ ایسا ہونا چاہیے جیسے ابری کا پتھر کہ باوجود دو رنگ کے ایک ہوتا ہے سفید رنگ میں سیاہ خال بہت خوبصورت معلوم ہوتے ہیں اور سیاہی سفیدی عجب بہار دکھاتی ہے۔

ہم ناانصافی کی بات نہیں کہتے ہماری گورنمنٹ کو بلاشبہ عیسائیوں کے ساتھ ایک خاص محبت دینداری کی رکھنی چاہیے مگر ہم اپنی گورنمنٹ سے رعایائے ہندوستان پر وہ برادرانہ محبت اور برادرانہ محبت پر وہ اُلفت چاہتے ہیں جس کی نصیحت پطرس مقدس نے کی ہے۔ اب غور کرو کہ ہمارے حکام اور ہندوستانیوں کا خون ایک نہ تھا، رسم و رواج ایک نہ تھا، دلی رضامندی رعایا کو نہ تھی، آپس میں محبت اور اتحاد نہ تھا، پھر کس بات پر ہمارے حکام ہندوستان سے وفاداری کی توقع رکھتے تھے؟

ہندوستان کی پچھلی سلطنتوں کا حال دیکھو اول ہندوستان پر مسلمانوں نے فتح پائی، ترکوں اور پٹھانوں کی سلطنت میں ہندوستان کی رعایا سے محبت اور میل جول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ ہوا جب تک آسایش اور آسودگی کی سلطنت نے صورت نہ پکڑی۔ مغلیہ کی سلطنت میں اکبر اوّل کے عہد سے ملاپ بخوبی شروع ہوا اور شاہ جہاں کے وقت تک بدستور رہا باوجود سے کہ اُس زمانے میں بھی رعایا کو بے نظمی اصولِ سلطنت کے سبب تکلیفیں پہنچتی تھیں مگر وہ زخم مندمل ہوجاتا تھا اس برادرانہ محبت سے جو آپس میں تھی۔ ۱۶۷۹ء میں یعنی عالم گیر کے عہد میں یہ محبت ٹوٹ گئی اور بسبب مقابلہ اور سرکشی قوم ہنود کے مثل سیواجی مرہٹہ وغیرہ کے عالم گیر جملہ قوم ہنود سے ناراض ہوا اور اپنے صوبیداروں کے نام حکم بھیجے کہ جملہ قوم ہنود کے ساتھ بہ سختی گیری پیش آئے اور ہر ایک سے جزیہ لے۔ پھر جو مضرت اور ناراضی رعایا کو ہوئی وہ ظاہر ہے، غرض کہ ہماری گورنمنٹ نے سو برس کی عملداری میں بھی رعایا سے محبت اور الفت پیدا نہ کی۔

اس بات سے تو کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ رعایا کو باعزت رکھنا اور ان کی تالیف کرنی، یعنی اُن کے دلوں کو ہاتھ میں رکھنا بہت بڑا سبب ہے پائیداری گورنمنٹ کا۔ تھوڑا ملے اور آدمی کی عزت ہو تو وہ بہت زیادہ خوش ہوتا ہے بہ نسبت اس کے کہ بہت ملے اور تھوڑی عزت ہو۔ بے عزتی کرنی کسی کی ایسی بدچیز ہے کہ آدمی کے دل کو دکھاتی ہے، یہی چیز ہے کہ بغیر ظاہری نقصان پہنچائے عداوت کرتی ہے اور اس کا ایسا گہرا زخم ہوتا ہے کہ کبھی نہیں بھرتا۔ شعر

جراحات السنان لہا التیام ولا یلتام ما جرح اللسان

تالیف کی خاصیت اِس کے برخلاف ہے۔ یہ وہ چیز ہے کہ اس سے دشمن دوست ہوتا ہے اور دوستوں کی محبت زیادہ ہوتی ہے، بیگانہ یگانہ ہوتا ہے یہی چیز ہے کہ جس سے وحشی جنگل کے جانور چرند پرند تابعدار ہوتے ہیں، پھر اگر رعایا کے ساتھ ہو تو وہ کس قدر مطیع اور فرمانبردار ہوں گے۔ ابتدائے عملداری میں یہ چیز تھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ جس نے سب کے دلوں کو ہماری گورنمنٹ کی طرف کھینچ لیا تھا. ایک دلی اطاعت پیدا کر دی تھی، بے شک ہماری گورنمنٹ ان باتوں کو بھول گئی، بلاشبہ تمام رعایا ہندوستان کی اس بات کی شاکی ہے کہ ہماری گورنمنٹ نے اُن کو نہایت بے قدر اور بے وقر کر دیا ہے. ہندوستان کے اشراف آدمی کی ایک چھوٹے سے یورپین کے سامنے ایسی بھی قدر نہیں ہے جیسی کہ ایک چھوٹے یورپین کی ایک بہت بڑے ڈیوک کے سامنے. یوں تصور کیا جاتا تھا کہ ہندوستان میں کوئی جنٹل مین نہیں ہے.

یہ سب باتیں یعنی محبت اور اُلفت اور عزت اور تالیف رعایا کی گورنمنٹ کی طرف سے ظاہر ہوتی ہیں بوسیلہ اُن حکام متعہد کے جو ہماری گورنمنٹ کی طرف سے ہندوستان کی کارپردازی اور رعایا سے معاملہ اور میل جول اور ملاقات رکھتے ہیں. گورنمنٹ کا ارادہ کیسا ہی نیک ہو وہ کبھی ظاہر نہ ہوگا جب تک یہ لوگ اُس کے ظاہر کرنے پر کمر نہ باندھیں. اگلے حکام متعہد کے عادات اور روش اور اخلاق بہت برخلاف تھے. حال کے حکام متعہد شدہ پہلے لوگ بہت عزت کرتے تھے ہندوستانیوں کی، ہر طرح سے خاطر داری کرتے تھے، اُن کے دلوں کو اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے، دوستانہ اُن کے رنج و راحت کے شریک ہوتے تھے، باوجودیکہ وہ بہت بڑی سرداری اور حکومت ہندوستان میں رکھتے تھے اور تحشم اور رعب اور دبدبہ جو شانِ حکومت ہے وہ بھی ہاتھ سے نہ دیتے تھے، پھر ایسی محبت اور عزت ہندوستانیوں کی کرتے تھے کہ ہر ایک شخص مل کر اُن کے اخلاق اور اُن کی محبت کا فریفتہ ہو جاتا تھا اور تعجب سے کہتا تھا کہ یہ کیسے اچھے لوگ ہیں کہ باوجود حشمت وشوکت اور حکومت کے بے غرور ہیں اور کس طرح اخلاق سے ملتے ہیں. ہندوستان میں جو لوگ بزرگ گنے جاتے تھے اُن سے اسی طرح پیش آتے تھے، بے شک ان لوگوں نے پطرس مقدس کی پیروی کی تھی اور برادرانہ محبت اور برادرانہ محبت پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُلفت بڑھائی تھی، حال میں جو حکّام متعہد ہیں اُن میں سے اکثروں کی طبیعتیں اس کے برعکس ہیں. کیا ان کے غرور اور تکبّر نے تمام ہندوستانیوں کو اُن کی آنکھوں میں ناچیز نہیں کر دیا ہے؟ کیا ان کی بدمزاجی اور بے پروائی نے ہندوستانیوں کے دل میں بے جا دہشت نہیں ڈالی ہے؟ کیا ہماری گورنمنٹ کو نہیں معلوم ہے کہ بڑے سے بڑا ذی عزت ہندوستانی حکّام سے لرزاں اور بے عزتی کے خوف سے ترساں نہ تھا اور کیا یہ بات چھپی ہوئی ہے کہ ایک اشراف اہل کار صاحب کے سامنے مثل پڑھ رہا ہے کہ صاحب کی بدمزاجی اور سخت کلامی بلکہ دشنام دہی سے دل میں روتا جاتا ہے اور کہتا ہے کہ ہائے افسوس روٹی اور کہیں نہیں ملتی، اس نوکری سے تو گھاس کھودنی بہتر ہے. میں سب حکّام پر یہ الزام نہیں لگاتا، بے شک ایسے بھی حکّام ہیں کہ اُن کی محبت اور اُن کے اخلاق اور اوصاف سب میں مشہور ہیں اور تمام ہندوستانی اُن کو چاند اور سورج کی طرح پہچانتے ہیں اور اُن کو لگلے حکّام کا نمونہ سمجھتے ہیں اور حقیقت میں وہ اُسی نصیحت پر چلتے ہیں جو مسیح مقدس نے شمعونِ مقدس اور اندریا کو فرمائی تھی جبکہ وہ دریا میں مچھلیوں کے شکار کو جال ڈالتے تھے کہ میرے پیچھے چلے آؤ میں تم کو آدمیوں کا شکار کرنے والا بناؤں گا، انہوں نے اپنی نیک خصلت سے رعایا کو اپنی محبت کے جال میں کھینچ لیا ہے، ان حاکموں نے اپنی حکومت کا رعب بھی رکھا ہے اور پھر بے جا غرور بھی رعایا کے ساتھ نہیں کیا اور وہی مبارکی حاصل کی جو مسیحؑ نے فرمائی تھی. مبارک وے ہیں جو دل میں بے غرور ہیں، اس لیے کہ آسمان کی بادشاہت اُن ہی کی ہے. ان حاکموں نے اپنا حلم انصاف والا رعایا کو جتایا اور زمین پر حکومت کی جیسا کہ یسوع مقدس نے فرمایا تھا. مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں اس لیے کہ زمین کے وارث ہوں گے. ان حاکموں نے اپنی روشنی علیٰ مسیحؑ کے قول کے بموجب اسی طرح رعایا کو دکھلائی کہ تمہاری روشنی آدمیوں کے سامنے ویسی ہی چمکے تاکہ وہ تمہارے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیک کاموں کو دیکھ کر تمہارے باپ کا جو آسمان پر ہے شکر کریں اس قسم کے حاکم اگرچہ کم تھے مگر جہاں تھے عزیز تھے۔

اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ یہ باتیں ہر ایک قوم کے لوگوں کو ناگوار تھیں مگر مسلمانوں کو زیادہ گراں گزرتی تھیں، مگر اس کا سبب بہت روشن ہے کہ صدہا سال سے مسلمان ہندوستان میں بھی باعزت چلے آتے ہیں۔ ان کی طبیعت اور جبلت میں ایک غیرت ہے، دل میں لالچ روپے کی بہت کم ہے، کسی لالچ سے عزت کا جانا نہیں چاہتے، بہت تجربہ ہوا ہوگا کہ اور قوم میں جو باتیں بغیر رنج کے اٹھا لیتے ہیں مسلمانوں کو اُس سے بھی ادنیٰ بات کا اٹھانا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ ہم نے مانا کہ مسلمانوں میں یہ خصلتیں بہت بُری ہی سہی، مگر مجبوری ہے، خدا نے جو طبیعت بنائی ہے وہ بدلی نہیں جاتی، اس میں مسلمانوں کی بدبختی، مگر کچھ قصور نہیں۔ یہی رنج تھے جن کے باعث تبدّلِ عملداری کو دل چاہتا تھا۔ سرکار کے برخلاف خبریں سُن کر دل خوش ہوتا تھا، مگر افسوس یہ ہے کہ ہماری گورنمنٹ کو مسلمانوں کی بھلائی سے اغماض نہ تھا، اُن کی لیاقت اور تعلیم اُن کا ادب سب پیشِ نظر تھا، مگر یہ لوگ اس سے بے خبر تھے اور ہماری گورنمنٹ کا ارادہ اور دلی نیت حکّام کے وسیلے سے ظاہر نہیں ہوتی تھی۔

اہلِ ہند علی الخصوص مسلمانوں کی ناراضی کا بڑا سبب یہ تھا کہ اعلیٰ عہدہ جات پر ترقّی بہت کم تھی، بہت ہی کم زمانہ گزرا ہے کہ یہ لوگ تمام ہندوستان میں معزز تھے، بڑے بڑے عہدے پاتے تھے، ان کا عزم اور ان کا ارادہ اب بھی ویسا ہی تھا، اسی طرح اپنی قدر و منزلت کی ترقی چاہتے تھے اور ظاہر میں کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ ابتدائے عملداری میں جو لوگ خاندانی اور معزز تھے وے منتخب ہوکر عہدے پاتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ بات نہ رہی۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اُن لوگوں میں چنداں لیاقت نہ تھی، اس لیے امتحان کا قاعدہ ہماری رائے میں کسی طرح قابل الزام کے نہیں اور نہ درحقیقت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی کو اس کا رنج ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ امتحان سے عمدہ اہل کار ہاتھ آئے مگر ایسے ایسے لوگ ان معزز عہدوں پر مقرر ہو گئے جو ہندوستانیوں کی آنکھوں میں نہایت بے قدر تھے۔ سرٹیفکٹ ملنے میں خاندانی اور ذی عزت ہونے کا بہت کم لحاظ رہا، جس قدر ہندوستانیوں کی ترقی لارڈ ہٹنگ صاحب بہادر نے کی اس سے زیادہ نہیں ہوئی۔ کچھ شک نہیں ہے کہ وہ ترقی بسبب قلتِ عہدجات کے نہایت ناکافی تھی۔ بڑے بڑے اعلیٰ حاکم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ جیسی ترقی ہندوستانیوں کی چاہیے تھی ویسی نہیں ہوئی۔

اہلِ ہند کو قدیم عادت تھی کہ اپنے بادشاہوں کے دربار میں حاضر ہوتے تھے۔ بادشاہ کی شان اور شوکت اور تجمل اور تحشم دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ ایک قاعدہ جبلتِ انسانی میں پڑا ہے کہ اپنے بادشاہ اور مالک سے مل کر دل خوش ہوتا ہے۔ یہ بات جانتا ہے کہ یہ ہمارا بادشاہ اور ہمارا مالک ہے، ہم اس کے تابع اور رعیت ہیں، علی الخصوص اہلِ ہند کو قدیم سے اس کی عادت پڑی ہوئی تھی جو اب تک نایاب تھا۔

نواب گورنر جنرل بہادر اگرچہ دورے میں دربار کرتے تھے، مگر ہندوستانیوں کی مراد تک پوری نہ تھا۔ لارڈ اکلنڈ اور لارڈ الن برا صاحب بہادر نے البتہ شاہانہ دربار کیے۔ شاید ولایت میں یہ طریقہ ناپسند ہوا ہو، مگر حق یہ ہے کہ ہندوستان کے حالات کے مناسب تھا، بلکہ اب بھی جیسا چاہیے تھا ویسا نہ ہوا تھا۔ خدا ہمیشہ ہماری ملکہ معظمہ وکٹوریہ کا حافظ ہے، خدا ہمیشہ ہماری ناظم مملکت ہند نائب مناب ملکہ معظمہ اور گورنر جنرل بہادر ہندوستان کا حافظ ہے، ہم کو امید ہے کہ اب کوئی آرزو اہلِ ہند کی بے پوری ہوئے باقی نہ رہے گی۔

سچ ہے کہ حقیقی بادشاہت خدا تعالیٰ کو ہے جس نے تمام عالم کو پیدا کیا،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی حقیقی سلطنت کا نمونہ دنیا میں بادشاہوں کو پیدا کیا ہے تاکہ اُس کے بندے اس نمونے سے اپنے حقیقی بادشاہ کو پہچان کر اُس کا شکر ادا کریں۔ اس لیے بڑے بڑے حکیموں اور عقل مندوں نے یہ بات ٹھیرائی ہے کہ جیسا کہ اُس حقیقی بادشاہ کی خصلتیں داد و دہش اور بخشش اور مہربانی کی ہیں اُسی کا نمونہ ان مجازی بادشاہوں میں بھی چاہیئے یہی بات ہے کہ جس کے سبب بڑے بڑے عقل مندوں نے بادشاہ کو ظل اللہ ٹھیرایا ہے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جس طرح خداوند تعالیٰ کی بے انتہا بخشش اپنے تمام بندوں کے ساتھ ہے اُسی طرح بادشاہوں کی بخشش اور انعام اپنی ساری رعیت کے ساتھ چاہیے۔ اگرچہ ابتدا میں یہ بات خیال میں آتی ہے کہ ذرا ذرا سی بات میں انعام واکرام دینا بے فائدہ خزانے کا خالی کرنا ہے، مگر یہ بات یوں نہیں بلکہ انعام واکرام سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ رعیت کو اپنے بادشاہ کی محبت بڑھتی ہے۔ کلیہ قاعدہ ہے کہ الانسان عبید الاحسان اس لیے تمام رعیت اپنے بادشاہ کا انعام واکرام دیکھ کر خواہ نخواہ دلی محبت پیدا کرتی ہے اور اچھی اچھی خدمت گزاریوں اور خیر خواہیوں کا حوصلہ رکھتی ہے۔ تاریخ کی کتابوں سے ظاہر ہے کہ اگلی عملداریوں میں یہ بات بہت رائج تھی، ہر ہر طرح سے انعام واکرام رعایا کو اور سرداروں کو ملتا تھا۔ بڑے بڑے قیمتی خلعت اور عمدہ عمدہ تحفے اور نقد روپیہ اور زمین جاگیر انعام میں ملتی تھی، خاندانی آدمی خطاب پاتے تھے، ہم چشموں میں عزت پیدا کرتے تھے، اُن کے دل میں بڑے بڑے حوصلے آتے تھے اور ہندوستان کی رعایا اس بات کو بہت پسند کرتی تھی بلکہ صدہا سال سے اُس کے عادی ہو رہے تھے۔ ہماری گورنمنٹ نے یہ سلسلہ موقوف کر دیا تھا۔ کسی شخص کو رعیت میں سے اس قسم کے ظاہری انعام واکرام کی توقع نہیں رہی تھی اور اسی باعث سے تبدلِ عملداری کو اُن کا دل چاہتا تھا۔ یہاں تک کہ جب کبھی ایسٹ انڈیا کمپنی کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ٹھیکے ختم ہونے اور ملکۂ معظمہ کی عملداری ہونے کی خبر سنتے تو خوش ہوتے تھے۔

اگلے بادشاہوں کے عہد میں انعام واکرام دو قسم کا ہوتا تھا ایک وہ جو بادشاہ اپنی عیاشی اور ناپسندیدہ خصلتوں کے پالنے میں خرچ کرتا تھا، یہ بات درحقیقت ناپسندیدہ تھی اور ہندوستانی بھی اس کو ناپسند کرتے تھے، بلکہ پاجیوں اور غیر مستحقوں کے انعام سے ناراض ہوتے تھے۔ دوسری قسم کا انعام وہ تھا جو بادشاہ اپنے خیر خواہ نوکروں اور فتح نصیب سرداروں، اپنی رعیت کے علما اور صلحا، اور فقرا اور شعرا اور خانہ نشینوں اور بے رزقوں کو دیتا تھا۔ اس قسم کے انعام کی سب خواہش کرتے ہیں اور اسی کے نہ ہونے سے ناراض ہیں، گو ان باتوں سے رعایا کم ہمت اور آرام طلب ہو جاتی ہے اور محنت کش اور قوتِ بازو سے روٹی کمانے والی نہیں رہتی، اس لیے بادشاہ کو اس قسم کے انعام سے قطع نظر کر کر دوسری قسم کا انعام، یعنی آزادی دینا بہتر ہے تاکہ اُن کو خود روٹی کمانے کی گنجائش ملے۔ یہ بات سچ ہے، مگر یہ انعام اُس وقت جاری ہو سکتا ہے جب کہ رعایا آسودہ اور تربیت یافتہ ہو، نہ یہ کہ وحوش سیرتوں کی ناک میں سے نکیل نکال کر بے آب و دانہ جنگل میں ہانک دیں کہ خود دانہ و پانی ڈھونڈ لو۔ اُن کا انجام کیا ہوگا بجز اس کے کہ گویا مر جائیں گے یا وہی وحشیوں کی سی حرکتیں کریں گے جس سے ہماری مراد ہندوستان کی یہ سرکشی ہے۔

غصہ ایک ایسی چیز ہے کہ معاملات کی اصلیت کو آنکھ سے چھپا دیتا ہے، طبیعت انتقام اور سیاست کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے، سچ ہے کہ جو وارداتیں ہندوستان میں ۱۸۵۷ء میں پیش آئیں اسی لائق تھیں کہ ہمارے حکام کو جس قدر غصہ آئے اور جس قدر انتقام اور سیاست کریں سب بجا ہے، مگر ہندوستان کے حالات پہ غور کرنا چاہیے کہ درحقیقت کس قدر سرکشی ہندوستان میں اصلی تھی اور کیوں اس قدر بڑھ گئی اور کیوں اس قدر دکھائی دی اور بد نصیب مسلمان کیوں زیادہ مفسد بعض

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اضلاع میں دکھائی دیے! غور کرنے کی بات ہے کہ صدہا سال سے عمل داری ہندوستان میں تزلزل تھا، رعایائے ہندوستان کو یہ موروثی عادت تھی کہ جب کوئی امیر یا سردار یا بادشاہ زادہ قابو یافتہ ہوا اُس کے ساتھ ہزاروں آدمی جمع ہو گئے، اس کی نوکری کو، اُس کی طرف سے عاملی کو، اُس کی طرف سے انتظام کو کسی طرح اپنا قصور نہیں سمجھتے تھے۔ ہندوستان میں یہ ایک مثل مشہور ہے کہ نوکری پیشہ کا کیا قصور جس نے نوکر رکھا، تنخواہ دی اُس کی نوکری کی، البتہ جب سردار اٹھایا جائے اور اُس کی جگہ دوسرا سردار قائم ہو اُس کی اطاعت نہ کرنے کو قصور سمجھتے تھے۔ ہندوستان کے امیروں اور سرداروں کی عادت علی الخصوص اُن کی جو قبل عمل داری سرکار کے ہندوستان پر متسلط تھے اور جس کے سبب ہندوستان طوائف الملوک ہو رہا تھا یہی تھی کہ ملازمین سیف اور قلم سے کسی طرح مزاحمت نہ کرتے تھے۔ وہی عادت تمام ہندوستان کے لوگوں کو پڑی تھی۔ جب ہندوستان میں مفسدوں نے سر اٹھایا اور لوگوں کو نوکر رکھنا چاہا ہزارہا آدمی جو روٹی سے محتاج اور نوکریوں کے خواہش مند تھے جا کر نوکر ہوئے، سب کہتے تھے کہ ہمارا کیا قصور ہے، ہم تو نوکری پیشہ ہیں عام رعایا میں سے بہت سے لوگ اُسی اپنی قدیمی عادت سے کہ اب جو سردار ہے اُس کی اطاعت کریں ہم تو رعیت ہیں جو زبردست ہے اُس کے تابع ہیں باغیوں کے تابع ہو گئے۔ بہت سے اہلِ کارانِ سرکاری یہ سمجھے کہ باغیوں سے ظاہر داری کر کر جان بچائیں اور جب سرکار کا تسلط ہو پھر سرکار کے تابع ہوں۔ وہ بھی مجرم ہو گئے، حالانکہ کچھ شک کا مقام نہیں کہ وہ دل سے سرکار کے تابع تھے۔ اکثر لوگوں اور اہل کاروں سے دفعتہً مجبوری خواہ نادانی خواہ بہ مقتضائے بشریت کوئی بات ہو گئی، انہوں نے خیال کیا کہ اب ہمارے اس قصورِ اتفاقیہ یا مجبورانہ یا جاہلانہ سے سرکار درگزر نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے کی اور سزا دے گی۔ اس خوف اور ڈر سے لاچار باغیوں کے ساتھ جا شامل ہوئے۔ بہت سے آدمیوں نے درحقیقت کچھ نہیں کیا تھا، مگر بخوف اور بسبب اور خیالات چند در چند باغیوں میں مل گئے۔ بہت لوگوں نے اس زمانے میں وہ باتیں کیں جن باتوں کو وہ لوگ اپنے ذہن اور اپنی سمجھ میں جرم مخالف سرکار نہیں سمجھتے۔ اگر تمام ہندوستان کے حالاتِ بغاوت پر نظر کی جائے تو ہم کو یقین ہے کہ دونوں قومیں جو ہندوستان میں بستی ہیں برابر، بلکہ ایک سے زیادہ ایک اور ایک سے زیادہ ایک اس فساد میں نظر پڑیں گی اور اُس کے اثبات پر تمام حالات ہندوستان کے گواہ موجود ہیں، مگر جن اضلاع میں مسلمان زیادہ تر مفسد دکھائی دیے اس کا سبب صرف یہی نہیں خیال کرنا چاہیے کہ دلّی کی سلطنت پر مسلمان بادشاہ نے دعویٰ کیا تھا اور درحقیقت مسلمان اسی قدر مفسد ہوئے تھے جیسا کہ نظر پڑے نہیں حکام کا مزاج دفعتاً ان باتوں سے جو ظاہر میں مسلمانوں سے ہوئیں ناراض ہو گیا۔ اُن کے مخالفین کو بڑی گنجائش ہو گئی خود غرضانہ باتیں پیش کرنے کو تھوڑی بات کو بہت بڑھا کر کہا، اِدھر حکام کو زیادہ ناراضی ہوئی اُدھر مسلمانوں کو زیادہ تر خوف اور مایوسی ہوئی اور اپنی تقدیر سے جتنے تھے اُس سے زیادہ مفسد دکھائی دیے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ پانچویں قسم کی بغاوت مسلمانوں میں بہت تھی اور وہ تبدلِ عملداری کے خیال سے بہت خوش ہوتے تھے جس کا سبب ہر ایک مقام پر ہم بیان کرتے آئے ہیں۔ بایں ہمہ ہماری گورنمنٹ پر مخفی نہ ہوگا کہ اس حال پر بھی جانبازی کی خیرخواہیاں اس ہنگامے میں کس سے زیادہ ظہور میں آئی ہیں خدا کے آگے جس کو حقیقی بادشاہت ہے اور دنیا کے بادشاہوں کے آگے جن کو مجازی سلطنت خداوند نے عطا کی ہے سب گنہگار ہیں۔ سچ فرمایا داؤد مقدس علیہ السلام نے کہ اے خداوند اپنے بندے سے حساب نہ لے کیونکہ کوئی جاندار تیرے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضور بے گناہ ٹھیر نہیں سکتا۔ اے خدا، اپنے کامل کرم سے مجھ پر رحم کر اور اپنے رحموں کی فراوانی سے میرے گناہ مٹادے۔ مجھے میری برائی سے خوب دھو اور مجھے میرے گناہ سے پاک کر۔ آمین۔ خدا ہمیشہ ہماری ملکہ معظمہ وکٹوریا کا حافظ ہے۔ ہم بیان نہیں کرسکتے خوبی اُس پُر رحم اشتہار کی جو ہماری ملکہ معظمہ نے جاری کیا۔ بے شک ہماری ملکہ معظمہ کے سر پر خدا کا ہاتھ ہے۔ بے شک یہ پُر رحم اشتہار الہام سے جاری ہوا ہے۔ ہندوستان کا بہت قدیم قاعدہ چلا آیا ہے کہ جب دارالسلطنت پر کوئی بادشاہ خواہ ازروئے استحقاق کے اور خواہ بغیر استحقاق کے قائم ہوا سب سردار ملکوں کے اُس کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس ہنگامے میں بھی یہی ہوا کہ جب دلّی کا بادشاہ تخت پر بیٹھا اور ملکوں میں خبر پہنچی کہ دلّی کے بادشاہ نے تخت سنبھالا، سب نے بادشاہ کی طرف رجوع کی۔ جبکہ دلّی کا بادشاہ پکڑا گیا اور وہ دارالسلطنت ہماری گورنمنٹ کے قبضے میں آیا، سب کو یقین تھا کہ جملہ مفسد جنہوں نے سر اٹھایا ہے اطاعت کریں گے۔ شاید فوج باغی کے لوگ رہ جاتے۔ مگر یہ امر ظہور میں نہ آیا اس کا سبب لکھنا ہم اپنی اس رائے میں ضرور نہیں سمجھتے۔

اصل پنجم:

بدانتظامی اور بے اہتمامی فوج

ہماری گورنمنٹ کا انتظام فوج ہمیشہ قابل اعتراض کے تھا۔ فوج انگلشیہ کی کمی ہمیشہ اعتراض کی جگہ تھی، جبکہ نادرشاہ نے خراسان پر فتح پائی اور ایران، افغانستان دو مختلف ملک اس کے قبضے میں آئے، اُس نے برابر کی دو فوجیں آراستہ کیں۔ ایک ایرانی قزلباشی، دوسری افغانی۔ جب ایرانی فوج کچھ عدول حکمی کا ارادہ کرتی تو قزلباشی اُس کے تدارک کو موجود ہوتی۔ ہماری گورنمنٹ نے یہ کام ہندوستان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نہیں کیا۔ ہم نے مانا کہ ہندوستانی فوج سرکار کی بڑی تابعدار اور خیر خواہ اور جاں نثار تھی، مگر یہ کہاں سے عہد ہوگیا تھا کہ کبھی اس فوج کے خلاف مرضی حکم نہ ہوگا اور کسی حکم سے یہ فوج آزردہ خاطر نہ ہوگی؟ پھر درصورت ناراض ہو جانے اس فوج کے جیسا کہ ہوا کیا راہ رکھی تھی ہماری گورنمنٹ نے جس سے اُس تمردی کا رفع دفع فی الفور ہو سکتا۔

یہ بات سچ ہے کہ ہماری گورنمنٹ نے ہندو مسلمان دونوں قوموں کو جو آپس میں مخالف ہیں نوکر رکھا تھا، مگر بسبب مخلوط ہو جانے ان دونوں قوموں کے ہر ایک پلٹن میں یہ تفرقہ نہ رہا تھا، ظاہر ہے کہ ایک پلٹن کے جتنے نوکر ہیں اُن میں بسبب ایک جا رہنے کے اور ایک لڑی میں مرتب ہونے کے آپس میں اتحاد اور ارتباط برادرانہ ہو جاتا تھا۔ ایک پلٹن کے سپاہی اپنے آپ کو ایک برادری سمجھتے تھے اور اسی سبب سے ہندو مسلمان کی تمیز نہ تھی۔ دونوں قومیں آپس میں اپنے آپ کو بھائی سمجھتی تھیں۔ اُس پلٹن کے آدمی جو کچھ کرتے تھے سب اُس میں شریک ہو جاتے تھے۔ ایک دوسرے کا حامی اور مددگار ہو جاتا تھا۔ اگر انہیں دونوں قوموں کی پلٹنیں اس طرح پر آراستہ ہوتیں کہ ایک پلٹن نری ہندوؤں کی ہوتی جس میں کوئی مسلمان نہ ہوتا اور ایک پلٹن نری مسلمانوں کی ہوتی جس میں کوئی ہندو نہ ہوتا، تو یہ آپس کا اتحاد اور برادری نہ ہونے پاتی اور وہی تفرقہ قائم رہتا اور میں خیال کرتا ہوں کہ شاید مسلمان پلٹنوں کو کارتوس جدید کاٹنے میں بھی کچھ عذر نہ ہوتا۔

فوج انگلشیہ کے کم ہونے سے رعایا کو بھی جو کچھ خوف تھا وہ صرف ہندوستانی ہی فوج کا تھا، علاوہ اس کے ہندوستانی فوج کو بھی بے انتہا غرور تھا وہ اپنے سوا کسی کو نہیں دیکھتے تھے۔ فوج انگلشیہ کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے تھے۔ تمام ہندوستان کی فتوحات صرف اپنی تلوار کے زور سے جانتے تھے۔ اُن کا یہ قول تھا کہ ہم سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لے کر کابل تک ہم نے سرکار کو فتح کر دیا ہے، علی الخصوص پنجاب کے فتح کے بعد ہندوستانی فوج کا غرور بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ اب ان کے غرور نے یہاں تک نوبت پہنچائی تھی کہ ادنی ادنی بات پر تکرار کرنے پر مستعد تھے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ فوج کے غرور اور تکبر کی یہاں تک نوبت پہنچی تھی کہ کچھ بہت سخت سزا دی گئی جس کو ہر ایک عقل مند بہت برا اور ناپسند جانتا ہے، اس سزا کا رنج جو کچھ فوج کے دل پر گزرا بیان سے باہر ہے۔ وہ اپنے تمغوں کو یاد کرتے تھے اور بجائے اس کے بیڑیوں اور ہتھکڑیوں کو پہنے ہوئے دیکھ کر روتے تھے۔ وہ اپنی وفاداریوں کا خیال کرتے تھے اور پھر اس کے صلے میں جو ان کو انعام ملا تھا، دیکھتے تھے اور علاوہ اُس کے اُن کا بے انتہا غرور جو اُن کے سر میں تھا اور جس کے سبب وہ اپنے تئیں ایک بہت ہی بڑا سمجھتے تھے اُن کو زیادہ رنج دیتا تھا۔ پھر سب فوج مقیم میرٹھ کو یقین ہو گیا کہ یا ہم کو کارتوس کاٹنا پڑے گا، یا یہی دن نصیب ہو گا۔ اُسی رنج اور غصے کی حالت میں دسویں مئی کو فوج سے وہ حرکت سرزد ہوئی کہ شاید اس کی نظیر بھی کسی تاریخ میں نہیں ملنے کی۔ اُس فوج کو کیا چارہ رہا تھا اس حرکت کے بعد بجز اس کے کہ جہاں تک ہو سکے مفسدے پورے کرے۔

جہاں جہاں فوج میں یہ خبر پہنچی تمام فوج زیادہ تر رنجیدہ ہوئی۔ میرٹھ کی فوج سے جو حرکت ہوئی تھی اُس سے تمام ہندوستانی فوج نے یقین جان لیا تھا کہ اب سرکار کو ہندوستانی فوج کا اعتبار نہ رہا۔ سرکار وقت پا کر سب کو سزا دے گی اور اس میں سے تمام فوج کو اپنے افسروں کے فعل اور قول کا اعتبار اور اعتماد نہ تھا۔ سب آپس میں کہتے تھے کہ اس وقت تو یہ ایسی باتیں ہیں۔ جب وقت نکل جائے گا تو یہ سب آنکھیں بدل لیں گے۔ میں بہت معتبر بات کہتا ہوں کہ دلی میں جو فوج باغی جمع تھی اُس میں سے ہزاروں آدمیوں کو اس بے جا حرکت اور بے فائدہ بغاوت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کارنج تھا۔ وہ روتے تھے اور کہتے تھے کہ ہماری قسمت نے یہ کام ہم سے کرایا۔ پھر بہت افسوس سے کہتے تھے کہ اگر ہم نہ کرتے تو کیا کرتے با ایک نہ ایک دن سرکار ہم کو تباہ کر دیتی کیونکہ سرکار کو اب ہندوستانی فوج پر اعتماد نہیں رہا تھا۔ قابو کا وقت جب پاتے ہم کو تباہ کر دیتے۔ ابتدائے غدر میں جب ہنٹرن پر فوج کشی کا ارادہ ہوا ہے ہنوز فوج روانہ نہ ہوئی تھی کہ بعضے آدمیوں کی صاف رائے تھی کہ جس وقت دلی پر فوج سے لڑائی شروع ہوئی بلاشبہ تمام ہندوستانی فوج بگڑ جائے گی، چنانچہ یہی ہوا۔ سبب اس کا یہی تھا کہ فوج سے لڑائی شروع ہونے کے بعد ممکن نہ تھا کہ باقی فوج سرکار سے مطمئن رہتی۔ وہ ضرور سمجھتی تھی کہ جب ہمارے بھائی بندوں کو مارلیں گے تب ہم پر متوجہ ہوں گے۔ اس سے سب نے فساد پر کمر باندھ لی اور بگڑتے گئے، جن کے دل میں کچھ فساد نہ تھا وہ بھی بسبب شامل ہونے فوج کے اُس جتھے سے الگ نہ ہو سکے۔ ہندوستانی رعایا جانتی تھی کہ سرکار کے پاس جو کچھ ہے وہ ہندوستانی فوج ہے، جب تمام کا بگڑنا مشہور ہو گیا سب نے سر اٹھایا۔ عملداری کا ڈر دلوں سے جاتا رہا اور سب جگہ فساد برپا ہو گیا۔

اب ہماری اس رائے کو پنجاب کے حالات پر تولو۔ پنجاب کے مسلمان بہت ستم رسیدہ تھے۔ سکھوں کے ہاتھ سے سرکاری عملداری سے اُن کا چنداں نقصان نہ ہوا تھا۔ سرکار نے پنجاب میں ابتدائے عملداری میں بہت تشدد کیا تھا۔ اب دن بدن رفاہ کرتی جاتی تھی۔ برخلاف ہندوستان کے کہ یہاں بالعکس تھا، ابتدائے عملداری میں تمام ملک کے ہتھیار لے لیے گئے، کسی کو قابو فساد کا نہ رہا تھا۔ اگرچہ وہ تمول سکھوں کو جو پہلے تھا نہ رہا تھا، مگر اُن کا کمایا ہوا روپیہ جو ان کے پاس جمع تھا ابھی خرچ نہ ہو چکا تھا اور وہ مفلسی جو ہندوستان میں تھی وہاں ابھی نہیں آئی تھی۔ اس کے سوا تین سبب اور بہت قوی تھے جو پنجاب نہ بگڑا۔ اوّل یہ کہ فوج انگلشیہ وہاں موجود

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی، دوسرے یہ کہ وہاں کے حکام کی ہوشیاری سے دفعتاً بے خبری میں ہندوستانی فوج کے ہتھیار لے لیے گئے۔ بسبب طغیانی اور کثرت سے واقع ہونے دریاؤں اور بند ہو جانے گھاٹوں کے ہندوستانی فوج بے قابو ہو گئی، فوج کا فساد برپا نہ ہو سکا۔ تیسرے یہ کہ تمام سکھ اور پنجابی پٹھان جن سے احتمالِ فساد تھا سرکار میں نوکر ہو گئے تھے اور لوٹ کا لالچ اس پر مزید تھا جو بات رعایائے ہندوستان اور روزگار پیشہ کو باغیوں کے ہاں بمشکل اور بذلّت حاصل ہوتی تھی وہ اہلِ پنجاب کو سرکار کے ہاں بعزت و بلا دقت نصیب تھی۔ پھر حالات پنجاب کے ہندوستان کے حالات کے بالکل مخالف تھے۔"

(اسبابِ بغاوتِ ہند کا اقتباس ختم ہوا)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب دہم

نیا دور، نیا نظام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیا دور نیا نظام

کمپنی کے کارفرماؤں نے ولایت میں بھاگ دوڑ کی کہ حکومت کی باگ انہی کے ہاتھ میں رہنے دی جائے، مگر وزرائے برطانیہ نہ مانے اور اگست ۱۸۵۸ء میں ہندوستان کے بہتر نظم و نسق کا قانون" پارلیمنٹ سے منظور کرا لیا جس کی رو سے ممالکِ ہند کی عنانِ حکومت براہِ راست برطانی وزارت کے ہاتھ میں منتقل ہوئی۔ مجلسِ وزرا میں ایک وزیرِ ہند کا اضافہ کیا گیا۔ سرکاری مجلسِ نظامات کی بجائے "مجلسِ ہند" (انڈیا کونسل) قائم ہوئی کہ وزیرِ ہند کو ملکی امور میں مشورہ دے۔ ہندوستان کے حاکمِ اعلیٰ (گورنر جنرل) کے خطاب میں "نائبِ شاہ" (وائس روے) کا لفظ بڑھا دیا گیا۔ یہ نائب شاہ عموماً پانچ سال کے لیے ہندوستان کے حاکم بنا کر ولایت سے بھیجے جاتے اور اصولاً وہاں کے زمرۂ امرا سے (یعنی "لارڈ" وغیرہ) ہوا کرتے تھے۔ شاہانِ انگلستان کشورِ ہندوستان کے فرمانروا قرار پائے اور کوئی بیس برس بعد یہ شاہی "شہنشاہی" یا "قیصریت" کے پُرشکوہ لقب سے بدل دی گئی۔ (جنوری ۱۸۷۷ء م ۱۲۹۳ھ) آزادیٔ پاکستان و ہند کے اعلان (۱۹۴۷ء) تک ان انگریز بادشاہوں کے نام اور جلوس کے سال یہ تھے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) ملکہ وکٹوریہ[1]

۱۸۵۸ء تا ۱۹۰۱ء

|

(۲) ایڈورڈ ہفتم

۱۹۰۱ء تا ۱۹۱۰ء

|

(۳) جورج پنجم

۱۹۱۰ء تا ۱۹۳۶ء

|

(۴) ایڈورڈ ہشتم

جنوری تا دسمبر ۱۹۳۶ء

|

(۵) جورج ششم

۱۹۳۶ء تا ۱۹۵۲ء

آزادی اور تقسیمِ ہند کے تقریباً دو سال بعد بھارت نے اپنے جمہوریہ ہونے کا اعلان کیا مگر پاکستان میں جورج ششم کی بادشاہی قائم رہی۔ اس بادشاہ کا اسی سالِ رواں (۱۹۵۲ء) میں انتقال ہو گیا اور اُس کی بیٹی الزبتھ ملکہ بنائی گئی۔ پاکستان بھی تادمِ تحریر اسی نئی ملکۂ برطانیہ کے دامن سے بندھا ہوا ہے۔[2]

۱۸۵۸ء کے قانون اور نئے انتظام کی ایک سیاسی یا نفسیاتی مصلحت یہ تھی کہ انگریزوں کے

---

[1] یہ ملکہ انگلستان کے تخت پر ۱۸۳۷ء سے متمکن تھی۔

[2] قیامِ پاکستان ایک آزاد مملکت کا قیام تھا اور گورنر جنرل کی حیثیت محض علامتی تھی تاہم قرار دادِ مقاصد پاس ہونے سے اس کی وضاحت ہو گئی (۱۹۴۹ء) اور ۱۹۵۶ء کا آئین نافذ ہونے کے بعد یہ علامتی عہدہ از خود ختم ہو گیا اور ملک کا صدر مقرر ہوا۔ (ادارہ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اقتدار کا نقش، عوام اہلِ ہند کے دلوں میں اُتر جائے جن کے تصور میں حکومت کے لیے بادشاہ کا ہونا لازم تھا۔ دوسرے مُغل سلاطین سے عقیدت کا پرچھانوا باقی رہ گیا تھا، جدید اعلانِ بادشاہی کے منتر سے وہ کافور ہوا۔ شاہ پرستی کا عقیدۂ راسخہ ملکہ "وکٹوریا" کی طرف مُنعطِف ہو گیا۔ حالانکہ جہاں تک اختیارِ شاہی اور فرمان فرمائی کا تعلق ہے اس ملکۂ فاتحہ اور مفتوح و معزول ابو ظفر بہادر شاہ میں اصولاً زیادہ فرق نہ تھا۔ اپنے شاہانہ مزاج و تمکنت، کمال ہر دلعزیزی اور اقبال مندی کے باوصف وکٹوریہ امورِ سلطنت میں دخل نہ دے سکتی تھی۔ ایک وزیر کی بے تمیزی سے ناراض ہوئی تو اس کا کچھ نہ بگاڑ سکی، صرف اتنا کیا کہ ملاقات کرنی موقوف کر دی۔[1] بعد کے تخت نشینوں میں غالباً اتنی بے دماغی دکھانے کی بھی جرأت نہیں رہی۔ ایک فاضل انگریز کے بقول شاہانِ برطانیہ کے اعزاز کی نوعیت فقط ایسی رہ گئی ہے جیسے قومی جھنڈے کی عزت حُرمت کی جاتی ہے!

آئین کی قیود کے باوجود ملکہ وکٹوریہ کو ہندوستانی رعایا کے مشرقی جذبات کا ہمیشہ خیال رہتا تھا۔ انتقالِ حکومت کے اوّلین اعلان میں بھی رعایت و عنایت کے چند جُملے اسی نے اضافہ کرا دیے تھے۔ یہ اعلان یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو الٰہ آباد، نیز دوسرے صدر مقامات کے عام جلسوں میں پڑھا گیا۔ اس میں سوائے اُن کے جو انگریزوں کے قتل و غارت میں حصّہ دار تھے، اور سب کو معافی اور اپنے گھروں میں واپس آنے کی اجازت دی گئی تھی۔ ہر شخص کو مذہبی آزادی اور مساوی حقوق کا مژدہ اور یہ وعدۂ شاہانہ سنایا تھا کہ آیندہ انگریزی حکومت کا مقصد ہی یہ ہو گا کہ اہلِ ہند کی

---

[1] گلیڈ اسٹون کی وزارت میں کہتے ہیں، ایک جدید اصلاحی قانون پر ملکہ وکٹوریہ دستخط کرنے میں تامل کرتی تھی۔ بغیر شاہی دستخط کے قانون کا نفاذ نہیں ہو سکتا۔ گلیڈ اسٹون کا اصرار تھا۔ ملکہ نے بگڑ کر کہا: "تم کو معلوم بھی ہے تم کس سے بات کرتے ہو؟ میں انگلستان کی ملکہ ہوں" گلیڈ اسٹون نے جواب دیا: "حضور کو بھی علم ہے کہ آپ کس سے مخاطب ہیں؟ میں انگلستان کی قوم ہوں!"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی خوش حالی اور سود بہبود کی کوشش کرتی رہے۔

کمپنی کے سابقہ انتظامات اور عہدہ داراب ملکہ معظّمہ کے نام سے برقرار رہے' البتہ شمالی ہند کی قریب قریب ساری دیسی فوج کو نئے سرے سے مرتب کرنا پڑا۔ مختلف صوبوں کی تخصیص چھوڑ کر تمام سپاہ' انڈین آرمی' موسوم ہوئی۔ قرار پایا کہ آیندہ دیسیوں کو توپ خانے کی کوئی ذمہ داری کی خدمت نہ دی جائے' شمالی ہند میں ان کا اوسط گورہ فوج سے معمولاً دگنا اور جنوبی ہند میں سہ گنا رکھا جائے گا۔ گوروں کی تنخواہ اور دوسرے امتیازات میں کوئی فرق نہیں آیا، مگر انہیں رسماً بھی انڈین آرمی' کا جز بننا بہت ناگوار ہوا اور سولہ ہزار میں سے دس ہزار نوکری چھوڑ کر الگ ہو گئے۔[1]

غرض شمال کی دیسی اور انگریزی سبھی فوج نئی بھرتی کی گئی' مگر اس تنظیم جدید میں ہندوستانی سپاہی کہ زیادہ تر پنجاب کے اضلاع سے لیے گئے، ان کی وہ قدر و منزلت نہ رہی جو پہلے کمپنی کے فوجیوں کی ہوا کرتی تھی۔ انگریز افسر تعلیم و تہذیب اور خوش حالی میں دیسی سپاہیوں سے پہلے کی نسبت اب زیادہ اونچا درجہ رکھتے تھے۔ غدر کی فتوحات اور نئے نظام حکومت نے ملوکیت کا غرور قوی کر دیا تھا۔ جہاں تک فوج کا تعلق ہے ملکہ کے اعلان کا اثر اُلٹا نظر آیا کہ ہندی سپاہی کا رتبہ پہلے سے کچھ بڑھا نہیں بلکہ گھٹ گیا۔

نئی حکومت :

دیوانی محکموں میں اوّل اوّل انگریزوں کی برتری اور ہندیوں کا احساس کہتری زیادہ گہرا اور نمایاں ہو گیا تھا۔ غدر ۱۸۵۷ء کے دیکھنے والے گورے کی صورت دیکھ کر ڈر جاتے تھے۔ برطانی بادشاہی کے ابتدائی چالیس برس یا کہنا چاہیے کہ ملکہ وکٹوریہ کا عہدِ حکومت انگریزوں کے انتہائی اقبال و اقتدار کا زمانہ گزرا ہے جب کہ ہر ضلع کا کلکٹر وہاں کے عام و خاص کا خداوندِ نعمت ہوتا تھا، اس کے

---

[1] اوکس ہس صہ۲۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیسی نائب اور مددگار تک نوکروں کی طرح آگے پیچھے دوڑتے اور حصولِ خوشنودی کے لیے دن رات عرق ریزی کیا کرتے تھے[۱] ضلع کے رئیس و راجا، جاگیردار، ساہوکار باریابی کے آرزومند رہتے اور کبھی صاحبؐ نے خوش ہو کر بات کر لی تو مہینوں دوست احباب کو اس خوش نصیبی کی داستان سناتے تھے۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تقریباً بیس برس تک ان میں قنوط و سکوت کا عالم نظر آئے گا جیسے بہت اونچے سے گر کر کسی کی ہڈی پسلی شکستہ اور ہوش و حواس غائب ہو جاتے ہیں۔ اس مرگِ آسا غاشی کو، خارجی اسباب کے علاوہ زیادہ تر، علی گڑھ تحریک نے دور کیا۔ سیّد احمد خاں نے ۱۸۷۵ء میں مدرسۃ العلوم کی بنا ڈالی۔ ایک قوی الاثر لخلخہ وہ تھا جو بے ہوش قوم کو حالی مرحوم نے سنگھایا۔ (مسدسِ مدّ و جزرِ اسلام ۱۸۷۹ء) اس تحریک پر ہم اگلے باب میں بحث اٹھائیں گے۔ پہلے انگریزوں کے اصولِ حکمرانی اور ملکی آئین پر تبصرہ کرنا ضروری ہے کہ ان کے نافذ ہونے سے اہلِ ہند کے سیاسی افکار میں عظیم تغیر پیدا ہوا اور وہ عملی جمہوریت اور قومی حکومت کے آداب و ضوابط سے روشناس ہوئے۔

اس کتاب کی پہلی جلد میں ہم نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی ابتدائی ترک شاہی جمہوریت کے عناصر سے خالی نہ تھی۔ موروثیت کی طرف ضرور میلان تھا اور بادشاہ کے انتخاب میں عوام دخل نہ رکھتے تھے، تاہم یہی واقعہ کہ دو سو برس میں چار مختلف خانوادے تخت و تاج کے وارث ہوئے اور التمش و بلبن جیسے نامی بادشاہ غلامی کی صفوں سے نکل کر مسندِ فرمانروائی تک پہنچ گئے، بجائے خود اس بات کا ثبوت ہے کہ عام افراد کو اقتدار کے شہ نشین پر چڑھنے کا موقع

---

[۱] مولوی ڈپٹی نذیر احمد مرحوم نے "ابن الوقت" کے قصے میں ایک دیسی ڈپٹی کلکٹر کی کلکٹر صاحب سے ملاقات کی بولتی چالتی تصویر تیار کی ہے۔ ظرافت کی رنگ آمیزی کے باوجود، یہ اُس دور کی بہت اچھی یادگار ہے۔ اُردو تحریروں سے قطع نظر، ہم عصر انگریزی ادبیات میں جا بجا اہلِ ہند کی پستی اور غلامی کے اشارات مل سکتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا اور صاحبانِ عزم اس موقع سے فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ سلاطینِ تیموریہ کے عہد میں یہ زینہ اُٹھ گیا۔ بادشاہی ایک خاندان کی جاگیر بن گئی۔ اہلِ ملک اپنے وطن میں ایسے رہ گئے جیسے بیگانہ کرایہ دار مالکوں کی اجازت سے کسی مکان میں بس جاتا ہے۔

اس ہمہ گیر شخصی بادشاہی کے مقابلے میں انگریزوں کی حکومت شروع سے "اشتراکیت" پر مبنی تھی۔ کمپنی والوں نے ملک و مال کو دھڑی دھڑی کر کے لوٹا اور بے قاعدہ اور باقاعدہ زرستانی میں پہلے ملوک و امراء سے کہیں زیادہ حریص و ظالم ثابت ہوئے[1] بایں ہمہ وہ بہت سے حصہ داروں کی تجارتی "شرکت" تھی۔ اس کے کام شوریٰ سے انجام پاتے تھے۔ اس کے حکام یورپ سے یہ عقیدہ لے کر آتے تھے کہ ملک اہلِ ملک ہی کی ملکیت ہونا چاہیے اور عام رعایا کو انتظامِ سلطنت میں کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ملنا چاہیے۔

ملکی مقبوضات کے حصول کے ساتھ برطانی حکومت بھی کمپنی کے اختیارات میں مداخلت کرنے لگی تھی۔ یہ حکومت رعایا کی نیابت اور جمہوری اصول پر مبنی تھی۔ اسے لامحالہ عام لوگوں کے سیاسی حقوق کا گزشتہ بادشاہوں اور اُن کے عمّال کی نسبت زیادہ پاس و احساس تھا۔ ۱۷۷۳ء اور ۱۷۸۴ء میں پارلیمنٹ نے کمپنی کی سیاسی رہنمائی کے لیے نئے قانون مرتب کیے۔ اُن کے شاندار بنیادی اصول پر عمل نہیں ہوا۔ جس کا کسی پچھلے باب میں ذکر آچکا ہے مگر ۱۸۳۳ء میں جو قانون منظور ہوا اس نے کمپنی کی تجارتی اجارہ داری کا خاتمہ کر کے اسے عملاً برطانی حکومت کا ایک ماتحت عملہ بنا دیا۔

---

[1] کمپنی اور پھر انگریزوں کی شاہی حکومت نے اپنے تجارتی فوائد کے لیے جو زیادتیاں کیں اور ہندوستان کی صنعت و تجارت کو جس طرح زبردستی برباد کیا اس کی تفصیلی روداد ولیم ڈِگ بی، دادا بھائی نوروجی، آرسی دت وغیرہ مشہور مصنفین کی کتابوں میں درج ہے جن میں انگریزوں کی ظالمانہ زرکشی اور ہندوستان کے روز افزوں افلاس کی شہادتیں خود سرکاری بیانات اور مسلمہ واقعات سے فراہم کی گئی ہیں۔ یہ کلنگ کے ٹیکے برطانی قوم کی پیشانی سے شاید کبھی نہ چھوٹ سکیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تجارت کے حصہ داروں کو معاوضہ دے کر بے دخل کر دیا۔ اسی کے ساتھ صدر والی کو' باجلاسِ کونسل' مقبوضاتِ ہند کے لیے قانون وضوابط وضع کرنے کا اختیار دیا۔ والی کا تقرر وزیرِ اعظم برطانیہ کرتا تھا اور مجلسِ شوریٰ کے چار ارکان وہ بھی فقط انگریز ہوا کرتے تھے۔ اگرچہ اس قانون کی دفعہ ۸۷ میں بڑے زور سے اعلان کیا گیا تھا کہ ہندوستان کا کوئی باشندہ محض رنگ ونسل یا مذہب وملت کی وجہ سے کمپنی کے کسی بڑے سے بڑے عہدے کے ناقابل نہیں سمجھا جائے گا۔ ۱۸۵۸ء کے اعلانِ شاہی میں اسی وعدے کی تجدید کی گئی، لیکن وی اسمتھ جیسا برطانی ملوکیت کا پرستار بھی یہ اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکا کہ ان مواعید پر عمل کرنے میں اتنی تاخیر و تدریج سے کام لیا گیا کہ بے صبر حق طلبوں کا کبھی اطمینان نہ ہو سکا۔[1]

یورپ میں سیاسی تصورات کے جمہوری ارتقا کے علاوہ ایک اور نفسیاتی سبب تاریخِ ہند کے نباض تشخیص کرتے ہیں کہ وہ برطانی ملوکیت کے دل کا چور تھا اور انگریزوں کے منتظر دربار شاہی میں برابر کچھ کھٹکا دینا رہا بلکہ ایک حد تک اُسی نے انہیں اس طرح ہندوستان چھوڑنے پر تیار کیا جس کی کسی کو توقع نہ ہو سکتی تھی۔ یہ سبب اُن کے قبضے کی نوعیت ہے کہ جنگی فتوحات سے بالکل جداگانہ تھی۔ ان کے سیاسی مکروفریب اور قابو طلبی سے بڑھ کر خود اہلِ ہند کا تعاون انگریزی فتح میں حصہ دار ہوا تھا۔ اس حقیقت کو شاید سب سے پہلے تفصیل وتحقیق کے وثوق کے ساتھ پروفیسر سیلی نے مُبرہن کیا اور صاف صاف لکھ دیا کہ انگریزوں کے قبضے کو فتح سے تعبیر کرنا غلط ہے۔ اسے اہلِ ہند کے اندرونی انقلاب کا نتیجہ سمجھنا چاہیے اور کہنا چاہیے کہ ہند کو خود اہلِ ہند نے انگریزوں کے لیے فتح کیا، کیونکہ سارے دورِ کشورستانی میں کمپنی بہادر کو انگلستان سے کوئی بڑی فوج لانی نہیں پڑی۔ کوئی بڑا خرچ گرہ سے اٹھانا نہیں پڑا ـــــ" عام بدنظمی اور انتشار کے زمانے میں جبکہ کہیں کوئی صوبیدار، کہیں کوئی فوجی سردار حکومت وریاست حاصل کرنے کی تگ ودو کر رہا تھا،

---

[1] اوکسفرڈ ہسٹری، صفحہ ۶۷۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلے فرانسیسی پھر انگریز تاجر بھی اس دوڑ میں شریک ہو گئے اور کسی باجی راؤ یا حیدر علی کی طرح انہوں نے یہیں کے اجیر سپاہیوں کی مدد سے اقتدار کی بازی جیت لی۔ اُن کی کامیابی کچھ عجیب نہ تھی کیونکہ وہ کم سے کم ایک متحد جماعت تھی اور بوقتِ ضرورت اپنے وطن (انگلستان) سے بھی کچھ نہ کچھ امداد حاصل کر لیتی تھی ......[۱]

ابتدائی مجالسِ وضعِ قوانین :

انتقالِ حکومت اور شاہی اعلان کے نقارے سُن کر لامحالہ اہلِ ہند کے کان کھڑے ہوئے جو لوگ انگریزی پڑھ گئے تھے انہوں نے دبی زبان سے اُن "توقعات" کا اظہار کرنا شروع کیا کہ نظم و نسق میں اہلِ ملک شریک بنائے جائیں گے۔ سید صاحب کے رسالہ "اسبابِ بغاوت" میں بھی یہ پہلو کے موجود ہیں۔ انگریزوں نے غدر کے تیسرے ہی برس ایک "قانون مجالسِ ہند" وضع کیا اور نئے قانون یا ضوابط بنانے میں اہلِ ہند کی شرکت کا اصول مان لیا تھا (۱۸۶۱ء) مگر وائس رائے کی مجلسِ انتظامی میں پانچ ارکان لازماً انگریز ہوتے اور تمام نظم و نسق انہی کے ہاتھ میں تھا البتہ قانون سازی کے لیے ۶ تا ۱۲ ارکان اضافہ کرنے کا وائس رائے کو اختیار دیا گیا اور شرط لگا دی گئی کہ ان میں کم سے کم آدھے غیر سرکاری ہوں گے اگرچہ اُن کی رکنیت میں انتخاب کا دخل نہ تھا، نامزد کر دیے جاتے تھے۔ بڑے صوبوں میں بھی صوبائی مجلسیں قائم کی گئیں مگر اختیارات اس قدر محدود تھے کہ اُن کے ارکان چھوٹے لاٹ صاحب کے مصاحب معلوم ہوتے تھے۔ کونسل کے جلسوں میں

---

[۱] ملاحظہ ہو ایکس پینشن آف انگلینڈ ج ۲ ص ۲۱۹ و ص ۲۲۰ و مابعد وغیرہ۔ دوسری جلد میں زیادہ تر ہندوستان کی تاریخ سے بحث آتی ہے۔ اس کا تیسرا درس (دیکھو) خاص طور پر لائق مطالعہ ہے۔ مصنف کیمرج میں تاریخ کا استاد تھا اور اسی کتاب کی تالیف (۱۸۸۳ء) پر اسے "سر" کا خطاب ملا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اکثر سیر و شکار کے موضوع پر گفتگو ہونے لگتی تھی۔

شہروں میں مجالس بلدیہ قائم کی گئی تھیں۔ ان میں لاٹ صاحب کی جگہ عموماً کلکٹر شمع محفل بن کر بیٹھتا۔ نامزد ارکان پروانوں کی طرح ارد گرد چکر لگاتے تھے۔ ۱۸۸۲ء میں مرکزی حکومت نے اجازت دی کہ جہاں مناسب ہو بلدیات کا میر مجلس غیر سرکاری آدمی مقرر کر دیا جائے۔ اسی کے ساتھ اضلاع کی انتظامی مجلسیں بنائی گئیں۔ ان کے اختیارات برائے نام تھے اور انتخاب کا اصول اگرچہ تسلیم کیا گیا تھا، مگر اس پر عمل کی نوبت غالباً کبھی نہ آئی۔

۱۸۹۲ء میں ایک اور قانون مجالس وضع قوانین منظور ہوا جس نے مرکز اور صوبوں کے ارکان کی تعداد میں اضافہ اور مختلف طبقات اور بلدیات سے نامزدگی کا طریقہ جاری کیا۔ برطانی حکومت انتخاب کی طرف پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہی تھی اور ادھر انگریزی تعلیم اور سیاسی آزادی کے نئے خیالات ملک میں جوش کا وہ طوفان اٹھا رہے تھے کہ زبان و قلم کی بجائے طمنچے اور بم چلنے کی نوبت آگئی تھی۔ اہلِ برطانیہ نے چارو ناچار ہندوستان کے لوگوں کو انتخاب کا حق دیا۔ ۱۹۰۹ء میں جبکہ مشہور انگریز ادیب جون مورلے ہندوستان کے وزیر تھے، "منٹو مورلے اصلاحات" کا نفاذ ہوا۔ قانون ساز مجالس کی توسیع کی گئی اور صوبوں میں انتخابی ارکان کی اکثریت منظور کر لی گئی۔ پھر بھی مرکز میں سرکاری اور نامزد ارکان زیادہ تھے اور انتظامی امور میں مجلس کو سفارش کرنے سے زیادہ اختیار نہیں دیا تھا۔ حلقہ ہائے انتخاب محدود رکھے تھے۔ بایں ہمہ ان اصلاحات نے جمہوری طرزِ حکومت کی نیو رکھ دی اور مسلمانوں کا جداگانہ حقِ انتخاب دینا بات تسلیم کر لیا، گویا سرزمینِ ہند میں دو قومی نظریے کا اصول سرکاری طور پر مان لیا گیا۔ ہم اس کے مالہٗ و ماعلیہ پر سیاسی تحریکات کی سرگزشت میں آئندہ بحث سنیں گے۔ زیرِ نظر موضوع کا خاتمہ ۱۹۱۹ء کی آئینی اصلاحات پر کرنا چاہیے جو ممالکِ ہند میں جمہوری نظامِ حکومت کا پہلا خاکہ تھا:

۱۔ نئی تجاویز (۱۹۱۹ء) میں صوبائی اور مرکزی امور کی واضح حد بندی کی گئی۔ فوج، مواصلات، تجارت، محاصل درآمد برآمد اور دیسی ریاستوں سے تعلقات، یہ سب انتظام براہِ راست

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرکزی حکومت کے ہاتھ میں رہے۔ وائسرائے کی مجلس انتظامی کے سات ارکان مقرر کیے گئے۔ ہر ایک کے سپرد جداگانہ محکمے ہوئے تاکہ اُن کا عہدہ وزرائے سلطنت کے مشابہ ہو جائے اور یہ مجلس کابینہ وزارت کا نقش اوّل نظر آئے۔

۲۔ تعلیم، حفظانِ صحت، زراعت، پولیس وغیرہ مقامی محکمے صوبوں کے تفویض ہوئے۔ مرکز کا ان میں براہِ راست دخل نہیں رہا۔ دوسرے ان میں سے بعض محکمے دیسی وزیروں کے سپرد کیے گئے۔ وزیر صوبائی مجلس قانون ساز کی رائے کے تابع تھے۔ یہ صحیح معنی میں نیابتی حکومت کی ابتدا تھی، اگرچہ وہ ابھی صوبوں کے صرف چند محکموں تک محدود کر دی گئی تھی۔

۳۔ سب سے اہم جمہوری قدم یہ اٹھایا کہ جملہ مجالس کے ارکان کی تعداد بڑھانے کے ساتھ، عام انتخاب کا اصول نافذ کیا گیا۔ تقریباً پچاس لاکھ افراد کو رائے دینے اور اپنے نمائندے چُننے کا حق حاصل ہوا۔ ہندوستان کی کل آبادی اُس وقت (مردم شماری ۱۹۱۱ء) کوئی ۳۲ کروڑ لگائی جاتی تھی۔ اس حساب سے ہر ۶۴ باشندوں میں سے، ایک اس حق سے مستفید ہو سکتا تھا۔ گویا برِ عظیم کی تاریخ میں پہلی مرتبہ نیابتی حکومت کی آواز ہر محلے اور بستی میں گونجی۔ لاکھوں ہندیوں کو پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ حکومت بنانے میں وہ خود کوئی حصہ رکھتے ہیں۔ اور یہ نیا تجربہ یقیناً تازہ جوش اور فخر کا سرمایہ بنا۔

دوسری طرف انگریزوں کے حق میں نیا آئین اُن کے شاہانہ اقتدار کے خاتمے کا آغاز تھا۔ ہندوستان کے انگریز حکام نے ایسی پرخطر تجاویز کی سخت مخالفت کی۔ ولایت میں قدامت پسند گروہ پہلے تعریض و تنقید، پھر فریاد و فغاں کرتا رہا، مگر بالآخر برطانی پارلیمنٹ نے ۱۹۱۹ء میں یہ اصلاحات منظور کر لیں۔ مخالفین اس انقلابی اقدام کا الزام یہودی نژاد وزیرِ ہند (مونٹیگو) کی شرارت اور ناتجربہ کار وائسرائے (چیمز فورڈ) کی حماقت کو دیتے تھے، لیکن حقیقت میں اس تغیّر کی تہ میں بہت گہرے اور قوی اسباب کام کر رہے تھے۔

۱۹۰۴ء کی جنگ روس و جاپان میں یورپ کی عظیم ترین سلطنت نے زرد رو، پستہ قامت، بیاباں ...

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے شکست کھائی۔ اس واقعے نے تمام ایشیا میں خود اعتمادی کی نئی لہر دوڑا دی۔ یورپ کے مقبوضات میں دلیسیوں کی مزاحمت اور حصولِ آزادی کا جذبہ بیدار ہو رہا تھا۔ ہندوستان میں اندرونی خود مختاری (یا "ہوم رول") کا مطالبہ ہر تعلیم یافتہ شخص کے دل کی آرزو اور احساس کی آواز بن گیا تھا۔ اتنے میں یورپ کی جنگِ عظیم (اگست ۱۹۱۴ء) قہر و عذاب کے سیلاب کی طرح ممالکِ فرنگ پر چھا گئی۔ آگ اور فولاد کے وہی خوفناک موکل جن سے کمزور قوموں کو مغلوب و مقہور کیا تھا، خود فرنگیوں پر پلٹ پڑے۔ دُوَلِ عظمیٰ کی ہڈیاں پسلیاں ہلا دیں۔ انگریز بہت ہاتھ پاؤں بچا کے لڑتے ہیں، مگر اس عالم گیر طوفان کی لپیٹ میں آئے بغیر نہ رہے۔ انھیں سب سے زیادہ فکر ہندوستان ہی کی تھی۔ سلطنتِ عثمانیہ اُن کے دشمنوں میں جا ملی، خلیج فارس تک جرمن حریفوں کا راستہ کھل گیا۔ ایران و افغانستان میں ترک اور جرمن داعی پھیل گئے اور طرح طرح سے مسلمانوں کو ابھارا کہ انگریزوں سے انتقام کا یہ موقع نہ چھوڑیں۔

ہندوستان میں والیانِ ریاست اور سرمایہ دار طبقے نے عموماً برطانیہ کا ساتھ دیا۔ فوجوں کی بھرتی اور جنگ کے قرضوں میں ایسے جوش و خروش سے حصہ لیا کہ شاید اپنی کسی قومی جنگ میں کبھی نہ لیا تھا، حتیٰ کہ انگریز حکام تک اُن کی یہ خوشامد اور فدویت دیکھ کر حیران رہ گئے[1]۔ مگر خاص سیاسی فرقوں کے، اور عوام اہلِ ہند کے یہ جذبات نہ تھے۔ ان میں آزادی کا فطری تقاضا کہیں کہیں خفیہ سازش کی اور جگہ جگہ علانیہ شورش کی صورت میں نمودار ہوا۔ اسے حکومت نے طاقت کے خونیں ادوات اور آہنی آلات سے دبا دیا۔ یہ واقعات اپنے مقام پر آئندہ سامنے سے گزریں گے۔ یہاں اسی قدر یاد دلانا ہے کہ گو ان پر بظاہر قابو پا لیا گیا اور یورپ کی جنگ بھی انگریزوں نے جیت لی (۱۹۱۸ء)، مگر بیزاری

---

[1] تمام تاریخوں کے علاوہ عمائد و رؤسائے ہند کی بیش قیمت امداد کا اعتراف ہمعصر سرکاری مطبوعات میں کثرت سے مذکور ہے۔ "لندن ٹائمز" کی نیم سرکاری تاریخ جنگ یورپ میں اعتراف کے ساتھ خفیف حیرت کا بھی اظہار کیا گیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی دیگ جو ہندیوں کے دلوں میں کھول رہی تھی، اُسے اُبل پڑنے سے روکنا ضروری تھا۔
مونٹیگو کی تجاویز، لائڈ جورج کی مخلوط قومی وزارت میں پیش ہوئیں۔ جنگ عظیم درپیش تھی اور انگریز خوف و اضطراب میں مبتلا تھے جبکہ وزیر ہند خود ہندوستان آیا (۱۹۱۷ء) تا کہ ہند کو بہلانے سے زیادہ اُسے انگریز حکام کو یہ بات سمجھانے میں دقت ہوئی کہ اگر اندرونی آزادی کا وعدہ نہ کیا گیا تو پھر یہاں کی شورش کو دبانا محال ہو جائے گا۔ مصلحت کی انہی مجبوریوں سے جدید اصلاحات کا نفاذ کرایا گیا (۱۹۲۱ء) اگرچہ دوربین انگریز انہیں سلطنت کی موت کا پروانہ سمجھتے تھے۔ پنجاب کے پُرجوش لفٹنٹ گورنر مائیکل اُڈوائر نے اپنی کتاب "اَور لوسٹ ڈومی نیَن" میں صاف صاف لکھ دیا تھا کہ ہندوستان ہمارے ہاتھ سے گیا ہے

اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند!

مواصلات:

نئے تمدن کا خاکہ تیار کرنے میں وہ لکیریں کچھ کم کارآمد نہ تھیں جو ہندوستان کے نقشے میں سرخ اور کنکر سے تعمیر کی سڑکیں دکھاتی ہیں۔ بنگالے سے پنجاب تک شمالی ہند کی سطح تختے کی طرح ہموار ہے۔ یہاں بہت سی سیدھی اور طویل شاہراہیں انگریزوں کو مغلوں سے میراث میں ملیں۔ ان میں سب سے مشہور "شیر شاہی سڑک" کہلاتی ہے کہ سلاطین تیموریہ کے دور امن و فراغت میں اور زیادہ آباد و بارونق ہو گئی تھی۔ دارالخلافہ اکبرآباد و دہلی سے ممالکِ ہند کے ہر بڑے شہر تک مغل بادشاہوں نے راستے بنوائے یا درست اور کشادہ کرائے تھے۔ دو دو تین تین میل تک سرائیں تعمیر ہوئیں۔ اکثر ندی نالوں کے پُل باندھے گئے۔ ڈاک چوکی کا باقاعدہ انتظام ہوا جس کا حال ہم تاریخ کی پہلی جلد میں سن چکے ہیں۔ بایں ہمہ یہ سڑکیں کچی تھیں۔ جاڑے گرمی میں گرد و غبار سے اور برسات میں کیچڑ پانی کے باعث راستہ چلنا دوبھر ہو جاتا تھا۔ بنگالے اور مالوے گجرات میں ایسی بستیوں کا ذکر آتا ہے جہاں کثرتِ باراں سے آمد و رفت رک رہتی تھی۔ شرق کے پایاب علاقوں میں پختہ پشتے بنائے جاتے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے شہروں میں کہیں کہیں ان گھڑ پتھر بچھا دیے گئے تھے، لیکن روڑی کنکر کی کُٹی ہوئی سڑکیں انگریزی حکام کی ہنرمندی کا کارنامہ ہے۔ ترقی کا یہ راستہ فوجی ضرورتوں نے دکھایا تھا اور اوّل اوّل محکمۂ فوج انہیں تعمیر کرتا تھا، چنانچہ ہمارے زمانے تک اکثر سڑکیں "جرنیلی" کہلاتی رہیں۔ ان کی تعمیر کا آغاز انیسویں صدی کے اوائل میں ہوا اور کمپنی دور کے اواخر تک قریب قریب ہر صوبے اور گوشے میں ان کی شاخیں پھیل گئیں۔ تعمیراتِ عامّہ کا جداگانہ، بڑا محکمہ بن گیا۔

پکی سڑکوں سے بھی زیادہ نئی چیز اور جدید تمدن کی عجیب اور پُرشور نقیبِ دُخانی گاڑی کو سمجھنا چاہیے جس کا وسطِ صدی میں قدم آیا۔[1] پہلی ریل بمبئی سے تھانہ اور پھر کلکتہ سے رانی گنج تک، ۱۸۵۳ء میں جاری ہوئی۔ صدی کے ختم ہونے سے پیشتر ہی اس کا سلسلہ تمام بڑے بڑے شہروں تک وسیع ہو گیا۔ سندھ و بنگال، پنجاب و مدراس، بمبئی تا آسام ایک عظیم آہنی تار میں پرو لیے گئے۔ چند روز میں ہزاروں میل کا سفر طے ہونے لگا جو قبل ازیں دیو پری یا روحانی طاقت والوں ہی کا کام بتایا جاتا تھا۔

برقی تار بھی اوّل اوّل ڈلہوزی نے، ریلوں سے آگے تک دوڑائے اور برقی انجینئر نہ مل سکا تو علمِ کیمیا کے ایک اُستاد سے یہ کام لیا جو کام لینے والے کی مستعدی اور قوتِ ارادی کا ثبوت ہے۔[2]

---

[1] ابتدائی ساخت کے انجن سیٹی کی بجائے کرخت اور کریہہ چنگھاڑ مارا کرتے تھے۔ مذہبی مذاق کے لوگوں نے فرنگیوں کو "مسیح دجال" قرار دیا تھا، غالباً اسی سے بذلہ سنجوں کو ریل کے انجن پر خرِ دجال کی پھبتی سوجھی۔

[2] یہ پروفیسر آئرستان کا رہنے والا تھا۔ ہندوستان کے فوجی اور دیوانی حکام اس کے دشمن ہو گئے تھے۔ ان کی حاسدانہ کارستانیاں دفتری ذہنیت کا دلچسپ مرقع پیش کرتی ہیں۔

ملاحظہ ہو مارش مین کی تاریخ۔ ۲۔ نیز ہنٹر کی کتاب ڈلہوزی کی سیرت پر (رولرز آف انڈیا سیریز)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی سلسلے میں اُس کی یہ اصلاح احسان ماننے کے لائق ہے کہ سارے ہندوستان میں ترسیلِ خطوط کا سستا انتظام کیا اور بعید ترین شہروں میں دو پیسے کا لفافہ ڈاک چوکی کے ذریعے آنے جانے لگا۔

سڑکیں اور بعد میں ریلیں' دفاعی اغراض کے لیے بنائی گئی تھیں مگر شروع سے تجارتی مفاد پیشِ نظر تھے۔ ولایت کی تجارت میں ہر سویز کے جاری ہو جانے سے (۱۸۶۹ء) حیرت انگیز ترقی ہوئی۔ اس کا اندازہ یوں کیجیے کہ ۱۸۳۴ء تک برطانیہ (یا یورپ) سے اشیائے درآمد کی مالیت کا سالانہ اوسط پانچ کروڑ روپے بھی نہ تھا۔ صدی کے ختم تک دو ارب سالانہ سے زیادہ بڑھ گیا![1]
لیکن سچ پوچھیے تو فرنگستان کے وہ ذہنی اور تمدنی میوے جو اس جناتی گاڑی نے ہندوستان کے بعید ترین اقطاع و بلاد میں پہنچائے، قدر و قیمت میں اندازے سے باہر تھے۔ وہ ایک قوتِ وسیلۃ الوسائل تھی جس نے یہاں کی شہری آبادی کو ایشیائی قدامت کی دلدل سے گھسیٹ کر عصرِ جدید کے دھارے پر ڈال دیا۔

اسی ضمن میں یہ لکھنا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ اتنی بڑی تیز رَو' طاقت ور بھاپ سے چلنے والی گاڑی نے عوام' خصوصاً جاہل دیہاتیوں میں انگریزوں کی مافوق العادت قوت کا ایسا نقش بٹھایا جو شاید اور کسی طرح قائم ہونا ممکن نہ تھا۔ سادہ دل ہندو خیال کرتے تھے کہ خود اگنی دیوتا گوروں کے قابو میں آ گئے ہیں۔ شروع میں کہیں کہیں انجن کی پوجا کی جایا کرتی تھی۔ نئے علاقے میں ریل نکلنے سے ہفتوں حیرت اور مسرت کے چرچے ہوتے۔ گاؤں گاؤں سے عورت و مرد "دھنواں گاڑی" دیکھنے آتے اور پہلی دفعہ اس میں سوار ہونا، اپنی زندگی کا یادگار واقعہ سمجھتے تھے۔ "اونچی جاتیوں" کی نظر میں ریل کی سواری کا ایک ناگوار پہلو یہ تھا کہ ایک ہی گاڑی میں ٹکٹ دے

---

[1] "فنانشل اینڈ کمرشل اسٹیٹکس" مطبوعہ ۱۹۰۰ء۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر ہر کوئی سوار ہو سکتا تھا۔ بامن، کھتری، جنگی، چمار کی تخصیص نہ تھی[1] البتہ گورے کالے کا نیا امتیاز ریلوں میں بھی نظر آتا تھا کہ مدت دراز تک اول درجے کے ڈبے اصیل اور دوغلے فرنگیوں کے لیے مخصوص کیے جاتے تھے۔ گویا تقدیر کے محتسب نے جات پات کی ظالمانہ تفریق کا اہلِ ہند سے انتقام لیا، جس کا سلسلہ جنوبی افریقہ کے ملکوں میں ہمارے زمانے تک چلا جاتا ہے۔

ابتداءً ریلیں ولایت کے تاجروں نے جاری کی تھیں۔ حکومت کی امداد و سرپرستی ان کے نفع کی ضامن تھی، لیکن ایک بڑی لائن کی تیاری، ہزاروں آہنی گاڑیاں، بیسیوں انجن۔ انہیں کیل کانٹے سے درست رکھنا، سدہا اسٹیشن، کثیر عملہ جن کے افراد کی مجموعی تعداد لاکھوں تک پہنچ جاتی تھی۔ کروڑہا روپے کی آمد و خرچ، پھر گھنٹے اور منٹ کی پابندی سے ریلوں کا آنا جانا، یہ سب باتیں بجائے خود ایک سلطنت کے انتظام سے دشواری اور ذمہ داری میں کم نہ تھیں۔ انہی کو دیکھ کر اہلِ نظر اندازہ کر سکتے تھے کہ یورپ میں اجتماعی تنظیم کی قابلیت اور تجارت کی اولوالعزمی کیسی حیرت انگیز ترقی کر گئی ہے۔

ملکی انتظامات:

برطانی دور میں صوبائی تقسیم کسی دیرپا اصول کی پابند نہیں رہی۔ انتظامی اور سیاسی مصلحتیں مختلف اوقات میں ردوبدل کا باعث ہوئیں۔ پرانے بڑے صوبوں میں مدراس اور صوبہ متحدہ (اودھ آگرہ) میں آخر تک زیادہ فرق نہیں پڑا اور ابھی تک بھارت میں ان کی وہی عہدِ وکٹوریہ کی حدود موجود ہیں۔ بنگال کا وسیع مجموعہ ممالک پہلے مشرقی اور مغربی صوبے میں تقسیم کیا گیا تھا۔

---

[1] ایک مقبول عام گیت اس بارے میں اہلِ ہند کے جذبات کی ترجمانی کرتا تھا:

پیسے کا لوبھی فرنگیا دھنوئیں کی گاڑی اڑائے لیے جائے

جات نہ پوچھے برات نہ پوچھے سب کو برابر بٹھائے لیے جائے!

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱۹۰۵ء) مگر ہندو بنگالیوں نے وہ اودھم مچایا کہ سات سال بعد ہی اسے بدل کر بہار و اڑلیسہ کا نیا صوبہ بنانا پڑا جس کی ہندو اکثریت مسلّم رہی۔ بنگال خاص میں ہندو مسلم آبادی تقریباً مساوی، بلکہ مسلمان تعداد میں بڑھ چکے تھے، لیکن تعلیم اور دولت میں اس قدر پس ماندہ تھے کہ جب تک انگریز مسلط رہے انہیں اُبھرنے کا موقع نہیں ملا۔

قریب تر زمانے میں بنگالے سے اسام اور بہار سے اڑلیسہ تراش کر دو چھوٹے صوبے جدا گانہ بنائے گئے۔ مطلب یہ تھا کہ ہندوؤں کی، جو سرحد اور سندھ میں مسلم اکثریت کے مستقل صوبے بن جانے سے برہم ہوئے تھے، تشفی کی جائے۔ حالانکہ سندھ کے بے خبر مسلمانوں پر انگریزوں نے ظلم کیا تھا کہ پہلے ہاتھ پاؤں باندھ کر بمبئی احاطے میں ڈال دیا تھا۔ اُدھر فتح پنجاب کے بعد سرحد کابل تک کے اضلاع اسی انگریزی صوبے پنجاب میں شامل کر دیے تھے۔ انہیں ۱۹۰۱ء میں علیحدہ ایک چھوٹے (شمال مغربی سرحد کے) صوبے کی حیثیت دی گئی۔ ناگ پور کی ریاست ڈلہوزی نے ضبط کی تو ایک اور چھوٹا "صوبہ متوسط" تیار ہوا جس میں کچھ "ہندوستانی" کچھ "مرہٹی" اضلاع ملا لیے تھے۔ اسے اصلی قوت اور وسعت اُس وقت حاصل ہوئی جب ملک برار دوامی پٹے کے نام سے نظام سے ہاتھ مروڑ کر چھینا اور صوبۂ مذکور میں جوڑ دیا گیا (۱۹۰۲ء)

صوبوں میں حاکم اعلیٰ (=گورنر، نائب گورنر) اصولاً تازہ ولایت انگریز مقرر کیے جاتے تھے۔ ان کے انتخاب میں اہلِ ہند کو دخل نہ تھا۔ انگریزوں کے آخر زمانے میں دو چار خوش نصیب ہندی اس عہدۂ عالی پر نامزد ہوئے، اگرچہ عموماً قائم مقام رہے۔ اور اپنے انگریز ماتحتوں کے زیر دست بن کر ہی وقت پورا کرتے تھے۔

ہر صوبہ چند قسمت (کمشنریوں) میں اور قسمت کو اضلاع میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اصلی انتظامی حاکم "صاحبِ ضلع" ہوتا تھا جس کا انگریزی عُرف کلکٹر یا ڈپٹی کمشنر ہر ہندی زبان بلکہ دماغ پر چڑھ گیا ہے۔ یہ شعبۂ ملازمت "انڈین سول سروس" موسوم تھا اور اسی کے مخفف "آئی سی ایس" میں عظمت و حکمرانی کی وہ گونج پیدا ہوئی کہ ان عہدیداروں کو اندرہ ظرافت ملاءِ اعلیٰ سے تشبیہ دینے لگے تھے۔ ایک مدت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد ہندی باشندے بھی اس بزرگ شعبے میں داخلے کے قابل قرار پائے۔ لیکن ان کے انتخاب میں بڑی احتیاط کی جاتی تھی اور ولایتی تعلیم و تربیت کی خراد پر اس طرح چھیلے جاتے تھے کہ اگر فرنگی نہ بن سکتے تو کم سے کم کالے ہندیوں سے کچھ جداگانہ چیز بن جاتے تھے اور اپنے آپ کو ہندی کہنے، سمجھنے میں عار محسوس کرتے تھے۔

صاحبان ضلع شروع میں واقعی اپنے پورے ضلعے کے مختار کل ہوتے اور وہاں کے جملہ انتظامات انہی کی نگرانی میں انجام پاتے تھے۔ مال گزاری، پولس، تعمیرات، تعلیم، حفظان صحت حتیٰ کہ ضلعے کی عدالتیں بھی اُن کے ماتحت تھیں۔ خود انہیں اوّل درجے کے فوجداری اختیارات دیے جاتے تھے۔ اُن کی کچہری ہیبت میں کسی جابر حاکم کے دربار سے کم نہ تھی۔ کبھی کبھی ان کا باقاعدہ دربار منعقد ہوتا تھا۔ اس میں ضلعے کے بڑے بڑے زمیندار، سیٹھ ساہوکار "کرسی نشینی" کو افتخار کی سند سمجھتے تھے اور اگر کسی کارگزاری یا وفاداری کی سند مرحمت ہوتی، یا رائے صاحب، خاں صاحب کا خطاب مل گیا تو وہ کئی پشت تک مباہات کا سرمایہ ہو جاتا تھا۔

صاحب دورے پر جاتے تو سارے علاقے میں ہل چل سی پڑ جاتی۔ چپراسی، سپاہی، پٹواری سے لے کر تحصیلدار اور ڈپٹی تک بھاگ دوڑ کرتے نظر آتے تھے۔ صاحب کی سربراہی کی تمام جزئیات کا اہتمام مذہبی عبادات سے بھی زیادہ سرگرمی سے کیا جاتا تھا۔ اگر صاحب کو شکار کا شوق ہے تو اس کا بڑے پیمانے پر بندوبست ہوتا تھا۔ انگریزوں نے سول سروس میں داخلے کا ایک راستہ یہ بنا رکھا تھا کہ خاندانی انگریزوں کو فوج میں سرداری کی خدمت دیتے اور وہاں سے بدل کر ڈپٹی کمشنر بنا دیتے تھے۔ ان فوجی حاکموں کو سیر شکار کی طرف زیادہ رغبت ہوتی تھی۔ ہندوستان کی عام رعایا بھی غالباً ان کے سپاہیانہ طور طریق کو زیادہ پسند کرتی تھی۔

ضلعے کی تقسیم تحصیل یا تعلقے میں کی گئی جو سابقہ محالات کے جانشین تھے۔ ہر تحصیل دو تین سو گاؤں پر مشتمل ہوتی تھی۔ اس کا حاکم تحصیلدار کہلاتا تھا اور یہ خدمت ملکی باشندوں کے تفویض کی جاتی تھی۔ وکٹوریہ کے زمانے تک فوج میں رسالداری اور دیوانی ملازمت میں تحصیلداری ہی ہندوستانیوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے بڑی عزت کی نوکری سمجھی جاتی تھی۔ تحصیلدار کو مال گزاری اور عام نگرانی کے علاوہ عدالتی اختیارات بھی دیے جاتے تھے۔ صاحبِ ضلع کے احکام دیہات میں نافذ کرنے کا اصلی ذمہ دار وہی تھا، مگر اس کی تنخواہ صاحب کے مشاہرے کا آٹھواں حصہ بھی نہ ہوتی تھی۔[1]

پولس اور انگریزی عدالت :

انگریزوں نے اہلِ ملک سے ہتھیار چھین لیے تھے۔ شمالی مغربی صوبوں میں خاص اجازت نامے کے بغیر تلوار تک رکھنے کی ممانعت تھی۔ موجودہ پاکستان و بھارت کے جملہ انقطاع برطانی سیادت کے زنجیرے میں کھینچ لیے گئے تھے۔ جدید آتشیں اسلحہ اور مواصلات کی ترقی دیکھ کر کسی کو حکومت سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہو سکتی تھی، لہٰذا برطانی بادشاہی کے دور میں فوج کو اندرونِ ہند مصنوعی جنگ اور فوجی مشقوں کے سوا کوئی کام نہ رہا۔ سرحد کے باہر کابل و برما کی لڑائیوں کا حال آیندہ اوراق میں آتا ہے۔ اندرونی امن و انتظام، پولس (یہ محکمہ کوتوالی) کے تفویض ہو گیا تھا، بلکہ انگریزی عہد میں تفتیش و انسدادِ جرائم کا دائرہ اتنا پھیلا کہ معمولی چوری چکاری اور زد و کوب تک کی وارداتیں گاؤں کی چوپال کی بجائے تھانیدار کے سامنے پیش ہونے لگیں۔ برادری اور پنچایت کا کہن سال نظام لازماً ضعیف تر اور رفتہ رفتہ بے اثر ہو گیا۔ اسی نسبت سے عوام کی گردن پر انگریزی پولس اور عدالت کی گرفت بڑھ گئی۔ ... چھوٹی بستی اور قصبات میں "داروغہ جی" اس طرح مسلط ہو گئے کہ چوروں، بدمعاشوں سے زیادہ بھلے آدمی اُن سے خوف کھاتے تھے۔ جھوٹی مخبری اور ...لی مقدمے بنانا پولس کا خاص ہنر مانا جاتا تھا۔ اُن دنوں شریف لوگ حوالات اور مار پیٹ ایک

---

[1] آئی سی ایس عہدہ داروں کی تنخواہ اور دیگر واجب کا اوسط تین ہزار روپیہ ماہانہ سے زائد تھا۔ تحصیلدار کو ڈھائی سو روپے ماہانہ ملتے تھے اگرچہ ظاہر ہے کہ ان دنوں روپے کی قوتِ خرید ہمارے زمانے سے کوئی پندرہ گنی زیادہ تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرف، محض تھانے میں بلایا جانا آبروریزی خیال کرتے تھے۔ کسی کے خلاف رپٹ لکھوادی گئی تو اُسے منہ دکھانے کو جگہ نہ رہتی تھی۔ ایسی ذہنیت میں خود غرض، موذی پولیس والوں کی چاندی تھی۔ خوب رشوتیں لیتے تھے۔ ان کی لوٹ مار اس محکمے کی مسلّمہ خصوصیت بن گئی تھی۔ انگریز حاکم اپنے تحکّم کی مصلحت یا محض بے دردی کے باعث پولیس کے تشدّد اور استحصال بے جا سے عموماً اغماض کرتے تھے۔ بیشتر انہی وجوہ سے پولیس کی سیاہ اور نیلی وردی والوں سے اہلِ ہند کو ایسی بیزاری، بدگمانی ہوگئی کہ شاید دنیا کے کسی ملک میں امن کے محافظ اور جرائم کے سراغ رساں اتنے مطعون و مردود نہ ہوں گے جتنے ہندوستان کے پولیس والے اپنے ہم وطنوں میں خیال کیے جانے لگے تھے۔ اسی کا اثر تھا کہ لوگ اکثر واردات کا اخفا کرتے اور جرائم کی تفتیش میں کوئی مدد نہ دیتے تھے۔

پولیس کا محکمہ صوبائی حکومتوں کے تحت میں دے دیا گیا تھا، لیکن ہر ضلعے کا حاکم کوتوالی انگریز مقرر کیا جاتا تھا۔[1] اس کے ماتحت کئی حلقے اور بہت سے تھانے اور چوکیاں قائم کی جاتی تھیں۔ پولیس کی نوعیت حسبِ سابق نیم عسکری رہی۔ اسے بندوق طپنچہ چلانے، فوجی قواعد اور سپاہیانہ طور طریق کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی، لیکن عدالت کی نئی تنظیم اور انگریزی قوانین کے رواج سے اندیشہ ہوا کہ ضابطۂ فوجداری کے علاوہ قانون کی ضروری کتابیں تھانیداروں کو پڑھائی جائیں اور آہستہ آہستہ یہ بات اتنی بڑھی کہ آخر میں وکیلوں کو پولیس کے عہدے ملنے لگے تھے، مگر پولیس کا اصلی فریضہ جرائم کی تفتیش، مقدمے کی ترتیب اور ملزم کو عدالت میں پیش کر دینا تھا۔ اسے کوئی عدالتی اختیارات حاصل نہیں تھے۔

کمپنی ہی کے زمانے سے بنگالے اور بہار میں انگریزوں نے اپنی عدالتیں قائم کی تھیں۔ یہ

---

[1] اسے انگریزی میں "سپرنٹینڈنٹ" کہتے تھے، جو ہندوستانی زبانوں میں "سپرڈنٹ" بن گیا تھا۔ تلفظ کی دشواری سے قطع نظر، یہ ترکِ ذہن مغل عہد کے شحنہ یا کوتوال کا ناقص انگریزی ترجمہ تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دادرسی اور دیسی دادخواہ دونوں کے حق میں مفید ثابت نہیں ہوئیں، لیکن انگریز عمال اسے شروع سے اپنی حکومت کا ضروری شعبہ سمجھتے تھے۔ اُس زمانے کی بعض تاریخوں اور تحریروں میں ان کا یہ شوق نمایاں ہے۔ اسی شوق کی خاطر وہ دیسی عدالت اور قوانین میں کیڑے ڈالتے ہیں۔ اپنے طریقِ دادرسی کی فضیلت بتانے میں صریحاً دروغ بافی سے کام لیتے ہیں۔

عصائے شاہی کے علانیہ ہاتھ میں آنے کے بعد یہ شوق پورا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہی۔ عدالت کی نئی تنظیم کی تجویز ۱۸۵۸ء ہی میں مرتب کر لی — بڑے صوبوں میں انگریزی مذاق کے مطابق "ہائی کورٹ" بنائے گئے۔ قانون کا جدید مجموعہ "پینل کوڈ (تعزیراتِ ہند)" کے نام سے ۱۸۶۰ء میں اور "ضابطۂ فوجداری" اگلے سال برطانی ہند میں نافذ کر دیا گیا۔ برطانیہ کے قوانین نہ صرف قابلِ تتبع، بلکہ سند قرار پائے۔ عدالتِ عالیہ کے حکام، انگریز مقرر ہوئے۔ انہی کی زبان عدالت کی زبان مان لی گئی۔ چند سال بعد لامحالہ وکالت اور قانون کی تعلیم اسی زبان میں دی جانے لگی۔ تجدید کا یہ عمل ایک ہی نسل میں تکمیل پا گیا۔ انگریزوں کو اپنی زبان اور اپنے مذاق کے مطابق مقدمات کی سماعت اور فیصلے کرنے میں بہت سہولت ہو گئی۔ بڑا فائدہ یہ کہ تحکم کے دائرے نے ممالکِ ہند کے ہر فرد کو اس طرح گھیر لیا کہ وہ روزمرہ کی زندگی میں اسے محسوس کرتا تھا۔ شخصی معاملات (نکاح، طلاق، وراثت) لوگوں کے مذہب و رواج کے مطابق طے ہوتے تھے، لیکن جب فقہ اور شاستر کے انگریزی تراجم مُسند البیہ بنے تو اختلافی مسائل میں عملاً انگریز جج ہی کو قاضی اور شاستری کا درجہ حاصل ہو گیا۔

بے شبہ بہت سے انگریزی قوانین و ضوابط معقول و مناسب تھے۔ مان لیجیے کہ انگریز واقعی یہی چاہتے تھے کہ عدل و انصاف کے تقاضے کماحقہٗ پورے کیے جائیں اور اہلِ ہند شخصی اور سیاسی آزادی کے حقوق سے بہرہ مند ہوں جو خود اہلِ برطانیہ حاصل کر چکے تھے، مگر واقعہ یہ ہے کہ ان کے نئے قوانین اور جدید نظامِ عدالت اور طریقِ عدل گستری سب مل کر ہندوستان کے حق میں ایسی مصیبت بن گئے جسے محکومی کی شامت یا قہرِ الٰہی کہنا غلط نہ ہو گا۔ ایک ایک [illegible] سالہا سال تک گھسٹتا اور نیچی اونچی عدالتوں کے ہنڈولے میں چرخ کھاتا رہتا تھا۔ عدالت کا ہر [illegible] پر رشوت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چلتی تھی۔ طرح طرح کے سرکاری محصول و رسوم کی کرتی تھی۔ مختار، وکیل، بیرسٹر، قانون کے پیروکاروں کو اتنا روپیہ بھرنا پڑتا کہ معمولی حیثیت کے مستغیث اور مدعی کا دوالہ نکل جاتا اور وہ ایک دفعہ حق طلبی کا دعویٰ لاکر برسوں پچھتاتا تھا۔ یہ مثل ملک بھر میں زبان زد ہوگئی اور حق بجانب تھی کہ "مقدمہ میں، جیتا سو ہارا۔ اور ہارا سو مرا۔" ایسے دیوانی مقدمات کی نظیریں ہر صوبے میں کافی مل سکتی ہیں جو پچاس پچاس برس انگریزی عدالتوں میں تومے گئے۔ دادا نے انصاف کا دروازہ کھٹکھٹایا تھا، پوتے تک اسی چوکھٹ پر پیشانی گھستے رہے[1]۔

قانون اور عدالت کی زبان کا بدلنا، مزید خرابی اور لوگوں کی سخت پریشانی کا باعث ہوا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ دادرسی کی اغراض اور محکوم رعایا کے استحقاق پر انگریز ججوں کی سہولت مقدم سمجھی گئی۔ خبر نہیں کن جابر بادشاہوں کی تقلید میں برطانی جمہوریہ نے یہ ظالمانہ حرکت جائز خیال کی تھی۔ مصیبت پر مصیبت یہ کہ انگریزی زبان میں صحت و صفائی کے ساتھ قانونی مطالب ادا نہیں ہوسکتے۔ چھوٹے سے چھوٹا اور عام ضرورت کا قانونچہ، مثلاً قانونِ شہادت جیتا نوں کا ایک مجموعہ ہے جس کی صدہا شرحیں لکھی گئیں اور ابھی تک اس کے پیچ نہیں کھل سکے اور موشگافیاں باقی ہیں۔ قوانین سے واقفیت اور مہارت بے شبہ ایک جداگانہ فن ہے، مگر کوئی زبان دان انگریزی قانونی عبارت کے معنی ہی غالباً پوری طرح نہیں سمجھ سکتا۔ لامحالہ قانون دانوں کا ایک جداگانہ گروہ پیدا ہوگیا جن کی مدد کے بغیر انصاف کی گاڑی نہیں چلتی تھی۔ خود ان کی وجہ معاش مقدمہ بازی بن گئی۔ وہ ایک طرف تو اسی قانونی زبان کے تضاد و فساد سے فائدہ اٹھاتے اور دوسری طرف نالش و فریاد کرنے والوں کی مصیبت ان کی راحت کا سامان مہیا کرتی تھی۔ ان قانون پیشہ حضرات کو حق و ناحق سے مطلق سروکار نہیں ہوتا، اپنا مقدمہ

---

[1] راقم الحروف کو یاد ہے کہ قیام پاکستان کے بعد قائداعظم مرحوم نے ایک تقریر میں انگریزی قوانین اور نظام عدالت کی بہت تعریف کی تھی، مگر اسے ایک قانون دان بیرسٹر کا نقطہ نظر سمجھنا چاہیے۔ ہمیں اپنی کتاب میں واقعات اور قومی تاثرات کا زیادہ جامع اور بے لاگ مطالعہ کرنا مقصود ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیتنے سے غرض ہے۔ اعلیٰ درجے کے وکیل یا بیرسٹر کی تعریف ہی یہ مانی جاتی تھی کہ بدترین مجرم کو عدالت سے بلوہ بچا لائے یا کسی شریف کو واقعی حق سے محروم کرا دے!

اخلاق پر اس پیشے کے جو اثرات ہوئے' اُن کی بحث ہماری تاریخ کے احاطے میں نہیں آتی' البتہ اتنا یاد رکھنا چاہیے کہ ہندوستان کے قانون دان لازماً انگریزی کے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتے اور اپنی ذہانت و خوش بیانی سے امتیاز حاصل کرتے تھے۔ زیر نظر دور میں برطانیہ اور دوسرے ممالک یورپ کی طرح برطانی ہند میں بھی قوم کی نیابت کے لیے انہی کا حق فائق ہو گیا تھا۔ عدالت سے زیادہ' سیاست کے میدان اور حکومت کے ایوانوں میں وکیلوں کی آواز گونجنے لگی تھی۔

طب' حفظانِ صحت وغیرہ

جدید مواصلات کی طرح چند نئے محکموں کی تاسیس اور پرانوں کی تجدید کا سہرا انگریزوں کے سر باندھا جائے گا۔ ان میں طب اور حفظانِ صحت یا صفائی کا محکمہ مقدم سمجھنا چاہیے۔ زمانۂ سابقہ میں طبیب' سلاطین و امراء کے ملازم ہوتے تھے یا ایسے مستغنی' صاحب حیثیت مطب کیا کرتے تھے جن کا اصلی مقصد خلق خدا کی خدمت کرنا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ مطب محض خانگی یا ذاتی اور کام کی نوعیت رضاکارانہ تھی' اس لیے طبیب کی بڑی عزت کی جاتی اور مشائخ و علمائے دین کے بعد اس کا مرتبہ شمار ہوتا تھا۔

صفائی کی صورت یہ تھی کہ ان دنوں اکثر محلے اُمرا کی حویلیاں تھیں۔ انہی میں اُن کے عمال' کارندے' ماتحت سردار' سپاہی' شاگرد پیشہ کے مکانات ہوتے۔ پورے محلے کی جاروب کشی صفائی وغیرہ حویلی یا سرکار کے حلال خور انجام دیتے تھے۔ عام بازار یا گزرگاہوں کی صفائی عموماً کوتوالی والوں سے متعلق تھی۔ پھر بھی خاص خاص شہروں کو چھوڑ کر عام قصبات میں شہری صفائی کا انتظام باقاعدہ اور اچھا نہ تھا اور دیہات میں بالکل نہ ہونے کے برابر تھا جیسا کہ آج کل بھی کچھ نہیں ہوتا۔ فقط میلے تہوار کے موقع پر جھاڑو دلوانے اور ٹیڑھے بھنگے راستے درست کرانے پر توجہ کی جاتی تھی۔ قدرتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوا یا برسات کا پانی کوڑا کرکٹ بہا کر لے جاتا ورنہ ان کے ڈھیر پڑے رہتے اور اکثر انہی کو پھیلا کر راستہ ہموار کر لیا جاتا تھا۔

انگریزوں نے حفظانِ صحت کا وسیع پیمانے پر انتظام کیا۔ ہر صوبے میں شفا خانوں کا باقاعدہ محکمہ قائم ہوا معمولی قصبوں تک میں چھوٹے چھوٹے دوا خانے بنوا دیے جن میں سرکار ڈاکٹر مقرر کرتی اور مفت علاج اور کسی حد تک دوائیں بھی بلا قیمت دلواتی تھی۔ یہ دوائیں ولایتی اور طریق علاج "انگریزی" رکھا گیا تھا۔ اس پیرائے میں مغربی طب کو لازماً بہت فروغ ہوا اور وہ بیس تیس برس کے اندر ویدک اور یونانی طب پر غالب آگئی۔ بڑے بڑے شہروں میں عالی شان ہسپتال اور اعلیٰ مدارس تعمیر ہوئے۔ انگریزی ڈاکٹری بڑھتے ہوئے لوگ ہر بستی میں پھیل گئے۔ ولایتی ادویہ کی کھپت تجارت درآمد کی خاص مد بن گئی۔

شہری صفائی اور حفظانِ صحت کا کام سرکاری ڈاکٹروں کی نگرانی میں بلدیات کا فرض قرار دیا گیا۔ پختہ سڑکوں نے گلی کوچوں میں پکی نالیاں بنانا، جھاڑو دلوانا سہل کر دیا۔ شہر کے وہ حصے جہاں انگریز حکام رہتے تھے، خصوصیت سے بہت صاف ستھرے رکھے جاتے اور گرمیوں میں ان کی سڑکوں پر چھڑکاؤ ہوتا تھا۔ بہرحال دیسی آبادی کو نئے انتظام سے کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوا۔ تمدنِ جدید کا یہی سبق اس کے لیے کچھ کم قیمتی نہ تھا کہ پورے شہر کی صحت و صفائی کا بندوبست اجتماعی طریق پر ہونا چاہیے۔

ایک اور مفید محکمہ آثارِ قدیمہ کی حفاظت و مرمت کے لیے بنایا گیا۔ مسلمان بادشاہوں اور قدیم تر زمانے کی عمارات و آثار کی تحقیق انیسویں صدی کے اواسط سے شروع ہو گئی تھی، مگر ان کے باقاعدہ تحفظ کا کام اور معقول مصارف کا انتظام لارڈ کرزن (۱۸۹۹ء تا ۱۹۰۵ء) کی سعی مشکور سے ہوا کہ ہر صوبے اور بڑی ریاست میں خاص محکمہ اسی غرض سے قائم کیا گیا۔ مرکزی حکومت نے ان سب کی نگرانی اور مشورے کے لیے ایک صدر ناظمِ آثریات اپنی طرف سے مقرر کر دیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ممالکِ ہندوستان میں زراعت اور وسائلِ آبپاشی کی ترقی ایک عام اور دیرینہ ضرورت رہی ہے کہ ہر ہوش مند حکومت کی توجہ کو اپنی طرف کھینچتی تھی۔ اتفاق یا بدقسمتی سے انگریز کے تسلط کے ساتھ پے در پے ایسے قحط پڑے جن کی اعصارِ سابقہ میں نظیر نہیں ملتی۔ قبضۂ بنگال کے قدم بقدم فصلوں کی تباہی اور عام فاقہ کشی نے جس عظیم پیمانے پر بھوکھا جانیں تلف کیں (۱۷۷۰ء) اس کا ماتم چھٹے باب میں نوحہ پڑھ چکے ہیں۔

برطانوی بادشاہی کا علم بلند ہونے کے بعد نواحِ دہلی، پنجاب، راجپوتانہ تا ساحلِ کچھ اسی قہرِ الٰہی سے دوچار ہوئے۔ وہ انگریزی تاریخیں بھی جو اپنی ملوکیت کا کلمہ پڑھتی ہیں، یہ اعتراف کیے بغیر نہ رہیں کہ اس خونخوار قحط (۱۸۶۱ء) نے آبادی کا نواں حصہ کھا لیا[1]۔ چار سال بعد یہی بلا بنگال سے مدراس تک مسلط رہی (۱۸۶۵ء) اور دی اسمتھ ہی کے قول کے مطابق (ص ۲۲۴)، فقط اڑیسے کی حدود میں کوئی دس لاکھ رعایا برطانیہ کا حقِ نمک ادا کر گئی۔

ان انت کال کالوں کی یاد محو نہ ہونے پائی تھی کہ عین دربارِ قیصری (۱۸۷۷ء) کے نقاروں کی گونج آہ و فغاں کی نفیر میں دب گئی جو وسطِ ہند اور جنوبی دوآب کے فاقہ کشوں کے حلق سے نکل رہی تھی۔ قحط کے سب سے مہیب اثرات انہی اضلاع میں رونما ہوئے جو براہِ راست انگریزی حکومت کے ماتحت تھے۔ دیسی ریاستیں عموماً محفوظ رہیں۔ ممکن ہے اس واقعے کا بھی انگریزوں پر اثر ہوا ہو کہ انہوں نے قحط زدوں کی امداد و رسد رسانی میں بڑی کوشش کی۔ برطانیہ میں بھی چندے کیے اور ہندوستان بھیجے گئے۔ بایں ہمہ کوئی پچاس لاکھ دیسی باشندے قحط کا لقمہ ہوئے۔ بُری غذا یا اسی ضمن میں امراض وبائی سے مرنے والوں کا شمار اس میں شامل نہیں ہے[1]۔

---

[1] ادکس، ص ۴۹۔ نیز دیکھو ٹامسن کی مختصر تاریخ ہند ۲۹۲۔ اور کین، جلد دوم ۲۰۰، جس میں عوارضِ لاحقہ سے مرنے والوں کو ملا کر نقصانِ جان کی میزان ستر لاکھ بتائی گئی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۸۹۶ء اور ۱۹۰۰ء میں گجرات اور وادیٔ گنگا، قہرِ آسمانی کی زد میں آئے۔ ان ملکوں میں غلے کی افراط لائقِ رشک مانی جاتی تھی۔ یہیں کے باشندے کئی مہینے تک دانے دانے کو ترستے اور فاقے سے دم توڑتے رہے۔

غرض وسائلِ آبپاشی کی ترقی کا ایک محرک انسدادِ قحط کی ضرورت تھی، چنانچہ زیرِ نظر عہد میں جدید علم و آلات کی مدد سے ہزاروں میل کی نہریں شمالی ہند کی ندیوں سے کاٹی گئیں۔ کروڑوں بیگھے زمین کو سیراب کرنے کا بندوبست، اور بے شبہ زرعی پیداوار میں چند در چند اضافہ ہو گیا۔ نہری اراضی کے مالکوں اور کاشتکاروں کو لازمًا فائدہ پہنچا، مگر انگریز سرمایہ دار نفع میں برابر کے، بلکہ غالبًا غالب شریک تھے۔ کیونکہ محاصلِ آبیانہ کے علاوہ، نئی نہروں کے دونوں طرف ایندھن اور عمارتی چوبینے کے درخت ہی اتنی کثرت سے لگائے گئے تھے کہ تیس چالیس برس بعد کروڑوں روپے میں فروخت ہوئے۔

برطانی عہدِ ملوکیت کا ایک اور نہایت مفید نیا کام مردم شماری کا اہتمام ہے کہ سب سے پہلے ۱۸۸۱ء میں ہندوستان گیر پیمانے پر کیا گیا اور ہر دسویں سال تمام باشندوں کی گنتی کی جانے لگی۔ مردم شماری میں سن و سال، جنس، پیشہ، زبان، تعلیم وغیرہ بہت سی ضروری معلومات کی مدیں رکھی گئی تھیں۔

اعداد کے جمع کرنے میں ممالکِ ہند کی وسعت اور آبادی کی کثرت سے بڑھ کر عام جہالت اور عجیب عجیب رسوم و اوہام کی وجہ سے دشواری پیش آئی۔ اکثر شمار کنندے، نوآموز اور کام چور فریبی تھے جنہوں نے فرضی اعداد سے خانہ پُری کر دی۔ دور دست اور کم آباد اقطاع میں جانے کی تکلیف نہ اٹھائی۔ آگے چل کر مذہب اور زبان کے مناقشات اور تعصبات نے صداقت کو ایک طرف دھکیل دیا۔ خصوصًا ۱۹۲۱ء سے برطانی اقتدار کی کمی کے ساتھ ان اعداد و رقوم کی صحت اور زیادہ مشتبہ ہو گئی۔ ان سب خرابیوں اور کوتاہیوں کے باوجود مردم شماری کی دہ سالہ کیفیتیں اور جدولیں معلومات کا خزانہ ہیں۔ انہی کی بنیاد پر مختلف ملکی مجالس کے انتخاب، اور نیابت کے مسائل کا فیصلہ ہوتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہا ہے۔

پہلی باقاعدہ مردم شماری (۱۸۸۱ء) میں ممالک ہند (پاکستان و بھارت) کے باشندوں کی کل تعداد پچیس کروڑ کے قریب نکلی۔ صدی کے ختم پر (۱۹۰۱ء میں) ½ ۲۹ کروڑ بتائی گئی اور ۱۹۱۱ء میں بشمول برما ½ ۳۱ کروڑ تحریر ہے۔

۱۸۶۰ء سے ۱۹۱۰ء تک نصف صدی وہ زمانہ ہے جب کہ برطانیہ کا نیر اقبال نصف النہار پر تھا۔ ہندوستان میں طلبِ آزادی کے جھگڑے نہیں چلے تھے۔ یورپ میں بڑی جنگ کا طوفان نہیں آیا تھا۔ برطانیہ کی آبادی ان پچاس ساٹھ سال میں دُگنی اور دولت و حشمت کئی گُنی بڑھ گئی، لیکن مذکورہ بالا اعداد سے ظاہر ہے کہ ہندوستان کی آبادی میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوا۔ مالی حالت مجموعی طور پر خراب رہی۔ انگریزوں کی عام خوش حالی میں ملکہ معظمہ کی ہندی رعایا کو کوئی حصہ نہیں ملا۔

دوسری جنگ افغانستان:

جزیرہ نمائے ہند کے تین طرف دور دور تک سمندر پھیلا ہوا ہے۔ سمندر پہ برطانیہ کا طاقتور جنگی بیڑا چھایا ہوا تھا۔ جبرالٹر (جبل الطارق) سے سنگاپور تک بڑے بڑے نا کے اس کے بحری قلعے تھے۔ بیسویں صدی کے آغاز تک کرۂ ارض کے تین چوتھائی پانی پر کوئی اس کا حریف نہ تھا۔ ہندوستان کے شمال میں اونچے اونچے پہاڑوں کی قدرتی فصیلیں کھڑی ہیں۔ پار سے اُن دنوں کسی بڑے حملے کا اندیشہ نہ تھا۔ پھر بھی انگریز طرح طرح کے گدّے بناتے اور انہی حیلوں سے سرحد پار افغانستان و فارس اور دوسری طرف برما اور تبت کے کوٹھوں پہ کمندیں ڈالتے تھے۔

کابل دو صدی تک سلاطینِ مغل کا صوبہ رہا تھا۔ برطانی قیصریت اسی قدیم حق کو تازہ کرنا چاہتی تھی۔ روسیوں نے خیوا اور بخارا کی مسلمان ریاستوں کو فنا کیا۔ تاشقند کو اپنی چھاؤنی بنا لیا تھا (۱۸۶۵ء تا ۱۸۶۸ء) یہاں سے ملکِ افغانستان کی شمالی سرحد کئی سو میل کے فاصلے پر ہے، مگر انگریز وزیروں کی عقابی نگاہوں کو خرسِ روس کے پنجے خاص ہندوستان تک پھیلتے نظر آتے تھے۔ وہ کابل کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنا پہرے دار بنانا ضروری قرار دیتے تھے۔

۱۸۶۳ء میں امیر دوست محمد خاں نے رحلت کی۔ بیٹوں میں وراثت کی خانہ جنگی شروع ہوئی۔ لندن سے بار بار تار ہلائے گئے کہ افغانی پھٹے میں پاؤں اڑانے کا موقع اچھا ہے، لیکن اُن دنوں جون لارنس ذاتی لیاقت کی سفارش سے گورنر جنرل بنایا گیا تھا اور دیرینہ تجربات کی بنا پر مداخلت کرنے کے خلاف تھا۔[1] چنانچہ کابل و قندھار میں پہلے اعظم و افضل لڑ پڑے تو انگریزوں نے اُن کا خیر مقدم کیا اور چند ماہ بعد تیسرے بھائی شیر علی نے فتح پائی تو اسے مبارک باد اور تحائف ارسال کیے (۱۸۶۸ء) لارنس کے جانشین لارڈ میو نے نئے امیر کو ہندوستان آنے کی دعوت دی۔ انبالہ میں دھوم دھام سے مہمانی کے مراسم ادا کیے۔ اسی ملاقات میں طے پایا کہ سرکارِ انگریزی بارہ لاکھ روپیہ سالانہ اور اسلحہ کی مقررہ مقدار امیرِ کابل کو دیتی رہے گی کہ روسیوں کے مقابلے میں وہ انگریزوں کا حلیف رہے۔ اسی کے ساتھ برطانی حکومت کو قانونی گنجائش مل گئی کہ سلطنتِ روس پر زور ڈال کر شیر علی کی امارت تسلیم کرائی۔ دریائے جیحوں کو روسی درازدستی کی حد منوالیا۔ (۱۸۶۹ء - ۱۸۷۰ء)

میو بہت ملنتی، بے چین مزاج کا آرٹسٹانی رئیس تھا۔ قید خانوں کی اصلاح کے سلسلے میں انڈمان پہنچا۔ وہیں ایک جلاوطن پٹھان کی انتقامی چھری سے مارا گیا۔ اس کا جانشین لندن کا ایک خشک مزاج سا ہوکار مقرر ہوا (: نارتھ بروک ۱۸۷۲ء تا ۱۸۷۶ء) انگریزی تاریخوں میں لکھا ہے کہ اُس کے ناگوار طرزِ عمل نے امیر شیر علی کو ناراض کیا[2] اور حکومتِ کابل کا رخ روس کی طرف پھر گیا۔

---

[1] لارنس کی حکمتِ عملی ملوکیت پسندوں کو عین لاعملی نظر آئی مگر اس کی نامورینی نکتہ چینی کی زبان کو لگام لگاتی تھی۔ اسی لیے لاعملی سے پہلے "استادانہ" کی صفت ("ماسٹرلی اِن ایکٹی وِٹی") بڑھا دیتے تھے۔

[2] امیر نے مطالبہ کیا کہ انگریز مستقل دوستی کا معاہدہ اور وعدہ کریں کہ ناگہانی ضرورت پیش آنے پر روپیہ اور اسلحہ سے کابل کی مدد کریں گے۔ وہ اپنے فرزند عبداللہ خاں کی ولی عہدی تسلیم کرانے کا بھی طالب تھا۔ گلیڈ اسٹون اور نارتھ بروک نے ان شرطوں پر اعتنا نہ کی۔ (دیکھو اوکس ہس ص ۴۴، ۵۱، وغیرہ ... اری تاریخِ جنگ کے حوالے سے)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُدھر برطانیہ میں گلیڈ اسٹون کو شکست ہوئی، شاہانہ مزاج ڈزرائیلی نے دوبارہ وزارت سنبھالی۔ نارتھ بروک قبل از وقت معزول اور مشہور ادیب لٹن کا بیٹا لارڈ لٹن (ثانی) نائب شاہ بنا کر ہندوستان بھیجا گیا۔ وہ باپ کی طرح شاعر نہ تھا، مگر ایشیا میں عظیم تر سلطنت بنانے کے منصوبے میں غالبؔ ڈزرائیلی سے اونچا اُڑتا تھا۔ سیاست کی آرائشی زبان میں "جبری دوستی" کی نئی ترکیب اُسی سے منسوب کرتے ہیں، یعنی تجویز یہ تھی کہ یا امیر کابل کو انگریزوں کی دوستی قبول کرنے پر مجبور، ورنہ اس قدر معذور بنا دیا جائے کہ پھر برطانی ہند کو اس کی طرف سے کھٹکا نہ رہے۔

قلم کے نامہ و پیام ابھی دفتری منزلوں میں تھے کہ برطانی فوج کے قلم افغانستان کی جنوبی سرحد کے قریب پہلے نمودار ہوئے۔ خانِ قلات کو روپے کا لالچ اور طاقت کی دھونس دے کر کوئٹہ کے باموقع پہاڑی قلعے انگریزوں نے "مستعار" حاصل کر لیے، جہاں سے قندھار کا شہر کوئی اسی میل رہ جاتا ہے۔ بولان کا درّہ بالکل زد میں آجاتا ہے۔ یہی مقام کوئٹہ کے نام سے مستقل انگریزی چھاؤنی بن گیا، اور اب پاکستان کے صحت بخش شہروں میں شمار ہوتا ہے۔

اُس وقت یہ حرکت صاف صاف جنگ کی دھمکی تھی۔ شیر علی نے جواب میں روسیوں سے دوستی کی راہ نکالی۔ اُن کا شاہی سفیر کابل آیا۔ اس کا دھوم دھام سے خیر مقدم کیا۔ ہندوستان سے نویل چیمبرلین کہ بعد میں برطانیہ کا مشہور وزیر ہوا، سفیر بنا کے کابل بھیجا گیا تھا۔ امیر نے اس ناخواندہ مہمان کا استقبال کرنے سے انکار کر دیا۔ یہاں پہلے ہی تلواریں تول رہے تھے۔ امیر کا انکار ناقابل برداشت "اہانت" قرار دے کر فوراً جنگ کا اعلان کر دیا گیا۔ (نومبر ۱۸۷۸ء م ۱۲۹۵ھ)[1]

تین مضبوط فوجیں ایک ساتھ درۂ خیبر، وادیٔ کُرم اور کوئٹہ سے افغانستان میں خالی راستوں

---

[1] جنگی تیاری کے سلسلے میں لٹن لاہور آگیا تھا۔ وہیں سے یہ اعلانِ جنگ خود لکھ کر شائع کیا جو سیاسی انشاپردازی کے ساتھ شہنشاہی ذہنیت کی یادگار ہے۔ جنگِ افغانستان کی سرکاری تاریخ "آفیشل اکاؤنٹس" کے آخر میں چھاپ دیا گیا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر، خیالی دشمنوں پر توپیں چلاتی، گولیاں برساتی داخل ہوئیں۔ جلال آباد و قندھار پر قبضہ کر لیا۔ ا
شیر علی نے روسیوں کی پناہ لی، مگر وہ کوئی فوجی امداد نہ دے سکے تھے کہ خود امیر کا انتقال ہو گیا
(فروری ۱۸۷۹ء) اس کا فرزند عبد اللہ خاں جسے اول ولی عہد قرار دیا تھا فوت ہو چکا تھا۔ اعیانِ کا
نے دوسرے فرزند یعقوب خاں کو مسندِ امارت پر بٹھایا۔ اس نے انگریزوں سے صلح کی گفتگو
عہد نامۂ گنڈمک پر دستخط کر دیے (مئی ۱۸۷۹ء م ۱۲۹۶ھ) اس کی رو سے خیبر و بولان کے مشہور د
انگریزوں کی تحویل میں آ گئے۔ کابل میں انگریز رزی ڈنٹ کا تقرر اور یہ شرط صراحتاً مان لی گئی کہ امیر
صاحب بیرونی معاملات میں کوئی کام انگریزوں کی مرضی کے خلاف نہیں کریں گے۔

لٹن چاہتا تھا کہ قندھار کو کابل سے توڑ کر جدا گانہ اپنی باجگزار ریاست بنا لے۔ انگریز
کی فوج کی فوج تائیدی مقالے لکھ رہی تھی۔ دونوں اقطاع میں جغرافی، تاریخی اور نسلی اختلافات
باریکیاں جلی عنوانات میں آشکارا کی جا رہی تھیں، لیکن جب فرنگی شاطروں نے دیکھا کہ پورا ملک
کے گھیرے میں ڈھلا چلا آتا ہے، تو سردست قندھار کی قطع و برید سے ہاتھ روک لیا، البتہ کو
کا استعمار قرضہ مستقل قبضہ کر لیا۔ اس نیم ویران بستی کو ریلوے سے جوڑ کر بڑی چھاؤنی کا شہر بنا دیا
ایک طرف سرحدِ کابل (اور دوسری طرف حدودِ ایران کے اندر) تک ریل کی پٹری پھیلا دی۔

لٹن سے وہی غلطی ہوئی، جو چالیس برس پہلے اوک لینڈ نے کھائی تھی، کابل کے امیر وزیر کے
ہاتھ میں آ جانے سے خیال کر لیا تھا عام اہلِ ملک اسی طرح پنجے میں دب جائیں گے جیسے ہندوستان
کی ریاستوں کے لوگ دب گئے تھے۔ افغانستان کے مسلمان عوام اپنے ملوک و امرا سے زیادہ د
و آزادی پسند ثابت ہوئے۔

انگریزوں کے سفیر مختار نے کابل کے بالا حصار میں اقتدار کی مسند بچھائی تھی۔ یہی بالا نش
اسے اوندھا گرانے کا باعث ہوئی۔ چھ ہفتے بھی نہ گزرے تھے کہ افغانی بلوائیوں نے قلعے پر
چڑھ کر اُس کا سر اتار لیا۔ ساتھی اور ہندوستانی سپاہی سب مارے گئے (۳ ستمبر ۱۸۷۹ء) مقتول
سفیر (سر لوئیس) کیوگ ناری فرانس کا آفاقی شخص تھا جس نے برطانی قومیت اختیار کر لی تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض انگریزی تاریخوں میں اس کی حماقت اور چھچھورے پن کو مارے جانے کا سبب بتایا گیا ہے. شبہ ہوتا ہے کہ سیاسی شعبدہ بازوں نے جان کر یہ کھیل کھیلا اور اسے خود موت کے منہ میں دھکیلا ہو کہ افغانستان کی سالمیت کو پارہ پارہ کرنے کا پورا حیلہ ہاتھ آ جائے، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ گو امیر یعقوب خاں انگریزوں کے لشکر میں چلا آیا۔ اپنی بے گناہی اور صلح جوئی ثابت کی۔ پھر بھی انگریزی لشکر قندھار و کابل پر جا چڑھا۔ یعقوب خاں کی حکومت سے دست برداری کا اعلان کرایا، بلکہ نظر بند کر کے ہندوستان بھیج دیا۔ قندھار میں ایک بارک زئی سردار (شیر علی) کی الگ ریاست تیار کی اور صوبہ ہرات کو چھوڑ کر، کابل میں چھوٹی سی کمزور گدی قائم کرنے کی تجویزیں کرنے لگے لہ

اکثر انگریز لکھتے ہیں کہ تفریق و تخریب کے منصوبے ولایت میں وزارت بدل جانے سے تلپٹ ہوئے۔ لٹن کو استعفیٰ دینا پڑا (اپریل ۱۸۸۰ء) گلیڈاسٹون کی وزارت نے اپنے شہنشاہی پرست پیش رو کی ساری حکمت عملی اُلٹ پُلٹ کر دی مگر یہ چھپتا ہوا واقعہ بھی چھپائے نہیں چھپتا کہ شہروں کو دبا بیٹھنے سے افغان مجاہدین کا جوش فرو نہیں ہوا، بلکہ اُن کی جانبازی اور سرفروشی نے انگریزی فوجوں کو خوفزدہ کر دیا تھا۔ ادھر یعقوب خاں کے بھائی سردار ایوب خاں والی ہرات نے بڑھ کر قندھار پر حملہ کیا۔ میوند کے میدان میں جنرل برّو کو سخت شکست دی (جولائی ۱۸۸۰ء م ۱۲۹۷ھ) تو پہلی جنگ افغانستان کی تباہی آنکھوں میں پھرنے لگی۔ غنیمت ہوا کہ تختِ کابل کا ایک اور طاقتور مدعی روس کی تحریک و تعاون سے اکھاڑے میں اُتر آیا۔ یہ امیر شیر علی کا بھتیجا عبدالرحمٰن

www.KitaboSunnat.com

لہ انگریزی ہم عصر اور بعد کی تاریخوں میں بکثرت اختلاف پائے جاتے ہیں۔ کسی ایک کا بیان بھی قابل اعتبار نہیں ہم نے ضروری واقعات بیشتر مارش میں (صفحہ ۵۲۶ و مابعد) اور اوکس فورڈ ہسٹری (صفحہ ۵۳ و مابعد) سے اخذ کیے ہیں۔ کیونگ ناری بلکہ افغانستان سے جنگ کی پوری حکمت عملی کی کرنل ہانا نے اپنی ضخیم کتاب "سیکنڈ افغان وار" میں اچھی طرح سے خبر لی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاں لپسر افضل خاں تھا۔ انگریز افغانی بھڑوں کے چھتے سے نکل جانے کا بہانہ ڈھونڈ رہے تھے۔ ایوب خاں کے مقابلے میں عبدالرحمٰن خاں کے حق میں کابُل سے دست بردار ہوئے۔ افغانستان کے شہروں سے فوجیں سلامت لے آنا ہی خوش نصیبی سمجھے۔ اور جب نیا امیر اپنے وطنی حریفوں پر غالب آیا تو اُسی سے انبالہ کے سابقہ معاہدے کی تجدید کرلی (۱۸۸۵ء) بارک زئی سردار جسے قندھار کا رئیس بنایا تھا، انگریزی فوجوں کے ساتھ ہندوستان چلا آیا۔ چند سال بعد فاتح میوند ڈار ایوب خاں نے اسی ملک میں پناہ لی اور اپنے بڑے بھائی کی طرح یہیں انتقال کیا۔

متفرق مہمات الحاقِ برا

افغانستان کی دوسری جنگ میں جان و مال کا بے جا اسراف ہوا۔ نقصانِ مایہ کے ساتھ شماتتِ ہمسایہ سے بھی انگریز حکام نہیں بچے، تاہم سرحد افغانستان پر اُن کی چھاؤنیاں ضرور چھا گئیں۔ جنوب کی طرف کوئٹہ دور دور تک زد ڈالتا تھا۔ وادیٔ خرم کے لیے شمال میں پاراچنار کو کچھ عرصے بعد مستحکم کیا گیا۔ پھر درانی نگاہ سے ایک نیا معاہدہ کر کے آزاد قبائل کے علاقے میں جنگی چوکیاں بنائیں اور سڑکوں کا جال پھیلایا۔

ان قبائل پر امیر کی سیادت محض رسمی تھی، اسے چھوڑ دینا مفت کرم داشتن کا مصداق ہوتا، مگر عبدالرحمٰن خاں نے اس کرم کا معقول معاوضہ وصول کیا، یعنی سالانہ ۱۲ لاکھ امدادی رقم میں چھ لاکھ کا اضافہ کرالیا۔ بخلاف اس کے انگریز، سرحدی قبائل سے سال ہا سال تک اُلجھتے اور بار بار جنگی مہمات بھیجتے رہے۔ ان کا ایک مقصد تمام شمالی مغربی سرحد کو مستحکم کرنا تھا، چنانچہ کئی سال کی پیہم کوشش سے ساحلِ مکران سے ریاستِ چترال تک ایک دفاعی زنجیرہ تیار کرلیا۔ اکثر چھوٹی بڑی ریاستیں جہاں موروثی رئیس تھے، جیسے قلات، چترال، ہنزہ، نگر، دیر بخوبی قابو میں آگئیں، مگر آزاد قبائل کو سر جھکانے کی بجائے سر کٹوانا قبول تھا۔ ایسی قوم مشکل سے محکوم بنائی جا سکتی ہے۔

آخری دفعہ ۱۸۹۷ء میں انگریز اتنا بڑا لشکر لے کر چڑھے کہ افغانستان کی کسی جنگ میں بھی نہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لے گئے تھے[1] بلوچستان کے شمال سے چترال کی جنوب مغربی سرحد تک جا بجا کئی خونریز معرکے لڑے گئے (جیسے چک درا، سراگڑھی، ٹوچی وغیرہ)، بار بار فتح یابی کے اخبار چھپے۔ دوسرے سال جنگ تیراہ کے حسب دل خواہ خاتمے کا اعلان کیا گیا۔ فتح کے تمغے بانٹے گئے (۱۸۹۹ء) مگر اگلے برس اگلی چوکیاں یہ کہہ کر پیچھے ہٹالی گئیں کہ آئندہ جنگی اقدام کی بجائے "مصالحانہ نفوذ" کے ہتھیاروں سے کام لیا جائے گا۔ خود قبائل کی فوجی جمعیت (یعنی ملیشیا) سرحدی علاقے کی حفاظت کے لیے مرتب کر دی جائے گی![2]

برطانوی ذہنیت نے شمال مغرب کے مالی نقصانات کی ہندوستان کے دوسرے سرے پر خاصی طرح تلافی کر لی تھی۔ لارڈ ڈلہوزی ۱۸۵۲ء میں برطانیہ کا مال بنا گیا تھا۔ مملکت کی ٹانگیں توڑ دیں، تمام ساحل پر قبضہ کر لیا تھا۔ بے چارے راجا میں بدلہ لینے کی سکت ہی نہ رہی تھی، نیت کیا کرتا۔ مگر پٹرول کی خوشبو اور معادن کی طمع دولت کے بھوکوں کو بے قرار کرتی تھی، لہٰذا بھیڑیے کی منطق سے کام لیا۔ راجا کو الزام دیا کہ فرانس کے ساتھ ساز باز رکھتا ہے۔ انگریزوں سے عناد رکھتا ہے۔ ضرور حملہ کر بیٹھے گا!

---

[1] یعنی چالیس ہزار سے زیادہ باقاعدہ فوج مصروفِ جنگ رہی (ادکس ہس، ص ۶۶)۔ جنگ تیراہ کے تفصیلی حالات کے لیے سرکاری مطبوعات کے علاوہ ملاحظہ ہو "کیبن"، جلد دوم، ص ۲۵۶ وغیرہ۔

[2] ادکس ہس، ص ۲۰۴۔ سرحدی استحکامات پر ہندوستان کا بے حساب روپیہ خرچ ہوتا رہا۔ دی ٹائمز لکھتا ہے کہ پہلی جنگِ عظیم کے زمانے میں اس حفظِ ماتقدم کا فائدہ عیاں ہوا جب کہ سرحد کی حفاظت کے لیے مٹھی بھر فوج کافی ہوئی، باقی سب باہر لڑنے بھیج دی گئی۔ ص ۶۵۔ سوال یہ ہے کہ اگر استحکامات نہ ہوتے تب بھی ایران، توران سے کونسا چنگیزی دل حملہ آور ہو جاتا؟

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برما کی جنگی قوت کا اسی سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ دس گیارہ ہزار انگریزی فوج دو ہفتے کے اندر (۱۴ تا ۲۷ نومبر ۱۸۸۵ء) پائے تخت مانڈلے تک فاتحانہ بڑھتی چلی گئی۔ راجا نے بلغیر مزاحمت اطاعت قبول کی، پھر بھی اسے جلاوطن اور پورے ملک برما کے الحاق کا اعلان کر دیا گیا (جنوری ۱۸۸۶ء) برمی فوج کے برطرف کیے ہوئے سپاہی اور آزادی کے حامی کئی سال تک غاصب فرنگیوں سے چھپ چھپ کر لڑتے رہے، مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ انگریزوں نے کروڑہا روپے کا صرف تیل یہاں سے سونت لیا[1] ۱۸۹۷ء میں شمالی اور جنوبی برما کو ملا کر ہندوستان کا صوبہ بنا دیا گیا تھا، اس بے جوڑ پیوند، پھر برطانی ملوکیت کے قلادے سے حال جب (۱۹۴۷ء) اس کی گلوخلاصی ہوئی ہے۔

قرن حاضر کے اوائل میں ایک فوجی مہم تبت کی ۱۹ ہزار فیٹ بلند راج دھانی لہاسا پر چڑھائی تھی (۱۹۰۲ء) محمد شاہ تغلق کے خبط کشورکشائی کا یہ دورہ لارڈ کرزن پر پڑا تھا جسے برطانی ملوکیت کا بھاٹ دی امنتھ بھی محض لاحاصل قرار دیتا ہے۔

دیسی ریاستیں:

سکھم کا پہاڑی راج ڈلہوزی کی نامتناہی ہوس کا شکار ہو چکا تھا (۱۸۵۰ء) اس کے مشرق میں بھوٹان کی کلاں تر ریاست تبت کے زیرِ سیادت مانی جاتی تھی۔ اس پر ۱۸۶۵ء میں چڑھائی کر کے ایک حصہ چھین لیا، نسبتہً ویران پہاڑیاں راجہ کے پاس چھوڑ دیں۔ اپنی اطاعت کا اقرار کرایا۔ صرف میسور کی ریاست ایسی خوش نصیب تھی کہ جون لارنس کی تحریک سے چند شرطوں کے ساتھ قدیم خاندان کے راجہ کو واگزاشت کر دی گئی (۱۸۸۱ء) مانی پور کی ریاست سرکشی کا دم بھرتی تھی۔ آسام کا چیف کمشنر پانچ سو سپاہی لے کر گوشمالی کے لیے گیا۔ اسے وہاں کے سیناپتی نے گفتگو کے لیے

---

[1] ۱۹۲۵ء میں یہاں کے پٹرول کی بر آمد کا سالانہ اوسط ۲۷½ کروڑ گیلن سے زیادہ ہو گیا تھا۔ (انسائیکلو بریٹے نیکا۔ طبع ۱۴۔ ۴ صـ۴۲۹)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلایا اور پکڑ کر سر قلم کرا دیا۔ آخر دوسرے مہینے گرفتار ہوا اور پھانسی کی سزا پائی۔ ریاست پوری طرح انگریزوں کے قابو میں آگئی (۱۸۹۱ء)

چند سال پہلے مغربی ساحل پر بڑودہ کے راجہ کے ساتھ اس سے بھی زیادہ زبردستی ہوئی کہ محض شبہے پر معزول اور خارج البلد کر دیا گیا (۱۸۷۵ء) یہی زمانہ تھا جب کہ ولی عہد برطانیہ ہندوستان کی سیر کرنے آیا۔ پھر مسلمانوں کے قدیم دار السلطنت دہلی میں دربار قیصری منعقد کیا گیا (۱۸۷۷ء) جسے برطانی ملوکیت کا جشنِ شبابی کہنا چاہیے۔

اگرچہ پارلیمنٹ میں نئے خطاب کی تجویز پر خاصی ردو قدح ہوئی تھی مگر برطانی ہند سے بڑھ کر قیصریت کا دباؤ دیسی ریاستوں پر محسوس ہوتا ہے کہ ان کی اندرونی آزادی انگریز عمال کے شکنجے میں اور کس لی گئی۔ راجہ اور نواب، رزیڈنٹ یا پولٹیکل ایجنٹ کے ماتحت و محتاج ہو گئے۔ اُن کی زندگی کا وظیفہ ہی اُسے خوش رکھنا اور موروثی دولت کو عیش و اوباشی میں اڑا دینا رہ گیا۔

ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست حیدرآباد دکن رقبے کے اعتبار سے بجا طور پر ملک محروسہ نظام کہلاتی تھی مسلمان رئیس اعلیٰ حضرت نظام الملک آصف جاہ کا اپنا خطبہ اور سکہ جاری ہو گیا تھا۔ ریاست، خصوصاً بلدہ حیدرآباد میں آخری مغل بادشاہوں کی شان جھلک جاتی تھی، مگر اصلی طاقت کا شعلہ کبھی کا بجھ چکا تھا۔ ساری چمک دمک مستعار تھی کہ برطانیہ کا سورج غروب ہوتے ہی کافور ہو گئی۔

اسی دور میں مالوے کی مسلمان ریاست بھوپال میں تین سگھڑ بیٹیاں یکے بعد دیگرے مسند نشین ہوئیں یعنی سکندر (جہاں) بیگم، شاہ جہاں بیگم، سلطان جہاں بیگم۔ راجپوتانے میں ٹونک اپنی مذہبی روایات کو نباہتا رہا۔ رامپور کے بعض نوابوں نے علم و ادب کی سرپرستی میں نام پایا۔ مغربی ہند میں مسلمانوں کی چند ریاستیں اگرچہ مشہور نہ ہوں، خاصی خوش حال تھیں۔ ان میں عربی اور حبشی نسل کے خاندان حکومت کرتے تھے۔ سب سے بڑی جوناگڑھ ہے جس نے پاکستان سے الحاق کا معاہدہ کیا، مگر ہندو اقتدار کی شورہ پشتی اس پر عمل کرنے میں ابھی تک مانع ہے۔ والیٔ ریاست اور بہت سے مسلمان باشندے کراچی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں بنا گزیں اور حق رسی کے امیدوار بیٹھے ہیں۔

شمال مغربی سرحد اور بلوچستان کی ریاستیں علیٰ ہذا پنجاب و سندھ کی ترقی پذیر ریاستیں بہاولپور و خیر پور مملکتِ پاکستان میں شامل ہو چکی ہیں۔

ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے بعد ایک مدت تک ہندو، بلکہ سکھ ریاستوں میں بھی پرانے تعلیم یافتہ قدر و منزلت سے دیکھے جاتے تھے۔ سرکاری زبان عموماً فارسی پھر اردو ہو گئی۔ دہلی کے بہت سے خانہ برباد مسلمان شرفا کو الور، جے پور، پٹیالہ، بھرت پور، گوالیار وغیرہ میں ہاتھوں ہاتھ پناہ دی گئی۔ اور وہ وہیں رس بس گئے۔ ہندو ریاستوں میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد کا تخمینہ ساٹھ ستر لاکھ سے کم نہ تھا۔ صدی کے آخر تک یہاں انگریزی تعلیم اور نئے خیالات کم شائع ہوئے تھے۔ شاید اسی نسبت سے فرقہ پرستی کا زہر کم سرایت کر سکا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب یازدہم

دَورِ سرسیّد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دورِ سرسید

انگریزی تعلیم

برطانیہ کا سیاسی اقتدار یورپ کے علم و فن کی سلطانی کا نقیب تھا۔ مغرب کی نئی تہذیب ممالکِ مشرق پر دل بادل کی طرح چڑھی چلی آتی تھی۔ ہندوستان میں اسے طعن کے چھینٹے سے "نئی روشنی" کہتے تھے۔ اس روشنی کے مینار انگریزی مدارس و کلیات بنے۔ بینٹنگ کے زمانۂ ولایت (۱۸۲۸ء تا ۱۸۳۵ء) میں برطانیہ کا ادیبِ شہیر مکالے، گورنر جنرل کی کونسل کا نیا رکنِ قانون بنا کر ہندوستان بھیجا گیا۔ "تعزیراتِ ہند" کا ابتدائی مسودہ اسی نے تیار کیا، لیکن جولانیٔ طبع کا اصلی میدان خطیبانہ انشا پردازی تھا، اس کی نمائش اُن تحریروں سے ہوئی جو تعلیمی مسائل پر قلم بند کی گئی تھیں۔ مکالے تیسرے سال (۱۸۳۸ء میں) وطن واپس چلا گیا، مگر اُسی کی قلم کاری سے کمپنی کی حکومت نے یہ تجویز منظور کی کہ ہمارا تعلیمی مقصد دیسی باشندوں میں یورپ کے علوم کی اشاعت ہونا چاہیے، لہٰذا آیندہ (ہندوستان کا) روپیہ جو اس مد میں لیا جائے گا" وہ صرف انگریزی تعلیم پر خرچ کرنا مناسب ہے[1]"

---

[1] انگریزی تاریخوں کے علاوہ مکالے کی یادداشت اور حکومت کی یہ (بقیہ حاشیہ آیندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مکالے نے اپنی یادداشت میں ہندوستان کے پرانے علوم اور مروجہ ادبیات کا خوب خاکہ اڑایا ہے اور یہ بھی صاف صاف اشارہ کیا ہے کہ انگریزوں کی انتظامی ضروریات اور تجارتی اغراض کا تقاضا ہے کہ اہلِ ہند میں انگریزی زبان اور مغربی تمدن مقبول ہو۔ نئے "تعلیم یافتہ" کالے "انگریز" بن جائیں۔ مذہبی فوائد جن کا سرکاری تحریروں میں اظہار نہیں، خانگی خطوں میں مسطور ہیں کہ میری تجاویز پر عمل ہوا تو لوگوں کے عقائد بدل جائیں گے۔ کم سے کم بنگالے میں بت پرستی معدوم ہو جائے گی۔[1]

غرض بڑے صوبوں میں انگریزی کی اعلیٰ تعلیم کے کالج قائم کیے گئے، مگر انگریز حکام زیادہ روپیہ خرچ کرنے سے جان چراتے تھے، البتہ کوئی بڑدمل جائے، تو اس "کارِ خیر" میں لگا دیتے تھے، چنانچہ خاص کلکتہ میں حاجی محمد محسن کے مذہبی وقف کو ضبط کیا اور یہ روپیہ حکومت کے زور سے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

قرارداد سرکاری اور غیر سرکاری مطبوعات میں بار بار چھپ چکی ہے۔ پچھلے دنوں کلکتہ یونیورسٹی کمیشن کی ضخیم روداد کی جلد چہارم کے ضمیمے ۲ و ۳ میں تمام و کمال نقل کی گئی ہے۔

واضح رہے کہ مکالے سرکاری مجلس تعلیم کا صدر بھی بنا دیا گیا تھا۔ دوسرے انگلستان کی زبان اور قوانین کو ممالکِ ہند میں جاری کرنے کے منصوبے پکائے جا رہے تھے، اس خیال سے بھی انگریزی تعلیم کی اشاعت ضروری نظر آتی تھی۔

[1] (حاشیہ صفحہ ہذا)

مکالے کی سیرت اور مکاتیب اس کے بھانجے اوٹو ٹریولین نے دو جلدوں میں شائع کیے ہیں۔ ان میں محولہ بالا توقعات کا اظہار کیا گیا ہے۔ مکالے کا بہنوئی سر چارلس ٹریولین جو ہندوستان میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز اور مدراس کا گورنر رہا، اشاعتِ دین کی خواہش میں پادریوں سے کم نہ تھا۔ (اس کے خیالات کے متعلق ملاحظہ ہو جسٹس سید محمود مرحوم کا مقالۂ تعلیم پر۔ ص ۶۶ و مابعد۔)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہگلی کالج پر بہا دیا (۱۸۳۶ء) حالانکہ وہ مسلمانوں کی دینی ضروریات کے لیے مختص تھا اور اس انگریزی کالج میں مسلمان طلبہ کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی[۱]

سرکاری قرارداد کی منظوری کے باوجود آیندہ بیس برس میں سرکاری کالجوں کی تعداد بیس بھی نہ ہوئی اور ۱۸۵۳ء تک انگریزی پڑھنے والوں کا شمار سارے ہندوستان میں چالیس ہزار سے کم تھا، یعنی ہر پانچ چھ ہزار باشندوں میں صرف ایک خواندہ کا اوسط نکلتا تھا[۲] اس میں بھی پادریوں کی تگ ودو اور سرکاری ملازمت کی ترغیب کو بڑا دخل تھا، ورنہ اتنی اجنبی اور مشکل زبان کو پڑھنے سے اہلِ ہند بہت گھبراتے تھے بخصوصاً انگریزی املا پر قدرت حاصل کرنا نہیں محال نظر آتا تھا۔

حقیقت میں ایسی تحریر جس میں حروف علت کی آوازیں مقرر نہ ہوں صحیح لکھنا برسوں کی مشق اور دماغ کی سخت مشقت کا طالب ہے۔ طرفہ تر یہ کہ انہی حروف سے اعراب کا کام لیا جاتا ہے جس سے معمولی الفاظ اور زیادہ طولانی ان کے ہجے اور زیادہ دشوار ہو گئے ہیں۔

کمپنی بہادر کی نگاہ سود وزیاں پر زیادہ رہتی تھی تعلیم انگریزی کی سست رفتاری کے باوجود ولایت کے حکام کو اندازہ ہو گیا کہ یہ سودا نفع سے خالی نہیں ہے۔ ہندوستان میں اتنے سستے انگریزی داں ملنے لگے کہ ولایت سے جو گنے خرچ پر بھی نہ آ سکتے تھے، چنانچہ تعلیم کو فروغ دینے کا دوسرا اقدام وہیں کے حکام نے کیا۔ نظمائے کمپنی کی طرف سے ایک مبسوط تحریر گورنر جنرل کے نام بھیجی گئی جو "وڈ کا تعلیمی مراسلہ ۱۸۵۴ء" موسوم ہے۔ اس میں ہدایت کی گئی تھی کہ ہر بڑے صوبے میں علیحدہ محکمہ تعلیم قائم کیا جائے۔ صدر مقامات پر ایک ایک جامعہ بنائی جائے اور اس

---

[۱] یعنی ۱۸۵۰ء تک کل چار سو طلبہ میں صرف پانچ مسلمان تھے (روداد کلکتہ یونیورسٹی کمیشن، ج ۴ صفحہ ۳۴)۔

[۲] امپیریل گزیٹیر ج ۴ صفحہ ۴۱۲۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے تحت ہیں انگریزی مدارس و کلیات میں جس حد تک مناسب ہو اضافہ کر دیا جائے۔ ثانوی درجے سے ذریعۂ تعلیم انگریزی زبان کو لازم قرار دیا گیا اور ابتدائی مدارس میں جہاں مانگ ہو انگریزی سکھانے کی سفارش کی گئی۔ مراسلے میں ایسے غیر سرکاری مدارس کی رقمی امداد اور ہمت افزائی کرنے کی بھی تحریک تھی جو حکمۂ تعلیم کا نصاب اور نگرانی قبول کر لیں۔

یہی وہ بنیادی نقشہ ہے جس کے مطابق آئندہ نظامِ تعلیم تعمیر ہوا اور خفیف ردّ و بدل کے ساتھ ابھی تک پاکستان و ہند میں قائم چلا آ رہا ہے۔

۱۸۵۷ء کے سنگین ہنگامے نے تعلیم کی ترقی میں رکاوٹ ڈالی۔ آئندہ کبھی کبھی انگریز حکام کو اس حکمت عملی کے مفید و مناسب ہونے میں شبہات پیدا ہوتے رہے لیکن ایک مرتبہ اہلِ ہند کو جس راستے پر لپکا کر چلایا تھا، پھر وہ خود اسی پر دوڑنے لگے اور انگریز والی نے روکنا بھی چاہا تو اُن کے قابو میں نہیں آئے۔ چند ہی سال میں ہر بڑے شہر میں کالج اور معمولی بستیوں میں انگریزی ہائی اسکول کھل گئے۔ آگے چل کر بلدیات نے ثانوی مدارس کے مصارف اپنے ذمّے لے لیے مرکزی حکومت پر خرچ کا کوئی بار نہیں رہا۔ ۱۸۵۷ء میں صرف تین جامعات (کلکتہ، بمبئی، مدراس میں) قائم ہوئی تھیں۔ بیس ہی برس میں ان کی اعلیٰ تعلیم پانے والے ۲ ہزار ہو گئے۔ پنجاب (۱۸۸۲ء) اور الٰہ آباد (۱۸۸۷ء) کی علیحدہ یونیورسٹی بننے سے پیشتر ہی برطانی ہند میں طلبہ کا سالانہ اوسط ایک ہزار تک پہنچ گیا تھا۔

مسلمان اور انگریزی

انگریزی تعلیم کی دوڑ میں مسلمان سست اور پس ماندہ رہے[1] احاطہ مدراس و بمبئی میں اُن کی

ل ’حیاتِ جاوید‘ میں لکھا ہے کہ مدرسۃ العلوم کی بنا پڑنے (۱۸۷۵ء) تک سارے ہندوستان میں مسلمان بی اے فقط ۲۰ تھے۔ ہندو بی اے، ایم اے کامیابوں کی تعداد ۸۴۰ ہو گئی تھی۔ (ص [illegible])

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آبادی کم تھی، مگر بنگالے میں یہ بات نہ تھی۔ وہاں یہ فرق زیادہ نمایاں ہوا۔ اس کا سبب محض مسلمانوں کا تعصب اور انگریزی سے تنفر نہ تھا، بلکہ جیسا ولیم ہنٹر نے تفصیل سے بتایا اور گزشتہ اوراق میں ہم نے حوالہ دیا، خود انگریز حکام مسلمانوں کو سرکاری ملازمت سے محروم رکھنا اور ہنود کو انگریزی پڑھا کر اپنے ماتحت ان پر مسلط کرنا چاہتے تھے۔ جب تک حکومت نے یہ حکمتِ عملی نہ بدلی مسلمان انگریزی تعلیم کے میدان میں قدم نہ بڑھا سکے۔ اسی علت و معلول کی ایک مثال پنجاب کے تعلیمی حالات میں ملتی ہے کہ برطانی تسلط ہونے کے وقت یہاں کے سرکاری مدارس میں مسلمان معلم و متعلم دوسری قوموں سے کہیں زیادہ تھے۔ سررشتہ تعلیم کے انگریز پندرہ بیس برس تک علانیہ اور مسلسل کوشش کرتے رہے کہ مسلمانوں کا غلبہ کم کیا جائے اور بالآخر ان کی تعداد جو پہلے اوروں سے سہ گنی تھی، گھٹاتے گھٹاتے صرف ایک تہائی کر دینے میں کامیاب ہو گئے۔[1]

ہندو باشندوں کا انگریزی سیکھنے میں مسابقت کرنا کچھ قابلِ حیرت نہ تھا۔ صدیوں سے اُن کی اپنی کوئی زبان علمی اور سرکاری نہیں رہی تھی۔ جب تک مسلمانوں کا اقتدار تھا، فارسی کا طوطی بولتا رہا۔ ہندو بھی اسی زبان میں مشق و مہارت حاصل کرتے تھے۔ گردشِ روزگار ایک اور قوم کو اوپر لائی تو اب اُس کی زبان سیکھنے پر تیار ہو گئے۔ وہ فارسی کی نسبت زیادہ اجنبی اور مشکل ضرور تھی، مگر نئے حاکموں نے ملازمت کا روغن چپڑ دیا اور طمع کی شکر لپیٹ دی تو یہ کڑوی گولی نگل جانا سہل ہو گیا۔ پھر بھی سخت مشقت اور کئی پشت کی مشق و مزاولت اور کثرتِ استعمال کے باوجود شاید یہ ثابت کرنا دشوار ہو گا کہ فارسی زبان میں انہوں نے جیسی مہارت پالی تھی، انگریزی ادب و انشا میں بھی وہی مرتبہ لینے میں کامیاب ہوئے؟

مسلمانوں کے تعلیم انگریزی میں پیچھے رہ جانے کا ایک سبب بعض اربابِ فکر نے یہ لکھا ہے

---

[1] ملاحظہ ہو "مسلمانوں کا روشن مستقبل" ۱۷۳ - ۱۷۵ (مطبع علمی، دہلی ۱۹۴۵ء)، بحوالہ تحریر خان بہادر خورشید احمد خاں، و تاریخ تعلیم وغیرہ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ "ابتدائے اشاعت سے وہ جس ملک میں گئے اور جہاں جا کر رہے، مستثنیٰ صورتوں کے سوا کبھی اُن کو غیر ملک اور غیر قوم کی زبان سیکھنے کی طرف توجہ نہیں ہوئی۔ وہ جہاں جاتے تھے اپنی زبان اور اپنا علم ادب ساتھ لے جاتے تھے۔ جس طرح اسپین میں جا کر انہوں نے اسپینش زبان یا ایران میں ژند زبان نہیں سیکھی۔ اسی طرح ہندوستان میں آ کر اس ملک کی زبانوں کے سیکھنے کی طرف توجہ نہیں کی اور اس لیے غیر زبانوں کے سیکھنے کی فی الواقع قابلیت نہ رہی تھی۔"[1] مگر یہ خیال مغالطوں میں غلطاں ہو گیا ہے۔ تاریخی حقیقت بالکل برعکس، یہ پائی جاتی ہے کہ عربوں نے مفتوحہ ممالک میں جاتے ہی وہاں کی زبانوں سے شناسائی پیدا کی، ان میں علم و فن کے خزانے تلاش کیے اور صدہا تصانیف کا آرامی، یونانی اور ایرانی زبانوں سے عربی میں ترجمہ کیا۔ ہندی طب اور ہیأت کی مشہور کتابیں بغداد میں مطالعہ کی گئیں۔ پاکستان و دوآب کی ابتدائی فتوحات کے زمانے ہی میں سنسکرت دانی کی فضیلت البیرونی کے حصے میں آئی۔ دُنیا کے قدیم علوم کو عربوں نے گود میں لیا، بڑھایا اور آیندہ نسلوں تک پہنچایا۔ پھر عجمی اقوام جو ملّتِ اسلام کا جُز بنیں، انہوں نے خود عربی زبان میں بے نظیر دستگاہ حاصل کی۔ غرض من حیث القوم مسلمانوں کو ایسا الزام دینا درست نہیں کہ انہیں غیر زبانوں کے سیکھنے میں تکلف تھا یا وہ اس قسم کی صلاحیت کھو بیٹھے تھے۔

مذہبی اور ملکی تعصبات سے قطع نظر کیجیے تو صرف لسانی اور ذوقی اعتبار سے انگریزی پڑھنے میں مسلمان اٹکتے تھے۔ نئی تعلیم کے وہ پہلو جن پر عادت اور ہماری موجودہ مرعوبیت نے پردے ڈال دیے ہیں یہاں خیال میں رہنے چاہییں:

۱۔ انگریزوں نے شروع سے سرکاری مدارس میں اپنی زبان، ادبیات، ضروری حساب اور معلومات عام کے چند مضامین کی تعلیم دلوائی۔ ان کا مقصد کسی سے چھپا ہوا نہ تھا کہ نظم و نسق میں مدد دینے کے لیے انگریزی دان ملازم تیار کرنا چاہتے تھے۔ مروجہ فارسی ایک سہل و سلیس شستہ و شائستہ

---

[1] حیاتِ جاوید (طبع انجمن ترقی اردو، ۱۹۳۹ء) ۲ ص ۶۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زبان تھی۔ لیسے آراستہ بنے بنائے چمن کے مقابلے میں انگریزی کی وسعت اپنی بے قاعدہ صرف ونحو، دشوار تلفظ اور پیچیدہ طرز بیان سے ایک گھنا بلکہ گھنا ونا جنگل نظر آتی ہے جس کے پیچ وخم سے پوری واقفیت حاصل کرنا برسوں کی سرگردانی کے بغیر محال تھا۔ خالص انشا پردازی کے فن یا صنعتِ شعر وسخن میں کوئی صاحبِ ذوق مبصر عربی فارسی ادبیات پر انگریزی نظم و نثر کو ترجیح نہ دے گا۔ مغربی افسانہ نویسی میں جدت کی لذت پائی جاتی ہے مگر علم وحکمت کی الماری میں انہیں جگہ نہیں دیتے۔

۲۔ دوسرے مضامین میں، جغرافیے یا موالیدِ ثلاثہ کی تھوڑی سی جدید معلومات کے سوا کوئی نئی چیز شاملِ درس نہ تھی۔ یہ مضامین یا ریاضی، ملکی زبانوں میں زیادہ آسانی سے پڑھائی اور ذہن نشین کی جا سکتی تھی۔

۳۔ یورپ کو اصلی فوقیت تجربی اور میکانی علوم سے ہاتھ آئی ہے۔ انہیں پڑھانے سکھانے میں انگریز آخر تک بخل کرتے رہے۔ بعض مبادی یا نظریاتی کتابیں اونچے درجوں میں داخل کیں مگر کان کنی، بڑی بڑی کلیں یا کارخانے بنانا ایک طرف انجینئری، جراحی، دواسازی تک کی عملی تعلیم کا انتظام نہیں کیا۔ یہی سبب ہے کہ سو سال سے زیادہ عرصے شاگردی کرائی، پھر بھی جدید علم وفن میں ممالکِ ہند فرنگی استاد سے اسی قدر (بلکہ نسبتاً شاید کچھ زیادہ) پس ماندہ نظر آتے ہیں جتنے انیسویں صدی کے آغاز میں پیچھے رہ گئے تھے۔

۴۔ معنوی یا اخلاقی اعتبار سے زیرِ نظر عہد کی انگریزی کتابیں اسلامی اصول سے کوئی نمایاں اختلاف نہ رکھتی تھیں، تاہم یورپ کے مصنفوں کا رُخ مذہب وروحانیات سے عقلیت و مادہ پرستی کی طرف پھر چلا تھا۔ ملتِ اسلامی کے عقیدے میں تعلیم کا یہ صحیح راستہ نہ تھا، گمراہی تھی۔

۵۔ تعلیمِ جدید کا سب سے ناگوار مضمون وہ انگریزی تاریخیں تھیں جن میں مشرقی، خصوصاً ممالکِ ہند کے مسلمان سلاطین کو بدنام کیا گیا ہے اور واقعات کو مسخ کرنے میں کذب وافترا تک سے کام لیا ہے۔ ان کے مطالعہ سے ہندوؤں کے دل میں نفرت واشتعال،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمان طلبہ میں رنج و انفعال پیدا ہوتا تھا۔ انگریزوں کو تفرقہ پردازی کے مقصد میں بے شبہ بڑی کامیابی ہوئی، مگر ایسی کامیابی پر انسانیت کے دشمن ہی فخر کر سکتے ہیں۔

اِن سب کوتاہیوں خرابیوں کے باوجود جب انگریزی تعلیم ملازمت کی شرط قرار پائی تو لازماً ضرورت مند مسلمان سرکاری مدارس کی طرف رجوع ہوئے، مگر جیسا کہ اوپر بیان ہوا کوئی پچاس برس تک خود انگریزوں نے انہیں دور رباش کہا۔ ہر محکمے اور سرکار میں ہنود کے قدم جم گئے، مسلمانوں کا کس بل نکل گیا، تب اُنیسویں صدی کے آخری ثلث میں سابقہ مسلک بدل گیا۔ ۱۸۷۱ء اور پھر ۱۸۸۲ء میں مرکزی حکومت نے صوبوں کو ہدایت کی کہ مسلمانوں کی تعلیم کی طرف بطورِ خاص توجہ کی جائے۔ اُن کے مدارس کو سرکاری امداد، طلبہ کو وظائف دیے جائیں۔ جامعات میں عربی فارسی کے شعبے قائم ہوں۔ ابتدائی تعلیم سے اعلیٰ مدارج تک اُن کے ساتھ خاص مراعات کی جائیں۔ انہی عنایات کی ضمن میں حاجی محمد محسن کا وقف بھی گویا واگزار کر دیا گیا۔[1]

اسی تغیرِ حالات سے (سر) سید احمد خاں نے فائدہ اٹھایا۔ مدرسۃ العلوم علی گڑھ اور مسلمانان ہندکی ایک نئی اور بڑی تحریک کی بنا ڈالی۔

سید احمد خاںؒ :

ملّتِ اسلامیہ ہند کی تاریخ میں تیرہویں صدی ہجری (۱۹ ویں عیسوی) کا نصف اوّل سید احمد شہید بریلویؒ کی تحریکِ جہاد سے چمک اٹھا تھا۔ نصفِ آخر اسی نام کے دہلوی بزرگ کے کارناموں سے تابندہ ہے۔ عُمر کے سرے پر انہیں سرکارِ انگریزی نے سر کے خطاب سے نوازا تھا، (۱۸۸۸ء) یہ اُن کے نام کے ساتھ ایسا چسپاں ہوا کہ عام طور سے سر سید کہلاتے ہیں۔ دربارِ دہلی کا موروثی خطاب "جواد الدولہ" بہ اضافہ "عارف جنگ" ابوظفر بہادر شاہ نے ۱۸۴۲ء میں عنایت کیا تھا۔

---

[1] جسٹس سید محمود کا مقالہ تعلیم پر ص ۱۴۹ و مابعد۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرسید دہلی کے ایک معزز گھرانے میں بتاریخ ۵ ذی الحجہ ۱۲۳۲ھ (۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء) پیدا ہوئے۔ درویش مزاج باپ حضرت غلام علی شاہ صاحبؒ (مجددی) کے خاص مرید تھے۔ ماں نہایت زیرک نیک نہاد خاتون تھیں۔ بچپن انہی کے سلیقہ مند ہاتھوں نے سنوارا۔ نانا، دبیر الملک خواجہ فرید، لال قلعے میں وزارت اور کمپنی کی سرکار میں سفارت کے عہدوں پر فائز ہوئے تھے۔ رتبۂ عالی کے ساتھ بڑے ذی علم، نیز دوست شخص گزرے ہیں۔ ہیات و ریاضی میں انہیں کمال حاصل تھا۔ سید صاحب کی تعلیم و تربیت ننہیال ہی میں ہوئی۔ وہ خاندان شاہ عبدالعزیزؒ سے عقیدت و خصوصیت رکھتا تھا۔

مجددی طریقے کے لوگ صوفیوں میں غیر مقلد کہلاتے ہیں۔ انہی دونوں نسبتوں سے سید صاحب اپنے آپ کو کٹر دائیم چڑھا وہابی کہا کرتے تھے۔ اُن کی نوجوانی عیش و فراغت، بلکہ کسی قدر عیاشی میں گزری جو اُن دنوں مسلمان امیرزادوں کا شعار ہو گئی تھی۔ تعلیم کے لیے بہت اچھے اُستاد موجود تھے، مگر فارسی کی معمولی درسیات کے بعد سید صاحب نے صرف متوسط درجے کی عربی پڑھی، قدیم ہیات اور علمِ ریاضی میں خاصا درک حاصل کیا۔ کچھ مدت تک طب پڑھتے رہے۔ ادبیاتِ فارسی کا ذوق آزردہ، غالب و صہبائی جیسے اہلِ کمال کے رابطوں سے مجلّی ہوا۔

والد کے انتقال اور قلعے کی یافتیں موقوف ہونے کے بعد سید صاحب دہلی کی انگریزی کچہریوں میں نوکری کرتے رہے۔ پھر منصفی کا امتحان دے کر کئی سال تک یہیں منصف رہے۔ (۱۸۴۶ء تا ۱۸۵۴ء) یہ اُن کی زندگی کا وہ دور ہے جس میں بڑے بھائی کی وفات کا سخت صدمہ اٹھایا۔ دنیا سے دل سرد ہو گیا۔ مہینوں زاہدِ مرتاض رہے۔ حدیث و فقہ کی چند کتابیں سبقاً سبقاً پڑھیں۔ عہدِ رفتہ کے مطالعہ سے شغف ہوا۔ دہلی کے نئے پرانے کھنڈر دیکھتے پھرے۔ کتاب آثار الصنادید لکھنی شروع کی۔ تاریخی تحقیق کے علاوہ یہ بڑی محنت اور دردسری کا کام تھا۔ پرانی دہلیوں کے آثار کوئی دو سو میل کے رقبے میں کھنڈرے پڑے ہیں۔ اُن کی ٹوٹی پھوٹی عمارتوں کی پیمائش اور صحیح نقشے بنوانا، مٹے گھٹے کتبے پڑھنا، ان کی نقلیں اور چربے اُتارنا، پھر مختلف تواریخ، تراجم، روایات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ان کی سرگزشت مرتب کرنا، مؤلف کے بے پایاں شوق اور کمال ہمت و استقامت کا کرشمہ ہے شہر کی مختصر تاریخ کے ضمن میں مشاہیرِ دہلی کے حالات بھی کتاب میں شامل کر دیے ہیں کہ اُس عہد کا تہذیبی مرقع آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ آثار الصنادید پہلے ۱۸۴۷ء میں اور دوبارہ تصحیح کر کے ۱۸۵۴ء میں چھاپی گئی[1] یورپ میں چند سال بعد گارسن دِتاسی کے فرانسیسی ترجمے سے روشناس ہوئی۔ (۱۸۶۱ء)

۱۸۵۵ء میں سیّد صاحب ترقی پا کر بجنور کے صدر امین (سب جج) بنائے گئے۔ وطن چھوڑنا پسند نہ تھا، مگر بعض بالادست انگریزان کے قدردان اور بہت مہربان ہو گئے تھے۔ انہی کے اصرار سے یہ عہدہ قبول کیا۔ بجنور میں بھی علمی مشغلہ جاری رہا۔ سرکاری طور پر اس ضلعے کی مفصل تاریخ تالیف کی تھی جو ۱۸۵۷ء کی آندھیوں میں اُڑ گئی۔ انہی دو سال کا ایک اور مفید تحقیقی کام "آئینِ اکبری" کی تصحیح و تحشیہ تھا جس کی اہلِ علم نے بڑی قدر کی۔ ۱۵ برس بعد بلوخ مین کا انگریزی ترجمہ سیّد صاحب کے باتصویر نسخے سے مستفید ہوا۔ اس وقت تک انہوں نے اور کئی رسالے ہندسی، تاریخی، قانونی اور مذہبی موضوعات پر تحریر کیے۔ ان کی تفصیل "حیاتِ جاوید" میں درج ہے۔ فقط فہرست پڑھ کر ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ قلم کی روانی اور ذہانت کی فراوانی کے ساتھ خدا نے سیّد احمد خاں کو کس قدر مستعدی اور جفاکشی عنایت کی تھی کہ اہم سرکاری فرائض کثیر ذاتی اور خاندانی مشاغل کے باوجود اتنے وسیع مطالعے اور تحقیق و تالیف کے کام سرانجام دے لیتے تھے۔ یہ وصف مرتے دم تک ان کا مابہ الامتیاز رہا۔

انقلاب ۱۹۵۷ء کے عمیق تاثرات:

۱۸۵۷ء کے خونی گرداب نے ضلع بجنور کو لپیٹ لیا۔ اس وقت وہاں انگریز اور نیم انگریز مرد

---

[1] سیّد صاحب کے بڑے بھائی نے غالباً لکھنؤ کا چھاپہ خانہ قائم کیا تھا۔ کچھ عرصے اردو ہفت روزہ سید الاخبار بھی شائع کرتے رہے جو ہمارے قدیم ترین جرائد میں شمار ہوتا ہے (دیکھو حیاتِ جاوید

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعورت کی تعداد بیس تھی۔ بلوائی انہیں مارنے کے درپے ہوئے۔ سرسید کی جاں نثاری جوانمردی اور ہوش مندی سے ان کی جان بچی، خیریت سے رُڑکی پہنچا دیے گئے۔ امن پسند ہندو اور مسلمان دونوں کی درخواست پر ضلعے کا انتظام سید صاحب کے سپرد ہوا تھا، مگر باہمی نفاق اور فتنہ و فساد کے ریلوں میں قائم نہ رہ سکا۔ ان کا اور ساتھ کے مسلمان عمال کا مال اسباب تک لٹ گیا۔ مشکل سے جان بچی۔ اُفتاں وخیزاں پھٹے کپڑوں میں میرٹھ پہنچے اور بیمار پڑے رہے۔ اس عرصے میں دہلی کو انگریزوں نے چھین لیا تھا (ستمبر ۱۸۵۷ء) اور وہاں کے مسلمان شرفا پر ظلم ڈھا رہے تھے۔ سید صاحب کے خاندان کے کچھ مرد مارے گئے، باقی شہر سے نکل گئے۔ صرف اُن کی والدہ اور خالہ خدا کے بھروسے نوکروں کے بیوت میں بیٹھی رہیں۔ انہیں خود جاکر میرٹھ لائے، مگر فاقہ کشی اور صعوبتوں نے ماں کو نیم جان کر دیا تھا۔ چند ہفتے بعد ان کا میرٹھ ہی میں انتقال ہو گیا۔

اسی آمد و رفت میں سید صاحب نے دہلی کے مسلمانوں کی تباہی دیکھی۔ وہ جو کسی دوست آشنا کی مصیبت سے بے چین، کسی ایک ہی عزیز کی رحلت سے بیقرار ہو جاتے تھے، تقدیر نے پورے شہر کی جان کنی اور موت انہیں آنکھوں سے دکھا دی۔ ان کا دل ٹوٹ گیا۔ ارادہ کر لیا کہ ہندوستان میں نہیں رہیں گے۔ عرصے کے بعد ایک عام تقریر میں یہ کیفیت خود بیان کی تھی جسے ہم حیاتِ جاوید کے اوراق سے دُہراتے ہیں :

"غدر میں جو حال انگریزوں اور اُن کے بچوں اور عورتوں پر گزرا اور جو حال ہماری قوم کا ہوا اور نامی نامی خاندان برباد و تباہ ہوئے، ان دونوں واقعات کا ذکر دل کو شق کرنے والا ہے۔ غدر کے بعد نہ مجھ کو اپنے گھر لُٹنے کا رنج تھا نہ مال و اسباب کے تلف ہونے کا، جو کچھ رنج تھا اپنی قوم کی بربادی کا اور ہندوستانیوں کے ہاتھ سے انگریزوں پر جو کچھ گزرا اس کا رنج تھا۔ جب ہمارے دوست مرحوم شیکسپیئر نے جن کی مصیبتوں میں ہم اور ہماری مصیبتوں میں وہ شریک تھے، بعوض اس وفاداری کے تعلقہ جہان آباد، جو سادات کے ایک نامی خاندان کی ملکیت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور لاکھ روپے سے زیادہ مالیت کا تھا، مجھ کو دینا چاہا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ مجھ سے زیادہ کوئی نالائق دنیا میں نہ ہوگا کہ قوم پر تو یہ بربادی ہو اور میں ان کی جائداد لے کر تعلقہ دار بنوں۔ میں نے اس کے لینے سے انکار کیا اور کہا کہ میرا ارادہ ہندوستان میں رہنے کا نہیں اور درحقیقت یہ بالکل سچ بات تھی۔ میں اس وقت ہرگز نہیں سمجھتا تھا کہ قوم پھر پنپے گی اور کچھ عزت پائے گی اور جو حال اُس وقت قوم کا تھا وہ مجھ سے دیکھا نہیں جاتا تھا۔ چند روز میں اسی خیال اور اسی غم میں رہا۔ آپ یقین کیجیے کہ اس غم نے مجھے بڈھا کر دیا اور میرے بال سفید کر دیے۔ جب میں مراد آباد میں آیا جو ایک بڑا غم کدہ ہماری قوم کے رئیسوں کی بربادی کا تھا، اس غم کو اور ترقی ہوئی، مگر اس وقت یہ خیال پیدا ہوا کہ نہایت نامردی اور بے مروّتی کی بات ہے کہ اپنی قوم کو اس تباہی کی حالت میں چھوڑ کر میں خود کسی گوشۂ عافیت میں جا بیٹھوں نہیں، اُس کی مصیبت میں شریک رہنا چاہیے اور جو مصیبت پڑے اس کے دور کرنے میں ہمت باندھنی قومی فرض ہے۔ میں نے ارادۂ ہجرت موقوف اور قومی ہمدردی کو پسند کیا۔"[1]

سید صاحب کو خدماتِ غدر کے صلے میں خلعت، نقد انعام، دو سو روپے ماہانہ کا ایک وظیفہ اور ترقی دے کر مرادآباد کا صدر الصّدور (یعنی حاکمِ عدالتِ ضلع) بنایا گیا تھا۔ وہیں انہوں نے رسالہ "اسبابِ بغاوتِ ہند" تصنیف کیا جس میں نہایت خوبی اور دلیری سے لوگوں کی ناگواری کا سبب انگریزوں کے حاکمانہ غرور و خودرائی کو قرار دیا اور کشت و خون کی ذمہ داری دیسی فوجیوں تک محدود کرنے کی کوشش کی۔ اس تاریخی تحریر کا بڑا حصہ ہم نے باب نہم کا ضمیمہ بنا دیا ہے، لیکن

---

[1] "حیاتِ جاوید"، ص ۶۹، ۷۰، بحوالہ تقریر جلسۂ ایجوکیشنل کانفرنس، ۲۸ دسمبر ۱۸۸۹ء۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کی تباہی اور انگریزوں کی منتقمانہ کارروائی کے جو زخم لگے، وہ ایک اور گہرا تاثر دل پر چھوڑ گئے تھے۔ اسے اچھی طرح سمجھنے اور خاطر نشین کرنے کی ضرورت ہے۔ آخر عمر تک یہی خلش ان کے افکار کے تاروں کو جنبش دیتی رہی اور جو سیاسی یا ملی مسلک انہوں نے اختیار کیا اس کا قوی محرک اسی تاثر کا آذربدہ تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ دیسی فوج میں انگریزوں سے جھگڑنے کی ابتدا ہندوؤں کے مذہبی تعصبات نے کی تھی، مگر جب مسلمان مقابلے میں کود پڑے تو ہندوؤں سے زیادہ جوش و خروش سے لڑے۔ عسکری اور شہری دونوں قسم کے مجاہدوں نے خوب سر کٹوائے، جان پر کھیل گئے۔ اسی کے ساتھ ان مسلمانوں کی تعداد کچھ کم نہ تھی جو انگریزوں کی خیر خواہی میں ثابت قدم رہے اور خود جوکھوں میں پڑ کر فرنگیوں کی جانیں بچائیں۔ وفاداری کے صلے میں سرکارِ انگریزی نے انہیں انعام دینے سے دریغ نہیں کیا، مگر من حیث القوم انگریزوں کے غیظ و غضب کا مسلمان زیادہ شکار ہوئے۔ انہی نے جان و مال، سابقہ جاہ و جلال کا بے حساب نقصان اٹھایا۔ غیر مسلم ہمسایوں نے اس موقع سے جا بجا نفع کمایا۔ جھوٹی سچی مخبری سے انگریزوں کی بدظنی بڑھاتے رہے۔ مسلمانوں کی خانہ بربادی پر اپنے رسوخ کی عمارتیں تعمیر کیں۔ یہ واقعات سید صاحب کے پھوڑوں پر نشتر چلاتے تھے۔ سفاک فاتحین کا ہاتھ پکڑنے کی طاقت نہ تھی۔ بجنور و مراد آباد کے محدود حلقۂ اثر میں جہاں تک ہو سکا بے گناہ مسلمانوں کو دیوِ انتقام کا لقمہ ہونے سے بچایا۔ ۱۸۶۰ء میں ایک ضخیم تذکرہ تیار کرنے کی تجویز کی جس میں مسلمان وفاداروں کے حالات اور غدر کی خدمات اردو اور انگریزی میں لکھ کر شائع کی جائیں، مگر بہت کم افراد نے حالات فراہم کیے۔ سید صاحب کے پاس اتنا روپیہ اور وسائل نہ تھے کہ شہر شہر آدمی بھیج کر ان کی روداد اور خیر خواہی کی اسناد جمع کراتے۔ کتاب کے صرف تین شمارے (۲۰۷ صفحات) چھپ کر رہ گئے۔ سید صاحب کے پُرجوش افتتاحی مضمون سے چند سطریں نقل کرنے کے قابل ہیں:

"یہ جو مثل مشہور ہے کہ ایک مچھلی سارے جل کو گندا کرے، یہ خاص ایسے ہی بُرے وقت کے لیے کہی گئی ہے۔ اس کم بخت وقت کا یہ خاصہ ہے کہ اگر ایک آدمی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی برا کام کرے تو ساری قوم کی قوم رسوا اور بدنام ہو جاتی ہے گو اسی قوم میں سدہا آدمیوں نے اچھے کام کیے ہوں مگر ان خوبیوں پر کسی کو خیال نہیں ہوتا۔۔۔۔ یہ بدبختی کا وہ زمانہ ہے جو ۱۸۵۷ء و ۱۸۵۸ء میں ہندوستان کے مسلمانوں پر گزرا۔ کوئی آفت ایسی نہیں ہے جو اس زمانے میں ہوئی ہو اور یہ نہ کہا گیا ہو کہ مسلمانوں نے کی۔ گو وہ رام دین اور ماتا دین نے کی ہو۔۔۔۔۔ ان دنوں میں جو میری نگاہ سے انگریزی اخبارات کثرت سے گزرے اور جو کتابیں اس ہنگامے کی بابت تصنیف ہوئیں وہ بھی میں نے دیکھیں، تو ہر ایک میں یہی دیکھا کہ ہندوستان میں مفسد اور بدذات کوئی نہیں مگر مسلمان! مسلمان! کوئی کانٹوں والا درخت اس زمانے میں نہیں اگا جس کی نسبت یہ نہ کہا گیا ہو کہ اس کا بیج مسلمانوں نے بویا تھا اور کوئی آتشیں بگولا نہیں اٹھا جو یہ نہ کہا گیا ہو کہ مسلمانوں نے اٹھایا تھا، مگر میں اس کے برخلاف سمجھتا ہوں۔ میں نہیں دیکھتا کہ مسلمانوں کے سوا اور کوئی ہو جس نے خالص سرکار کی خیر خواہی میں اپنی جان، مال، عزت، آبرو کھوئی ہو۔ زبانی بات چیت کی خیر خواہیاں ملا دینے اور جھوٹے سچے ایک دو پرچے لکھ بھیجنے بہت آسان ہیں، مگر مسلمانوں کے سوا وہ کون شخص ہے جس نے سرکار کی خیر خواہی میں اپنی اور کنبے کی جان دی ہو اور ہر وقت ہاتھ پاؤں اور دل و جان سے جاں نثاری کو حاضر رہا ہو؟[۱]

غرض جہاں تک ان سے بن پڑا، وہ کوشش کرتے رہے کہ تابو یاب فرنگیوں کی مسلم آزاری، مسلم کشی کا جوش فرو ہو۔ سچی دردمندی اور دلیری کی دلیل یہ ہے کہ ایک زمانے تک کوئی دیسی یا انگریز سید صاحب کی تائید میں لب کشائی کی جرأت نہ کرتا تھا۔ وہ تنہا جدوجہد کیے جاتے تھے۔ حالانکہ مخالف سمت سے مسلمانوں پر الزام و اتہام کی آندھی چل رہی تھی۔ اکثر انگریزی اخبارات و رسائل کی توپوں کے

---

[۱] "حیات جاوید"۔ ا، ص ۸۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دہانے کھلے ہوئے تھے۔ آخری "گراب" ولیم ہنٹر کی نیم سرکاری کتاب "اور انڈین مسلمانز" تھی جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ فرنگیوں پر جہاد کرنا مسلمان مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں خصوصاً وہابی فرقے کے لوگ کبھی انگریزی حکومت کے وفادار نہیں ہو سکتے۔[1]

ان دشمنی کے نقاروں میں اکیلے سید صاحب کی فریاد و فغاں کی کچھ شنوائی نہ ہو سکتی تھی لیکن دس بارہ سال کے دور بین مصلحت کا پہیہ پھر گیا۔ ہندوؤں کی روک تھام کے لیے انگریزوں نے مسلمانوں کو تھپکنا شروع کیا۔ بایں ہمہ ۱۸۵۷ء کے عواقب نے سید صاحب کو جو عاقبت اندیشی سکھائی تھی، وہ سبق، ان کی لوحِ دماغ سے نہیں مٹا۔ مسلمانوں کے بے محابا جوش و تہور سے اور ان کی نسبت انگریزوں کی بدگمانی سے وہ برابر اندیشہ مند رہے۔ ان کی سیاسی روش کی بحث میں آئندہ ہم اسی اندیشے کی جھانج سنیں گے۔ سردست ان کاموں پر ایک نظر ڈالنی ہے جو نصاریٰ سے مصالحت اور مسلمانوں کی اندرونی اصلاح کے لیے سید صاحب کے قلم نے انجام دیے۔

اصلاح کے ابتدائی مراحل

مسلم و مسیحی کو ایک دوسرے کے قریب لانے اور دوست بنانے کی ایک تدبیر سید صاحب کو یہ سوجھی کہ بائبل کی تفسیر لکھ کر ان کے مذہبوں کی بنیادی مطابقت آشکارا کی جائے اور تعصب و تنگدلی نے فریقین میں جو خلیج بنادی ہے، وہ پاٹ دی جائے۔ یہ منصوبہ مسلمانوں کی حد تک جن کی نظر میں قوم و

---

[1] یہ کتاب ۱۸۶۸ء میں تالیف ہوئی مگر غالباً شائع ہونے میں اور دو سال گزر گئے۔ اس عرصے میں ہوا کا رخ بدل چلا تھا۔ سر سید نے اخبار "پایونیر" میں ہنٹر کی دلیل کے تازیانوں سے ۔ بی۔ اں کا تبصرہ انگریزی اور اردو میں علیحدہ بھی چھپا۔ اور دو چار انگریزوں نے اس موقع پر سید صاحب کی تائید میں قلم کو حرکت دی۔ (دیکھو حیات جاوید۔ ا ص ۱۵۸)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وطن کا اختلاف ایک اتفاقی بات ہے، کارگر ہو سکتا تھا، مگر انیسویں صدی کے فرنگی عیسائی اور وہ بھی سیاسی انگریز سے یہ توقع کرنا بے کار تھا کہ دین کی یکسانی اُس کی دنیاوی حکمتِ عملی پر اثر انداز ہو گی۔ پھر جب اس کوشش میں علمائے اسلام کے اجماعی نظریات سے بجا بجا انحراف کی نوبت آئی تو مسلمان بھی ناراض ہو گئے۔[1]

خود سید صاحب نے اپنی کتاب تبیین الکلام کی تصنیف میں بڑا اہتمام کیا تھا۔ بائبل سے متعلق مستند انگریزی کتابیں فراہم کیں اور مطالب سمجھانے کی غرض سے انگریزی داں نوکر مقرر کیا۔ اسی طرح ایک تعلیم یافتہ یہودی کو ملازم رکھ کر عبرانی پڑھی۔ توراۃ و انجیل کا ترجمہ اور تفسیر اردو کے ساتھ انگریزی میں چھاپنی شروع کی۔ اس کے لیے اپنا الگ مطبع خریدا، کئی مطلوبہ زبانوں کے آہنی حروف کا انتظام کیا۔ تفسیر میں کتابِ مقدس کے احکام و آیات کی تطبیق قرآنِ مجید یا احادیث شریف سے کی گئی تھی۔ مقدمۂ کتاب میں مسیحیت اور اسلام کے بنیادی عقائد کا یکساں ہونا، دلائل و براہین سے واضح کیا تھا۔

۱۸۶۲ء میں سید صاحب کا تبادلہ غازی پور ہوا۔ وہیں 'تبیین الکلام' کی دو جلدیں چھپیں۔ علمی تحقیق کی مشقت سے بڑھ کر مالی زیرباری نے تفسیر کا پورا مرحلہ طے نہ کرنے دیا، مگر کتابِ مقدس کی یہ تفصیلی واقفیت آئندہ 'خطباتِ احمدیہ' کی تالیف میں سرمۂ بصیرت بن گئی۔ خصوصاً سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی پیش گوئیاں جو توراۃ و انجیل میں سنائی گئی ہیں، انہیں مدلل

---

[1] 'تبیین الکلام' کا دیباچہ پڑھ کر میر مہدی علی (محسن الملک) کو بڑا غصہ آیا۔ اس وقت تک سید صاحب سے ملاقات نہ تھی۔ ایک پُرجوش تعریضی خط لکھ کر بھیجا۔ سید صاحب نے نرمی سے فقط اتنا جواب تحریر کیا کہ اب اندھی تقلید کے چلنے کا زمانہ نہیں رہا، عقل و ہوش کی رہنمائی قبول کرنی پڑے گی۔ (حیاتِ جاوید، ص ۲۲۸)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بیان کرنے میں بڑی مدد ملی۔

غازی پور ہی میں علومِ جدیدہ کی ترجمانی کے لیے ایک علمی انجمن بنانے کا خیال ہوا۔ یہ سید صاحب کی پہلی جماعتی تنظیم تھی اور اُسی سمت اقدام تھا جس نے آگے چل کر منزلِ مقصود کی راہ دکھائی۔ انجمن کی سرپرستی وزیرِ ہند نے قبول کی۔ مقامی انگریز حکام برابر مدد دیتے رہے۔ سید صاحب بدل کر علی گڑھ آگئے تھے (۱۸۶۴ء)، لہٰذا "سائنٹفک سوسائٹی" کے لیے وہیں ایک خوش وضع عمارت بنوائی جو ہمارے زمانے تک "سوسائٹی" موسوم تھی۔ رقمی اعانت کے علاوہ سید صاحب نے ذاتی مطبع جسے آٹھ ہزار میں خریدا تھا، انجمن کی نذر کر دیا۔ یہاں جدید علوم یا تاریخی مضامین پر تقریریں بھی کی جاتی تھیں۔ تاریخ و سیاسیات پر انگریزی سے چند کتابیں ترجمہ کرا کے چھاپی گئیں، لیکن مغربی سائنس کو سمجھ کر اُردو میں منتقل کرنے والے نایاب تھے۔ شمس العلماء ذکاء اللہ مرحوم کے ابتدائی ترجمے بچوں کے کٹ کھنے بھرنے کا نمونہ نظر آتے ہیں۔

ایک اہم اقدام سوسائٹی کا نیا اخبار تھا کہ اُردو اور انگریزی میں پہلے ہفت روزہ، پھر سہ روزہ جاری کیا گیا (۱۸۶۶ء) سید صاحب نے ادارت کی کرسی سنبھالی۔ تعلیمی، سیاسی، تمدنی موضوعات پر اپنے افکار و آرا کا اظہار شروع کیا۔ اسے اُن کی جامع تحریکِ اصلاح کا آغاز کہنا چاہیے، اگرچہ ابھی تک قلم کی نوک میں نشتر کی تیزی نہیں آئی تھی۔ اخبار میں انجمن کے جلسوں کی علمی تقریریں چھاپی جاتی تھیں۔ ہندوستان اور باہر کی خبریں سلیقہ مندی اور صحت کی پابندی سے شائع ہوتی تھیں۔ اخبار کا نام چند سال بعد "انسٹی ٹیوٹ گزٹ" ہو گیا تھا۔ سید صاحب کی زندگی میں تیس برس تک وہ بہت باقاعدہ وقت پر نکلتا رہا اور قدر و لحاظ کی نگاہوں سے پڑھا جاتا تھا۔

علی گڑھ کے اسی پہلے قیام (۱۸۶۴ء تا ۱۸۶۹ء) میں سرسید نے ایک اور انجمن "برٹش انڈین ایسوسی ایشن" قائم کرائی۔ لوگوں کی ضروریات اور عام فائدے کے مشورے حکومت کے گوش گزار کرنا، انجمن کا مقصد قرار دیا۔ اسی کی طرف سے صوبائی حکومت سے درخواست کی گئی تھی کہ ہر ضلعے میں تعلیم کی نگراں کمیٹیاں مقرر ہوں اور ان میں غیر سرکاری ارکان شامل کیے جائیں۔ دوسرے سال (۱۸۶۷ء)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک اور بڑی درخواست یہ پیش کی کہ دیسی زبان میں اسی معیار و منزلت کی جداگانہ یونیورسٹی قائم کی جائے جیسی انگریزی جامعات بنائی گئی ہیں یعنی :

۲۔ "کلکتہ یونیورسٹی کی مثل امتحان لیے جائیں۔

۳۔ کامیاب ہونے والوں کو وہی سندیں دی جائیں۔

۱۔ بڑے بڑے علوم و فنون کی تعلیم دیسی زبان میں ہوا کرے۔

آخر میں لکھا تھا کہ اس غرض کے لیے اردو میں ترجمہ کرنے کا کام حتی الامکان سائنٹفک سوسائٹی، علی گڑھ انجام دے گی۔

اعلیٰ انگریز حکام ان تجاویز کو پسند کرتے تھے، مگر عمل کرنے کی نوبت کبھی نہ آئی، آگے چل کر خود سید صاحب کو خوف ہوا کہ اردو میں کافی علمی کتابوں کا تیار کرنا دشوار ہوگا۔ دوسرے انہیں پتا چلا کہ انگریز اب انگریزی زبان کی اعلیٰ تعلیم کے پاؤں باندھنے کی فکر میں ہیں۔ غالباً ان خطروں نے انہیں مذکورہ بالا تجویز کو آگے چلانے سے روک دیا۔[1]

بہر حال، ظاہراً یہی زمانہ ہے جب کہ سید صاحب کو یقین کامل ہوگیا کہ ملک و ملت کی ساری علتوں کا علاج مغربی علوم کی تعلیم ہے۔ اسی نسخے کا تیار کرنا سیکھنے کے لیے انہوں نے ارادہ کیا کہ خود ولایت جائیں اور انگلستان کے نظامِ تعلیم کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرمائیں۔

سفرِ یورپ :

۱۸۶۷ء میں سید صاحب، عدالتِ خفیفہ کے جج بنا کر بنارس بھیجے گئے تھے۔ وہاں مسٹر شیکس پیر جن کی بجنور میں جان بچائی تھی، کمشنر تھے۔ ان کا مشورہ سفرِ ولایت کے ارادے کو قوی کرتا ہوگا۔ اسی اثنا میں ولایت کی تعلیم کے لیے چند سرکاری وظیفے منظور ہوئے، ان میں سے ایک سید صاحب کے فرزند سید محمود کو مل گیا۔ وہ ارادہ پختہ تر ہوگیا۔ اپریل ۱۸۶۹ء میں انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو ساتھ لے کر ولایت کی راہ لی۔ روانگی سے قبل اور اثنائے سفر میں جس قسم کے اصلاحی خیالات سینے

---

[1] مئی اور جون ۱۸۶۷ء کے انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں [illegible] کیا ہے کہ پہلے انگریز ہندوستانیوں کو انگریزی تعلیم دلواتے ہیں [illegible] کی حقیقت اور علامہ تدریس کرتے ہیں اور علوم مشرقی کے ساتھ [illegible]

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اُبلنے لگے تھے، اُن کا اندازہ اس زمانے کے سوسائٹی اخبار کی تحریروں سے ہوتا ہے۔ ان میں یورپ کی نئی تہذیب و تعلیم کی شد و مد کے ساتھ تعریفیں لکھی ہیں۔ مقابلے میں اپنی قوم کے جہل و نادانی پر جا بجا تعریض کی گئی ہے۔ اسے سن کر لوگ شرمندہ ہونے کی بجائے بگڑتے تھے اور جواب میں سید صاحب کی نصاریٰ دوستی پر طعن کرتے تھے۔

قیامِ ولایت کی یہ دوسری غرض کہ انگریزوں سے مسلمانانِ ہند کی موالات کے وسائل وسیع کیے جائیں، کسی سے مخفی نہ تھی۔ جیسا کہ اوراقِ سابقہ سے ظاہر ہوگا، سید صاحب مدت سے قائل ہو چکے تھے کہ شکست خوردہ مسلمانوں کی خیر اسی میں ہے کہ انگریز حاکموں سے مل جل کر بسر اوقات کریں۔ تبیین الکلام، رسالہ طعام اہلِ کتاب اور بہت سے مضامین کہ اسلام اور دینِ مسیحی کی بنیادی مماثلت نمایاں کرتے ہیں، سب کی تہ میں یہی جذبہ محرک تھا کہ برطانیہ کے نصاریٰ اور ہندوستان کے مسلمانوں میں صلح و یگانگی کے رشتے استوار کیے جائیں۔

سید صاحب نے دولتِ برطانیہ کو عین عروج کے زمانے میں مشاہدہ کیا۔ دار السلطنت لندن اس وقت آبادی اور خوش حالی میں دنیا بھر کے شہروں سے بڑھ گیا تھا۔ بازاروں میں زر و مال کی گنگا بہہ رہی تھی۔ اس کی سنگین و پرشکوہ قطار در قطار عمارتیں، عالم گیر تجارتیں، سڑکیں، سواریاں، صفائی، روشنی، آمد و رفت کا ہجوم دیکھ کر ہلاکت زدہ ہند کا باشندہ دنگ رہ جاتا تھا۔ وہاں کے عظیم الشان کارخانے، سرکاری دفاتر، درس گاہیں، مطبعے، کتب خانے، بڑے بڑے گرجا، عجائب گھر، ہسپتال، غرض بہت سی چیزیں اسے حیرت زدہ کر دیتی تھیں۔ لوگوں کی تعلیم و ترقی کا بلند معیار اہلِ بصیرت کو اعتراف کرنے پر مجبور کرتا تھا کہ فرنگیوں کے مقابلے میں ایشیائی عوام اتنے کم رتبہ رہ گئے ہیں جیسے آدمی کے سامنے بن مانس! آج سو برس کے قریب گزر گئے پھر بھی یورپ و ایشیا میں تقریباً وہی فرق باقی اور صاحبانِ احساس کو غرقِ خجالت کرنے کے لیے کافی ہے۔

لندن میں بہت سے معززین اور عمائدِ سلطنت سے ملاقاتیں، پُرتکلف ضیافتیں ہوئیں۔ سی ایس آئی کا خطاب، دربارِ شاہی میں شرکت کا اعزاز حاصل ہوا۔ برطانیہ کے درسی نظام خصوصاً

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جامعہ کیمبرج کو تفصیل سے معائنہ کیا کیونکہ اسی نمونے پر ہندوستان میں دارالعلوم بنانے کا ارادہ رکھتے تھے۔

نئی تہذیب اور انگریزوں کے اوصاف و اخلاق نے سید صاحب کو بالکل اپنا مرید بنا لیا تھا، مگر ان کے اسلامی جذبات اور جوشِ ایمان کا درخشاں ثبوت وہ کتاب (" الیسیز آن دی لائف آف محمدؐ ") ہے جو لندن میں بیٹھ کر سر ولیم میور کی سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں تالیف کی۔ یہ ہندوستان واپس آنے کے کچھ مدت بعد انگریزی سے زیادہ مشرح اردو میں خطباتِ احمدیہ کے نام سے شائع ہوئی ہے۔

میور کی تالیف (۴ جلد کامل) انیسویں صدی کے یورپ کا اسلام پر ایک حملہ تھا۔ گویا صلیبی جنگ میں اب دینی جوش کی بجائے عقلیت شرارہ انگیز تھی۔ تیغ اور بھالے کا کام عقل سے لیا جا رہا تھا۔ انگریز مؤلف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح کے ساتھ، قرآنی تعلیمات اور اسلامی عقائد و عبادات پر ہر ممکن پہلو سے اعتراض کے خنجر چلائے تھے۔ خود مسلمانوں کی نوشتہ کتبِ سیر و تفاسیر، تواریخ و احادیث کے حوالوں سے کتاب کو مستند بنانے کی کوشش کی تھی۔ اس کی تلاش و محنت قابلِ داد ہے، مگر اس کا تعصب کبھی کبھی جنون کے قریب تک آ جاتا ہے۔ صریحی تحریف و تدلیس کو مقدمہ جیتنے کے لیے وہ جائز وکالت سمجھتا ہے۔ بعض اوقات شرارت سے اور کہیں کہیں جہالت کی دیدہ دلیری سے بے تکے جھوٹ بولتا ہے۔ انہی وجوہ سے خود یورپ میں اہلِ تحقیق کے زمرے سے اس کا نام نمایاں خارج کر دیا گیا۔[1]

سید صاحب نے اپنے خطبات میں اس کی بہت سی تاریخی غلطیاں آشکارا کیں۔ وسطِ کتاب (خطبہ ۵ و ۶) میں اسلامی روایات کو پرکھنے اور ان سے کام لینے کے اصول پر مجتہدانہ

---

[1] گزشتہ پچاس ساٹھ برس میں یورپ کے متعدد مستشرقین کی کتابیں اسلامیات پر چھپی ہیں۔ ان میں میور کا حوالہ بہت کم نظر آتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحث تھی۔ مسئلۂ جہاد، تعددِ ازدواج، معجزاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی مسلمانوں کے مروّجہ نظریات کی تمام و کمال پیروی نہیں کی۔ شاید اسی لیے میور کو یہ کہہ کر منہ چھپانے کا حیلہ ملا کہ میں نے سید احمد کے اسلام پر نہیں بلکہ اس مذہب پر اعتراض کیے تھے جس کو دنیا کے مسلمان مانتے چلے آتے ہیں۔

علمی تحقیق کی مشقت اور شب و روز کی مصروفیت کے علاوہ سید صاحب کو خطبات کے لیے قیمتی کتابیں فراہم کرنے، پھر انگریزی ترجمہ اور ولایت میں طبع کرانے میں بڑی زیر باری اور بارہا پریشانی کا سامنا ہوا، مگر جیسا کہ خطوں میں تحریر کیا ہے دل میں ٹھان لی تھی کہ میور کا جواب لکھے بغیر نہ رہوں گا۔ شروع ہی میں (محسن الملک) مہدی علی خاں کو لکھا کہ ولیم صاحب کی کتاب کو میں دیکھ رہا ہوں۔ اُس نے دل کو جلا دیا ہے اس کی ناانصافیاں اور تعصبات دیکھ کر دل کباب ہو گیا۔ اور مصمم ارادہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں جیسا کہ پہلے ارادہ تھا، کتاب لکھ دی جائے۔ اگر تمام رُوپیہ خرچ ہو جائے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہو جاؤں تو بلا سے۔ پھر ایک خط میں لکھتے ہیں کہ "میری یہ کتاب تیار ہو گئی تو میں لندن آنا، دس حج کے برابر سمجھوں گا! خدا قبول فرمائے۔"[1]

چھپائی میں تخمینے سے بڑھ کر خرچ ہوا۔ کچھ دوست احباب نے بھیجا۔ دہلی کے مکان سے اپنے فرش فروش، ظروفِ مسی تک سید صاحب نے بکوا کے روپیہ منگوایا۔ بہت کچھ قرض لے کر جس طرح ممکن تھا، کتاب چھپوا دی اور یقیناً اجر لئے دارین کا استحقاق حاصل کیا۔

ایک اور کتاب جس کی اشاعت میں حصہ لینے کا ثواب کمایا، ڈیون پورٹ کی "اپالوجی فار .... قرآن" ہے کہ لندن کا کوئی ناشر اسے چھپوانے پہ آمادہ نہ تھا۔ مؤلف کو اپنے خرچ سے شائع کرنے کی مقدرت نہ تھی۔ سید صاحب نے لندن میں اُس کے مطالب اور اسلام کی وکالت سُنی تو

---

[1] 'حیاتِ جاوید'، ۲ ص ۱۲۱ نیز دیکھو ص ۴۸۲ جس میں اسی خط کے چند اور پُرجوش جملے اضافہ کیے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصارفِ طبع کا خود انتظام کر کے نشر کرایا۔

مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی تاسیس:

ڈیڑھ سال بعد سید صاحب ولایت سے واپس آئے (اکتوبر ۱۸۷۰ء) سمندر پار یورپ کی سیاحت نے جوشِ اصلاح کا طوفان دل میں بپا کر دیا تھا۔ لندن ہی میں رسالہ "تہذیب الاخلاق" جاری کرنے کا منصوبہ بنایا جس کا ذکر آئندہ فصل میں آئے گا۔ وہیں ایک "التماس" بخدمت اہلِ اسلام و حکامِ ہند در بابِ ترقی تعلیم مسلمانانِ ہندوستان" اردو اور انگریزی میں چھپوایا۔ اس میں ایک منتخب جماعت بنانے کی تجویز تھی جو لوگوں سے انعامی مضامین لکھوائے کہ مسلمان انگریزی تعلیم سے کیوں مجتنب ہیں اور مدارسِ سرکاری سے دوسری قوموں کی طرح کیوں فائدہ نہیں اٹھاتے؛ مجوزہ "کمیٹی خواستگارِ ترقی تعلیم مسلمانانِ ہندوستان" اسی سال بنارس میں قائم کی گئی۔ مذکورہ بالا موضوع پر بہت سے مقالات موصول ہوئے۔ سید صاحب نے بحیثیت سکرٹری ان کا خلاصہ اور حسبِ ذیل نتائج اخذ کیے:

۱۔ فہمیدہ مسلمانوں کو انگریزی تعلیم سے وہ توہم نہیں ہے جو پہلے پرانے خیال کے لوگوں میں پھیلا ہوا تھا۔

۲۔ لیکن سرکاری مدارس کا نصاب اور طرزِ تعلیم اُن کے مذاق کے خلاف ہے۔ (سید صاحب نے "ضروریات کے لیے ناکافی" تحریر کیا ہے)۔

۳۔ تعلیمِ جدید کے ساتھ اسلامی علوم و تہذیب کی حفاظت لازم ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ مسلمان اپنے بچوں کی تعلیم کا خود انتظام کریں۔

خلاصۂ مضامین کے آخر میں علومِ جدیدہ کی اسلامی درسگاہ کا خاکہ پیش کیا تھا۔ اس کے انتظامات، مختلف مدارج، طرزِ تعلیم و تربیت کی مفصل تجاویز سید محمود نے مرتب کیں۔ کمیٹی نے انہیں پسند کیا۔ سرمایہ جمع کرنے کے لیے "خزنۃ البضاعۃ لتاسیس مدرسۃ المسلمین" بنائی گئی۔ سید صاحب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس جماعت کے مادام الحیات معتمد (سیکرٹری) مقرر ہوئے۔ بکثرت رائے سے مدرسے کے واسطے علی گڑھ شہر کا انتخاب کیا گیا۔ پورے جوش کے ساتھ فراہمی زر کی مہم شروع ہوئی (۱۸۷۲ء) وائس روئے (نارتھ بروک) نے دس ہزار، حاکم صوبہ سر ولیم میور نے ایک ہزار روپیہ چندہ دیا۔ یہ ذاتی عطیے سرکاری تائید کی توثیق اور دیسی رئیسوں کی تشویق کا بیش قیمت وسیلہ تھے۔ ادھر سید صاحب کو سرمایہ جمع کرنے کی دھن لگی ہوئی تھی۔ پے در پے مضامین، مراسلات، مکتوب، اشتہار، عرضیاں، غرض جہاں جہاں اور جس جس طرح ممکن تھا اہلِ زر کو مدد پر متوجہ کرتے تھے۔

پہلی بار گورکھپور سے لاہور تک اسی مقصد سے گشت لگایا۔ دھنواں دھار تقریروں سے تعلیم انگریزی کی اہمیت مسلمانوں کے ذہن نشین کی۔ ہر جگہ اپنے اعوان و انصار کی چھوٹی بڑی جماعتیں پیدا کر لیں۔ کوئی دو سال کی جدوجہد سے معقول سرمایہ فراہم ہو گیا۔

اس عرصے میں کچھ اصولی، کچھ ذاتیاتی وجوہ سے انگریزی مدرسہ بنانے میں مذمت اور مخالفت بھی میدان میں آگئی تھی۔ ان کے جھوٹے الزام اور مسلمانوں کے مختلف اوہام کا سدِ باب کرنے کی غرض سے طے پایا کہ ابتدائی مدرسہ کھول دیا جائے، تاکہ اس کی تعلیم اور طریقِ تعلیم کو لوگ دیکھ لیں کہ ان میں کوئی بات شریعتِ اسلامی کے خلاف نہیں ہے۔ چنانچہ مئی ۱۸۷۵ء (مطابق ۱۲۹۲ھ) میں نئے مدرسے کا افتتاح کر دیا گیا۔ جلسے میں تہنیت کی نظمیں پڑھی گئیں۔ ایک صاحب نے طبیعت کی رسائی سے عیسوی سال کے نام سے ہجری تاریخ بہم پہنچائی ہے: ؎

تھی فکر مجھ کو ایک دن تاریخ مدرسہ کی　　　بولا یہ ملہمِ غیب اٹھارہ سو پچھتر

۹۲　　۱۱ھ

اگلے سال سید صاحب نے پنشن لے لی۔ علی گڑھ کو وطن بنایا اور ہمہ تن مدرسۃ العلوم کی تنظیم و تعمیر میں مصروف ہو گئے۔ نئے کالج کا سنگِ بنیاد جنوری ۱۸۷۷ء میں لارڈ لٹن کے ہاتھ سے رکھوایا۔ ۱۸۷۸ء سے کالج کا داخلہ اور تعلیم شروع ہوئی۔ اقامت خانے بننے اور معمور ہونے لگے۔ علی گڑھ کی ریگزار سرزمین پر شاندار عمارتیں کھڑی کی جانے لگیں۔ ہندی مسلمانوں کے دورِ جدید کے پہلے تعلیمی مرکز کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نقش تیار ہوا۔

سرسید کی آرزو تھی کہ مسلمانوں کی آزاد یونیورسٹی قائم کی جائے، مگر حکومت یہاں تک بڑھنے، بڑھنے دینے پر آمادہ نہ تھی۔ تجویز کے جواب میں صاف لکھ بھیجا کہ اپنی یونیورسٹی قائم کرو گے تو سرکاری امداد نہیں ملے گی۔ انگریزی تعلیم کی اصلی کشش سرکاری نوکری تھی۔ سو میں پانچ طالب علم بھی ایسے نہ تھے (اور شاید آج تک فراہم نہ ہوں گے) کہ صرف علم کے شوق میں کسی مغربی درسگاہ میں سر کھپائیں۔ سید صاحب کو عام بدشوقی اور قوم کی معاشی مجبوری کے سامنے طوعاً و کرہاً جھک جانا پڑا۔ کوئی بیس برس بعد بھی جب کہ علی گڑھ میں ہندوستان کا ایک ممتاز ترین کالج بن گیا تھا، ہم انہیں اسی حسرت میں مبتلا دیکھتے ہیں۔ ۱۸۹۴ء میں جالندھر کے جلسۂ عام میں سپاس نامہ پیش کیا گیا تھا، اس کے جواب میں ان کے یہ کلمات سُنتے ہیں:

"اے دوستو! ہماری پوری تعلیم اُس وقت ہو گی جبکہ ہماری تعلیم ہمارے ہاتھ میں ہو گی، یونیورسٹیوں کی غلامی سے ہم کو آزادی ہو گی، ہم آپ اپنی تعلیم کے مالک ہوں گے اور بغیر یونیورسٹیوں کی غلامی کے ہم آپ اپنی قوم میں علوم پھیلائیں گے۔ فلسفہ ہمارے دائیں ہاتھ میں ہو گا اور نیچرل سائنس بائیں ہاتھ میں اور کلمہ لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ کا تاج سر پر ـــ یونیورسٹی کی تعلیم ہم کو نچر بناتی ہے؟"[1]

مذہبی افکار میں ہل چل:

سید صاحب کا سب سے کامیاب اور دیرپا تعمیری کام مدرسۃ العلوم تھا، جسے ایک ماں (وہ بھی دہقانی ماں) کی والہانہ محبت سے انہوں نے پالا اور پروان چڑھایا۔ اپنے آپ اس کے ایوان و دالان، رواق و بیوت کے نقشے بنائے۔ راج مزدوروں کے سر پر کھڑے ہو ہو کے چُنائی کرائی۔ پرانی

---

[1] حیاتِ جاوید، ا، ص ۲۵۳۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دہلی کے کھنڈروں کو ناپتے پھرنا، اب کام آیا۔ کسی انجینئر کی محتاجی نہ رہی۔ باغ، چمن، تختے کیاریاں تک اس نواح میں مشہور رہے۔ انہی کی محنت و فلاحت کا ثمرہ ہیں۔ پھر کالج کی عمارات، روز افزوں تعلیمی ضروریات کے لیے روپیہ فراہم کرنا، کچھ کم کوہ کنی اور جاں کاوی کے بغیر ممکن نہ تھا۔ سید صاحب ہر ڈھنگ سے چندے جمع کرتے تھے۔ تحریر، تقریر، کھیل تماشے، لاٹری، دعوت، مہمانی حتیٰ کہ امام ضامن تک کا روپیہ مانگ لاتے تھے مشکل سے کوئی دروازہ ہوگا جو ملت کے اس دل ریش درویش نے نہ کھٹکھٹایا ہو اور شاید ہی کوئی گلی کوچہ ایسا ہوگا جہاں دریوزہ گری کو نہ نکلا ہو۔

حیاتِ جاوید میں ان کوششوں کی بعض درد انگیز مثالیں ثبت ہیں (۱، ص ۲۲۴ و مابعد)

مدرسۃ العلوم کے قیام سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ انگریزی تعلیم کا رستہ مسلمانوں پر کھل گیا۔ ایک طرف علی گڑھ سے بی اے ایم اے ایل ایل بی ہو کر نکلنے لگے۔ دوسری طرف بنگال و بہار کے سرکاری کالجوں میں پہلے خال خال طلبہ داخل ہوتے تھے اب وہاں اور دوسرے صوبوں میں ان کی تعداد بڑھنے لگی۔ بیسیوں ثانوی مدارس اور چند کالج خود مسلمانوں کے روپے اور انتظام سے کھل گئے جن میں لاہور کا اسلامیہ کالج اور اٹاوے کی اقامتی درس گاہ شہرت و افادیت کا امتیاز رکھتے ہیں۔

بنائے مدرسۃ العلوم سے آٹھ سال بعد ایک تعلیمی مجلس مشاورہ (ایجوکیشنل کانفرنس ۱۸۸۶ء) مرتب کی تھی جس کا سالانہ اجلاس ہندوستان کے مختلف شہروں میں منعقد کرتے اور مسلمانوں کو جدوکد سے تعلیم کا شوق دلاتے تھے۔

اسی کے ساتھ چندے کے لیے وفد اور گشت جاری رہے، ان میں مُسلم پنجاب کے دورے بہت بار آور دکھن میں ریاست حیدر آباد سے مدد کی کوششیں نہایت مشکور ہوئیں، مگر انگریزی تعلیم کو رواج دینے اور جدید علم و فن کی قدر سکھانے سے کہیں بڑھ کر ہنگامہ خیز وہ قلمی جہاد تھا جس کا سید صاحب نے مسلمانوں کے بہت سے پرانے عقائد و عادات کے خلاف بیڑا اٹھایا۔ وہ دنیاوی ترقی کی ایک لازمی شرط اصلاحِ اخلاق و معاشرت کو قرار دیتے تھے۔ صحت و صفائی، مفید و مستعد زندگی کے حق میں اہلِ یورپ کے طور طریق کو بداہتہً بہتر جانتے تھے۔ ولایت کی "زیارت" سے عین الیقین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا رسوخ پا گئے۔ لندن سے ایک نیا رسالہ نکالنے کا منصوبہ بلکہ سرورق کی تختی تک تیار کرا کر ساتھ لائے۔ ہندوستان پہنچنے کے دوسرے مہینے یہ ماہ نامہ 'تہذیب الاخلاق' کے نام سے جاری ہوا اور پہلے ۶ سال (ہلالی، ۱۲۸۷ھ تا ۱۲۹۳ھ م ۱۸۷۰ء تا ۱۸۷۵ء) چلا۔ پھر دو دفعہ کئی کئی برس کے وقفوں سے نکلا۔[1] رسالے میں مسلمانوں کی معاشرت، رسم و رواج، مذہبی مباحث، مسائلِ حاضرہ سبھی طرح کے موضوعات پر بہت صاف اور سلیس اردو میں گفتگو کی جاتی تھی۔ چونکہ اسلامی تعلیم کو قانونِ قدرت کے مطابق بتانے پر زیادہ زور تھا اور اس کے لیے انگریزی لفظ "نیچر" بار بار استعمال ہوتا تھا، لہٰذا سید صاحب اور ان کے رفقا پر "نیچری" کی پھبتی کسی گئی تھی۔ مگر "پیرِ نیچر" نے اپنا الگ سجادہ نہیں بچھایا، نہ کوئی جداگانہ جماعت کھڑی کی۔ اُن کے انتقال کے بعد طعن بافوں کا بنایا ہوا نیچری فرقہ بھی معدوم ہو گیا۔

ہندی مسلمانوں کے مشرکانہ اوہام، پیر پرستی، قبر پرستی، عُرس، محرم، نذر نیاز وغیرہ پر شاہ ولی اللہ کے زمانے سے تنقید ہو رہی تھی۔ اہلِ حدیث اس باب میں خاصا تشدد کرتے تھے، لیکن جب سید صاحب نے مغربی سائنس کی سند اور خالص عقلیت کی روشنی میں ملائکہ، اجنہ، شیاطین، جنت، دوزخ، معجزات، دعا اور اسی قسم کے اعتقادی یا روحانی مسائل پر بے باکی سے لکھنا شروع کیا، تو سُنی، شیعہ، وہابی، بدعتی سبھی فرقوں میں مخالفت کا ایک ہنگامہ مچ گیا۔ بڑے بڑے کفر کے فتوے دیے گئے۔ شہر شہر میں رسائل، اخبار، اشتہار کثرت سے شائع ہوئے کہ غالباً پہلے کسی کی ہجو و مذمت میں ایسے طوفان نہیں اُٹھے تھے۔ جاہل عوام کی ہفوات اور مسخرے شعرا یا تیغ کے پھکڑ انشا پردازوں سے قطعِ نظر، متین و ذمہ دار معترض بھی صریح مبالغہ کرنے اور جھوٹے گھڑنے سے پرہیز نہ کرتے تھے۔

---

[1] مجموعی طور پر کوئی ۱۳۰ شمارے شائع ہوئے۔ فی شمارہ اوسطاً تین مضامین کہ بیشتر سید صاحب نے تحریر کیے چھپتے رہے۔ ان میں سے اکثر ۴، ۵ صفحے سے زیادہ طولانی نہ ہوتے تھے اور کچھ عرصے بعد دو جلدوں میں جمع کر کے چھاپ گئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اکثر مولویوں کو تحقیقِ حال سے مطلب نہیں کافر بنانا اپنا خاص منصب سمجھتے ہیں۔ اسی کم عقلی سے فتووں کی توقیر گنوا دی ہے۔ بہتانوں طوفانوں سے سرسید کا اصلاحی جوش نہ دب سکتا تھا۔ اُن کے سنجیدہ سوانح نگار کی رائے میں اگر وہ 'تہذیب الاخلاق' نہ جاری کرتے اور مسلمانوں کے خیالات کی اصلاح کا خیال چھوڑ دیتے تو ان کی تعلیمی تجاویز کی مخالفت کم ہوتی بلکہ شاید بالکل نہ ہوتی ۔۔۔ "مگر اس کے ساتھ ہی امانت و امداد بھی کم ہوتی اور جو تحریک چند سال میں مسلمانوں میں پیدا ہو گئی، اس کا صدیوں تک کہیں نام و نشان نہ ہوتا"![1]

سید صاحب مخالفین کی ژاژ خائی کا شاذ و نادر جواب دیتے تھے۔ انہیں اپنے کاموں سے کام تھا۔ پھر بھی وہ ہنگامی شورش بے اثر نہیں رہی۔ چندہ دینے والوں کو مدد سے ہاتھ کھینچنے کا حیلہ مل گیا۔ عجب نہیں انہی وجوہ سے 'تہذیب الاخلاق' کی اشاعت (۱۸۷۵ء میں) روک دی ہو، لیکن پرانے مولویوں کی تعریض و تکفیر سے اُن کے اصلاحی خیالات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، بلکہ یہ اندیشہ راسخ ہو گیا کہ مسلمانوں میں انگریزی تعلیم پھیلی تو اس دین سے جس کی اندھے مقلد رہنمائی کرتے ہیں نئی نسل بھڑک جائے گی۔ اسی لیے بنائے کالج کے ساتھ ارادہ کر لیا کہ قرآن مجید کی باقاعدہ تفسیر تحریر کی جائے، عقل و حکمت کے جو وار مذہب پر وارد ہوتے ہیں، کتاب اللہ کو اُن سے مصئون ثابت کیا جائے۔ ان محرکات کو خود سید صاحب کی زبان سے سننا چاہیے:

ایک عام تقریر میں انہوں نے کہا:

"جو لوگ بلا دلیل و حجت اسلام پر یقین رکھتے ہیں، بے شک ان کا ایمان، عقلی دلیلیں ڈھونڈنے والوں سے زیادہ مستحکم ہے ....." مگر ان کے سوا ایک فرقہ اور بھی ہے جو ہر چیز کی صداقت کے لیے دلیل چاہتا ہے اور اس بات کا خواہش مند ہے کہ اسلام کے عقائد، فلسفی دلائل سے اس کو بتائے جائیں اور اس کے دل کے

[1] 'حیاتِ جاوید' ا ص ۱۴۵۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شبہے مٹائے جائیں، تاکہ اس کے دل کو تشفی ہو۔"

پھر انہوں نے خلافتِ عباسیہ میں یونانی علم و فلسفہ سے عقائد میں جو شکوک پیدا ہوئے تھے، اور علمائے اسلام کی طرف سے ان حملوں کے سدِ باب کی مثال دے کر کہا:

"اے دوستو! تم خوب جانتے ہو کہ اس زمانے میں جدید فلسفہ و حکمت نے شیوع پایا ہے جس کے مسائل اُن اگلے مسائل سے بالکل مختلف ہیں اور وہ مروّجہ مسائل اسلام کے ایسے ہی برخلاف ہیں جیسے کہ اس زمانے میں تھے ...... ہمارے بزرگوں کو نہایت آسانی تھی کہ قیاسی مسائل کو قیاسی دلائل سے اور عقلی مسائل کو عقلی براہین سے توڑ دیں ..... مگر اس زمانے میں مسائلِ علمِ طبیعی تجربے سے ثابت کیے جاتے اور دکھلا دیے جاتے ہیں۔ یہ مسائل ایسے نہیں ہیں کہ قیاسی دلائل سے اٹھا دیے جائیں یا اُن تقریروں اور اصولوں سے جو اگلے زمانے کے عالموں نے قرار دیے ہیں، ہم ان کا مقابلہ کر سکیں۔ اس لیے اس زمانے میں ایک جدید علمِ کلام کی حاجت ہے جس سے یا تو ہم علومِ جدیدہ کے مسائل کو باطل کر دیں یا مشتبہ ٹھہرا دیں یا اسلامی مسائل کو اُن سے مطابق کر دکھائیں ..... میں سچ کہتا ہوں کہ میرے نزدیک جو لوگ ایسا کرنے کے لائق ہیں اور وہ پوری کوشش حال کے علمِ طبیعی و فلسفہ کے مسائل کو اسلامی مسائل سے تطبیق دینے، یا ان کا بطلان ثابت کرنے میں نہ کریں گے، وہ سب گنہگار رہیں اور یقیناً گنہگار رہیں ...... میں یقین رکھتا ہوں کہ جس قدر یہ (مغربی) علوم پھیلیں گے، اور ان کا پھیلنا ضروری ہے اور میں خود بھی اُن کے پھیلانے میں معین و مددگار ہوں، اسی قدر لوگوں کے دلوں میں مروّجہ اسلام کی جانب سے بدظنی، بے پروائی بلکہ روگردانی ہوتی جائے گی۔ میرا یہ بھی یقین ہے کہ اصلی مذہب کا یہ نقصان نہیں ہے، بلکہ یہ اُن غلطیوں کا سبب ہے جو اسلام کے نورانی چہرے پر لگ گئی ہیں یا نادانستہ لگا دی ہیں۔ میں ہرگز اس لائق نہیں ہوں کہ اسلام کے نورانی چہرے پر سے اُن غلطیوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے سیاہ دھبوں کے چھڑانے کا دعویٰ کروں یا حمایتِ اسلام کا کام اپنے ذمے لوں بہ منصب اور یہ فرض دوسرے مقدس اور باعلم لوگوں کا ہے، مگر جب کہ میں مسلمانوں میں اُن علوم کے پھیلانے کا ساعی ہوں جن کی نسبت میں نے ابھی بیان کیا کہ وہ اسلام کے کس قدر مخالف ہیں، تو میرا فرض تھا کہ جہاں تک مجھ سے ہو سکے، صحیح یا غلط جو کچھ میرے امکان میں ہو، اس طرح اسلام کی حمایت کروں اور اس کے اصلی نورانی چہرے کو لوگوں کو دکھلاؤں۔ میرا کانشنس مجھ سے کہتا تھا کہ اگر میں ایسا نہ کروں گا تو خدا کے سامنے گنہگار رہوں گا۔

اے دوستو! میں یہ نہیں کہتا کہ جو کچھ میری تحقیقات ہے، وہی صحیح ہے، مگر جب مجھ کو بجز اس کے کہ جو کچھ مجھ سے ہو سکے وہ کروں اور کچھ چارۂ کار نہ تھا، تو مجھ کو ضرور وہی کرنا تھا جو میں نے کیا، یا کرتا ہوں۔ میری نیت خالص خدا کے ساتھ ہے...... اگر مجھ سے کچھ غلطی ہوئی ہے یا آیندہ ہوگی، خدا سے مجھے امید ہے کہ وہ مجھ پر رحم کرے گا!"[1]

تفسیر کی پہلی جلد ۱۲۹۶ھ (م ۱۸۷۹ء) میں چھپ کر شائع ہوئی۔ پھر اُن کے انتقال (۱۳۱۵ھ) تک پانچ جلدیں اور سورۂ اسراء (یا بنی اسرائیل) یعنی نصف قرآن کے قریب تک چھاپی گئیں۔ ایک جلد کا مسودہ اور چند متفرق رسائل قرآنی مسائل پر مطبوعہ جلدوں کے علاوہ لکھے۔ ان کلامی تحریروں میں جا بجا ذہانتِ خداداد، جودتِ فکر و اجتہاد کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔ خصوصاً ابطالِ غلامی اور تعددِ ازدواج کی بحث میں استدلال کے نادر پہلو ابھرتے ہیں۔ تحریر ایسی متین و دل نشیں ہے کہ اُردو کیا، کسی زبان میں بھی کم تر نظیر ملے گی۔ بے شبہ وہ مغربی علوم کے ماہر نہ تھے۔ اسلامی دینیات میں تبحر کا دعویٰ نہیں رکھتے۔ دونوں اعتبار سے ان کی تفسیر میں تقصیر پائی جاتی ہے۔ لغتِ عرب کے میدان

---

[1] "حیاتِ جاوید"۔ ا ص ۱۹۹ تا ۲۰۲۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں کسی کی پیری نہیں چلتی، سید صاحب نے یہاں بھی زبردستی کی، اور لغزشیں کھائی ہیں۔ ان سب کمزوریوں کے باوجود اُن کے فخر کا پرچم لہراتا رہے گا کہ ملّتِ اسلامیہ میں سب سے پہلے نئے زمانے کے مطالبات کو انہی کے کانوں نے سُنا۔ قرآن حکیم کو عہدِ جدید کی خُردبین لگا کر انہی کی آنکھ نے دیکھا۔ مسلمانوں کے نئے علمِ کلام کا انہی کی قلم نے نقشِ اوّل تیار کیا۔ دُنیائے اردو پر اُن کا یہ احسان کبھی فراموش نہ ہوگا کہ اس میں پہلی مرتبہ اعلیٰ درجے کے علمی حکیمانہ ادب کا باغ لگا دیا۔

سید صاحب کا سیاسی مسلک :

کوئی پندرہ سال ہوئے خالدہ خانم ادیب ہندوستان آئی تھیں[۱]۔ اُن دنوں یہاں کے مسلمانوں میں ایک قسم کی سیاسی ملّائیت پھیلی ہوئی تھی۔ انگریزوں سے نفرت کا زور تھا۔ بہت سے انگریزی خواں "ترکِ موالات" کو جزوِ شریعت سمجھتے تھے۔ اسی سلسلے میں سرسید کے سیاسی مسلک پر ردّ و قدح ہوتی تھی۔ بعض لڑکوں نے اُنہی کے مدرسے میں قلم چلانا سیکھا، وہ اب مرحوم پر ملامت کے تیر چلاتے تھے، انگریز کی خوشامد اور غلامی کا گنہگار بتاتے تھے۔ متجسس خانم ادیب نے سوال کیا کہ سید احمد خاں نے اتنی انگریز پرستی اور ترکی خلافت سے مخالفت کے باوجود ترکی ٹوپی اور کوٹ کو کالج کی لازمی وردی بنایا، خود بھی یہی لباس اختیار کیا۔ اِس کا کیا سبب تھا؟ معترض بہت سٹپٹائے کوئی معقول جواب نہ دے سکے۔ نو وارد، مگر نکتہ رس ادیب کی نظر ظاہراً ان گہرائیوں تک اُتر گئی جہاں

---

[۱] ان کے دلچسپ انگریزی سفرنامے کا ترجمہ انجمن ترقیٔ اردو نے "اندرونِ ہند" کے نام سے چھپوایا ہے۔

نوٹ : یہ ایک ترک خاتون تھیں جنہوں نے جنگِ بلقان اور ترکی کی آزادی کی دوسری جنگوں میں حصہ لیا، مصطفیٰ کمال سے اختلاف کے باعث معتوب ہوئیں۔ عام تحریروں میں اُن کا نام خالدہ ادیب خانم لکھا جاتا ہے (ادارہ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سید صاحب کے ہم وطنوں کی رسائی نہ تھی، یعنی :

(۱) ترکوں کی تقلید میں تجدید معاشرت کے ساتھ اُن کی تحسین کا پہلو تھا۔ سید صاحب دل سے پسند کرتے تھے کہ ہندی مسلمان ایک آزاد مسلم قوم کی صفوں میں شریک ہوں۔

(۲) انہیں اسلامی مواخات کا مظاہرہ کرنے میں کچھ باک نہ ہوتا تھا۔

ذاتی طور پر انگریز سید صاحب سے عموماً برابری اور عزت کا برتاؤ کرتے رہے۔ اُن کے آئینِ حکومت اور قوانین، مساوات، آزادی، انصاف کے اصول پر بنائے جاتے تھے۔ انہی اصول کی اسلام نے تعلیم دی ہے، مگر مسلمان بادشاہیوں میں اُن پر شاذونادر اتنا عمل ہوا، جتنا یہ کافر فرنگی کر کے دکھا رہے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے نے مسلمانوں کی جھوٹ موٹ کی بادشاہی کا خاتمہ کر دیا۔ اُس شخص کے قومی احساس اور عظمتِ افکار میں کیا شبہ ہو سکتا ہے جس نے بہت پہلے اور بہت صحیح ہندوستان میں مسلمانوں کے مخدوش مستقبل کا اندازہ کیا؟ سب سے پہلا مسلمان وہی تھا جس نے سیاسی مسائل میں لب کشائی کی جراُت کی۔ ایسے صاحبِ ہمت، روشن دل بزرگ پر بزدلی اور چاپلوسی کا الزام، محض حاسدانہ تہمت یا نری جہالت ہے۔

ہندی مسلمانوں میں قومی جنگ اور اسلامی جہاد کے تازہ تجربے یہ تھے کہ سید احمد شہیدؒ سکھوں پر جہاد کرنے گئے، مگر زیادہ لڑائیاں اپنے ہی بھائی مسلمانوں سے پیش آئیں۔ بہت کچھ اسی نااتفاقی نے ساری تحریک خاک میں ملا دی۔ ۱۸۵۷ء کے معرکوں میں اکثر مسلمان انگریزوں کے دیئے ہوئے ہتھیاروں سے لڑے۔ انہی کے سکھائے ہوئے قواعدِ جنگ سے برا بھلا کام لیتے رہے۔ یہ محتاج، نامنظم لشکر سال بھر بھی مقابلے میں نہ تھم سکے۔

انگریزوں کے استیلا کے بعد حکومت سے بے تعلق رہنا ناممکن تھا۔ مذہبی خیال کے مسلمان تو اپنے گھروں میں بیٹھے غاصب فرنگیوں کو کوستے رہے۔ سید صاحب کی بے چین طبیعت ایسی بے نتیجہ گوشہ گیری پر قانع نہ تھی۔ اُنہیں صاف اور صریح یہی تدبیر نظر آئی کہ تقدیر کا فیصلہ قبول کریں۔ وقت کے دھارے پر جس کا رُخ بدلنا محال تھا، قوم کو ڈال دیں۔ اُن کی دانست میں انگریز، آئینِ آزادی اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جمہوری نظام کا پیام لے کر آ رہے تھے، انہیں امید تھی کہ ایسی سلطنت کی رعایا بن کر آگے بڑھنا حکومت میں حصہ لینا اور مسلمانوں کے زوال و شکست کی کچھ نہ کچھ تلافی کرنا ممکن ہے۔ بڑے بڑے حکام اور برطانی مدبروں کا طرزِ عمل اس امید کی توثیق کرتا تھا۔ انہی وجوہ سے سید صاحب کا سیاسی مطمحِ نظر یہ تھا کہ شکست خوردہ مسلمانوں کو حریفِ مقابل رہنے کی بجائے اب سچے دل سے انگریزوں کا رفیق و مددگار بن جانا چاہیے۔ صاحبِ حیاتِ جاوید کا بیان یاد رکھنے کے لائق ہے کہ انہوں نے بارہا یہ صراحت کی کہ "میں برطانی حکومت کا استحکام کچھ انگریزوں کی محبت اور خیرخواہی کی نظر سے نہیں چاہتا، بلکہ صرف اس لیے چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی خیر اس کے استحکام میں سمجھتا ہوں ....." (۲ ص ۴۴، ۴۳ نیز ص ۴۳)

سرسید کو اپنے مذہب اور نژادِ عرب دونوں پہ ناز تھا۔ دونوں کی تعلیم اور قومی مزاج کی بنا پر، موروثی، شخصی بادشاہی کو سراسر ظالمانہ طرزِ حکومت سمجھتے تھے۔ جمہوری انتخاب اور اصولِ نیابت کو انصاف و اخلاق کے مطابق ثابت کرتے تھے۔ یہ سیاسی نظریات رسالہ "بغاوتِ ہند" اور ۱۸۶۶ء میں علی گڑھ کی پہلی سیاسی انجمن کی افتتاحی تقریر ہی سے واضح ہیں[1]۔ عرصے کے بعد کسی معزز انگریز کو لکھتے ہیں کہ "ابھی تک میری رگوں میں عرب کا خون گردش کرتا ہے اور پھر میرا مذہب یعنی اسلام جس پر مجھے پورا اور پکا یقین ہے، وہ بھی ریڈیکل اصولوں کو سکھلاتا ہے اور شخصی گورنمنٹ سے موافق نہیں اور نہ لمیٹڈ مونرکی کو مانتا ہے بلکہ موروثی حکومت ناپسند کرتا ہے۔ ایک پریسیڈنٹ جس کو لوگ منتخب کریں اس کو اسلام پسند کرتا ہے اور اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ دولت ایک جگہ اکٹھی رہے[2]۔ ......"

لیکن جب ہندوستان میں نیابتی حکومت بنانے کا سوال پیدا ہوا تو لامحالہ اس کی عملی دشواریاں

---

[1] حیاتِ جاوید، ۲۔ ص ۲۹۹

[2] ایضاً ۲ ص ۲۹۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فکر کی سطح پر اُبھرنے لگیں۔ انگریزوں نے یکساں انتظام اور جدید مواصلات کے تاروں میں مدراس و پشاور، سندھ و بنگال بلکہ برما کو بھی جکڑ لیا تھا۔ لٹن کے زمانے (۱۸۷۶ء تا ۱۸۸۰ء) میں کابل اور ترکستان تک فتح کرنے کے منصوبے تراشے جاتے تھے[1] اور کامیاب ہونے کی صورت میں کچھ تعجب نہیں کہ یہ بعید ممالک بھی برطانی ہند کے زنجیرے میں کھینچ لیے جاتے۔ مگر امن و آشتی کی زندگی بسر کرنے میں جبر سے کام نہیں چلتا۔ قومی حکومت وہیں بن سکتی ہے جہاں ایک قوم کا وجود ہو۔ ہندوستان میں اس منصوبے کے ساتھ ہی سب سے پہلے انگریزی تعلیم اور قانون دانی کا فرق سامنے آیا۔[2] پھر نسل، مذہب کے عمیق و عظیم اختلاف نے سر اُبھارا۔ صدیوں کی جات پات، اونچ نیچ کی تفریق و تحقیر عارض ہوئی۔ سید صاحب کو ہندوؤں سے مطلق تعصب نہ تھا۔ وہ ہندو مسلمانوں کے متحد رہنے کے دل سے آرزومند رہے، لیکن اوّل اوّل ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں ہندوؤں کی روش سے کھٹک گئے تھے، پھر جب اردو زبان اور فارسی رسم خط کی مخالفت بنگال و بہار سے بڑھ کر صوبۂ متحدہ میں پہنچی۔ (۱۸۶۷ء) تو انہیں پیش گوئی کرنی پڑی کہ:

"اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ دونوں قومیں دل سے کسی کام میں شریک نہ ہو سکیں گی۔ ابھی تو بہت کم ہے، آگے آگے اس سے زیادہ مخالفت اور عناد اُن لوگوں کے سبب جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں بڑھتا نظر آتا ہے۔ جو زندہ رہے گا وہ دیکھے گا۔"

اُن کے مخاطب مسٹر شیکسپیئر نے کہا: اگر آپ کی پیش گوئی صحیح نکلے تو بڑے افسوس کی بات ہو گی۔ سید صاحب نے کہا: مجھے بھی نہایت افسوس ہے، مگر اپنی پیش گوئی پر مجھے پورا یقین ہے۔

(حیاتِ جاوید۔ ص ۱۲۳)

---

[1] دیکھو اوڈکس ہس۔ ۵۴، ۷۵۔ اور حوالے بر صفحہ ۴۶۴،

[2] سید صاحب نے کانگرس کے خلاف اپنی پہلی تقریر (لکھنؤ دسمبر ۱۸۸۷ء) میں اسی فرق کے نقصانات بیان کیے ہیں۔ (حیاتِ جاوید، ۱۔ ص ۲۴۰)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیندہ بیس پچیس برس میں مستقبل کے یہ اندیشے، حقیقتِ حال بن گئے۔ محرم، دسہرہ، بقرعید وغیرہ تہواروں پر شہر شہر میں ہندو مسلم فساد ہونے لگے۔ صوبۂ متحدہ کے مشرقی اضلاع اور بہار میں گاؤکشی کے خلاف مہم میں دو مرتبہ خاصی خون ریز لڑائی ہو گئی۔ ہندو عوام کو بھڑکانے اور لڑنے پر تیار کرنے میں سرمایہ داروں نے حصہ لیا۔ با اثر لوگ تنظیم و تقویت میں ساعی ہوئے۔ نئی سرکاری تعلیم دلوں میں زہر بو چکی تھی۔ اس کے کڑوے پھل پنجاب کی آریہ سماج، بنگالے کی گیتا اور کالی دیوی، مہاراشٹر کی گنیش پوجا کی جوش انگیز تحریکیں تھیں کہ ہندو جاتی کے احیا کی ایک شرط مسلمانوں سے دشمنی کو قرار دیتی تھیں۔ روز افزوں تفرقہ دیکھ کر سید صاحب کو ہندوستان میں نیابتی حکومت کے اصول کی مخالفت کرنی پڑی۔ کیونکہ اس مجموعۂ ممالک میں عام انتخاب سے حاکم مقرر کرنے کے معنی صریحاً یہ تھے کہ ایک مخالف اکثریت مسلمانوں پر مسلط کر دی جائے۔ ۱۸۸۳ء میں جبکہ وہ وائسرائے کی کونسل کے رکن تھے، بلدی حکومت کا مسودۂ قانون پیش ہوا۔ سید صاحب نے مقامی باشندوں کو اختیارات دینے کی تحسین و تائید کی، لیکن محض انتخاب سے انتظامی مجلسیں قائم کرنا بے وقت و مضر بتایا۔ انہوں نے کہا:

"ہندوستان فی نفسہٖ ایک برِ اعظم ہے اور اس میں مختلف اقوام اور مختلف مذاہب کے آدمی کثرت سے رہتے ہیں۔ مذہبی دستورات کی سختی نے اب تک ہمسایوں کو بھی ایک دوسرے سے جدا رکھا ہے۔ ذات کا قاعدہ بہت شد و مد کے ساتھ جاری ہے۔ ان حالات میں یہاں خالص انتخاب کا قاعدہ جاری کرنا، جیسا انگلستان میں ہے، بڑی خرابیوں کا موجب ہو جائے گا۔"[1]

---

[1] "حیاتِ جاوید" ا ص ۲۴۱۔ سید صاحب وائسرائے کی کونسل کے ۴ سال سے زیادہ رکن رہے۔ (۱۸۷۸ء تا ۱۸۸۲ء)۔ اُن دنوں کونسل کے اختیارات محدود تھے اور چند غیر سرکاری ارکان نے،
(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی زمانے میں نیشنل کانگرس قائم ہوئی (۱۸۸۵ء) اس نئی تحریک سے سید صاحب کی مخالفت کا ایک اور سبب یہ تھا کہ حکومت کے بنگالی نقاد اپنے انگریز استادوں سے آئینی نکتہ چینی کے گر سیکھ گئے تھے اور انہی کے ہتھیاروں سے اُن پر حملہ کرنے لگے تھے مسلمان عوام اس جنگ زرگری کے داؤ پیچ سے بالکل بے خبر تھے۔ سید صاحب کو خوف ہوا کہ وہ ایسی تحریر و تقریر سے حکومت کے خلاف مشتعل ہو جائیں گے اور انگریزوں کی بدظنی کو پھر دشمنی بنا دیں گے۔ گویا اُن کے سارے کیے کرائے کام پر پانی پھر جائے گا۔ ایک پُر اثر خط میں بدرالدین طیب جی کو لکھتے ہیں :

"غدر کیا ہوا؟ ہندوؤں نے شروع کیا، مسلمان دل چلے تھے وہ بیچ میں کود پڑے۔ ہندو تو گنگا نہا کر جیسے تھے ویسے ہی ہو گئے مگر مسلمانوں کے تمام خاندان تباہ و برباد ہو گئے"[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

حکومت نامزد کر دیتی تھی۔ کونسل کی زبان انگریزی تھی۔ سید صاحب اپنی تقریریں انگریزی میں ترجمہ کرا کے لے جاتے تھے۔ انہیں سکرٹری پڑھ کر سناتا اور یا فارسی حروف میں انگریزی الفاظ لکھ کر وہ خود پڑھا کرتے تھے۔ اسی قسم کی ایک تقریر سن کر لارڈ لٹن کو بہت تعجب ہوا اور اس نے اقرار کیا کہ ایسی قابلانہ تقریر میں نے نہیں سُنی تھی۔ (حیاتِ جاوید۔ ا ص ۲۱۲) انہوں نے دو تین مفید قانون خود مرتب کیے اور منظور کرائے پھر کاری قوانین کے مباحث میں اپنی رائے کا آزادی سے اظہار کیا۔ انہی میں "البرٹ بل" پر اُن کی تائیدی تقریر تھی، حالانکہ اکثر انگریز مجوزہ قانون کے سخت مخالف تھے۔

[1] (حاشیہ صفحہ ہذا)

"حیاتِ جاوید"۔ ا ص ۲۴۷۔ خط کی تاریخ درج نہیں۔ غالباً ۱۸۸۷ء میں لکھا جبکہ مکتوب الیہ کانگرس کے اجلاس مدراس کے صدر بنائے جانے والے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کانگرس دعویٰ کرتی تھی کہ وہ تمام اہلِ ہند کے جذبات کی ترجمانی کرتی ہے۔ سیّد صاحب نے تقریر و تحریر میں اس کی تردید کی۔ علی گڑھ میں کانگرس کے توڑ پر ایک "پیٹ ریاٹک ایسوسی ایشن" بنائی (۱۸۸۸ء) جس میں ہندو مسلمان سبھی شامل تھے۔ اس کی رودادیں اور قراردادیں چھاپ کر ولایت تک بھیجی جاتی تھیں کہ برطانی حکومت کو یقین دلایا جائے کہ نیشنل کانگرس میں ہندوستان کی بہت سی قومیں خاص کر مسلمان شریک نہیں ہیں۔

آخری ایام۔ رحلت۔ جانشین؛

سیّد صاحب اپنے سیاسی مسلک پر آخر تک قائم رہے۔ ۱۸۹۳ء میں مسٹر تلک نے پونا میں گنپتی کا نیا میلہ لگایا، اس کے جلوس نے پہلے ہی سال مسلمانوں پر مسجدیں حملہ کرکے مذہبی تعصب کا کرشمہ دکھایا۔ اسی کا ردِ عمل تھا کہ "حبِ وطن کی انجمن" "دفاعِ مسلمین" کی جمعیت (محمڈن ڈیفینس ایسوسی ایشن) میں بدل گئی۔ پرنسپل بیک اس کے سکرٹری بلکہ روحِ رواں تھے۔ جو لوگ سیّد صاحب کی سیاست پر اعتراض کرتے ہیں وہ ان کو بہکانے والا اسی بیک کو قرار دیتے ہیں۔ بہر حال اپنی رائے پر ان کی استقامت اور مدلل وکالت نے مسلمانوں کو ایک مرکز پہ لانا شروع کیا جس طرح بعض انگریز نیز ہندو قومیت بنانے میں مدد دے رہے تھے، ملوکیت پسند حکام نے علی گڑھ کو کمک پہنچائی۔ سیّد صاحب کی تعلیمی تحریک اور سیاسی عقائد بکھرے ہوئے مسلمانوں کو ایک لڑی میں پرونے لگے۔ بہت سے لوگ کہ ان کی مذہبی آزادہ روی سے ناراض تھے، سیاست میں رفیقِ طریق ہو گئے۔

ادھر مدرسۃ العلوم کی ترقی ممالکِ ہند کے ہر گوشے میں بلکہ باہر تک بانی کی عظمت کا اشتہار مسلمانوں کا مایۂ افتخار بن رہی تھی۔ بیس بائیس برس میں کوئی آٹھ لاکھ روپے کی عمارتیں تیار ہو گئیں۔ آمد و خرچ کا موازنہ اسی ہزار سالانہ کے قریب آ گیا[1] کہ ان دنوں غالباً کوئی غیر سرکاری درسگاہ برطانی

---

[1] حیاتِ جاوید۔ ا ص ۲۷۵ وغیرہ۔ سرکاری امداد، فیسوں کی آمدنی اور عام (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہند میں اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔ طیلسانیوں کی تعداد میں سال بسال بیشی ہوئی جو تعلیم و تربیت میں دوسرے کالج والوں سے نمایاں امتیاز رکھتے تھے۔ مشرقی علوم اور دینیات کے سوا، انہیں سب مضامین انگریز پروفیسر پڑھاتے تھے۔ کالج کا صدر لازماً اسی قوم کا مقرر کیا جاتا تھا۔ فرنگی اساتذہ ابتدائی دور میں عموماً تن دہی سے تعلیم دیتے اور مسلمان طلبہ کو تہذیبِ جدید کے آداب سکھاتے رہے۔ ان میں موریسن، آرنلڈ، والٹر ریلے جیسے لوگ شامل ہیں جن کی لیاقت آیندہ اپنے ملک میں بھی اعتراف و اعزاز کی مستحق سمجھی گئی، لیکن دس بارہ سال بعد سے جبکہ کالج کا باقاعدہ دستور العمل اور قانون اُمنا مرتب کیا جا رہا تھا، انگریز اساتذہ کی انتظامی بلکہ قومی مسائل میں مداخلت لوگوں کو ناگوار گزرنے لگی۔ ایک پرانے رفیق، مولوی سمیع اللہ خاں خود سید صاحب سے بگڑ کر کالج سے کٹ گئے۔ زندگی کے آخری ایام میں کالج کے سرمائے سے ایک ہندو منشی کے ایک لاکھ روپے سے زیادہ غبن کرنے سے اور سید محمود کی بے اعتدالی سے سخت بے کیف ہوئے، حتیٰ کہ دوستوں سے ہنسنا بولنا چھوٹ گیا تھا۔ بایں ہمہ کالج کی ترقی اور مسلمانوں کی حمایت کی دُھن تارِ نفس کے ساتھ قائم رہی۔ مرنے سے آٹھ روز پہلے ایک رسالے کا جواب لکھنا شروع کیا جو کسی گندہ دہن عیسائی نے ازواجِ مطہراتؓ کے خلاف چھاپا تھا۔ اسی دوران میں احتباسِ بول کی شکایت پیدا ہوئی۔ اس کے سمی اثرات خون میں پھیلتے چلے گئے۔ ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء (م ۱۳۱۵ھ) کو قوم کا یہ سچا سید دنیا سے اٹھ گیا۔ مدرسۃ العلوم کی مسجد کے احاطے میں مدفن اور "غُفِرلہٗ" وفات کی بے ساختہ تاریخ ہے۔ جس عظمت و شان کی شخصیت تھی اسی کے مناسب اُن کی "حیاتِ جاوید" مولانا حالی کے جاں بخش قلم نے مرتب کی کہ ہمارے ادبیاتِ عالیہ میں شامل اور ممدوح کی تاریخی سوانح کا بہترین ماخذ ہے۔ مرثیے، وفات کی تاریخیں، تعزیت

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

چندوں کے علاوہ ریاست حیدر آباد نے ۱۸۹۱ء میں اپنی مدد بڑھا کر ۲ ہزار سالانہ کر دی تھی۔ دوسری مسلمان ریاستیں بھی اعانت کرنے لگی تھیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی تحریریں، جلسوں میں تقریریں اتنی کثرت سے ہوئیں کہ ہندوستان میں پہلے تو کیا، شاید بعد میں بھی کسی کے مرنے پر اتنی نہ ہوئی ہونگی۔

سید صاحب کی اصلاحِ مذہب کی سرگرمیاں بظاہر ان کی وفات کے ساتھ سرد ہوگئیں، مگر بالواسطہ اس کی حرارت نے دُور دُور تک سرایت کی۔ مسلمان خفا تو بہت ہوئے، مگر سید صاحب کا مطالبہ کہ اسلامی تعلیمات کا از سرِ نو مطالعہ کیا جائے، دینِ فطرت کو قوانینِ فطرت کے مطابق ثابت کیا جائے، کسی طرح فراموش نہ ہو سکا۔ متعدد اہلِ قلم اپنے طور پر اس میدان میں جولانی دکھاتے رہے۔ ان میں مولوی چراغ علی (متوفی ۱۹۰۵ء) کا نام زیادہ چمکا کہ 'تہذیب الاخلاق' کے شروع سے قلمی معاون تھے۔ ان کا وطن میرٹھ تھا، مگر حیدرآباد دکن چلے آئے اور معزز عہدوں پر فائز رہے۔ جدید و قدیم کئی زبانوں سے عمدہ واقفیت رکھتے تھے۔ متفرق رسائل کے علاوہ اسلامی قوانین کے ارتقا پر ایک فاضلانہ مقالہ انگریزی میں تصنیف کیا جس کا اُردو ترجمہ 'اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام' مشہور ہے۔

ایک اور کتاب میں اسلامی جہاد کو محض دفاعی جنگ ثابت کیا۔ سرسید اور ان کے رفقا میں یہی نظریہ مقبول تھا۔ مسلمانوں کی تاریخ عسکری ذہنیت ٹپکاتی رہی ہے، تاہم اسلامیات پر آیندہ اکثر تصانیف میں مذکورۂ بالا نظریات کا مصالحہ آمیز ہوا۔

اسلام کی تاریخ اور عقائد پر نئے مذاق کے مطابق لکھنے والوں میں (رائٹ آنریبل) سید امیر علی صاحب کچھ عرصے بعد نمایاں ہوئے۔ خصوصاً ان کی 'اسپرٹ آف اسلام' کی خوشبو تمام انگریزی دان حلقے میں پھیل گئی۔ شمس العلما نذیر احمد سید صاحب کے اجتہاد کو دل گی میں اڑاتے تھے۔ مگر اپنی جامع کتاب 'الحقوق والفرائض'، نیز فسانۂ 'ابن الوقت' نئے زمانے کے داعیات دیکھ کر ہی قلم بند کی ہیں۔ شمس العلما شبلی 'علم الکلام' لکھنے میں صریحاً مغربی علوم و افکار سے متاثر نظر آتے ہیں۔

سید صاحب کی ادبی رہنمائی کا مجمل اندازہ ہم پھر اگلی فصل میں کریں گے، یہاں تعلیمی مرکز میں ان کے جانشین مہدی علی (نواب محسن الملک) کا مختصر تذکرہ ضروری ہے کہ بانیٔ کالج کا سب سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عزیز پودا انہی کے سلیقہ مند ہاتھوں سے تناور درخت بن گیا۔ وہ ساداتِ بارہہ کی اٹاوے کی شاخ سے تھے (ولادت ۱۸۳۷ء م ۱۲۵۳ھ)۔ نہایت معمولی انگریزی نوکری سے ترقی کر کے چند سال میں ڈپٹی کلکٹر ہو گئے جو ان دنوں دیسیوں کی معراج تھی، مگر سید مہدی کی ذہانتِ فائقہ اور ہمتِ عالیہ کی وسیع ترجولان گاہ ریاست حیدرآباد بنی جہاں معتمد (سکرٹری) رہ کر بادشاہی، بلکہ بقولِ خود کی "برس خدائی" کرتے رہے۔ سرکاری کام کے سلسلے میں انگلستان گئے تھے۔ وہاں وزرائے برطانیہ سے برابری کے دعوے سے ملاقات کی۔ وزیراعظم گلیڈاسٹون اُن کے جمعدار کی زرق برق وردی دیکھ کر سمجھا کہ "نواب" وہی ہے۔[1]

ریاست کے نظم و نسق کو برطانی ہند کی سطح پر اٹھانے میں اُن کے دستِ تدبیر کا بڑا حصہ تھا۔ اندرونی رقابت کے دلکش پیچ دانو پیچ کرنا خوب جانتے تھے۔ انہی معرکوں میں ایک دفعہ ایک ایسی پٹخنی کھائی کہ حیدرآباد اور وہاں کے جاہ و اقتدار کو خیرباد کہنا پڑا (۱۸۹۳ء)۔ ہمارے زمانے تک اُن کے نام کی رفیع و وسیع کوٹھی، عروجِ رفتہ کی پُرسوز گواہی دیتی تھی۔ حکومتِ حیدرآباد دکن کی ایک اور یادگار "نواب محسن الملک" کا خطاب تھا کہ ہندوستان سے چلے آنے پر بھی باقی رہا۔

سرسید کے سچے اخلاص اور عظیم خدمات کی برکت سے خدا نے اُنہیں مخلص و باوفا دوستوں کی اتنی کثیر تعداد سے نوازا جس کی مثال ملنی مشکل ہے، لیکن ان سب میں مہدی علی کی دوستی، عشق و عقیدت

---

[1] میں نے یہ روایت معتبر لوگوں سے حیدرآباد میں سنی۔ تذکرۂ محسن میں ملاقات کا ذکر ہے، لیکن اس پر لندن ٹائمز نے جو اداریہ لکھا تھا وہ دستیاب نہ ہو سکا۔ پھر بھی مختصر تذکرہ پڑھ کر اندازہ ہو سکتا ہے کہ محسن الملک نے سلطنتِ برطانیہ کے مسائلِ مہمہ پہ گفتگو کی اور وہاں کے بااثر قدامت پرست اخبارات نے حیدرآبادی رہبر کے خیالات کو ان وزیراعظم کی تنقیص کا وسیلہ بنانے میں تامل نہ کیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا اونچا مقام رکھتی ہے۔ مولانا حالی ان کے باب میں لکھتے ہیں :

"یہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے سرسید کو سمجھا، ان کی سچائی کو پرکھا، اُن کے منصوبوں کی تھاہ دریافت کی اور اُن کے مقاصد کی عظمت کا اندازہ کیا۔ اُن کا اس وقت ساتھ دیا جب کوئی ساتھی نہ تھا اور اس وقت مدد دی جب کسی سے مدد کی امید نہ تھی۔ . . . . جب 'تہذیب الاخلاق' جاری ہوا اور سرسید نے رفارمیشن کا کام علی الاعلان شروع کیا تو سید مہدی علی پہلے شخص تھے جنہوں نے نہایت دلیری سے سرسید کی تائید میں مضامین لکھنے پر کمر باندھی؛ جو معزز خطاب مولوی اور واعظ سرسید کو دے رہے تھے سید مہدی علی نے بھی ان کا استحقاق پیدا کیا اور کفر کے فتووں کی بوچھاڑ جو اکیلے سرسید پر پڑ رہی تھی، آدھی اپنے سر پہ لی۔"[1]

سرسید کے انتقال اور سید محمود کی (چند روزہ) جانشینی سے علی گڑھ کالج کا مستقبل خطرے میں آ گیا تھا۔ غبن کا حال کھلنے سے چندوں کی آمدنی بند ہو چلی تھی۔ سید صاحب کے رحلت کرتے ہی بہت سے طلبہ مدرسہ چھوڑنے لگے۔ اُس وقت مجلس اُمنا کی کثرت رائے اور اکثر اہل الرائے کے اصرار سے نواب محسن الملک کو مجلس کا معتمد (سکرٹری) منتخب کیا گیا اور وہ زندگی کے باقی نو سال تک تعلیمی اور ملکی معاملات میں سید مرحوم کی خلافت کا حق ادا کرتے رہے۔ ان کی فراست و رسائی سے کالج کی امداد کے نئے نئے دروازے کھلے۔ طلاقتِ لسانی اور مردم شناسی نے دوست کیا دشمنوں کا دل موہ لیتی تھی۔ انتقال کے وقت (۱۹۰۷ء) تک طلبہ کی تعداد اور مدرسۃ العلوم کی آمدنی تقریباً دوچند کر گئے۔ کالج کو یونیورسٹی بنانے کا منصوبہ تازہ اور اس کے لیے کئی لاکھ روپے کا سرمایہ جمع ہو گیا۔ اتنے میں تازہ ولایت پرنسپل (آرچی بولڈ) اور انگریز اساتذہ سے طلبہ نے بگڑ کر ہڑتال کر دی۔ وہ تحریک چلتے چلتے اٹھ گئی۔ بعض مسلم اکابر طلبہ کے حامی ہو گئے، سکرٹری پر انگریز عملے سے دب جانے کا الزام دیتے تھے۔

---

[1] 'حیاتِ جاوید' ۲- ص ۲۸۵/۲۸۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نکتہ چینوں کی قیادت مولوی مشتاق حسین (نواب وقار الملک) سے منسوب کرتے ہیں جو حیدر آباد میں بھی سید مہدی علی کے حریف تھے اور انہی دنوں ریاستی سیاست کے اڑنگے میں آکر عہدے سے برطرف کیے گئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے محسن الملک مصلحت پسندی سے زیادہ احسان مندی کے دباؤ میں آئے۔ کالج کی درستی اور تقویت میں سابق پرنسپل (بیک اور موریسن) سے مدد ملی تھی۔ اب انگریز معاوضہ مانگتا تھا، شریف و بامروت مسلمان کو ناز برداری کرنی پڑتی تھی۔

اُن کی سیاسی ہوش مندی حیدر آباد میں مسلّم تھی۔ علی گڑھ بڑی حد تک مسلمانوں کا سیاسی مرکز بن گیا تھا۔ وہ اس گدی کے وارث ہوئے، تو سب کو امید تھی کہ مزید قوت حاصل کرے گا، مگر اُسی زمانے میں ایک نامہذب اسکاچ (این ٹونی پیٹرک میک ڈونیل) صوبہ متحدہ کا حاکم بنایا گیا تھا۔ اُس نے بعض ہندوؤں کی التجا پر اردو رسم خط کے ساتھ ناگری کو عدالتوں میں رائج کرنے کا حکم دیا۔ علی گڑھ پھر لکھنؤ میں محسن الملک نے احتجاج کیا۔ اس پر وہ بہت بگڑا اور کالج کے کارپردازوں کو دھمکی دی کہ سکرٹری نے ملکی مسائل میں دخل دیا، تو سرکاری امداد سے محروم بلکہ یونیورسٹی سے کالج کو خارج کر دیا جائے گا۔

محسن الملک سکرٹری کا عہدہ چھوڑنے پر تیار تھے مگر رفیقوں کے اصرار پر سیاسیات سے کنارہ کش ہونا قبول کر لیا۔ ۱۹۰۰ء چند ہی سال گزرے تھے کہ عہدِ کرزن (۱۸۹۹ء تا ۱۹۰۵ء) کی برطانوی خود سری کے پتنگوں سے بنگال میں سرکشی کے شعلے نکلنے لگے۔ انہیں بجھانے کے منٹو مورلے اصلاحات کے چھینٹے دینے پڑے۔ وفادار مسلمانوں کا لشکر کمک پر بلایا گیا۔ ایک پھر علی گڑھ کی ... مرکزیت سے کام لینا مفید مطلب نظر آیا۔

"انجمن دفاعِ مسلمین" اُردو ناگری جھگڑے کے جھگڑے میں اُڑ گئی، لہٰذا حکومت کے اشارے سے محسن الملک پہلے ایک وفد لارڈ منٹو کے پاس لے گئے جس میں ہر صوبے کے سربرآوردہ مسلمان (ستر کے قریب) اور ہز ہائی نس آغا خان بارات کے دولہا تھے (اکتوبر ۱۹۰۶ء)۔ پھر سال کی آخری تاریخوں میں ایک خاص جلسہ ڈھاکے میں منعقد ہوا۔ تعلیمی کانفرنس بھی وہیں مدعو کی گئی تھی۔ اسی لیے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُسلم عمائد و اکابر اتنی تعداد میں آئے کہ پہلے کہیں اتنا بڑا اور ایسا موقر اجتماع نہ ہوا تھا۔ سیاسی مشاورت کی صدارت وقار الملک نے کی متفقہ طور پر قرار پایا کہ مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت کے واسطے کُل ہند جمعیۃ المسلمین قائم کی جائے جو آل انڈیا مسلم لیگ کے انگریزی نام ہی سے مشہور ہے۔ اس کے معتمد (سکرٹری)، وقار الملک اور شریک کار محسن الملک منتخب کیے گئے، مگر اسی برس (اکتوبر ۱۹۰۷ء م ۱۳۲۶ھ) ان کا انتقال ہو گیا۔ وقار الملک کالج کے سکرٹری مقرر ہوئے۔ لیگ کا کام چھوڑ دیا تھا، مگر انگریز اساتذہ کے معاملے میں حاکم صوبہ ہیوئٹ نے دخل اندازی کی اور جا بجا مسلمانوں نے سکرٹری کی تائید میں جلسے کیے، لاٹھ صاحب کو جھک جانا پڑا۔ کہتے ہیں اسی جھلاہٹ میں آغا خان کو کہہ کر لیگ کا ڈیرہ تک علی گڑھ سے اُکھڑ وا دیا۔ سیاسی مرکزیت در حقیقت میں منتقل ہو گئی تھی، عہدِ وقار الملک ہی علانیہ علی گڑھ کے ہاتھ سے نکل گئی (۱۹۱۰ء)

مولانا الطاف حسین حالی

محسن الملک مرحوم کی شیریں بیانی کا مزہ شہرت کی زبان پر باقی ہے، شیریں نگاری کو لوگ بھولتے جاتے ہیں، حالانکہ "تہذیب الاخلاق" میں اُن کے نفیس مضمون کثرت سے نکلے اور بہت پسند کیے جاتے تھے۔ ایک ضخیم کتاب "آیاتِ بینات" لکھی کہ مناظرے کی بے ثمر شاخ میں قلم کا لطف دکھاتی ہے، لیکن سر سید کی جدید انشا پردازی کی قلم رو حقیقت میں مولانا حالی کے ورثے میں آئی، جنھوں نے مرحوم کی حکیمانہ سلاست و سادگی کو اُردو کی مستقل ادبی روایت بنا دیا۔ وہ سید مہدی علی کے ہم سن تھے۔ اور اسی سال (۱۸۳۷ء م ۱۲۵۲ھ) قصبہ پانی پت کی انصاری برادری میں پیدا ہوئے۔ والد لڑکپن میں گزر گئے۔ فارسی عربی کی ابتدائی تعلیم پائی تھی کہ گھر والوں نے شادی کرا دی۔ نوکری کرنے پر مجبور ہوئے البتہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے نے کئی سال بے کار بٹھائے رکھا، تو وطن کے چند مشہور اساتذہ سے علوم عربی کی تحصیل کا موقع مل گیا۔ شعر گوئی کا ملکہ استادِ ازل کی سرکار سے عطا ہوا۔ جوانی میں عربی فارسی شعر کہنے لگے۔ تقدیر کی رہنمائی نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ رئیس جہانگیر آباد کی خدمت میں لے آئی (۱۸۶۳ء)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو اپنے زمانے کے مانے ہوئے سخن سنج ہیں۔ اُردو فارسی میں معیاری شاعری کرتے تھے۔ تذکرۂ گلشنِ بے خار اُن کی سدا بہار تالیف ہے۔ انہی کی وساطت سے حالی، شہریارِ سخن مرزا غالب کی بارگاہ میں روشناس ہوئے۔ مرزا نے اُن کا کلام دیکھ کر کہا "تم شاعری نہ کرو گے تو اپنے آپ پر بڑا ظلم کرو گے۔"

نواب مصطفیٰ خاں کا ۱۸۶۹ء میں انتقال ہوا۔ مولانا حالی کو حکومتِ پنجاب کے بک ڈپو میں نوکری مل گئی اور تین سال کے قریب لاہور میں رہے۔ انگریزی سے اردو میں بعض تراجم کی زبان درست کرنا بھی اُن کے فرائض میں شامل تھا۔ یہ کام اور لاہور کے تعلیمی حلقوں میں تعارف، نئے خیالات سے آگہی کا وسیلہ بنا۔ طبقات الارض پڑھائی۔ عربی ترجمے کو اُردو لباس پہنایا۔ عورتوں کے لیے مجالس النساء تصنیف کی۔ ہالرائڈ صاحب ناظمِ تعلیم نے اس پر انہیں انعام دلوایا۔ اسی قیام لاہور میں انجمنِ پنجاب کے مشاعروں کیلیے چار مثنویاں لکھیں جنہیں ان کی جدید شاعری کا سر آغاز کہہ سکتے ہیں۔

لاہور سے دہلی آکر ایک اسکول میں مدرس رہے۔ جب ریاست حیدر آباد نے ماہانہ وظیفہ مقرر کیا تو نوکری چھوڑ دی اور تہہ تن علم ادب کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ آخر زمانے میں ضعیف و علیل رہنے لگے تھے۔ ۱۹۱۴ء کے آخری دن انتقال کیا، رحمۃ اللہ علیہ۔

مولانا حالی کے مختصر مضامین، بعض کتابوں پر تبصرے سرسید کے علی گڑھ گزٹ اور تہذیب الاخلاق میں چھپے تھے، مگر اُن کی نوخیز انشا پردازی ماثر نور س مسدس مدوجزر اسلام کا چھوٹا سا دیباچہ ہے کہ ادب اُردو کے ماتھے پر ٹیکا بن کر چمکتا ہے۔ مستقل تصانیف میں حیاتِ سعدی، حیاتِ جاوید اور سب سے بڑھ کر یادگارِ غالب آج تک نہایت مقبول و متداول ہیں، لیکن اکثر اہلِ نظر نثرِ حالی کا نقطۂ شرف اُس مقالۂ عالیہ کو قرار دیتے ہیں جو مقدمۂ شعر و شاعری کے نام سے دیوان کی طبع اوّل کے ساتھ شائع ہوا تھا۔ (۱۸۹۳ء)

لیکن ملتِ اسلامیہ پر مولانا حالی کا مسلّمہ عظیم احسان اور مسلمانوں کے فکری انقلاب کا قوی ترین محرک ان کی قومی شاعری تھی۔ اس کا آغاز ہی مسدسِ حالی سے ہوا (۱۸۷۹ء) کہ اس شان کی نظم صدیوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے اسلامی دُنیا نے نہ دیکھی تھی۔ فنونِ لطیفہ میں مسلمان اوّل سے فنِ شعر کے دلدادہ تھے۔ عرب کو اپنے پُرجوش قصائد پہ ناز تھا۔ ایرانی مسلمانوں نے غزل و مثنوی میں سخن وری کا کمال دکھایا۔ اسی ایرانی اثر سے پاکستان و ہند کے مسلمان شاعری کے والہ و شیدا رہے۔ انیسویں صدی کے اوائل میں نظمِ اُردو نے وہ بالیدگی پائی کہ اُستادانِ ایران سے زبان لڑاتی تھی۔ حقیقت میں مومنؔ و غالبؔ کی غزل اپنے ہم عصر فارسی اساتذہ سے کسی طرح کم نہ نکلے گی۔ صنفِ مرثیہ نگاری میں خاندانِ انیسؔ و دبیرؔ کو جو فضیلت حاصل ہوئی، وہ بیان سے مستغنی ہے۔ دورِ سرسید تک، یا یوں کہیے کہ ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کی جھوٹی سچی بادشاہی کے تلپٹ ہونے تک، اردو ادب کے کتب خانے میں نثر کی معدودے چند کتابیں لکھی یا لکھوائی گئی تھیں۔ مسلمانوں کی سسکتی ہوئی سیادت کی علمی زبان فارسی مانی جاتی تھی۔ خطوط، روزنامچے، خاص کر حکیموں کے نسخے ہمارے زمانے تک اسی میں تحریر ہوتے رہے۔ مگر نعانہ نظم کو دیکھیے تو اُردو دواوین، کلیات، تذکرات، مراثی کی الماریاں بھری ہوئی پائیں گی۔ شاعری کے سب سے بڑے مخزن اور منبع دہلی اور لکھنؤ تھے۔ مزید برآں عظیم آباد، رام پور، جے پور، حیدر آباد اور دوسرے شہر و قصبات میں خدا جانے کتنے شاعر فکرِ شعر میں مستغرق رہتے تھے۔ بعض حضرات اپنی قادر الکلامی کی گواہی دلوانے کے لیے آٹھ آٹھ ضخیم دیوان تیار کر گئے ہیں۔

شاعری کی متعدی وبا، زبان اردو کی اشاعت و پرورش میں ضرور مفید ہوئی۔ ہندوستان و دکن، پاکستانِ غربی و شرقی کے ہر گوشے میں اسی کے گیت گائے جانے لگے۔ زیرِ نظر (۱۹ویں) صدی میں وہ سارے برِعظیم کی سب سے مقبول مشترکہ زبان بن گئی۔ بیان کے نئے نئے اسلوب، ادائے مطالب کے خوش نما پیرائے ایسے نکل آئے کہ فارسی چھوڑنے کے بعد تھوڑی سی مدت میں نثرِ اُردو نے اس کی جگہ لے لی اور ہماری روزافزوں علمی، ادبی، اخباری ضرورتوں کی کفیل ہو گئی۔[1]

---

[1] نثرِ اُردو میں شعریت کے سرایت کرنے کی مثال محمد حسین آزاد کی انشا پردازی ہے جو نئے خیالات

(بقیہ حاشیہ آیندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُردو شاعری کے حُسن و قبح سے ہمیں بحث نہیں ہے۔ اس میدان کے مشاہیر پر مستقل کتابیں، بہت سے تذکرے، تبصرے الگ لکھے گئے ہیں۔ یہاں اتنا یاد کرنا مقصود ہے کہ شاعری کی غرض و غایت ان دنوں فقط ادبی ذوق کی تسکین، یا عیش و نشاط کی محفل گرم کرنا رہ گیا تھا۔ مرثیہ نگاری میں قصیدہ و مثنوی دونوں کی خصوصیات، منظر کشی، رزم بزم، مکالمات، واقعات جمع کیے گئے ہیں، لیکن بیان کے اِغراق و غلو کے ماسوا، خوارق و کرامات پر زیادہ زور تھا۔ ملی نقطۂ نظر سے اکثر مرثیے فرقہ پروری کا مادہ رکھتے ہیں۔

انجمن پنجاب کے مشاعروں کا مقصد مغربی طرز پر معروضی نظم نویسی کی مشق کرنا تھا۔ اصلاح ملک و ملت کے لیے شعر سے کام لینے کا خیال شاید کسی کے ذہن میں نہ آیا تھا۔ اور آیا ہو یا سرسید نے "؟ یا ہو تو بھی زبانِ شعر میں ایسی پُر درد صدا لگانا، اور اس بے قراری سے فریاد بلند کرنا کہ ساری قوم کے دل ہل جائیں، خدا کی دین تھی جو حالی مرحوم کے حصے میں آئی۔ ان کے مختصر مسدس (۱۸۷۹ء) نے مسلمانوں میں وہ کام کیا جو ہزار وعظ و پند کی تقریروں، تدبیروں سے ہوا تھا۔ چند ہی سال میں یہ نظم ہزاروں کی تعداد میں بار بار شائع ہوئی اور آج تک اُردو شاعری کا مقبول ترین نسخہ ہے۔ آئندہ سنین میں شعر کی یہی نو دریافت اقلیم، شاعر کی جولاں گاہ رہی۔ پے در پے اور ایک سے ایک بڑھ کر نظمیں ایسی لکھیں کہ تعلیم یافتہ طبقے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

کو پرانے سانچوں میں ڈھالتے اور شاعرانہ ایہام و تشبیہ سے عبارت آراستہ کرتے ہیں۔ ان کے بعد خان بہادر ناصر علی دہلوی نے کوشش کی تھی، مگر حق یہ ہے کہ آزاد کی شاعرانہ نثاری میں کوئی ان کا وارث نہیں ہوا۔ لکھنؤ کی نثر میں شعر کے اثرات نے دوسرا رنگ نکالا۔ فسانۂ عجائب، اور طلسمِ ہوشربا، کی لفظی صناعی سے قطع نظر کیجیے۔ شرر نئی روشنی سے چراغ جلاتے ہیں۔ سرشار کی عبارت میں سیلابی جوش بھرا ہوا ہے۔ بایں ہمہ دونوں نثار زور پیدا کرنے کے لیے شاعرانہ تخیل اور شعر کے صنائع بدائع کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں، حالی کا کلمہ پڑھا جانے لگا۔ پرانی رسمی شاعری نظروں سے گر گئی، ایک زمانے تک غزل تشبیہ اُردو کلام جاہلی عہد کی پیداوار سمجھا جاتا رہا۔

مولانا حالی کی ذاتی زندگی اسلامی شرافت و نیکوئی کا مجموعہ تھی۔ شاید قال سے زیادہ اُن کے حال کا لوگوں پر اثر پڑتا تھا۔ دورِ نو کے اسلامی مصلحین محسنین میں سرسید کے بعد ان کا نام آتا ہے۔ انصاف سے دیکھا جائے تو ہندوستان میں مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کا تصور جس تواتر و قطعیت سے نظمِ حالی کی تہہ میں مضمر ہے سید صاحب کی تحریر و تقریر میں بھی نہیں ملتا۔ شکوۂ ہند میں شاعر صاف صاف مسلمانوں کو غیر قوم (بدیسی) پکارتا اور کشورِ ہندوستان کو الوداع کہنے پر اُبھارتا ہے۔ پاکستان بن جانے اور لاکھوں مسلمانوں کے بھارت سے اُٹھ جانے پر خواہی نخواہی اٹھتر سال پہلے (۱۸۸۸ء) کے یہ ملہمانہ الفاظ یاد آجاتے ہیں: ؎

رخصت اے ہندوستاں اے بوستانِ بے خزاں
رہ چکے تیرے بہت دن ہم بدیسی میہماں ...

شاعر کا وطن پانی پت جہاں ہزارہا مسلمان بستے تھے، اب اس بدیسی قوم سے خالی ہو گیا ہے۔[۱]

مدرسہ اسلامیہ دیوبند:

سرسید مسلمانوں میں نئی تعلیم پھیلانے کی اُدھیڑ بُن ہی میں تھے، کہ دوآبہ کے شمالی گوشے میں پرانی تعلیم کے دو نئے مدرسوں کی بنا پڑ گئی۔ ایک مولوی محمد مظہر صاحب نے سہارنپور میں قائم کیا۔ دوسرا چند علماء کی شرکت سے اس ضلعے کی بستی دیوبند میں تشکیل پذیر ہوا (۱۸۶۶ء م ۱۲۸۳ھ)۔ اسے شروع سے

---

[۱] معلوم ہوا کہ ایک مولوی صاحب جان پر کھیل کر وہاں پڑے رہ گئے۔ مولانا حالی کی برادری کے بعض افراد کہ خون ایک مشرب مختلف رکھتے تھے۔ بھارت کے وفادار نمک خوار رہیں، مگر غالباً پانی پت میں بحالِ اقامت نہیں پاتے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

با اثر، تجربہ کار حضرات کی سرپرستی حاصل تھی۔ مولوی ذوالفقار علی صاحب انگریزوں کے محکمۂ تعلیم کے نائب مہتمم رہ چکے تھے۔ سرکاری نوکری چھوڑ کر نئے مدرسے کے صدر مقرر ہوئے۔ علمِ دین کی خدمت کے شوق میں بائیس روپے کی قلیل تنخواہ قبول کر لی۔ تدریس کا آغاز ایک مسجد کے دالان میں کیا تھا۔ چند سال میں طلبہ کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ درس اور اقامت خانے کے لیے جداگانہ عمارتیں بنانی پڑیں۔ انہی میں صدر مدرسہ کی حیثیت سے مولانا محمد قاسمؒ نے پڑھانا شروع کیا۔ (۱۲۹۳ھ)

مولانا (ولادت ۱۲۴۸ھ قصبہ نانوتہ) کی زندگی نے زیادہ وفا نہ کی (وفات ۱۲۹۷ھ م ۱۸۸۰ء) مگر اسی مختصر مدت میں ان کی شخصیت کا نقش اسلامی ہند کی لوحِ تاریخ پر چھپ گیا۔ اُن کی تعلیم اپنے عزیز، فاضلِ زمانہ مولوی مملوک علی کی نگرانی میں ہوئی۔ وہ غدر سے پہلے دہلی کالج میں معلم تھے۔ مولانا قاسم کا لڑکپن اسی شہر میں گزرا۔ مدرسہ شاہیہ (رحیمیہ) کے مسند نشین شاہ عبدالغنی صاحب سے حدیث پڑھی۔ تصوف میں حاجی امداد اللہ (مہاجر مکی) سے بیعت ہوئے۔ حاجی صاحب قصبۂ تھانہ بھون کے رئیس تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے وقت انہی کے ہاں مجلسِ شوریٰ منعقد ہوئی۔ حاجی صاحب انگریزوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے میں رُکتے تھے۔ مولانا قاسمؒ نے کہا ہم اصحابِ بدر سے سازوسامان میں کم نہیں ہیں۔ سُنا ہے اسی پُرجوش قول پر جہاد کا فیصلہ کیا گیا۔[1]

سال بھر کے اندر دوبارہ انگریزوں کا تسلط ہو گیا۔ اکثر مجاہدین چھپ کر حجاز چلے گئے تھے۔ حاجی صاحبؒ تو وہیں کے ہو رہے۔ مولانا محمد قاسمؒ امن وامان کا عام اعلان ہونے کے بعد ہندوستان واپس آئے اور دیوبند جانے تک میرٹھ کے ایک مطبعے میں تصحیح کی خدمت انجام دیتے رہے۔

مسلمانوں کی شکستہ دلی دیکھ کر اُن دنوں عیسائی پادری بہت تیز ہو گئے تھے۔ آریہ سماجی نئے نئے میدان میں آئے اور اسلام پر منہ آتے تھے۔ مولانا محمد قاسمؒ نے کئی بڑے مناظروں میں انہیں

---

[1] موجِ کوثر ص ۲۲ میں یہ روایت بظاہر سوانح عمری مولانا محمد قاسمؒ سے نقل کی ہے جسے ان کے رفیقِ طریق اور جانشین مولانا محمد یعقوب نے تالیف کیا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شکست دی۔ ردِ آریہ اور نصاریٰ کے جواب میں چند رسالے اُن کی علمیت اور منطقی استدلال کی یادگار ہیں۔ ایک مجمل تاریخ "القرن التاسع عشر" تالیف کی تھی مگر ناموری کا ظاہری سبب مدرسہ دیوبند کی خدمت و تربیت ہے کہ چند ہی سال کی محنت میں اسے ایک دارالعلوم کے درجے تک سربلند کر دیا۔

معنوی وجہِ احترام اُن کی وہ زاہدانہ زندگی تھی کہ پچاس کی مقررہ تنخواہ میں صرف دس روپے ماہانہ کرا سی میں گزارہ کرتے تھے۔ خود مدرسے کے مستقبل کے متعلق اُن کا توکل استغنا کی عجیب شان دکھاتا ہے۔ وہ یقین رکھتے تھے کہ جب تک آمدنی غیر یقینی رہے گی مدرسہ خدا کے بھروسے پر چلتا رہے گا، اور کسی جاگیر جائیداد وغیرہ سے آمدنی پکی ہو گئی تو ساری برکت جاتی رہے گی! اُن کے وصیت نامے کی یہ دفعات نقل کرنے کے لائق ہیں:

"۱۔ اس مدرسے میں جب تک آمدنی کی سبیل یقینی نہیں ہے تب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ تعالیٰ بشرطِ توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا۔ اور اگر کوئی آمدنی یقینی ایسی حاصل ہو گئی جیسے جاگیر یا کارخانہ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف و رجا جو سرمایۂ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امدادِ غیبی موقوف ہو جائے گی اور کارکنوں میں نزاع پیدا ہو جائے گا۔ القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں بے سروسامانی ملحوظ رہے۔

۲۔ سرکار کی شرکت اور امرا کی شرکت بھی زیادہ مُضر معلوم ہوتی ہے۔

۳۔ تا مقدور ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجبِ برکت معلوم ہوتا ہے جن کو اپنے چندے سے امیدِ ناموری نہ ہو۔ بالجملہ حُسنِ نیت اہلِ چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے۔"[1]

---

[1] "مسلمانوں کا روشن مستقبل" صفحہ ۱۹۸۔ نیز "موجِ کوثر" صفحہ ۲۲۷۔ شاید معروف روایت سمجھ کر دونوں کتابوں میں اصل ماخذ کا حوالہ نہیں دیا گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ وصیتیں پڑھ کر، نیز وہ قول سُن کر جس میں ہنگامۂ ۱۸۵۷ء کے وقت جنگِ بدر کی نظیر دی تھی، گمان ہوتا ہے کہ مولانا اپنے تصورات میں کسی اور دنیا کے رہنے والے تھے۔ ان کی بے نیازی پر سرسید کی بے قراری یاد آتی ہے کہ وہ علی گڑھ کالج کے لیے کس طرح تگ و دو کرتے اور ہر گھر سے چندہ جمع کرتے پھرتے تھے۔

تعلیمی مقاصد کے تباین، اور فکر و عمل کے ایسے تضاد کے باوجود سرسید نے بزرگانِ دیوبند کی بزرگداشت کا ہمیشہ خیال رکھا۔ مولانا محمد قاسمؒ اور مولانا یعقوبؒ سے درخواست کی کہ علی گڑھ کے مذہبی شعبے کے انتظام میں شرکت فرمائیں جس میں خود سید صاحب شامل نہیں ہوئے، مگر ان صاحبوں نے کمیٹی میں غیر سُنّی ارکان کا نام سُن کر شرکت سے انکار کر دیا۔[1]

سید صاحب نے اس فرقہ پرستی کی مذمت لکھی کہ ضعف و زوال کے زمانے میں دینی اختلافات کو کریدنا جسمِ ملّت کو فگار کرنا تھا۔ بایں ہمہ کالج میں دینیات کی تعلیم کے لیے انہوں نے دیوبند ہی سے رجوع کیا۔ مولانا محمد قاسمؒ کے ایک عزیز قریب (مولوی عبداللہ انصاری) کو بُلا کر یہ خدمت سپرد کر دی۔

معلوم نہیں مولانا قاسمؒ کی وصیتوں پر کتنے دن کس قدر عمل ہوا، لیکن طلبہ کی تعداد، عمارات اور مدرسے کی شہرت اُن کے بعد برابر بڑھتی رہی۔ خراسان و کابل سے بنگال و آسام اور کشمیر سے لے کر مدراس و ملیبار تک کے لوگ آتے، فضیلت کی دستار باندھ کر واپس جاتے اور دیوبند کا نام پھیلاتے تھے۔ پچاس برس میں تعلیم پانے والوں کا شمار ایک ہزار کے قریب آ گیا۔ کئی وسیع اقامت خانے اور درس دینے کے کمرے بنائے گئے۔ کتبِ دینیہ کا معقول ذخیرہ فراہم ہوا۔ اِفتا کا مستقل شعبہ اضافہ کیا گیا۔ آخر میں تالیف و تصنیف کی طرف بھی توجہ ہوئی۔ ماہانہ رسالہ 'القاسم' کا اجرا عمل میں آیا۔

ان سب ترقیوں کے باوجود یاد رکھنا چاہیے کہ دیوبند کا نصابِ تعلیم وہی مدرسۂ رحیمیہ دہلی کا

---

[1] 'حیاتِ جاوید'۔ ۲ صـ ۲۶۲ بحوالہ 'تہذیب الاخلاق'۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نصاب تھا۔ اس میں پرانی معقولات سے زیادہ حدیث وفقہ پڑھانے پر زور دیا جاتا ہے۔ الحاقی روایات اور تقلیدی بدعات کا کوڑا ہٹا کر دین کے صحیح عقائد و اعمال واضح کیے گئے ہیں لیکن دنیا کے جدید علوم سے اسے سروکار نہیں ہے۔ انگریزی تعلیم ایک طرف، کالج کے تعلیم یافتہ بھی جو دیوبند میں داخل کیے گئے تھے یہاں کی ذہنی فضا سے موافقت نہ لا سکے۔ تجربہ کچھ کامیاب نہیں ہوا۔ ہمارے دینی مدارس میں مدت سے بیشتر اہل حرفہ یا دیہاتی لڑکے اقامت رکھتے ہیں۔ ان کا تہذیبی اور معاشی مرتبہ پست ہوتا ہے۔ دیوبند نے بہتوں کو مولویت کا طیلسان پہنا کے معزز شہری بنا دیا، لیکن مقیم طلبہ کی حالت زیادہ نہ بدلی۔ دور دست قصبہ ہونے کی وجہ سے بھی شہر کے خوش باشوں کو کثرت سے یہاں آنے کی ترغیب نہیں ہوئی۔

مدرسہ دیوبند بننے کے پچیس تیس برس بعد، اور بڑی حد تک علی گڑھ کے اثر سے روشن خیال علماء کو دینی مدارس میں نئی روشنی لانے کا خیال پیدا ہوا۔ لکھنؤ میں ندوۃ العلماء کی بنیاد ڈالی گئی (۱۸۹۴ء م ۱۳۱۱ھ)۔ نیا نصاب تعلیم ترتیب دیا اور اس میں انگریزی زبان ملائی گئی۔ مقاصد میں علوم و فنون کے ساتھ صنائع سکھانا شامل تھا کہ لڑکے اور نمازیں پڑھانے کے علاوہ مولویوں کو دوسرے وسائل معاش سے آگہی ہو۔

ان اصلاحات کی پرانے خیال کے علماء نے سخت مخالفت کی۔ شروع میں انگریز حکام بھی کچھ مشکوک تھے۔ ۱۹۰۴ء میں شمس العلماء مولوی شبلی معتمد مقرر ہوئے۔ وہ سولہ سال تک علی گڑھ میں فارسی کے استاد رہے تھے۔ سرسید کی صحبت نے فطری ذہانت کو چمکایا، شعبۂ مشرقی کے اساتذہ میں سب سے زیادہ کالج سے انہی نے فیض پایا تھا۔ بڑی بڑی امیدیں لے کر لکھنؤ آئے۔ ندوے کی مالی حالت استوار کی، حکام سے تعلقات سازگار بنائے۔ ۱۹۰۸ء میں لفٹیننٹ گورنر سے دارالعلوم کی عمارت کا سنگ بنیاد نصب کرایا۔ ان کے زمانے میں تعلیم خاصے زور شور سے ہونے لگی تھی، مگر چند ہی سال میں رفقائے کار سے ان بن ہو گئی۔ مخالفین کی شدت و کثرت سے تنگ آ کر مولوی صاحب نے ۱۹۱۳ء میں استعفیٰ دیدیا۔

ندوۃ العلماء انگریزی یا عربی میں بڑے کالج کے درجے تک نہیں پہنچ سکا۔ علوم دینیہ میں اسے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیوبند کی برابری کا مرتبہ کبھی حاصل نہیں ہوا۔ خود شبلی مرحوم اپنی چست طرزِ نگارش اور تاریخ و تذکرہ کی تصانیف سے بہت مقبول رہے اور اعظم گڑھ میں ایک عمدہ علمی مرکز "دارالمصنفین" بنانے میں کامیاب ہوئے جس کی مطبوعات اُن کے علمی ذوق کو تازہ کرتی ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب سیزدہم

برّ الکاہل کا سیاسی تموّج

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِرّ الکاہلؔ کا سیاسی تموّج

بیسویں صدی کے آتے آتے مکالے کے "کالے انگریز" خانۂ خیال سے عالمِ خارج میں آ گئے۔ برطانی ہند کے ہر شہر میں سرکاری مدارس، دفاتر، عدالتوں میں ان کی ٹکڑیاں گٹ پٹ گٹ پٹ کرتی پھرتی تھیں۔ انگریزی زبان کے دھارے کے ساتھ مغربی تصورات ہندی دماغوں میں چکر کھانے لگے۔ مِل، اسپنسر، برک، کارلائل کے سیاسی فلسفوں پر بحث ہوتی تھی۔ یورپ کی نشاۃِ ثانیہ، تجدیدِ مذہب، برطانیہ، فرانس اور تازہ تر اطالیہ کے انقلابات کی تاریخیں ذوق شوق سے مطالعہ کی جا رہی تھیں۔ انگریزوں کی نقالی نے خود اُن کی ملوکیت کے حق میں یہ مخدوش صورت نکالی کہ ادنیٰ درجے کی ظاہری چیزوں سے ہندیوں نے قدم آگے بڑھایا۔ اہلِ مغرب کی ریس میں آرزو کرنے لگے کہ ہندوستان میں بھی جمہوری آئین کا راج یا

لہ ۱۹۰۸ء میں ڈاکٹر مولوی عبدالحق بالقابہم کا ایک مشہور مقالہ رسالہ "دکن ریویو" حیدرآباد میں "عالمِ اسلام" پر چھپا تھا۔ اس میں ترکی، مصر اور ایران کی سیاسی بیداری کے آثار دکھائے ہیں۔ مقابلے پر بہ تغلیب ہند کی بے حسی پہ "بِرّ الکاہل" کی نئی ترکیب موزوں کی گئی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رواج ہو جائے۔

سرکار کمپنی کے زمانے میں ایسے مطالبے محدود اور مبہم رہے ہیں۔[۱] باقاعدہ برطانی حکمرانی کے قائم ہو جانے سے البتہ سوال پیدا ہوا کہ اب یہاں کا طرزِ حکومت کیا ہو گا؟ دورِ جدید کا مذاق اور انگریز قوم کا میلان جمہوری اصول پر ایمان رکھتا تھا، مگر اس عمارت کی بنیاد، سیاسی آزادی ہوتی ہے، انتخاب و شوریٰ تعمیری مصالحے کا کام دیتے ہیں۔ انہیں کام میں لانے کے معنی یہ ہوتے کہ برطانی تسلط کا خاتمہ ہو جائے۔ سرمایہ دار تاجر بادہ انگریز جو ہندوستان کو خوانِ یغما سمجھتے تھے طبعاً اہلِ ہند کی آزادی کا راستہ روکتے اور انہیں محکوم رکھنا چاہتے تھے۔ اُن کی حجت تھی کہ ہندوستان جمہوری حکومت کے قابل نہیں، رفتہ رفتہ اُسے سبق دیا جائے گا، چنانچہ مرکزی، صوبائی، بلدی مجلسوں کی بنا ڈالی۔ بتدریج شوریٰ اور انتخاب کے اصول کو رواج دیا جس کی تاریخ وار ترتیب باب دہم کے اوراق میں نظر سے گزر چکی ہے۔ اہلِ ہند کو شکایت اس بات کی تھی کہ اختیارات کی توسیع اور منتقلی میں انگریز جان کر دیر لگاتے ہیں۔

مُلکی مطالبات میں لارڈ رِپن (۱۸۸۰ء تا ۱۸۸۴ء) کی ہمدردی نے جان ڈال دی۔ اضلاع اور بڑے شہروں میں اُسی نے مجلسیں قائم کرائیں۔ تعلیم، تعمیرات، صحتِ عامہ کے مقامی اختیارات تفویض کیے۔ دیسی اخباروں پر خاص قیود لگائی گئی تھیں، انہیں موقوف کر دیا۔ دیسی عدالتیں فرنگیوں کے مقدمات کی سماعت نہ کر سکتی تھیں۔ اس بے جا فرق کو دور کرنا چاہا۔

یہی مسودۂ قانون "البرٹ بل" کے نام سے مشہور ہے جس کی مخالفت میں ہندوستان کے انگریزوں نے

---

[۱] کمپنی کے آخری زمانے میں کبھی کبھی مغربی تصورات، ہندوستان خصوصاً کلکتہ کے تعلیم یافتہ ہندوؤں میں چمک دکھا جاتے تھے۔ ہم عصر انگریزی تاریخوں کا گزشتہ ابواب میں حوالہ آ چکا ہے جن میں جستہ جستہ یہ واقعات ملتے ہیں۔ اس موضوع پر راجا رام موہن رائے کی سوانح عمری (از نیٹسن، مدراس)، لائقِ مطالعہ ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے بڑا ادھم مچایا۔ اُن دنوں نیل کے وسیع باغات میں انگریز مالکانِ اراضی ہندی مزدوروں سے غلاموں کی طرح کام کراتے، خود بے حساب نفع کماتے تھے۔ وہ دیسی عدالت میں بلائے جانے کی تجویز سن کر نہایت اندیشہ مند ہوئے۔ ان کی دولت و رسوخ نے رپن کی تجویز کے صدہا مخالف کھڑے کر دیئے، قانون منظور نہ ہو سکا، بلکہ خود والس روے ارباب حکومت میں نامقبول ہو گیا اور ایک حد تک اسی وجہ سے اُس نے عہدے سے استعفیٰ دیدیا (دسمبر ۱۸۸۴ء) اہل ہند نے اس کے اعزاز میں صدہا جلسے، سپاس نامے پیش کیے۔ بخلاف اس کے انگریزوں کے غصے کی جھانجھ ہمارے زمانے تک اُن کی تحریروں اور تاریخوں میں پائی جاتی ہے[1]۔

نیشنل کانگرس

البرٹ بل کی جنگ میں ہندوستان کے اکثر انگریزوں نے غیظ و عناد کے ایسے خنجر چلائے تھے کہ تعلیم یافتہ ہندیوں کے دل میں گھاؤ پڑ گئے۔ نالہ و فریاد کی ابھی ہمت نہ تھی[2]۔ صرف رپن کی تعریف و

---

[1] مثلاً دیکھو اوکس ہس، ص۵۷،

رپن کے اعزاز میں سرسید نے ایک خاص جلوس نکالا تھا، یعنی والس روے کو علی گڑھ بلایا اور تمام مجمع میں بٹھا کر بیرونی دروازے سے اندر تک لائے (روشن مستقبل ص۲۵۴) جیسا کہ پچھلے باب کے ایک حاشیے میں آیا ہے، البرٹ بل کی سید صاحب نے پوری تائید کی تھی۔

[2] اسی زمانے میں کلکتہ سے چند رسالے شائع ہوئے۔ ایک "ستارۂ مشرق" نکلا تھا۔ ان میں برطانی حکام کی شکایات لکھی تھیں، "مادرِ ہند" کے بچوں میں بیداری پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی گئی تھی۔ ان کے پڑھنے سے ممکن ہے لوگوں میں حکومت سے ناگواری یا بددلی ہوئی ہو، بغاوت کی تحریک ہرگز نہ تھی، پھر بھی شائع کرنے والوں نے اپنا نام نہیں ظاہر کیا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرفداری کی آڑ میں دل کے پھپھولے پھوڑتے رہے؛ البتہ خود انگریزوں میں ایک مختصر با اثر جماعت علانیہ میدان میں نکل آئی اور اسی نے شہ دے کر سارے ہندوستان کی سیاسی انجمن بنوائی۔ پارلیمنٹ کے چند ارکان پہلے سے اہلِ ہند کے حقوق کی حمایت میں سرگرم تھے[1] اب مسٹر ہیوم نے مدراس میں بیٹھ کر باقاعدہ تنظیم کا آغاز کیا (۱۸۸۴ء)[2] وہ سول سروس کے آدمی تھے۔ ۱۸۸۲ء میں کمشنری کے عہدے سے پنشن پائی تھی۔ صوبہ بمبئی کے ایک اور وظیفہ یاب سر ولیم ویڈربرن ان کے شریکِ کار اور اس تحریک میں دلی خوشی سے مددگار تھے۔ کہتے ہیں سر ولیم ساری پنشن ہندوستان کی بہتری کے کام میں خرچ کر دیتے تھے۔ انہی انگریزوں کی ترغیب سے برطانی ہند کے اکثر صوبوں کے سربرآوردہ اشخاص بمبئی میں مجتمع ہوئے۔ "آل انڈیا نیشنل کانگرس" کا پہلا اجلاس ایک بنگالی (عیسائی) مسٹر بونرجی کی صدارت میں منعقد کیا گیا۔ (دسمبر ۱۸۸۵ء) پھر باقاعدہ سالانہ اجلاس ممالکِ ہند کے بڑے شہروں میں ہوتے رہے۔

کانگرس کا اولین مقصد تنظیم کی آبادی کے مختلف اور متصادم عناصر کو ملا کر ایک قوم بنانا اور اسے ترقی دینا قرار پایا تھا؛ دوسری غرض نامنصفانہ قوانین و احکام کی ترمیم کرانا تھی تاکہ انگلستان اور ہندوستان میں رشتۂ اتحاد استوار رہے۔ تاجِ برطانیہ سے وفاداری اسی کی ایک شرط سمجھنی چاہیے جس کا اعلان سال بسال کانگرس کے خطباتِ صدارت میں دہرایا جاتا تھا۔ اوّل اوّل شکایات کے لہجے میں

---

[1] ان میں جون برائٹ، ڈرومنڈ، بریڈلا اور ہنری فاسٹ زیادہ مشہور ہیں۔ بعض موقر ارکان جیسے ڈنلکر، بلنٹ، کبھی کبھی بولتے مگر انصاف اور مساوات کی حمایت میں ان کی تنقید ہندوستان کے انگریز کو بھی مار لگاتی رہتی تھی۔

[2] یہ روایت قابلِ نقل ہے کہ سرسید نے کانگرس کی مخالفت کی تو ہیوم کو حیرت ہوگی۔ اس نے اعتراف کیا کہ مجھے تو پہلی مرتبہ ایسی سیاسی تحریک اٹھانے کا خیال خود سید صاحب کا رسالہ اسبابِ بغاوتِ ہند پڑھنے سے پیدا ہوا تھا۔ (روشن مستقبل ص ۲۹۶ بحوالہ انسٹی ٹیوٹ گزٹ مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۸۸۸ء)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گرمی نہ تھی۔ سیاسی مطالبات کا دائرہ صوبائی مجلسوں کے اختیارات اور تعداد ارکان بڑھولنے تک محدود تھا۔ دیوانی عہدوں میں اہلِ ہند کو مزید حصّہ دینے، سول سروس کا امتحان ہندوستان میں لیے جانے کی درخواست خاصی پرانی تھی۔ کانگرس نے اس پر نیز عسکری تربیت دیے جانے پر زور دیا۔ سرکاری اخراجات خصوصاً گورہ فوج اور سرحدی مہمات کے کثیر مصارف کم کرنے کی بار بار استدعا کی۔

کانگرس تحریک سے سرسیّد کی تبرّی کے اسباب پچھلے باب میں ہم نے مطالعہ کیے کہ ہندوؤں کے مذہبی، لسانی تعصبات اور مسلم آزادی کے جذبات میں شدت دیکھ کر نیابتی حکومت اور ہندیوں کے ہاتھ میں اقتدار دیے جانے سے وہ متوہّم ہو گئے تھے۔ ورنہ کانگرس کی اکثر تجاویز عام فائدے کے لیے ہوتی تھیں۔ مجلسوں میں فرقہ واری بحثیں چھیڑنے سے احتراز کیا جاتا تھا۔ اُسے حتی الامکان ہندوستان کی سبھی قوموں کی مشترکہ موتمر بنانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ پھر بھی ۱۹۱۶ء تک ہم دیکھتے ہیں کہ کانگرس کے ۳۲ سالانہ اجلاسوں میں صرف تین کی صدارت مسلمانوں کے حصّے میں آئی۔ پارسی چار دفعہ اور انگریز پانچ دفعہ صدر منتخب کیے گئے۔ ۱۹۱۶ء وہ سال تھا جبکہ کانگرس کو صریحاً تسلیم کرنا پڑا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی ترجمانی کا حق اسے حاصل نہیں، بلکہ اُن کی جداگانہ سیاسی جمعیت مسلم لیگ یہ منصب رکھتی ہے۔

اس مدت میں خود کانگرس کی جلوہ گاہ تعلیم یافتہ شہری طبقہ تھا۔ دیہاتی، جاہل عوام سے وہ تعلق نہ رکھتی تھی۔ صرف بڑے شہروں میں شاخیں قائم ہوتی تھیں۔ ان کا بڑا کام یہی سالانہ اجلاس کے مندوب منتخب کرنا تھا۔ بے شبہ کانگرس اہلِ وطن میں سیاسی حقوق کا شعور پیدا کرتی تھی۔ اس کی مقبولیت بڑھ رہی تھی۔ مطالبات میں شدت اور تقریروں میں جہریت آ رہی تھی۔ اکثر انگریز حکام مسکین و محکوم ہندیوں کے اتنے ہی تمرد سے نہایت ناراض تھے۔ بایں ہمہ کانگرس ابھی تک کسی بغاوت و انقلاب کی داعی نہ تھی۔ ہندوستان کے وسیع مجموعۂ ممالک اور کروڑہا انسانوں کے بحرے میں اس نے کوئی تلاطم نہیں ڈالا۔ ولایت کے بہت سے اربابِ سیاست و صحافت سے رابطے قائم کیے، لیکن وہ جتنے حقوق حکومت سے مانگتی تھی، اُن میں سے آدھے بھی نہیں ملے۔ بعض مصارف میں خفیف تخفیف، سول سروس میں چند ہندیوں کا اضافہ ضرور ہوا۔ عدالت عالیہ کی ججی دے کر کانگرس کے پانچ دس اکابر یا تیزد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تُند مقرروں کی دہن دوزی کر دی گئی، مگر ملکی اقتدار، ملک والوں کے حوالے کرنے میں انگریز ہمیشہ حیلے حوالے کرتے رہے۔ انصاف سے غور کیجیے تو "منٹو مورلے اصلاحات" بھی کانگرس کی زباں زوری کا صلہ نہ تھا، بلکہ بڑی حد تک سرفروش انقلابیوں کا خوں بہا، بلا تھا۔

خونی انقلاب کی تحریک لارڈ کرزن کی حکومت (۱۸۹۹ء یا ۱۹۰۵ء) کے خاتمے پر ہندوستان میں شروع ہوئی۔ بڑا محرک اسی وائسرائے کی خودسری کو گردانتے ہیں۔ فی الحقیقت رپن کے بعد جتنے وائسرائے آئے، ملوکیت کے نشے میں سرشار تھے۔ کرزن کے پیش رو ڈالجن (۱۸۹۴ء تا ۱۸۹۸ء) کی نااہلی پر "ناتجربہ کاری" کا پردہ ڈالا گیا ہے۔[۱] لیکن سرحدی مہمات کا اسراف جان و مال پھر علانیہ ڈینگیں کہ ہندوستان کو ہم نے تلوار سے فتح کیا، تلوار ہی کے زور سے قبضہ رکھیں گے۔" اُس کی پندار زدہ ذہنیت کو بے نقاب کرتی ہیں۔ اسی کے عہد میں وبائے طاعون (۱۸۹۶ء) اور قحط ۱۸۹۷ء کی آسمانی بلائیں برطانی ہند میں نازل ہوئیں۔ وہم پرست عوام انہیں بھی سرکار کی بدنیتی، بلکہ انگریزوں کی لائی ہوئی مصیبت قرار دیتے تھے۔ تعلیم یافتہ لوگوں کو کرزن کے نئے "یونی ورسٹیز ایکٹ" (= قانونِ جامعاتِ ہند) نے مشتعل کیا (۱۹۰۴ء)، بنگالہ کی تقسیم (۱۹۰۵ء) نے ہندوؤں کے تن بدن میں آگ لگا دی۔ مشرقی بنگال کے علیحدہ صوبہ بن جانے سے توقع تھی کہ مسلم اکثریت قابوچی بابو کے پنجے سے اور حریص مہاجن کے پھندے سے نکلنے کا موقع پا جائے گی۔

انگریز اب مسلمانوں کو تھپک تھپک کر مقابلے میں لانا چاہتے تھے۔ ۱۹۰۶ء میں اکابرِ قوم کا بہت بڑا اجتماع ڈھاکے ہی میں ہوا۔ کُل ہند کانگرس کے جواب میں کل ہند مسلم لیگ یہیں ترکیب دی گئی، لیکن جس مسلمان کو سو برس تک بنگال میں دلیا بنائے رکھا اور ہندوؤں سے ٹھوکریں کھوائی تھیں وہ چند روز چوگا کھلانے سے پالی لڑنے کے قابل نہ ہو سکتا تھا۔ اُدھر بڑے بڑے سرمایہ دار انقلابی خونیوں کی پرورش میں شریک تھے۔ یورپ (خصوصاً پیرس) میں انہیں بم بنانے کی تعلیم دی جاتی تھی۔ بندوق، طمنچے کی مشق سرحدی پہاڑوں میں کرائی جاتی تھی۔ خفیہ اور علانیہ بہت سے داعی مقرر تھے کہ ہر حصۂ ملک میں نوجوانوں کو بھڑکاتے اور مذہب و وطن کے لیے جان دینے پر آمادہ کرتے تھے۔

---

[۱] مثلاً ملاحظہ ہو اوکسن ہس ص ۶۶۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جتنے رسائل و اخبار بیسویں صدی کے پہلے دہائے میں نکلے، گزشتہ پوری صدی میں بھی شائع نہ ہوئے ہوں گے۔ ان کا موضوع و مقصود عام طور پر انگریزوں سے نفرت سکھانا تھا۔ یہ زیادہ تر انگریزی زبان میں چھاپے جاتے تھے، اس کے بعد اُردو، بنگلہ، مرہٹی اور دوسری دیسی زبانوں کی مطبوعات تحریکِ انقلاب میں حصہ دار تھیں، مگر ابھی تک مسلمان خال خال ہی میدان میں آئے اور بنگال میں ظاہر ہے کہ کوئی وہاں کی شورش و سازش میں شریک نہیں ہوا۔

اپنے دست پروردہ بنگالیوں کی بیوفائی سے انگریزوں نے بہت پیچ و تاب کھایا۔ ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۲ء تک حکومت تشکی اور نرم انگلی کے تلنگے چھٹتے رہے۔ مختلف اوقات و مقامات پر دو ممبر اور دو انگریز مارے گئے۔[1] مشرقی بنگال کے لفٹنٹ گورنر اور خود وائس رائے (لارڈ ہارڈنگ) پر چھپ کر وار کیے گئے۔ ۱۹۱۲ء میں حکومت نے تقسیم بنگال پر تنسیخ کا قلم پھیر دیا۔ ہندو سرمایہ داروں کی خاطر وفادار مسلمانوں کے مفاد کی پروا نہ کی، مگر اسی کے ساتھ ہندو بنگال کو سیاست کی چکی میں دلنے کا فیصلہ کر لیا۔ تحریر و تقریر کی آزادی پر سخت قوانین کے قفل چڑھا دیے۔ شوریدہ سر انقلابیوں کی سرکوبی کے لیے خاص پولس فراہم کی۔ جاسوسوں کا جال پھیلایا اور صدہا نوجوانوں کو پکڑ کر بامشقت قید کی سزائیں دیں۔ ان سے بھی زیادہ کڑی ضربیں ملکی اور مالی نوعیت کی لگائیں کہ:

(۱) کلکتہ چھوڑ کر دہلی کو دارالحکومت بنایا۔ پہلے بہار و اڑیسہ کو بنگال کے احاطے سے نکالا، پھر آسام

---

[1] کرزن وائلی (لندن میں) اور جیکسن (پونا میں) انقلابیوں کی گولی سے مارے گئے۔ ڈھاکہ کا مجسٹریٹ ایلن زخم کھا کر بچ گیا۔ لارڈ ہارڈنگ بم سے زخمی ہوئے۔ مظفر پور میں دو میمیں نشانہ بن گئیں۔ فرنگیوں کے نقصانات اسی قدر تھے۔ ہندوستانی قتل ہوئے وہ ان کے علاوہ ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو توڑ کر الگ صوبہ بنا دیا۔ مونٹیگو اصلاحات میں اونچی ذات کے ہندو ارکان کی تعداد اتنی گھٹا دی کہ نئی صوبائی حکومت میں وہ (آزادیٔ ہند کے زمانے تک) کبھی وزارت بنانے کے لائق نہ ہو سکے۔

(۲) معاشی میدان میں یا تو بنگالی بابو سارے شمالی ہندوستان میں چھائے ہوئے تھے، لاہور تک ہر بڑے شہر میں اُن کا طوطی بولتا تھا، باقاعدہ بنگالی بستیاں بن گئی تھیں، سرکاری دفاتر خصوصاً محاسبی میں انہی کا حکم چلتا تھا۔ لوگ کہتے تھے: فتح انگریز نے کی، حکومت بنگالی چلاتا ہے۔ اور یا ۱۹۱۰ء سے ہم انہیں ہر طرف سے سمٹتا ہوا دیکھتے ہیں۔ سرکاری ملازمت میں نئی بھرتی موقوف اور سابقہ غلبہ غائب ہو جاتا ہے۔ بنگال کے باہر "بابو"، "مہاشئے" اور اسی طرح کے دو چار لفظ یادگار باقی ہیں۔ ورنہ وہ تفوق جو انگریز پرستی کے طفیل حاصل ہوا تھا، بہت کچھ انگریز دشمنی کے نتیجے میں بنگالیوں کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔

قیامِ مسلم لیگ

گولی اور بم چلانے سے پہلے بنگالیوں نے زبان چلا کر انگریزوں سے جنگ چھیڑ دی تھی۔ تقسیمِ بنگال کے جواب میں ولایتی مال کی خریداری بند کرنے کا اعلان کیا (اکتوبر ۱۹۰۵ء)، تاجر پیشہ حاکموں کی دُکھتی رگ دبائی تھی۔ مخالفت کا غوغا بنگالے سے اٹھ کر دوآبہ و پنجاب تک اور جنوب میں مدراس مہاراشٹر تک گونج رہا تھا۔ کل ہند کانگرس پر اُن دنوں بنگالی چھائے ہوئے تھے۔ سیاسیات کے ملک میں ان کی تحریر و تقریر کا ڈنکا بجتا تھا۔ لامحالہ حکومت کو ان کی باغیانہ تحریک رد کرنے کے لیے زیادہ ہمہ گیر تدابیر اختیار کرنی پڑیں۔ انہی میں ایک یہ تھی کہ مسلمانوں کو اپنا ہوا خواہ بنا کر اکھاڑے میں اتارا جائے۔ ان کا بُرا بھلا قومی مرکز علی گڑھ تھا۔ اردو ناگری کے قضیے کے سلسلے میں صوبائی حکومت نے اُس کی در بندی کر دی تھی۔ اب مرکزی حکومت کے اشارے سے قُفلِ خموشی ٹوٹا۔ کالج کے سکرٹری نواب محسن الملک تمام صوبوں کے مسلمان اکابر کا وفد لے کر شملہ گئے (ستمبر ۱۹۰۶ء) جس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ کرزن کے جانشین لارڈ منٹو (۱۹۰۵ء تا ۱۹۱۰ء) بہت عنایت سے پیش آئے۔ معروضات کی معقولیت، مسلمانوں کی خصوصی اہمیت کو تسلیم کیا۔ وفد کا سب سے اہم مطالبہ یہ تھا کہ شہری اور ملکی مجالس میں مسلمان ارکان کا انتخاب مسلمانوں کی رائے سے ہو اور ان کے لیے جداگانہ حلقۂ انتخاب بنائے جائیں۔

وزیر ہند (مورلے) کے سیاسی عقائد اس مطالبے سے موافقت نہ رکھتے تھے، مگر وائسرے کے اصرار پر وہ بھی مان گیا۔ اخبار لندن ٹائمز نے ایک مبسوط مقالہ شائع کیا (یکم اکتوبر ۱۹۰۶ء) کہ مختلف مذاہب و اقوام کے ایسے مجموعے میں جیسا کہ ہندوستان ہے، جمہوری ادارے تعمیر کرنے کے لیے مسلمانوں کی "نادر تجاویز" نہایت مناسب ہے۔ تجویز تو شاید کسی انگریز سکرٹری کے دماغ کی کاشتہ تھی، لیکن بے شبہ ہندو تعصبات کے ظہور اور مسلمانوں کے ملی محسوسات نے اس کی آبیاری کی۔ نئی سیاسی تجاویز (منٹو مورلے اصلاحات ۱۹۰۹ء) میں جداگانہ انتخاب کا اصول، قبول اور عملاً نافذ کر دیا گیا۔

اواخر ۱۹۰۶ء (۱۳۲۵ھ) میں مسلمانوں کے ڈھاکہ میں جمع ہونے، سیاسی جمعیۃ (مسلم لیگ) تیار کرنے اور ۱۹۱۰ء میں اس کا دفتر علی گڑھ سے لکھنؤ منتقل ہونے کا حال ہم پڑھ چکے ہیں۔ مسلم مرکزیت کا پہلا قلعہ ڈھانے میں صوبے کے لاٹ صاحب (ہیویٹ) کے ذاتی طیش نے تیشے کا کام کیا تھا۔ اگر وفاکیش مسلمانوں کو مایوس و بددل کرنا برطانی مصالح کے خلاف قرار دیا جائے تو یہ اقدام میکڈانل کے ناگری جاری کرنے سے کہیں زیادہ احمقانہ معلوم ہوگا کہ کالج کے انگریز اساتذہ کی خاطر سکرٹری (وقار الملک) سے مناقشہ کیا، پھر ناکامی کی جھلاہٹ میں علی گڑھ کی سیاسی سیادت کی پگڑی اُتار لی، حالانکہ اس کا سر بڑی حد تک حکومت کی امداد و اثرات کے نیچے دبا ہوا تھا۔ تقدیر ہی کے تیور شاید انگریزوں سے بگڑ چلے تھے کہ بے تدبیری سے بڑھ کر اندرونی اور بیرونی واقعات ایسے پیش آئے کہ ہندی مسلمانوں کی عقیدت مندی کے سب جوڑ بند ڈھیلے ہو گئے۔ قیام لیگ سے پانچ سال تک سلطنتِ برطانیہ کی وفاداری مسلمانوں کی سیاسی شریعت کا کلمہ طیبہ بن گئی تھی۔ پہلے سکرٹری مولوی مشتاق حسین (نواب وقار الملک) جیسے متشرع بزرگ صاف صاف کہتے تھے کہ ہندوستان میں ہماری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعداد صرف ایک خمس ہے۔ خدانخواستہ انگریزی حکومت نہ رہے تو ہمیں ہندوؤں کا محکوم ہو کر رہنا پڑے گا اور ہماری جان، ہمارا مال، ہماری آبرو، ہمارا مذہب سب خطرے میں ہوگا۔ اور کوئی تدبیر ان خطروں سے محفوظ رہنے کی ہندوستان کے مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے تو وہ یہی ہے کہ انگریزی حکومت قائم رہے ......"[1]

انگریز شکاریوں نے "برطانی ہند" کا نیا چڑیا گھر تیار کیا، اور پاکستان و بھارت کے سب ملکوں کو سیاسی وا مدہ بنا کے نیابتی حکومت کی طرح ڈالی، تو اپنی عددی کمی اور ہندوؤں کی عداوت دیکھ کر لازماً مسلمانوں کو تشویش ہوئی۔ ایک غیر جانبدار حکومت کا استحکام ہی انہیں اپنے حفظ و بقا کی ضمانت نظر آیا۔ زیر نظر سنین میں سرسید کی نصاریٰ سے موالات کا سبق زور شور سے دُہرایا جانے لگا، اگرچہ یہ موالات ایک طرف سے محکومانہ وفاداری اور دوسری جانب سے مربیانہ سرپرستی کی شان اختیار کر گئی تھی۔ محتاجی اور کمزوری کا احساس مسلمانوں کو اپنے پرائے سب کی نگاہ سے گرا دینے کا مادّہ رکھتا تھا۔

ناراضی کے اسباب

قیام کے پہلے پانچ سال میں مسلم لیگ مختلف شہروں میں سالانہ اجلاس کرتی رہی۔ رکنیت تعلیم یافتہ معززین تک محدود تھی۔ حکومت کی تائید و تحسین کے ساتھ مسلمانوں کے حقوق پر توجہ دلاتی اور حق تلفیوں پر احتجاج کرتی تھی۔ کبھی کبھی عام سیاسی مسائل پر قراردادیں منظور کی جاتی تھیں۔ صدر دفتر کے لکھنؤ منتقل ہونے کے بعد کانگرس کے بعض ہندو اکابر سے مفاہمت کی گفتگو بھی سُنی گئی، اگرچہ بے نتیجہ رہی۔ اس عرصے میں چند نئے اخباروں نے سر اُبھارا اور ان کی مقبولیت گواہ تھی کہ تعلیم یافتہ حلقے

---

[1] "روشن مستقبل" ص ۲۶۱ بحوالہ تقریر نواب وقار الملک جو ۲۳ مارچ ۱۹۰۷ء کے جلسۂ طلبہ علی گڑھ کالج میں کی گئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حالاتِ حاضرہ سے غیر مطمئن ہو گئے ہیں۔ ان اخباروں میں اوّلیت "مسلم گزٹ" لکھنؤ کو دی جائے گی جسے مولوی وحید الدین سلیم نے جاری کیا (سنہ ۱۹۱۱ء) وہ مولانا حالی کے ہم وطن علوم مشرقی کے ذہین فاضل تھے۔ کئی سال سرسید کے علمی مددگار "انسٹی ٹیوٹ گزٹ" کے نائب رہے۔ مشربِ نیچریت میں سید صاحب مرحوم کے خاص چیلے سمجھے جاتے تھے۔ متین و سلیس نثر نگاری میں یقیناً انہی کے شاگرد رشید تھے۔ ایک رسالہ "معارف" "تہذیب الاخلاق" کی بازگشت کے طور پہ نکالا تھا۔ پھر علی گڑھ والے گزٹ کی مثال سامنے رکھ کر ہفت روزہ "مسلم گزٹ" شائع کیا۔ سرسید کے جانشینوں سے خوش نہ تھے۔ مسلم لیگ خصوصاً آغا خاں کی سرکار پرستی، بہت ناگوار تھی۔ بایں ہمہ علی گڑھ پر اُن کی نکتہ چینی دوستانہ تھی۔ سیاسی مسائل کی بحث میں جذبات کی بجائے دلائل سے کام لیا جاتا تھا۔[۱]

اسی سال (سنہ ۱۹۱۱ء) اخبار "زمیندار" کی ادارت وراثت میں مولانا ظفر علی خاں کو ملی۔ وہ علی گڑھ کے ممتاز تعلیم یافتہ، زبانِ اُردو کے صاحبِ طرز انشاپرداز اور نظم نگار ہیں۔[۲] ایک زمانے تک ریاست حیدرآباد میں رہے وہاں سے رسالہ "دکن ریویو" جاری کیا کہ علی گڑھ کے ادبی مکتب کا صحیفۂ صافیہ تھا۔ انگریزی کی کئی کتابوں کو فاخرہ اُردو کا لباس پہنایا۔ انہی میں "معرکۂ مذہب و سائنس" مولوی عبد الحق صاحب کے محاکمانہ مقدمے کے ساتھ چھپی تھی۔

دین سے محبت، ملت کی سربلندی کا جوش مولانا کی رگ رگ میں دوڑتا ہے۔ تحریر کی قوت سے

---

۱ مسلمانوں کی باہمی زور آزمائی اور سرکاری حکام کی خفگی سے مسلم گزٹ کا سنہ ۱۹۱۳ء میں دم ٹوٹ گیا۔ مولوی وحید الدین مرحوم ڈاکٹر عبد الحق بالقابہم کی وساطت سے آخر میں جامعہ عثمانیہ کے اُستاد مقرر ہو گئے تھے۔ اُردو میں نئی علمی اصطلاحات وضع کرنے میں ان کا بڑا حصہ تھا۔ اسی موضوع پر ایک بلند پایہ کتاب لکھی جسے انجمن ترقی اردو نے شائع کیا۔

۲ اس کتاب کی تصنیف کے کئی سال بعد تک مولانا ظفر علی خاں اور مولانا ابو الکلام آزاد زندہ تھے۔

(ادارہ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موضع کرم آباد کا زمینداری پرچہ دیکھتے دیکھتے ہندوستان کے مسلمانوں کی آواز بن گیا۔ پنجاب کے معاصرین (پیسہ اخبار، وطن، وکیل وغیرہ) قبولِ عام کے میدان میں اس سے بازی ہار گئے۔

شمالی ہند کے مشرقی سرے پر ایک اردو ہفت روزہ 'الہلال' بن کر چمکا (۱۹۱۱ء) اس کے مدیرِ شہیر ابوالکلام آزاد اصلاً وسطِ پنجاب کے ایک نومسلم خاندان کے فرد ہیں[1] والد مکہ معظمہ چلے گئے تھے۔ حضرت آزاد (ولادت ۱۸۸۸ء) کا بچپن وہیں گزرا۔ تعلیم چار پانچ سال سے زیادہ نہیں پائی لیکن عربیت سے اسی مقدس شہر میں ذوق آشنا ہوئے۔ ہندوستان سے کچھ روز کے لیے مصر بھی گئے۔ وہاں کی جدید مطبوعات و رسائل کا مطالعہ کیا۔ لڑکپن ہی میں ہندوستان آئے تو انشاپردازی کی فضا میں اُڑانیں بھرنے لگے۔ غیر معمولی ذہانت کا کرشمہ سمجھیے کہ چودہ سال کی عمر میں ایک تذکرۃ الشعرا (فارسی) تالیف کا دعویٰ رکھتے تھے[2]

آپ کی کنیت اشارہ کرتی ہے کہ علمِ کلام کے ماہر ہوں گے۔ قرآنِ مجید کی ایک تفسیر (ناتمام) دو جلدوں میں لکھی ہے، مگر شہرت کا چراغ 'الہلال' سے روشن ہوا۔ مسلمانوں کے دل میں جب آگ سُلگ رہی تھی۔ ابوالکلام کی خطیبانہ تحریریں، تقریریں دھونکنی کا کام دیتی تھیں۔ ان کی نمائشِ دین کا احیا اور ذریعۂ دعوت، کتاب اللہ کا حیات آفریں پیام تھا۔ مسائلِ حاضرہ پر اسی کی روشنی میں تبصرہ کرتے تھے۔

---

[1] ممتاز حسن صاحب (سکرٹری محکمۂ فنانس پاکستان) کی جستجو نے قصبۂ قصور کے قریب موضع کھیم کرن میں جناب آزاد کی کھتری برادری کا سُراغ نکالا۔ کوئی دو سال ہوئے ممتاز صاحب کا مقالہ حلقۂ اربابِ ذوق میں پڑھا گیا اور کئی جرائد میں چھپا تھا۔ کتاب "نئی تحریریں" طبع کراچی ۱۹۵۴ء میں شامل ہے۔ نیز دیکھو موجِ کوثر، ص ۲۰۹۔ الہلال کے سرورق پر جناب آزاد اپنے آپ کو "دہلوی" چھاپتے تھے۔ شاید ننھیال دہلی کی ہو۔ ورنہ آپ دہلی میں نہیں رہے، البتہ وزیر بھارت ہونے کے بعد سے نئی دہلی میں مقیم رہے۔

[2] موجِ کوثر ص ۲۱۱، بحوالہ مضمونِ آزاد در رسالہ 'مخزن' اگست ۱۹۰۲ء۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اخبار کے ہر مضمون میں طرح طرح سے آیاتِ قرآنی لاتے اور نئے نئے معانی نکالتے تھے۔ اُردو نثر نذیر احمد کی مولویت اور مولوی شبلی کی شوخیِ تحریر کا تازہ آمیزہ معلوم ہوتی ہے۔

ان کا اخبار انگریزی حکومت سے نفرت سکھاتا تھا، نئی تہذیب کی تذلیل کے ساتھ علی گڑھ تحریک پر نفرین بھیجتا تھا۔ مذہبی مذاق کے لوگوں میں خاص طور پر مقبول ہوا۔ آزادی پسند گرویدہ ہو گئے۔ بعض ادبی حلقوں میں انشائے "الہلال" کو سحرِ حلال سے تشبیہ دی جاتی تھی۔

ایک نیا جریدہ "کامریڈ" کلکتہ سے انگریزی میں نکلا (۱۹۱۱ء) آگے چل کر وہ اور اس کا اُردو رفیق روزنامہ "ہمدرد" دہلی سے شائع ہونے لگے۔ یہ دونوں مولانا محمد علی مرحوم کے اخبار تھے۔ ان کا وطن رامپور تھا (ولادت ۱۸۷۸ء) علی گڑھ اور اوکسفورڈ میں اعلیٰ تعلیم اور انگریزی زبان پر ایسی قدرت پائی کہ انگریز تک رشک سے منہ تکتے تھے۔ کچھ روز ریاست بڑودہ میں رہے پھر ملکی خدمت کا ولولہ صحافت کی وسیع تر اقلیم میں لے آیا۔ سیاسیات کی بساط پر شاید وہ سرسید کے بہترین جانشین ثابت ہوتے لیکن برطانیہ کی مسلم آزار مصالح اور محمد علیؒ کا تلی اور طبعی جوش جلد ہی ٹکرا گئے۔ مجلس وزارت کی بجائے فرنگی قید خانے میں جگہ ملی۔

مسلمان کئی قرن سے جن مشکلات میں پھنسے تھے، اُس دلدل سے نکالنے کا محمد علیؒ کوئی سیدھا راستہ نہ پا سکے، تاہم بحرِ کاہل کے تلاطم کا جس نے انجام کار انگریزوں کے قدم اکھاڑے بہت کچھ اُن کی جدوجہد سے آغاز ہوا۔

ان اخباروں سے بھی دو تین برس قبل مولانا فضل الحسن حسرت موہانی کا ماہنامہ "اردوئے معلیٰ" میدان میں آگیا تھا (۱۹۰۳ء) وہ ریشم جیسی نرم زبان میں فولاد کی پختگی دکھانے کا ہنر جانتے تھے، لیکن شہرت کا تاج شعر کی مملکت میں ملا۔ "رئیس المتغزلین" خطاب پایا۔ واقعی طرزِ قدیم کے مجدد تھے۔ یہ اپنی درسگاہ (علی گڑھ) سے انحراف کا مسلک تھا، مگر سیاست کے معرکے میں تو مرحوم نے کھلی کھلی بغاوت کی۔ مسلم لیگ کے ابتدائی دور میں اُسے ٹھکرایا، کانگرس کے فریقِ گرم سے یاری جوڑی، تلک مہاراج کے انقیاد کی بندی ماتھے پہ لگائی۔ انگریزوں نے ایک اشتعال انگیز مضمون کی سزا میں مولانا کو دو سال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے زیادہ قید میں رکھا سخت آزار دیے۔ دورِ جدید کی تاریخ میں وہ پہلے مسلمان تھے کہ آزادیٔ وطن کے عشق میں گرفتار اور مصائب جھیلنے پر تیار ہوئے (۱۹۰۸ء)

سرکار پرست لیگ والوں کے ایمان میں سب سے پہلے تقسیمِ بنگال کی تنسیخ نے خلل ڈالا۔ سلطنتِ برطانیہ کے موکد مواعید اور مستحکم احکام بم کے دو چار دھماکوں میں اُڑ گئے۔ شاہِ برطانیہ ایڈورڈ ہفتم کا ۱۹۱۰ء میں انتقال ہوا۔ اُن کے بیٹے جورج پنجم کی تاجپوشی پہلے ولایت میں ہوئی تھی۔ دوسرے سال بڑے اہتمام سے تخت نشینی کا سانگ ہندوستان میں رچایا گیا۔ تاریخ میں پہلے فرنگی بادشاہ کا جلوس مغلوں کے پائے تخت دہلی کے بازاروں سے گزرا۔ اسی شاہی دربار میں تقسیمِ بنگال کی تنسیخ کا اعلان ہوا (دسمبر ۱۹۱۱ء)

مرکزِ حکومت کی کلکتہ سے تبدیلی کے علاوہ آگے چل کر انگریزوں نے جس طرح بنگالی شورہ پُشتی کی گردن توڑی وہ ماجرا ہم اوپر دیکھ آئے ہیں لیکن فی الوقت یہ اعلان برطانیہ کی شکست کا اعتراف تھا حکومت کی کمزوری، وعدہ خلافی، بے اعتباری کا اشتہار تھا۔ لیگی حلقوں میں ماتم پڑ گیا۔ مارچ ۱۹۱۲ء کے سالانہ اجلاس (کلکتہ) کے صدر نواب ڈھاکہ (سلیم اللہ خاں مرحوم) ضبطِ فغاں کے باوجود رو دیتے تھے۔ کہتے ہیں یہ بھی ان کی موت کا باعث ہوا۔

وقار الملک مرحوم نے شاہی اعلان سُن کر بے اختیار آیۂ اِنَّا لِلّٰہ پڑھی۔[1]

سالِ آیندہ کانپور کی مسجد مچھلی بازار کا بغلی دالان، سڑک چوڑی کرنے کے لیے حکماً توڑ دیا گیا۔ مسلمان وہاں جمع ہوئے اور زبانی فہمائش سے نہ ہٹے، تو انگریز کے حکم سے گولیوں کی باڑ ماری گئی بیسیوں زخمی اور مقتول ہوئے۔ کئی مولوی سرخیل جنہوں نے مسجد شکنی کو دین کی بے حرمتی کہا تھا قید میں ڈالے گئے (اگست ۱۹۱۳ء) بہت دن کی عدالتی کشاکش کے بعد خاص وائسرائے (لارڈ

---

[1] روشن مستقبل، ص ۳۷۴ بحوالہ وقار حیات۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہارڈنگ) کی عنایت سے رہا ہوئے۔ منہدم دالان کو نیچے چھتا بنا کے مسجد میں دوبارہ شامل کرا دیا گیا۔

یہ مقامی واقعہ اِس اعتبار سے یادگار ہے کہ برطانی ملوکیت کے دور میں پہلی مرتبہ شہری رعایا کے قتل عام کی نوعیت رکھتا ہے۔ مگر ہندی مسلمان پہلے سے اداس تھے، ان کے دل پہ کانپور کی چاندماری سے بڑی چوٹ لگی۔ گزشتہ تین چار سال سے تُرکی اور ایران سے پریشان کن خبریں آ رہی تھیں۔ سلطان عبدالحمید (ثانی) خلافتِ اسلامیہ اور اتحاد بین المسلمین کا حامی مشہور تھا، ۱۹۰۹ء میں معزول کر دیا گیا۔ ۱۹۱۱ء میں اطالیہ نے یکایک طرابلس پہ جھپٹا مارا، انگریزوں نے تُرکی فوج کو مصر سے راستہ تک نہ دیا۔ ۱۹۱۲ء میں روسیوں نے مشہد (امام رضاؒ) پر گولہ باری کی۔ بلقانی ریاستوں نے مل کر تُرکی پر حملہ کر دیا۔ (اکتوبر ۱۹۱۲ء)۔ اگرچہ انگریزوں کی سازش کی تفصیلات معلوم نہ تھیں مگر اُن کی دشمنی کی روش کسی سے چھپی ہوئی نہ تھی۔[1] مسلمانوں میں عام طور سے اشتعال پیدا ہوا۔ خاص علی گڑھ میں انگریزی مال خریدنے کی حُرمت کا فتویٰ چھپا۔ کالج کے طلبہ نے دکانوں پر پہرے بٹھلائے کہ لوگوں کو برطانی مصنوعات کی خریداری سے باز رکھیں۔ تُرکی ہلالِ احمر کے لیے چندہ کیا جا رہا تھا۔ طلبہ نے اچھی غذا کھانی چھوڑ دی اور اُس کا روپیہ بچا کر چندے میں بھجوایا۔ مولانا محمد علیؒ نے ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی قیادت میں ایک طبّی وفد مرتب کیا۔ دو درجن سے زیادہ تعلیم یافتہ نوجوان رضاکار بن کر وفد کے ساتھ تُرکی گئے۔ وہاں کے اعیان و اکابر سے ہندی مسلمانوں کا رابطہ قائم کیا۔

---

[1] انیسویں صدی میں روس، فرانس، برطانیہ قہرِ الٰہی کے بھیڑیے بن کر گنہگار مسلمانوں کے ملک و دولت کو ہڑپ کرتے رہے تھے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں تُرکی اور ایران کی تِکّا بوٹی کرنے کے باقاعدہ منصوبے بنائے جا رہے تھے۔ سلطنتِ عثمانیہ کی بحری قوت اور بری مقبوضات کو سب سے زیادہ نقصان انگریزوں نے پہنچایا، پھر بھی تُرکی کی دوستی کا دم بھرتے تھے۔ سیاسی دنیا میں بے غرض دوستی کون کرتا ہے، مگر علانیہ اور پے ہم دشمنی کے ساتھ دوستی کا دعویٰ کیے جانا! ایسی بے حیائی کی نظیر تاریخ میں شاید ہی کہیں مل سکے گی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میثاقِ لکھنؤ

مذکورۂ بالا واقعات، پھر اخباروں کی جوش انگیز تحریریں، نظمیں اور عام جلسوں میں تقریریں مسلم لیگ پر کچھ نہ کچھ اثر ڈالتی تھیں۔ لوگ ایوانِ حکومت کی طرف سے مایوس ہو کر کانگرس کے پنڈال کو کن انکھیوں سے دیکھنے لگے تھے، لیکن صدرِ مستقل آغا خاں تھے۔ کارفرما، ایسے بڑے آدمی جن کے دل اکثر تھوڑے ہوتے ہیں۔ خود محمد علیؒ کی نوکِ زباں ابھی انگریز دشمنی میں برچھے کی اَنی نہیں بنی تھی۔ اتنے میں پہلی جنگِ عظیم کا جوالا مکھی پھٹا (۱۹۱۴ء) نوجوان ترکی (برطانیہ، روس و فرانس کیخلاف) میدان میں نکل آئی۔ دنیا بھر کے مسلمانوں میں ہیجان سا پیدا ہو گیا۔ ہزار ہا دلوں میں آرزو تڑپنے لگی کہ لڑائی میں انگریزوں کو شکست نصیب ہو!

برطانی حاکم بے چینی کی لہروں سے بے خبر نہ تھے۔ ایک طرف وہ یورپ کی بھٹی میں بے دریغ ہندوستان کا روپیہ اور آدمی جھونک رہے تھے اور جس پیمانے پر یہ کام ہوا، وہ اُن کے اقتدار و انتظام کی عظمت کا کرشمہ تھا۔ دوسری طرف، شورش پسند عناصر نیز مسلمانوں پر گرفت کڑی کر دی تھی۔ اُن کے مقبول ترین اخبارات ("ہمدرد"، "زمیندار"، "الہلال") کا گلا دبا دیا تھا۔ محمد علیؒ کے ساتھ اُن کے بڑے بھائی شوکت علی بھی نظر بند ہوئے (۱۹۱۵ء) جنہوں نے بھائی کی محبت اور خدامِ کعبہ بنانے کی خاطر انگریزیہ کی خدمت چھوڑ دی تھی۔

آخر سال میں مسلم لیگ کا اجلاس بمبئی میں قرار پایا، جہاں کانگرس کا سالانہ اجتماع ہو رہا تھا۔ یہ برعمل تحریک مسٹر محمد علی جناح نے اٹھائی تھی جو ان دنوں کانگرس کے ممتاز رکن اور آزادئ وطن کے خاص وکیل تھے، مگر عام جلسے میں ایک بازاری گروہ آن گھسا اور اس نے شور مچا کر جلسہ درہم برہم کر دیا۔[1] بمبئی

---

[1] راقم الحروف اتفاقاً اس ہنگامے کا تماشائی تھا۔ مخالفین چلاتے تھے کہ یہ مسلمانوں کا جلسہ نہیں، کانگرسی ہندوؤں کا ڈھونگ ہے۔ سیٹھ قاسم مٹھا فرماتے تھے کہ (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پولس کا اغماض کسی سے چھپا ہوا نہ تھا۔ اِدھر آغا خاں نے صدارت سے استعفیٰ لکھ بھیجا۔ اسے بھی اہلِ نظر حکومت کی چینِ جبیں کا اشارہ سمجھتے تھے۔

بایں ہمہ مندوبین لیگ نے تاج محل ہوٹل میں جلسہ کیا، جس میں یہ اہم قرارداد منظور ہوئی کہ کانگرس کے ساتھ مفاہمت کی تدبیر کی جائے، تاکہ مسلمانوں کے حقوق ملحوظ رکھ کر سیاسی اصلاحات کا مطالبہ متفقہ طور پر حکومت سے کیا جاسکے۔ کئی مہینے گفت و شنید ہوتی رہی۔ لیگ و کانگرس کے چیدہ افراد کمیٹیاں کرتے رہے۔ سال (۱۹۱۶ء) کے آخر میں دونوں کے سالانہ اجلاس لکھنؤ میں ہوئے۔ پہلے لیگ نے مسٹر جناح کی صدارت میں نئی تجاویز پسند کیں، پھر کانگرس نے کثرتِ رائے سے انہیں قبول کیا۔ ہندو مسلمانوں کا یہ سمجھوتہ "میثاقِ لکھنؤ" کہلاتا ہے اور اصلاحات ۱۹۱۹ء بڑی حد تک اسی تہ زمین پر چھائی گئی تھیں۔ میثاقِ مذکور میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ رائے دینے کا حق وسیع کر دیا جائے، مرکز اور صوبوں میں انتخابی ارکان کی تعداد غالب ہو، کم سے کم آدھے محکمے منتخب دیسی وزیروں کے حوالے کر دیے جائیں۔ مسلمانوں کے اطمینان کے لیے ایک تجویز یہ تھی کہ کوئی ایسا قانون وضع نہ کیا جائے کہ جس کی اقلیت کے تین چوتھائی ارکان مخالفت کریں، مگر اسے انگریزوں نے منظور نہیں کیا۔ مرکز میں اور جہاں مسلمانوں کی تعداد کم تھی، تناسب سے زیادہ نشستیں دی گئیں۔ اس کے عوض پنجاب اور بنگال کی اکثریت سے انہیں دست بردار ہونا پڑا۔ جداگانہ انتخاب کا حق حسبِ سابق سلامت رہا۔ ۱۹۱۱ء کی مردم شماری میں مسلمانوں کی تعداد پونے سات کروڑ، یعنی کل آبادی (۳۱ ½ کروڑ) کے ایک چوتھائی کے قریب تھی، تاہم انہیں مرکز میں ایک ثلث ارکان چُن کر بھیجنے کا حق دیا گیا۔ باقی صوبوں میں ذیل کا نقشہ اُن کا توازن دکھاتا ہے:

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

سب سیٹھوں کی کارستانی ہے۔ انہی فاضل سیٹھ کو آگے چل کر سرکارِ انگریزی نے سر کے خطاب سے نوازا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

	مسلم آبادی	ارکان کا تناسب
پنجاب (بشمول سرحد)	۵۵ فیصدی	۵۰ فیصدی
بنگال	۵۲ "	۴۰ "
صوبہ متحدہ	۱۴ "	۲۰ "
بہار	۱۰ "	۲۰
بمبئی (بشمول سندھ)	۲۰ "	۳۳ "
مدراس	۷ "	۱۵
صوبہ متوسط	۴ "	۱۵

رعایا کی سازشیں اور حکومت کی سختیاں:

یورپ کی جنگ میں ۱۹۱۵ء اور ۱۹۱۶ء میں اتحادیوں پر بہت بھاری مصیبت گذری۔ مشرقی اور مغربی دونوں طرف خوفناک شکستیں کھائیں۔ جرمنیوں نے ترکوں سے مل کر خصوصیت کا مظاہرہ یوں کیا کہ ایسے آتشیں اسلحہ اور ان کی بڑی جنگی باڑ دے کر جا پہنچے کہ اس وقت تک بھی جمع نہ ہوا تھا۔ دوسری بار اپنی توپوں میں فوجیں لے کر گیلی پولی پر تاریخ کی گردنوں دفعہ جانباز ترکوں نے مار مار کر بھگا دیا۔ جہاں وزیر اعظم آسکوئتھ نے شروع ہی اس مہم کو آخری صلیبی جہاد بتایا تھا۔ پسپائی کے ابتدا سے ختم کرنے کی بات۔ فوجی ماہرین نے ایسی کامیابی سے تیار کیا کہ حربی تاریخ میں نظیر نہیں ملے گی۔

ایسی ڈھٹائی کا اثر عموماً الٹا ہوتا ہے۔ کم سے کم ہندوستان والے یقین کرتے اور خوش ہوتے تھے کہ جرمن سیلاب کے تھپیڑے اتحادیوں کو دریا برد کیے بغیر نہ رہیں گے۔ ایک جرمن دریا نورد کروزر ایمڈن ہندوستان کے سمندروں میں آنکلا تھا۔ تجارتی جہازوں کو ڈبونے کے علاوہ ساحل مدراس پر چند گولے مار گیا تھا۔ عوام کہتے تھے کہ اسی طرح کسی دن جرمن فوجیں دندناتی ہوئی ہندوستان میں گھس پڑیں گی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غیر قوم کی حکومت سے نفرت فطری بات ہے۔ انگریزوں نے اپنی غیریت کم کرنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ اُن کا مشکل میں پھنسا سُن کر برِ عظیم کے مختلف گوشوں میں انقلابی سرگوشیاں ہونے لگیں۔ اگست ۱۹۱۵ء میں مولانا عبیدؔ اللہ سندھی کابل پہنچ گئے۔ وہاں جرمن و تُرک سفیران جنگ پہلے سے موجود اور امیرِ کابل (حبیب اللہ خاں) کو گُوکنے میں مصروف تھے۔ انہی دنوں دیوبند کے صدر مدرس مولانا محمود الحسنؒ حجاز گئے اور جہاد کا سلطانی اعلان سنانے مولانا سندھی کو کابل روانہ کیا۔ انہوں نے ہندوستان میں انقلابِ حکومت کا مفصل تجویز مرتب کی جسے ریشمی رومالوں پہ باریک لکھا تھا۔ اسی سے انگریزی تحریروں میں "سرخ رومال کی سازش" موسوم ہے۔

مولانا سندھیؒ اصلاً ضلع سیالکوٹ کے ایک ہندو خاندان سے تھے (ولادت ۱۸۷۲ء) ماں سکھ تھی۔ باپ کی وفات کے باعث ننھیال (ضلع ڈیرہ غازی خاں) میں پرورش اور ابتدائی تعلیم ہوئی۔ وسیع الخیال ماموں نے اجازت دی کہ مطالعہ جاری رکھو، پوری تحقیق ہو جائے تو مسلمان ہو جانا۔[1] سندھ کے ایک بزرگ (پیر صاحب بھرچونڈی) نے نوجوان طالب علم کی تربیت کی، علم دین کی تکمیل کے لیے دیوبند بھیجا، ایسی پدرانہ شفقت سے پیش آئے کہ وہ سندھ ہی کے ہو رہے۔ ۱۹۰۹ء میں مولانا محمود الحسنؒ صاحب کی دعوت پر دوبارہ دیوبند گئے اور وہاں ایک انجمن بنائی جس کا مقصد دیوبند اور علی گڑھ کے طلبہ میں ارتباط پیدا کرنا تھا۔

صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ مغربی علم و فن کی قوتوں کا گہرا احساس اور حکمتِ اسلام کے ذریعے نئی تہذیب کے مسائل حل کرنے کی آرزو رکھتے تھے۔ شاہ ولی اللہؒ کے فلسفے کو بڑی محنت سے مطالعہ بلکہ بقولِ خود "ہضم" کیا تھا۔ اس کی تعلیم کے لیے شاہ صاحبؒ کے وطن میں ایک مدرسہ نظارۃ المعارف قائم کیا (۱۹۱۳ء) اپنی زندگی کی آخری منزلوں تک، بار بار اسی تدریس کی سرائے ڈھونڈتے تھے، اور بے شبہ تعلیم دینے کی بہترین اہلیت رکھتے تھے، لیکن مذاقِ درویشی کے ساتھ بظاہر اُن کی بیمابی

---

[1] خود مولانا مرحوم نے یہ بات راقم الحروف کو سنائی تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فطرت کہیں پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنے کی مہلت نہ دیتی تھی۔ مزید برآں ہندوستان کی آزادی کے جوش میں نوجوان انقلابیوں سے دو قدم آگے تھے۔ کابل میں انہوں نے امیر کے بھائی نصراللہ خاں کو ہم خیال بنا لیا، جرمن وفد سے رابطہ قائم کر لیا، اپنی تجویز کی خفیہ اطلاع ہندوستان کے ہندو مسلم اکابر کو بھیجی اور ان کی تائید حاصل کی۔[1] مگر سازش کی گاڑی کا پہیہ امیر حبیب اللہ خاں تھے۔ وہ اپنے والد امیر عبدالرحمٰن خاں کے انتقال پر حاکم افغانستان ہوئے (۱۹۰۱ء) اور انگریزوں سے دوستانہ تعلقات و معاہدات کے جال میں پہلے سے پھنس چکے تھے۔ جرمن اور ترک سفیروں کو بار بار ٹالتے رہے، اور پھر ٹرخا دیا، لیکن بہ تصریح عام کے مطابق، آئندہ فتوح کی امیدوں پر نقود برطانیہ کو ترجیح دی۔[2] جرمن سفیروں اور ان کے ہندوستانی وکیلوں کو کابل سے فرار ہونا پڑا۔ ادھر خود مکہ معظمہ میں شریف حسین خلیفۃ المسلمین کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ انگریزی جنیوں[3] کے زور پہ آزاد بادشاہی کا دعویٰ کیا۔ مولانا محمود الحسن اور ان کے رفیقوں کو پکڑ کر انگریز کے حوالے کر دیا۔ (۱۹۱۶ء) جنگ عظیم کے خاتمے تک رئیس علمائے دیوبند مالٹا کے کالے جزیرے میں بند رہے۔

مولانا عبیداللہ انقلاب روس کے بعد روس گئے اور وہاں کئی مہینے رہے۔ پھر سلطان ابن سعود کے زمانے میں کعبۃ اللہ کی پناہ لی۔ ۱۹۳۰ء میں ہندوستان واپسی کی اجازت ملی۔ چند بوڑھے ہو گئے تھے اور قصد یہی تھا کہ تعلیم کا شغل رکھیں گے، مگر بیشتر وقت کا مشغول سرمایہ سیاست کی تماشہ گاہ میں خرچ ہونے لگا، اکثر علمی کام ادھورے چھوڑ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (وفات ۱۹۴۴ء)

---

[1] اسی خفیہ اطلاع کی مشاورت کے سلسلے میں مولانا محمد علیؒ کے ایک ہمراز ہمسائے نے انگریزوں سے مخبری کی اور انہیں مہرولی میں نظر بند کیا گیا۔

[2] جرمن سفیر بھی امیر کے لیے اشرفیاں لے کر چلے تھے، مگر راستے میں روسیوں نے لوٹ لیں تبلیغ کی اصل دلیل ہاتھ سے جاتی رہی! (دیکھو انسائیکلوپیڈیا، ا۔ ص ۲۹۱)

[3] گنی (انگریزی طلائی سکہ)، کی عربی شکل جنیہ کی جمع (ادارہ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۹۱۸ء میں اتحادیوں نے یورپ کی جنگ جیت لی (۱۱ نومبر) اپنی فطرت یا اسلام دشمن ذہنیت کے مطابق سب سے ضعیف مسلم حریف کو سب سے سخت انتقام کے لیے منتخب کیا۔ سلطنتِ عثمانیہ کے تمام عرب مقبوضات چھین لیے۔ یہ گویا قدرت کی طرف سے ترکِ متفرنجین کی وطن پرستی اور مذہب بر تورانیت کا صلہ تھا۔ اگر ملکِ روس میں انقلاب نہ ہو جاتا تو غالباً ساری ترکی کے حصے بخرے کر لیے جاتے۔ تاہم دنیا کی سب سے بڑی مسلمانوں کی سلطنت کے بارے میں کوشش یہ تھی کہ خلافت ایک طرف ترکوں کی ملکی حکومت بھی اگر رہے تو مراکش و ایران کی طرح "بے ضرر" ہو جائے۔ ترکی کے لیے جرمانیہ سے جداگانہ عہد نامہ (سیورے، ۱۹۲۰ء) تسوید کیا گیا تھا۔

اندرونِ ہند شورش کا جوش ٹھنڈا کرنے کے لیے انگریز حکام نے دوسری تدبیریں کیں۔ اگست ۱۹۱۷ء میں لندن سے شاہی اعلان ہوا کہ اہلِ ہندوستان کو حکومت میں مزید حصہ دیا جائے گا۔ دوسرے ہی مہینے اعظم گڑھ، بلیا، شاہ آباد، آرہ کا خوف ناک ہندو مسلم فساد ظہور میں آیا جو باہمی دشمنی اور جمہوری حکومت کی نااہلی کا اشارہ تھا۔ یہ خونریزی اتنے وسیع پیمانے پر ہندوؤں کی، اتنی تیاریوں کے ساتھ ہوئی تھی کہ اس کی تہ میں حکومت کی شہ کا گمان ہوتا تھا۔ ایک اور بلوہ اگلے سال کٹارپور (ضلع سہارنپور) میں ہوا کہ انسانی شقاوت کی تاریخی نظیر پیش کرتا ہے۔ یہاں گاؤکشی کے عوض میں ۱۹ مسلمان زندہ جلا دیے گئے۔ تارکِ دنیا ہندو سنیاسی اس چنگیزی خوں خواری میں ہندو بلوائیوں کے پیشوا تھے (ستمبر ۱۹۱۸ء) ان کا مقدمہ عدالتِ عالیہ الٰہ آباد تک گیا اور معمولی سزا سنا کے داخلِ دفتر کر دیا گیا۔

ابوالکلام، ظفر علی خاں، حسرت موہانی مسلمانوں کی چلتی ہوئی زبان تھے۔ انہیں دورانِ جنگ قید خانے میں کھینچ لیا تھا۔ علی برادران پہلے سے بند تھے۔ ۱۹۱۸ء میں گندہ دہن انگریزی اخبار (انڈین ڈیلی نیوز) کلکتہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی۔ مسلمان احتجاج کے لیے جمع ہوئے تو اُن پر گولیاں چلائی گئیں۔ صاف اندازہ ہوتا ہے کہ جنگِ عظیم اور اس میں کامیابی سے انگریز، خصوصاً ہندوستان میں، کیسے آپے سے باہر ہو گئے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اناڑی وائس روے (چیمز فورڈ) کو جس طرح وزیرِ ہند نے دبا لیا تھا، اب مقامی مشیروں نے اُکسا کر اسبابِ شورش کی تشخیص و تداوی کے واسطے کمیٹی بٹھائی۔ ایک فرنگی جج سڈنی رولٹ صدر تھا، اس کی مرتبہ کیفیت مشکوک واقعات سے لبریز ہے۔ انہی کی بنیاد پہ نیا قانون بنانے کی سفارش کی تھی، حکام اور عدالتوں کو سیاسی مقدمات میں سرسری تحقیقات سے شدید ترین سزا کا اختیار، ضروری بنایا تھا۔ مجلس وضع قوانین میں ہندوستانی ارکان کی تعداد اور دخل اُن دنوں کم تھا، اختلافی تقریروں کا کچھ اثر نہ ہوا۔ مسٹر جناح نے سخت تنبیہ کی، مگر انگریزوں نے مجوزہ قانون منظور و نافذ کر دیا۔ خوددار جناح کونسل سے مستعفی ہو گئے (۱۹۱۹ء)[1]

سرکار کے ظلم کا کڑوا پھل:

جنگِ عظیم کی آگ بجھی تو دھنواں دیر تک پھیلا رہا۔ ممالکِ ہند میں آیندہ چار سال نہایت پُرآشوب گزرے۔ ایک ہجوم ایسے ہنگاموں کا دکھائی دیتا ہے جس کا ہر ہنگامہ ہیجان انگیز واقعات کا مجموعہ تھا۔ ان سب کو صحت و جامعیت کے ساتھ یک جا مرتب کرنا، مستقل مجلدات کا طالب ہے۔ یہاں صرف چند ورق کے ملخص پر قناعت کرنی پڑے گی۔

ہندوستان سے انگریزوں نے جان و مال کی جس قدر مدد حاصل کی، اس کی تفصیلات سرکاری اور غیر سرکاری مطبوعات میں کافی مختلف پائی جاتی ہیں، مگر اُس کے نہایت کثیر و خطیر ہونے پر سب کو اتفاق ہے۔ انگریزی کی مستند قاموس (دائرۃ المعارف انسائیکلوپیڈیا) خبر دیتی ہے کہ برطانیہ کو دس کروڑ پونڈ (= ڈیڑھ ارب روپیہ) نذر کرنے کے علاوہ، دو ارب تیس کروڑ روپے سے زیادہ حکومتِ ہند نے جنگ میں قرض لے کر خرچ کیا، فوجوں کے مقررہ مصارف جو سمندر پار بھیجی گئیں الگ برداشت کیے۔ ہندوستان کی سپاہِ عظیم، آٹھ لاکھ جنگ آزما اور چار لاکھ غیر عسکری افراد پر مشتمل تھی۔ سب سے بڑی، بلکہ دردناک

---

[1] حیاتِ محمد علی جناح، طبع ثانی صفحہ ۹۸ بحوالہ مکتوب بنام وائس روے مورخہ ۲۸ مارچ ۱۹۱۹ء۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قربانی یہ کی کہ" اتنی کثرت سے اشیائے خوردنی اور سامانِ رسد بھیجا کہ خود ملک کے غریب طبقوں کو بہت زیادہ فاقہ کشی برداشت کرنی پڑی"[1]

برطانی قوم اور شاہی وزارت کی طرف سے بار بار ہندوستان کے ایثار و اعانت کا اعتراف کیا جاتا تھا۔ سیاسی اصلاحات کا ایک محرک اسی احسان مندی کو ماننا چاہیے۔ وزیرِ ہند (مونٹیگو) پہلی مرتبہ برطانیہ کا سب سے قیمتی مقبوضہ دیکھنے کے لیے آیا۔ مسز اینی بسنٹ کو "ہوم رول" کا مطالبہ کرنے پر مقامی حکام نے نظر بند کر دیا تھا۔ وہ تھیوسوفی جماعت کی امام اور دنیا بھر میں نامدار خاتون تھیں۔ وزیرِ ہند کے حکم سے رہا کی گئیں۔

جنگ کے خاتمے پر مولانا محمود الحسنؒ، علی برادران اور دوسرے سیاسی قیدیوں کو آزادی ملی۔ ۱۹۱۹ء میں جدید اصلاحات کا قانون برطانی پارلیمنٹ نے منظور کر لیا۔ اس دودھ میں ڈالنے کے لیے مقامی انگریزوں نے پہلے ہی رولٹ ایکٹ کی مکھی فراہم کر رکھی تھی۔ اِدھر سلطنتِ عثمانیہ کی تباہی سے مسلمانوں میں کہرام برپا تھا۔ اصلاحات کا خیر مقدم کانگرس نے بھی نہیں کیا، تائید کرنے والوں کو اپنی "اعتدال پسند" جماعت (لبرل پارٹی) الگ قائم کرنی پڑی مگر موسم اعتدال کا نہ تھا۔ لاکھوں سپاہی یورپ میں مساوات اور اپنی خاطر مدارات دیکھ کر آئے تھے۔ انہیں اب انگریزوں کا تحکم زہر معلوم ہوتا تھا۔ جنگ کے آخری ایام میں سنگاپور کی متعینہ دو دیسی پلٹنیں علانیہ باغی ہوگئیں۔ جاپان کے جنگی جہازوں کی مدد سے انگریزوں نے ان کا قلع قمع کیا۔ سکھ فرقہ فتحِ پنجاب کے وقت سے سرکار کا منظورِ نظر، دل سے وفادار مانا جاتا تھا، اب اس کی نظر بدل رہی تھی۔ بعض ٹکڑیاں امریکہ سے مال و زر کے ساتھ آزاد خیالی کی دولت کما کر لائی تھیں۔ انگریزوں کو شبہ ہوا کہ پنجاب میں انقلاب کی سازش پھیلائیں گی۔ جہاز کوما گاٹا مارو کے سکھ مسافروں کو گرفتار کرنا چاہا، انہوں نے گولیاں چلائیں۔ بعض فرار ہوئے بعض مارے گئے۔

"کالے قانون" کے خلاف جلسوں کو بڑے تشدد سے روکا جا رہا تھا۔ خاص دارالحکومت دہلی

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، طبع چہارم، جلد ۱۲ صفحہ ۲۰۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ایک بڑے جلوس کو پولیس نے گولیاں مار کر منتشر کیا (مارچ ۱۹۱۹ء) غرض کافی آتش گیر مواد تیار تھا جبکہ گاندھی جی نے ہندوستان گیر پیمانے پر ستیہ گرہ کی پھلجھڑی چھوڑ دی۔ خود تین دن کا برت رکھا، لوگوں سے التجا کی کہ ایک دن کھانا پینا اور سب کاروبار بند کر کے دعائیں مانگیں اور خدا سے عہد کریں کہ جابرانہ قانون کی پابندی نہیں کریں گے۔ یہ اُن کی بے ہتھیار جنگ کا مقدمہ تھا، مگر جنگ کا گولہ بارود یعنی عام غم و غضب خود حکومت کی سفاکی فراہم کر رہی تھی۔

پنجاب فوجی بھرتی کا سب سے بڑا اکھاڑا تھا۔ انگریزوں نے سب سے زیادہ وہیں طاقت آزمائی۔ ۱۳ اپریل کو امرتسر میں ایک محصور مقام پر لوگ جمع تھے۔ جنرل ڈائر نے اپنے فوجی دستے سے اسے باقاعدہ گھیر لیا اور نہتی رعایا پر برابر گولیاں برسوا تا رہا یہاں تک کہ گولیاں ہی ختم ہو گئیں[1]۔ سرکاری اعتراف کے مطابق کم و بیش چار سو آدمی مارے گئے۔ زخمیوں کا کوئی شمار نہ تھا۔ ان کی مرہم پٹی جانے کرنہیں کی گئی۔ یہ معرکہ جلیانوالہ باغ سے منسوب ہے جو اس محلے کا پرانا نام تھا۔ یہاں کے قتل عام کی یادگار سالہا سال تک بلاد ہند میں منائی جاتی رہی۔

ترکِ موالات کا طوفان:

پنجاب کے ظالم حاکم سر مائیکل اڈوائر نے جنگی قانون کی اجرائی کے ساتھ رسل و رسائل کا سلسلہ بند کرا دیا تھا، لیکن خون کی بو اور فریاد کی گونج اُٹھے بغیر نہ رہی۔ برطانی حکومت کی طرف سے امرتسر کے واقعات کی تحقیقات کرائی گئی پھر اس کی روداد برطانی پارلیمنٹ اور اخباروں میں زیر بحث لائی گئی۔ حکومت نے انگریز عہدیداروں کے قاتلانہ تشدد پر ہنگامی مجبوری کا غلاف چڑھایا اور مواخذے سے

---

[1] خود ڈائر نے یہ اقبال ہنٹر کمیشن کے سامنے کیا تھا جسے حکومتِ برطانیہ کی طرف سے اس قتل عام کی تحقیقات کے لیے ہندوستان بھیجا گیا تھا۔ کمیشن کی روداد اسی سال شائع ہو گئی تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنایا مگر اُن کے اعترافات سن کر خود اُن کے ہم وطن حیران رہ گئے۔ ہندوستان والوں کا خون کھولنے لگا۔

سال (۱۹۱۹ء) کے اخیر میں کانگرس اور مسلم لیگ دونوں کے اجلاس امرتسر میں منعقد ہوئے خلافت اسلامیہ کی عظمت و بقا کے لیے ایک نئی انجمن تشکیل کی گئی۔ علیٰ ہذا، علمائے دین کی جمعیتہ بنائی گئی، آج کے پہلے بانی علماء، جیسے انہی سیاسی پنڈالوں میں تھے۔

کانگرس میں مسٹر تلک شریک تھے، اگرچہ چند مہینے سے گاندھی جی نے جس تدبیر کے ساتھ انگریزوں کی خیر خواہی کی[1] اس نے انہیں سب آزمودہ کار سیاسی جرنیلوں سے اونچا اُبھار دیا تھا، مسلمان اکابر سے دوستی اور خلافت کی پُرجوش حمایت نے اُن کی شہرت و قوت کو اور بڑھا دیا۔

علی برادران نظر بندی سے چھوٹ کر سیدھے امرتسر آئے۔ مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی ابھی مسلم لیگ ہی کر رہی تھی۔ اجلاس امرتسر کے صدر حکیم اجمل خاں دہلوی تھے جو نامی اسلاف کے نامی تر جانشین گزرے ہیں۔ طب یونانی میں کمال کے علاوہ، اخلاقِ جمیل اور جواہرِ شریفہ سے آراستہ تھے۔ ملّی احساس کا اتنا گہرا سمندر سینے میں تھا کہ اس کی پُرسکون سطح کو موجیں برہم نہ کر سکتی تھیں۔ اپنے بہترین معاصرین میں بھی وہ اس اعتبار سے منفرد ہیں کہ تخریب کے گرم ہنگاموں میں شرکت کے باوجود تنظیم و تعمیر کے بڑے بڑے کام انجام دے گئے۔ مدرسہ طبیہ دہلی کو ایک جدید اور وسیع دارالعلم کے قالب میں ڈھالا۔ طب کا

---

[1] واضح رہے کہ ۱۹۱۷ء تک گاندھی جی انگریزوں کی فوجی بھرتی میں مدد دیتے، اور سلطنت برطانیہ کی جاں نثاری کا شدّومد سے اعتراف کرتے تھے، جیسا کہ ان کی مختلف سوانح اور اپنی کتاب (ایکس پیری مینٹس وِد ٹرتھ) میں مذکور ہے۔ ۱۹۱۸ء (ماہ جون اور دسمبر) میں گورنر بمبئی (لارڈ ولنگڈن) سے جو معرکے پڑے، ان میں بھی مسٹر تلک اور تلک سے بڑھ کر مسٹر جناح کا نام روشن ہوا۔ گاندھی جی کو جنگ میں سرکاری خدمات انجام دینے پر تمغے بھی ملے تھے۔ وہ انہوں نے ۱۹۲۰ء میں واپس کیے (دیکھو "روشن مستقبل"، ۵۱۵، نیز اخبارات ماہ اگست ۱۹۲۰ء)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعلیٰ اور زیادہ بہ جامع نصاب اُردو زبان میں منتقل کرایا۔ آگے چل کر جامعہ ملیہ کی ڈگمگاتی کشتی کو سنبھالا۔ زیر نظر سال (۱۹۱۹ء) میں علماء کو ایک مرکز پہ لانے کی سعی مشکور کی، ورنہ ان متفرق اپسند حضرات میں بطور خود مجتمع ہونے کی عادت نہ تھی۔

مجلس خلافت اور اُس کی شورش سیاسی اور مذہبی سے زیادہ جذباتی نوعیت رکھتی تھی۔ مارچ ۱۹۲۰ء میں مجلس کی طرف سے ایک وفد لندن گیا، اس کے رکن مولانا محمد علی، مولانا سید سلیمان ندوی، تیسرے سید حسن امام (بیرسٹر، پٹنہ) تھے کہ ان کے امامیہ عقیدے میں خلافت کا خانہ خالی ہے۔ وزیر اعظم (لائڈ جورج) نے اہل وفد سے سوال کیا کہ کیا آپ ترک سلطان کی طرفداری میں عرب اقوام کو تعیینِ حکومت (سیلف ڈٹرمنیشن) کی آزادی نہیں دینا چاہتے؟ جہاں تک معلوم ہے وفد سے جواب نہ بن پڑا۔ ترکوں پر انگریزوں کے انتقامی مظالم کا سلسلہ جاری رہا اور اُس وقت رکا جب مصطفیٰ کمال نے انقرہ میں نئی فوج تیار کی اور انگریز کے آوردہ یونانیوں کو شکست دے کر ایشیائے کوچک سے نکال دیا (۱۹۲۲ء)

اس اثنا میں ہندوستان کے مسلمانوں کا جوش انتہا کو پہنچ گیا۔ گاندھی جی نے ان کی قیادت اپنے ہاتھ میں لی۔ دسمبر ۱۹۲۰ء (اجلاس ناگ پور) میں کانگرس اور لیگ دونوں نے متفقہ طور پہ ترک موالات کا اعلان کیا اور انگریزی حکومت سے بلاتشدد جنگ چھیڑ دی۔ مسلمانوں کا مقصد ترکی خلافت کو بحال کرانا تھا، مگر ہندوؤں کی لڑائی "سوراج" یعنی سیاسی آزادی حاصل کرنے کی غرض سے تھی۔ نہتی رعایا کے ہتھیار یہ تھے کہ:

۱۔ انگریزوں کی نوکری چھوڑ دی جائے، ان کے دیے ہوئے خطابات واپس کیے جائیں، ان کی عدالتوں سے مقدمے اور سرکاری مدرسوں سے لڑکے اٹھا لیے جائیں۔

۲۔ ولایت کا مال بالکل نہ خریدا جائے، خصوصاً وہاں کا بنا ہوا کپڑا پہننا حرام سمجھا جائے۔ اس کی بجائے دیسی کتے ہوئے سوت کا کھدر استعمال کیا جائے۔

۳۔ ہر شخص تھوڑی دیر خود چرخہ چلائے اور سوت کاتے!

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ سرکاری قوانین کی پابندی نہ کی جائے۔ انگریزوں کو محاصل خصوصاً سرکاری مال گزاری نہ دی جائے اور ان کی طرف سے ہر قسم کی سزائے قید و تعدی کو صبر سے برداشت کیا جائے۔

گاندھی جی یقین دلاتے تھے کہ اگر ان تدبیروں پر اہلِ ہند نے عمل کیا تو اپنی روحانی طاقت سے برطانیہ کی شیطانی حکومت کو شکست دیں گے اور سال بھر کے اندر (یعنی آخر ۱۹۲۱ء تک) انگریز ہمارے سامنے گھٹنے ٹیک دے گا!

روحانی طاقت کو بڑھانے کے لیے ہر ستیاگرہی کو اپنی مذہبی عبادات کی پابندی کرنے کی تاکید کی جاتی تھی۔ خود گاندھی جی نے انگریزی وضع، بلکہ لباس ہی ترک کر دیا، فقط لنگوٹی باندھ لی اور ممالکِ ہند و پاکستان میں شہر شہر جا کر اسی جسمِ نحیف سے منحنی صدا میں ایک عظیم انقلاب کا پیام سنایا۔ ہر چند ان کی تدابیر پر پوری طرح سب نے عمل نہیں کیا، نہ ہندوستان کی وسیع آبادی میں یہ بات ممکن تھی، تاہم ان کی تبلیغ نے چند ہی مہینے میں لاکھوں افراد کو اپنا معتقد بنا لیا۔ ان میں اوّل اوّل مسلمان پیش پیش تھے۔ انہی نے سب سے زیادہ نوکریاں اور انگریزی مدرسے چھوڑے۔ نسبتہً زیادہ تعداد میں گولیاں، لاٹھیاں کھائیں۔ کم و بیش بارہ ہزار جیل خانے میں گئے۔[1] تقریباً بیس ہزار نے گھر بار بیچ کر ترکِ وطن کیا، افغانستان چلے گئے۔[2] وہاں کچھ مدت پہلے حبیب اللہ خان قتل ہوئے (فروری ۱۹۱۹ء) چچا اور بڑے بھائی کو دھکیل کر امان اللہ خان امیر بنائے گئے تھے۔ انہوں نے انگریزوں سے جنگ کرنے میں درنگ نہ کی، لیکن فوج باقاعدہ اور اس کے جدید

۱؎ یہ تخمینہ مسلم لیگ کے ایک سالانہ اجلاس (بصدارت سر علی امام) میں بتایا گیا تھا (روشن مستقبل ص ۹۴)۔ عام طور پر اس سے بہت زیادہ اندازے لگائے جاتے تھے۔ جان و مال کے نقصانات کے صحیح اعداد جمع کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

۲؎ یہ ہجرت ۱۹۲۰ء میں بیشتر سرحد، سندھ، پنجاب کے مسلمانوں نے کی، مگر افغانستان جا کر عموماً تکلیفیں اٹھائیں اور بہت سے لوگ مرتے کھپتے واپس آئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

السلمنٹ نکمے ثابت ہوئے۔ افغانستان کے سرحدی قلعے ڈکہ پر انگریزی سپاہ کا قبضہ اور پہلا ہوائی جہاز شہر کابل پر نمودار ہوا۔ خوش عقیدہ لوگوں نے فتح ہند کے جو خیالی قلعے بنائے تھے، چند ہفتے میں ہوا ہو گئے۔

امان اللہ خاں نے اپنی آزادی منوا لینا ہی غنیمت سمجھا، انگریزوں کی سالانہ امداد سے ہاتھ اٹھا لیا۔

مسلمان مہاجرین سے شروع میں اہلِ کابل کو ہمدردی تھی، لیکن جب وہ جوق در جوق آنے لگے اور معلوم ہوا کہ ان کے بھیس میں انگریزوں کے صدہا جاسوس داخل ہو رہے ہیں تو حکومتِ کابل نے انہیں شہروں میں آنے سے روکا اور نگرانی قائم کر دی۔ اسی سلسلے میں قادیانی جماعت کے چند افراد افغانستان پہنچے اور اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے ہوئے پکڑے گئے، جنہیں حکومتِ کابل نے مرتد قرار دے کر قتل کرا دیا۔

ہندوستان کی کامل آزادی، بلکہ انگریزوں سے چھاپہ مار جنگ کرنے کی تجویز بھی سب سے پہلے مسلمانوں کی طرف سے پیش ہوئی۔ آخر دسمبر ۱۹۲۱ء میں کانگرس لیگ خلافت تینوں کا گاندھی جی کے صدر مقام احمد آباد میں دربار لگا۔ خلافت کی تحریک کم سے کم شمالی ہند کے گوشے گوشے میں پھیل گئی تھی اور اسی کے ہمقدم کانگرس کی ابتدائی شاخیں تقریباً ہر قصبے میں جم چکی تھیں۔ بہت سے لوگوں کو گاندھی جی کی پیش گوئی یاد تھی اور یقین رکھتے تھے کہ پہلی جنوری ۱۹۲۲ء کو سورج آزاد ہند پر طلوع ہو گا۔ انہی ولولوں کے ساتھ دور دور کے باشندے احمد آباد میں ٹوٹ پڑے تھے کہ وسیع خیمہ گاہوں میں ٹھیرنے کی جگہ نہ ملتی تھی، مگر کامل آزادی کو فی الحال مطمح نظر بنانے کی تجویز کسی جلسے میں کامیاب نہ ہوئی۔ خود گاندھی جی خلاف ہو گئے۔ صرف سید فضل الحسن حسرت موہانی کا ہمت کم رائے دینے والوں نے ساتھ دیا۔

www.KitaboSunnat.com

گاندھی جی کانگرس کے آمرِ مطلق ضرور مقرر ہوئے، بار دولی (گجرات) میں ادائے مال گزاری سے انکار کی کارروائی کی جا رہی تھی مگر معلوم ہوتا ہے مسلمانوں کا جوش و خروش دیکھ کر وہ ڈر گئے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خصوصاً دو واقعوں نے کانگریس پارٹی کی جوتی بڑی انگریزی خبروں نے انہیں پریشان کر دیا تھا۔ اسی زمانہ میں صوبہ متحدہ کے مشرقی گوشہ میں چوری چورا کے مقام پر لوگوں نے مشتعل ہو کر پولیس تھانہ جلا دیا، ریل کی پٹری توڑ دی، تار کاٹ دیے۔ سپاہیوں کے تشدد کرنے پر انہوں نے بندرت رکھ کر کفارے دیے تھے۔ ہندوستانیوں کے کشت و خون کرنے کی خبر سن کر ساری تحریک واپس لینے کا اعلان کر دیا۔ ۲۰ فروری ۱۹۲۲ء گویا انسانی رفتار پر آئی ہوئی ریل ایک دم رک گئی۔ اس جھٹکے نے گاندھی جی کے بہت سے معتقدین کو ڈگمگا دیا۔ اگلے مہینے حکومت نے ان پر قانون شکنی کا مقدمہ چلا کر ۶ سال قید کی سزا دی۔ تو ملک میں کہیں احتجاج تک نہیں ہوا۔

تحریکِ خلافت کا خاتمہ

آخر یہاں تک نوبت آئی کہ خلافت اور سوراج کی لڑائی ختم ہو گئی، جو ہندو مسلم اتحاد کی بنیاد باہمی مفاہمت، خوشی خوشی قبول ہوا تھا نہیں رہی۔ انگریزوں سے جو نفرت تھی وہ رواداری میں بدل گئی تھی اور یہ کہنا ذرا مبالغہ نہیں کہ حکومت کے ہاتھ اٹھ کھڑے ہو گئے تھے۔ ایک ... دوسرے لوگوں میں ... وائکاٹ کے ایسے مظاہرے ہونے لگے کہ انگریزوں کے دوبارہ جم کر بیٹھنے کے نقشے لیکن ہے کہ گاندھی کی غلطی نے یہ تمام محنت برباد کر دی بلکہ شدھی اور سنگٹھن کی تحریکیں اٹھیں ... ہندو مسلم جنگ کا اشتہار تھیں۔ جگہ جگہ بلوے اور فسادات برپا ہونے لگے۔ وطنی برادری کے بجائے ہندو مذہبی تعصب کا رنگ گہرا ہو گیا۔

انہی تلخیوں میں سب سے زیادہ تلخ کامی مسلمانوں کو یہ نصیب ہوئی کہ مصطفیٰ کمال پاشا نے ترک نیشنلسٹ کی حیثیت سے دشمنوں پر فتح حاصل کی لیکن اپنے ہاتھوں "خلافت" کا گلا گھونٹ دیا۔ مارچ ۱۹۲۴ء میں مولانا محمد علی نے بذریعہ تار لمبا چوڑا احتجاج لکھا تھا، اس کا جواب ... جمہوریہ ترکیہ کی طرف سے چند سطروں میں یہ آیا کہ ترکوں نے زمانہ دراز تک خلافت اسلامیہ کا بار اٹھایا، اب مناسب ہے کہ دوسرے اسلامی ممالک مل کر اس خدمت کو انجام دیں۔ ترک قوم مسلمانوں سے صرف دینی برادری کا رشتہ رکھنے پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا نہیں۔

کمال پاشا کی آیندہ لادینی اصلاحات کا ہماری تاریخ سے تعلق نہیں مگر پاکستان و ہند کے مسلمان ان خبروں کو سُن سُن کر سخت خجل ہوتے تھے، فرنگی اہل قلم انہیں چٹ پٹا بنا کے بیان کرتے اور مسلمانوں کی جراحتوں پر نمک چھڑکتے تھے۔ خدیو مصر کو خلیفۂ اسلام بنانے کی آواز اٹھی تھی، لیکن اگر انگریزوں کے اشارے سے نہ تھی تو بھی خدیو ظاہر ہے کہ برطانیہ کے زیر اثر تھا، خود مصر کی آزاد خیال جماعتوں نے تائید نہیں کی۔

۱۹۲۶ء میں امیر نجد عبدالعزیز ابن سعود نے شریف حسین کو نیچا دکھایا۔ وہ فرنگی کا ناپاک سہارا لے کر حجاز کی پاک سرزمین سے فرار ہو گیا۔ ملک کے بڑے حصے میں ابن سعود کی سلطانی تسلیم کر لی گئی۔ اس وقت پھر ہندوستان کی مجلس خلافت کو حجاز میں آزاد اسلامی خلافت کے قیام کرنے کا خیال آیا۔ مولانا محمد علی مکۂ معظمہ گئے۔ سلطان کی طرف سے مدارات میں کمی نہیں کی گئی۔ لیکن جب آزاد جمہوری حکومت کا مسئلہ زیر بحث آیا تو فریقین کے سیاسی اور شرعی تصورات میں بڑا فرق پایا گیا۔ مصالحت کی کوئی صورت نہ نکل سکی، کوشش بے لطفی پر ختم ہوئی (۱۹۲۸ء)۔

ہندوستان میں مجلس خلافت کے جلسے اور سالانہ اجلاس مختلف مقامات پر منعقد ہوتے تھے لیکن اصل روح نکل چکی تھی۔ زیادہ تر اندرونی مسائل اور ہندو مسلم فسادات پر بحثیں ہونے لگی تھیں۔ مجلس کا آخری جلسہ ۱۹۳۳ء میں بمبئی میں ہوا تھا۔ اس کے بعد صرف اس کے دفتر کی عمارت اور خلافت نام کا اخبار باقی رہ گیا، وہ تنظیم جس نے چند سال پہلے ممالک ہند میں ہل چل ڈالی اور خود کانگریس کو بڑی تقویت پہنچائی تھی حکایت ماضی ہو گئی۔

۱۹۲۴ء میں گاندھی جی علالت کی بنا پر قید سے چھوڑ دیے گئے لیکن خلافت کی تحریک تمام ہو چکی تھی، کانگریس پر دوسرے رہنما متصرف اور ان کی تیبہ گری سے علانیہ منحرف تھے۔ شاید اسی لیے حکومت نے اپنے ناکام حریف کو چھوڑنے میں رواداری سے کام لیا۔ بلکہ ہم گاندھی جی ہندو مسلم فسادات روکنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں سامی رہے۔ فساد کی آندھی شُدھی کی تحریک سے چلی تھی، اس کی قیادت سوامی شردھانند کر رہے تھے۔ وہ بانیٔ آریہ ساج (سوامی دیانند) کے جانشین، مگر "ترکِ موالات" کے آغاز میں ہندو مسلم اتحاد کے داعی رہے۔ مسلمانوں نے انہیں جامع مسجد دہلی کے کمبر پر چڑھا کر تقریر کرائی۔ شانوں پر بٹھا کر جلوس نکالا۔ اب وہی اپنی قوتِ ناطقہ اسلام کے خلاف صرف کر رہے تھے۔ انہی دشمنی کی حرکتوں سے مشتعل ہو کر ایک مسلمان نے انہیں قتل کر ڈالا (۱۹۲۶ء)

باہمی عناد کے ایک اور سرخیل، ناگ پور کے ڈاکٹر مونجے ہندوؤں کو سنگٹھن یعنی جنگی تیاریوں کی تعلیم دیتے تھے۔ گاندھی جی کی "اہمسا" اور اسی کے ساتھ مسلمانوں سے دوستی کی شدید مذمت کرتے تھے۔ ان پرجوش کوششوں سے ہندو مہاسبھا نے جگہ جگہ اکھاڑے اور دَل بنائے، نوجوان ہندوؤں کو فوجی تعلیم، سپاہیانہ ورزشیں سکھائیں، ہندو دھرم کی حفاظت کے لئے مسلمانوں سے لڑنا اپنا قومی مقصد قرار دیا۔

وطنی اتحاد و آزادی کے سیلاب کا رُخ پھیرنے میں انگریز حکام کی تدبیر و سازش کا دخل بتایا جاتا تھا، مگر الزام لگانے والے خود اسی بہاؤ پر بہے جا رہے تھے۔ ۱۹۲۶ء میں وزیرِ ہند لارڈ برکن ہیڈ کا طعنہ سُن کر اربابِ سیاست کو شرم آئی اور وہ میثاقِ لکھنؤ کی طرح دوبارہ متحدہ مطالبہ مرتب کرنے پر متوجہ ہوئے۔ مسلمانوں کی طرف سے مسٹر جناح کے چودہ امور[1] کا محضر تیار ہوا (مارچ ۱۹۲۷ء)۔ کانگرس کے اکثر اکابر نے انہیں قبول کیا، مگر اپنے ساتھیوں کی مخالفت کو قابو میں نہ لا سکے۔ یہی حشر آئندہ سال[2] (موتی لال نہرو رپورٹ) کا ہوا۔ سیاسی دنیا کو ماننا پڑا کہ انگریز وزیر کی بات سچ تھی۔ اہلِ ہندوستان کسی مُلکی آئین پر باہم اتفاق نہیں کر سکتے تھے۔ مسلمانوں کے رجالِ سیاسی نے متحدہ حکومت کا بنیادی نقشہ

---

[1] چودہ نکات (ادارہ)

[2] تاریخی تسلسل اس طرح ہے کہ پہلے نہرو رپورٹ منظرِ عام پر آئی اور اس کے جواب میں قائدِ اعظم محمد علی جناح نے چودہ نکات پیش کیے۔ (ادارہ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنانے کی یہ گویا آخری کوشش کی تھی۔ تاریخی اہمیت مقتضی ہے کہ ان چودہ امور کا ذیل میں خلاصہ درج کر دیا جائے :

"(۱) ہندوستان کا دستور "وفاقی" ہوگا (۲) تمام صوبوں کو مساوی اصلاحات اور کامل اندرونی اختیارات دیے جائیں گے (۳) کوئی "اکثریت" کم تعداد فرقے کے مساوی یا کم نہیں رہے گی، مگر اقلیت کو کافی، مؤثر نیابت دی جائے گی (۴) مرکزی مجلس میں مسلمانوں کی نیابت ایک تہائی سے کم نہ ہوگی (۵) جداگانہ انتخاب قائم رہے گا، بجز اس کے کہ کوئی "فرقہ" اپنی مرضی سے یہ حق چھوڑ دے (۶) صوبوں کی کوئی ایسی تقسیم نہ کی جائے گی جس سے پنجاب و بنگال کی مسلم اکثریت کو نقصان پہنچے (۷) ضمیر و مذہب کی آزادی (۸) کوئی "ایسا قانون وضع نہ کیا جاسکے گا جس کے کسی قوم کے تین چوتھائی ارکان مخالف ہوں (۹) سندھ کا صوبہ علیحدہ بنا دیا جائے گا (۱۰) سرحد اور بلوچستان میں دوسرے صوبوں کی مثل آئین نافذ ہوگا (۱۱) ملازمتوں میں مسلمانوں کو مناسب حصہ دیا جائے گا (۱۲) اسلامی تہذیب، مذہبی شخصی قانون، زبان، رسم الخط کا پورا تحفظ کیا جائے گا (۱۳) ہر صوبے کی وزارت میں ایک تہائی مسلمانوں کے انتخاب سے وزیر مقرر ہوں گے (۱۴) دستور اساسی میں کوئی ترمیم نہ ہوگی جب تک تمام صوبے اور دیسی ریاستیں اسے نہ تسلیم کر لیں!"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب سیزدہم

پاکستان، تخیّل سے حقیقت کی طرف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاکستان، تخیل سے حقیقت کی طرف

تحریکِ خلافت کی آندھی اُتر گئی، مگر بہت دن تک بگولے اٹھتے رہے، فرقہ واری فسادات کے انسداد اور سیاسی اتحاد کے لیے مختلف اجتماع ہوئے۔ مسلم لیگ سے الگ ایک وطن پرست مسلمانوں کی جماعت (؛ مسلم نیشنلسٹ کانفرنس) مرتب کی گئی تھی۔ اس کا مقصد مسلمانوں میں حبِ وطنی کا جذبہ پیدا کرنا اور فرقہ پرستی سے بالاتر ہو کر سیاسی جدوجہد میں شریک ہونا قرار دیا گیا۔ حضرت آزاد[1]، ڈاکٹر انصاری اور جناب تصدق احمد شروانی اس کے ارکانِ ثلاثہ تھے۔ ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۱ء تک تین چار سالانہ اجلاس ہوئے پھر یہ جماعت قائم نہ رہ سکی، بلکہ کانگرس میں مدغم ہو گئی۔

انہی ایام میں مجلسِ احرار پنجاب میں اور خدائی خدمت گار کی جماعت صوبہ سرحد میں تیار ہوئی۔ ان کا مقصد بھی انگریزی حکومت کی مخالفت اور سیاسی آزادی کے لیے جدوجہد کرنا تھا۔ سرحدی تنظیم کے رہنما خان عبدالغفار خاں تھے۔ انہیں خصوصی امتیاز حاصل ہوا کہ مسلمان پٹھانوں کو اہنسا کی تعلیم دیتے اور گاندھی جی کی مریدانہ پیروی کو مایۂ حیات اور وسیلۂ نجات خیال کرتے تھے۔ ایک

---

[1] مولانا ابوالکلام آزاد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زمانے تک سرحدی گاندھی کہلائے، بادشاہ خان موسوم ہوئے۔ ان کا حلقۂ اثر اپنے صوبے ہی میں محدود رہا۔

خاکسار تحریک جو ۱۹۳۰ء میں شروع ہوئی پنجاب و سرحد کی حدود سے نکل کر دوآب و دکن کے ملکوں تک پھیل گئی تھی۔ بانی تحریک عنایت اللہ صاحب مشرقی، ولایت کے اعلیٰ تعلیم یافتہ، عربی زبان کے فاضل ہیں۔ کئی سال تعلیمی عہدوں پر فائز رہے۔ قرآن مجید کے معارف پر ایک مجتہدانہ کتاب "تذکرہ" شائع کی (۱۹۲۴ء) خاکسار جماعت عسکری طرز پر منظم کی گئی تھی۔ روزانہ شام کو سب خاکسار فوجی قطار بنا کر گشت لگاتے تھے۔ ہر شخص ایک بیلچہ لے کر چلتا تھا۔ یہ مشق مسلمانوں میں تنظیم اور سپاہیانہ مستعدی پیدا کرنے کی غرض سے لازمی کی گئی تھی۔ مقصدِ اصلی صرف خلقِ خدا کی خدمت کرنا بتاتے تھے، سیاسیات سے جماعت کو الگ رکھا گیا تھا اگرچہ آگے چل کر جب اس کی تعداد لاکھوں تک بڑھی[1] اور اتحادِ عمل کی طاقت بھری تو "خدمتِ خلق" کی وسیع زنبیل میں ملکی معاملات بھی داخل ہو گئے۔

سیاسی نیم سیاسی جماعتوں کے علاوہ زیرِ نظر زمانے میں (یعنی پہلی جنگِ عظیم کے بعد) اردو صحافت نے بڑی تیز ترقی کی۔ "ہمدرد" (دہلی) "الہلال" (اور "البلاغ" کلکتہ) بانیوں کی گرفتاری کے باعث اٹک اٹک کر بند ہو گئے، لیکن ممالکِ ہند کے قریب قریب ہر بڑے شہر میں، پشاور سے مدراس و بنگلور، کراچی سے کلکتہ تک، بہت سے اردو اخبار جاری ہوئے۔ یہ سب پتھر کے چھاپے پر طبع ہوتے تھے۔ انگریزی اخباروں کے مقابلے میں قلیل الاشاعت رہے، تاہم سیاسی مسائل کا چرچا کرتے رہتے تھے۔ عام رجحان انگریزی حکومت سے مخالفت ہو گیا تھا۔ کہیں کہیں سرکاری سرپرستی کے زور سے کوئی خیرخواہ

---

[1] جماعت کے صدر دفتر (اچھرہ، لاہور) کا بیان ہے کہ تین سال میں خاکساروں کی تعداد تیرہ لاکھ اور ان کے آٹھ ہزار مرکز بن گئے۔ شریکِ جماعت ہونے کی کوئی اجرت یا چندہ نہیں لیا جاتا تھا، مگر اس کے اصول و قواعد کی سختی سے پابندی کرائی جاتی تھی۔ انہی میں ایک شرط خاکی وردی پہننا بھی تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اخبار چلایا جاتا تو وہ تعلیم یافتہ طبقے میں وقعت کھو بیٹھتا تھا۔

آئینی اصلاحات ۱۹۳۵ء :

ترکِ موالات کی گرم تحریک ٹھنڈی پڑ گئی اور ہندو مسلم اتحاد باہمی نفاق و عناد سے بدل گیا، تو حکومت نے اہلِ ہند کو مزید آئینی اختیارات دینے کی کارروائی شروع کی۔ حالات کی تحقیق اور نئی سیاسی تجاویز مرتب کرنے کے لیے ولایت سے ایک جماعتِ مامورین بھیجی گئی جو صدر جماعت کے نام پر "سائمن کمیشن" موسوم ہے۔ مگر ملک بھر کا مزاج ایسا چڑچڑا ہو رہا تھا کہ نہ صرف کانگرس بلکہ مسلم لیگ نے بھی (اجلاس کلکتہ، دسمبر ۱۹۲۷ء) اس پر تبرّیٰ بھیجا۔ ترکِ تعاون کی وجہ یہ بتائی جاتی تھی کہ کمیشن میں ہندوستان کا کوئی شخص مامور نہیں کیا گیا۔ عوام کو ہنگامہ آرائی کا پہلے ہی چسکا لگ چکا تھا۔ کمیشن جہاں گیا، ہڑتالیں ہوئیں۔ کالی جھنڈیوں سے اس کا "لاخیر مقدم" کیا گیا، تاہم ختمِ سال پر "مسلم آل پارٹیز کانفرنس" نے آغا خان کی صدارت میں، اپنے مطالبات اور نئے آئین کی تشکیل کا خاکہ سائمن کمیشن کو بھیج دیا۔ (جنوری ۱۹۲۹ء) ان کی اساس وہی مسٹر جناح کے چہار دہ اُمور تھے۔

سائمن کمیشن کی مخالفت میں اودھم اٹھانے کے باوجود کانگرس والوں کو نظر آیا کہ اُن کا مجوزہ (نہرو رپورٹ ۱۹۲۸ء کا) آئین مقبول نہ ہو سکا۔ تب کمیشن کے توڑ پہ لاہور کانگرس (دسمبر ۱۹۲۹ء) میں "آزادیٔ کامل" کی قرارداد پاس کی گئی۔ آٹھ سال پہلے احمد آباد کی لیگ اور کانگرس کے اجلاسوں میں مولانا حسرت موہانی نے یہی آواز بلند کی تھی۔ اب پنڈت جواہر لال نہرو کی صدارت میں یہ منصوبہ منظور ہوا اور خود ان کے والد کا حکومتِ خود اختیاری کا نقشہ راوی میں ڈبو دیا گیا۔ اس نئے کانگرسی منصوبے کا ردِ عمل سمجھنا چاہیے کہ ختمِ سال پر (دسمبر ۱۹۳۰ء) الٰہ آباد کے اجلاسِ مسلم لیگ میں حکیم امت اقبالؒ نے وہ خطبہ صدارت پڑھا جسے داستانِ پاکستان کی بسم اللہ مانا گیا ہے۔ ہم اس کی صراحت ایک آئندہ فصل میں سُنیں گے، سرِ دست برطانی حکومت کے بنائے ہوئے نئے آئین کی کیفیت کہنی مقصود ہے۔

سائمن کمیشن کی تجاویز مئی ۱۹۳۰ء میں پیش کر دی گئیں اور اصولاً وہی تھیں، جن کی بنیاد پر ۱۹۳۵ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا آئین مرتب ہوا، لیکن پانچ چھ سال گاندھی جی کی مشقِ ستیاگرہ[1]، اور طول طویل تراز خانی دیں گزر گئے انگریزوں نے کوشش کی تھی کہ ہندوستان کے اکابر و عمائد متفقہ طور پہ آئینی تجاویز تیار کریں۔ اس غرض سے تین دفعہ انہیں لندن بلایا اور مجلس مصالحت (راؤنڈ ٹیبل کانفرنس) منعقد کرتے رہے[2] (۱۹۳۰ء، ۱۹۳۱ء، ۱۹۳۲ء) ہندوستان کے مدبروں میں کوئی باہمی تصفیہ نہ ہو سکا۔ مختلف سیاسی فرقوں کے اختلافات بظاہر معمولی تھے، لیکن کہنا پڑتا ہے کہ ان کے دل آپس میں صاف نہ تھے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اُلجھتے رہے اور دنیا کو اپنی فرقہ پرستی اور تنگ دلی کا تماشا دکھانے میں شرم نہ کی۔

برطانیہ میں انہی دنوں لیبر فریق، انتخابات میں غالب آیا اور لبرل فریق سے مل کر پہلی دفعہ وزارت بنائی رکھی۔ لیبر (یا مزدور) جماعت کو اشتراکی فرقہ بھی کہنے لگے تھے۔ یہ لوگ ملوکیت اور سرمایہ داری کے مخالف آزادیٔ ہند کے حامی تھے۔ کانگرس والوں سے ان کے سربراہوں کا بہت خلا ملا رہا تھا۔ انہی کی وزارت نے ایک بار گاندھی جی کو قید سے چھڑایا۔ والسُ روے سے مفاہمت کرا کے لندن کی

---

[1] ان میں نمک کی ستیاگرہ سب سے زیادہ چرچہ کی تھی (مارچ ۱۹۳۰ء) جس میں محصولِ نمک کے قانون کی خلاف ورزی کی جاتی تھی۔ کانگرسی خیال کے مسلمان اور سرحد کے خدائی خدمت گار بھی اس قانون شکنی میں شریک ہوئے اور قید کی سزائیں پائیں۔ کئی جگہ لاٹھیاں اور گولیاں کھائیں۔ ایک اہلِ حدیث مولوی صاحب نے بمبئی میں فتویٰ دیا کہ نمک جیسی عام ضرورت کی چیز پہ محصول لگانے کی حدیث شریف میں مذمت آئی ہے لہٰذا اس ستیاگرہ میں حصہ لینا سنتِ نبوی کا احیا کرنا ہے۔ مگر جب مولوی صاحب خود قید کر کے ناسک جیل بھیجے گئے تو وہاں ستیہ گرہی قیدیوں کی حرکتیں دیکھ کر بہت ناراض ہوئے۔ مسلمانوں کو عام طور پہ یہ نمک مرچ کی لڑائی بے مزہ معلوم ہوتی تھی۔

[2] کانفرنس میں علی برادران بھی گئے تھے۔ مولانا محمد علیؒ کا ولایت ہی میں انتقال ہوا۔ بیت المقدس میں دفن کی جگہ پائی۔ (۱۹۳۱ء)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجلس مصالحت میں بُلوایا۔ یہ مفاہمت "گاندھی ارون میثاق ۱۹۳۱ء" کہلاتی ہے۔ لندن میں گاندھی جی بلکہ ان کی بکری تک کی آؤ بھگت ہوئی، مگر سیاسی مسئلہ حل نہ ہوا۔ گاندھی جی ناکام واپس آ گئے اور قید خانے میں اچھوت فرقوں کے جداگانہ حقِ انتخاب کے خلاف "مرن برت" رکھا (۱۹۳۲ء) نئی آئینی اصلاحات میں ان پس ماندہ پسے ہوئے فرقوں کو اپنے چند نمایندے خود منتخب کرنے کی تجویز تھی۔ گاندھی جی کہتے تھے کہ یہ لوگ ہندو جاتی کا جُز ہیں، انہیں جداگانہ انتخاب کا حق دیا گیا تو میں جان دے دوں گا! آخر اُن کے سرگرہوں کو نیم مخلوط انتخاب ماننا پڑا جس میں اونچ جات والوں کی رائے کے بغیر کوئی اچھوت نمائندہ منتخب نہیں ہو سکتا تھا۔

ہندو اور سکھ اکابر نے برطانی وزیرِ اعظم ریم زی میک ڈونلڈ سے محاکمہ کرایا تھا۔ برطانی پارلیمنٹ ہی نے ممالکِ ہند کا نیا دستور مرتب کیا جس کی نوعیت وفاقی تھی، یعنی الگ الگ گیارہ صوبوں کو اکثر اندرونی معاملات میں آزادی دی گئی تھی، مگر مرکزی تنظیم میں ان کا شریک ہونا لازم تھا۔ بخلاف اس کے دیسی ریاستوں کو اختیار تھا کہ "کل ہند وفاق" میں شریک ہوں یا نہ ہوں اور چاہیں تو براہِ راست تاجِ برطانیہ سے منسلک رہیں۔ مختلف شرائط اور ایچ پیچ سے قطع نظر، رئیسِ وفاق، (برطانی گورنر جنرل) کو اتنے اختیارات دیے گئے تھے کہ ملکی نمائندوں کا حکومت میں دخل واجبی سا رہ جاتا تھا۔ انگریزی چیرہ دستی کو تقویت دینے کے لیے ایک بڑی تعداد میں ریاستی ارکان کو بلانے کی تجویز تھی[1] جنہیں انتخاب کرانے کی بجائے والیٔ ریاست خود نامزد کر سکتا تھا۔ ایسی مرکزی تنظیم کی ہندوستان میں سبھی نے مذمت کی اور آئینِ جدید کا یہ جُز کبھی عمل میں نہیں آ سکا، البتہ دوسرا (صوبائی) حصہ ۱۹۳۶ء میں نفاذ پذیر ہوا۔ گیارہ صوبوں میں بادشاہ کی طرف سے گورنر مقرر کیے گئے۔ ان کے خصوصی اختیارات

---

[1] مجلس وفاق میں برطانی ہند سے کل ۲۵۰، اور ایوانِ اعلیٰ (کونسل آف اسٹیٹ) میں ۱۵۰ ارکان تھے۔ اس کے مقابلے میں دیسی ریاستوں کے ۱۲۵، اور کونسل کے لیے ۱۰۴ تجویز کیے گئے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یں اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کرنا، اس لیے یاد گار رہے کہ کم تعداد فرقوں کی نالہ و فریاد کے باوجود انگریز گورنروں نے اسی اختیار سے کام نہیں لیا۔ شاید ان کی نیت یہ تھی کہ مختلف گروہوں کو آپس میں لڑا کے، یا اکثریت کو خوش کر کے اپنی حکومت کی عمر بڑھا لیں گے۔ قضائے الٰہی سے فیصلہ برعکس صادر ہوا۔

صوبائی مجلسوں کے لیے رائے دہی کا حق وسیع تر کر دیا گیا۔ دفاع، امورِ خارجہ، مواصلات، دیسی ریاسات، محاصل درآمد برآمد، سکۂ رائجہ اور مخصوص مرکزی امور کو چھوڑ کر باقی انتظامات صوبوں کی منتخب مجالس کے سپرد ہوئے۔ انہیں اپنے وزیر چننے اور برطانی طرز پر صوبائی حکومت چلانے کا اختیار دے دیا گیا۔ ان مجلسوں میں ارکان کی مجموعی تعداد اور مسلمانوں کے تناسب کا نقشہ یہ ہے:

صوبہ	کُل تعداد	مسلمان ذکور	اُناث
۱۔ مدراس	۲۱۵	۲۸	۱
۲۔ بمبئی	۱۷۵	۲۹	۱
۳۔ بنگالہ	۲۵۰	۱۱۷	۲
۴۔ صوبہ متحدہ	۲۲۸	۶۴	۲
۵۔ پنجاب	۱۷۵	۸۴	۲
۶۔ بہار	۱۵۲	۳۹	۱
۷۔ سی پی	۱۱۲	۱۴	×
۸۔ آسام	۱۰۸	۳۴	×
۹۔ صوبہ سرحدی	۵۰	۳۶	×
۱۰۔ اڑیسہ	۶۰	۴	×
۱۱۔ سندھ	۶۰	۳۳	×

چند صوبوں میں بالائی ایوان رکھا گیا تھا، اُن میں مسلمانوں کا تناسب قریب یہی تھا،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مگر بنگالے میں نمایاں طور پر کم (یعنی ۶۵ میں ۱۷) قرار دیا تھا۔

صوبوں میں کانگرسی راج :

جدید آئین کے باضابطہ اعلان پر کانگرس والوں نے اوّل اوّل ایسا شور مچایا گویا انگریز نئے حقوق دینے کی بجائے کوئی چیز اُن سے چھین کرلے جارہے ہیں۔ غیظ و غضب کے ابخرہ بتدریج فضا میں غائب ہوئے۔ مرکزی وفاق کا قیام دیسی ریاستوں کی شرکت پر منحصر تھا۔ اس تجویز کی سب سے بڑھ کر وکالت ریاست حیدر آباد کے صدر وکیل (سر اکبر حیدری) نے کی تھی۔ دوسرے رُوسا بہت بھنّائے، اکثر مسلمان اہل الرائے نے لعن طعن کے تیر چلائے تھے۔ اب اسی سب سے بڑی ریاست کا والی، شرکتِ وفاق سے منحرف ہوگیا۔ وائس رائے (لن لتھگو، ۱۹۳۶ء تا ۱۹۴۳ء) خود حیدر آباد آیا اور مشہور ہے کہ اعلیٰ حضرت نظام کو ترغیب دینے میں کمی نہیں کی، مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا۔[۱]

کرزن کے بعد سے جس طرح سیاسیات کی ہوا بدلی اور تیس چالیس برس میں انگریز سرکار کی جیسی وقعت گھٹی، مذکورۂ بالا واقعہ اُس کی ایک نظیر ہے۔ بڑی حد تک نواب نظام کے اسی انکار نے مرکزی وفاق کو التوا کے چکر میں ڈال دیا۔ لیگ اور کانگرس والے پہلے ہی خلاف تھے۔ لہٰذا جدید آئین کے صرف اسی حصے پر عمل ہو سکا، جس کا تعلق صوبوں کی اندرونی خود مختاری سے تھا۔ کانگرس نے فیصلہ کیا کہ نئے آئین کو برباد کرنے کی غرض سے انتخاب میں حصہ لیا جائے۔ مسلم لیگ سے ظاہری تعلقات خاصے دوستانہ ہو گئے تھے مگر جب ہندو اکثریت کے صوبوں میں کانگرس جیت گئی (فروری ۱۹۳۷ء)، تو دلوں کا فرق

---

[۱] سر اکبر حیدری کے حیدر آبادی حریفوں کی دراندازی کے علاوہ، میں نے معتبر ذرائع سے سنا کہ اس موقع پر قائدِ اعظم جناح نے اعلیٰ حضرت نظام کو مفصل خط لکھا اور وفاق میں شرکت سے باز رہنے کا مشورہ دیا تھا۔ بعض بااثر انگریز بھی وفاق بنائے جانے کے خلاف تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آشکار ہوا اور لیگ کے جداگانہ وجود ہی سے مکر گئی۔[1] گورنروں کے اختیاراتِ خصوصی میں "اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت" کا شاخسانہ لگا ہوا تھا، چار پانچ مہینے کی مبہم زبانی بماری اور اندرونی ساز باز کی سُرنگوں سے یہ مورچہ سر ہو گیا۔ انگریز گورنر دب گئے، کانگرس والوں نے چھ صوبوں میں اپنی وزارتیں بنا لیں (جولائی ۱۹۳۷ء) پھر صوبہ سرحد اُن کی جھولی میں گرا۔ سندھ اور آسام بھی ایک حد تک زیرِ اثر آ گئے۔

ہندوستان میں طالبانِ آزادی نئے آئین سے نا مطمئن تھے۔ تحریر و تقریر میں اُس کی مذمت کرتے تھے، لیکن انصاف سے دیکھا جائے تو برِ عظیم اور یہاں کے محکوم باشندوں کی تاریخ میں وہ ایک اہم اقدام تھا۔ ہندوستان کے صوبے رقبے اور آبادی میں یورپ کے آزاد ممالک سے کم نہیں۔ ان کی اندرونی حکومت کا اصولاً عوام کے ہاتھ میں آ جانا بڑی خود اعتمادی اور نازش کا موجب ہوا خصوصاً ہندو قوم کی ذہنیت پر اس تغیر کا گہرا اثر پڑا۔ اکثر وہی کانگرسی جنہوں نے ترکِ موالات، قانون شکنی اور سیاسی جدوجہد کے سلسلے میں قید و بند کی مصیبتیں بھگتی اور ڈنڈے کھائے تھے، وزارت کی گدیوں پر براجمان ہوئے۔

ہندوؤں نے کوئی سو برس تک انگریزوں کی خدمت عظمت کی۔ فرنگی حاکموں کی عنایت اور اپنی محنت سے نئے علم و فن سیکھے، انہی کی بخشی ہوئی طاقت، بلکہ انہی کی ساختہ پرداختہ "ہندو قومیت" کے بل پر حکومت سے لڑ جھگڑ کر اقتدار حاصل کیا تھا۔ اس کامیابی پر ان کا فخر کرنا، نشۂ حکومت میں سرشار ہونا، تعجب کی بات نہ تھی۔

کم تعداد مسلمانوں کا تاثر بالکل دوسرا تھا۔ جمہوری طرزِ حکومت کے خطرات مدت سے زمانہ شناسوں کو کھٹکتے تھے، مگر تدارک سمجھ میں نہ آیا تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز تک عام اندازہ یہی

---

[1] یہ مشہور و مسلّم واقعہ ہے۔ روشن مستقبل کے کانگرس پسند مصنف نے بھی اس بنا پر کانگرس کی مذمت کی ہے (ص ۴۵۵) مسلمانوں کو عموماً کانگرس کا یہ طرزِ عمل سخت ناگوار گزرا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا کہ انگریزیہ کی بادشاہی ترک و مغل سلاطین کے خاندانوں سے زیادہ چلے گی، وہ مختلف اقوامِ ہند میں توازن و اعتدال رکھے گا۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد ہندو مسلمان مل کر انگریزوں سے بھڑ گئے۔ نفرت کے ہیجان میں ہندوؤں نے فرنگی اولیائے نعمت کے احسان بھلا دیئے، مسلمانوں کو سابقہ حکمتِ عملی اور آیندہ خطرات فراموش ہوئے۔ متحدہ معرکہ آرائی کا خالص عقلی نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت جو اقلیت کا سہارا تھی، کمزور ہو گئی اور اسے ہندو اکثریت سے دب جانا پڑا۔ ادھر مسلمان جس ترکی خلافت کے لیے لڑتے تھے، اُسے خود ترکی نے بارِ دوش سمجھ کر پھینک دیا۔

ہندو ذہنیت میں جو فرق واقع ہوا، مہاتما گاندھی کی بدلی ہوئی روش، اس کا نمایاں نمونہ تھی :

(۱) اوّل اوّل وہ ہندو مسلم اتحاد کے زبردست مبلغ تھے۔ ہندوستان کی بھلائی کی شرطِ اوّل اسی اتحاد کو ثابت کرتے تھے۔ اب یہ عقیدہ خاصا شروط، مشکوک سا ہو گیا۔[1] ساری توجہ "ہندو جاتی" کے استحکام پر مرکوز ہوئی۔ اتحاد کے لیے ایسے مسلمان تلاش کیے جانے لگے جن کی رائے آزاد نہ تھی، مسلمانوں میں قبولیت سے محروم ہو چکے تھے۔ مسلمانوں کے دلی محسوسات سے استغنا کی ایک شاندار آن کے مناقشے کی اگلی فصل میں ہم مطالعہ کریں گے۔

(۲) مذہب وانسان کی بنیادی صداقت ہے۔ گاندھی جی بھی اس پہ بہت زور دیتے تھے، مگر نئے انتخابات کے بعد مدراس کے ایک کانگرسی رکن نے دریافت کیا کہ ہم حکومتِ برطانیہ سے وفاداری اور آئین کی پابندی کا حلف اٹھاتے ہیں۔ کانگرس کا مسلک حکومت و آئین کی تخریب ہے، ان دونوں کو کس طرح جمع کیا جائے؟ گاندھی جی نے سوال اور اپنا جواب اخباروں میں چھپوایا کہ وہ حلف محض رسمی ہوتا ہے، اس پر عمل کرنا ضروری نہیں !

(۳) گاندھی مدت تا جزوِ اعظم اہنسا کا عقیدہ تھا۔ جب کانگرسی وزارتیں قائم ہوئیں اور بعض عوامی

---

[1] گاندھی جی کی اس روش بدلنے پر پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی دبی زبان سے نکتہ چینی کی ہے۔ ملاحظہ ہو ان کی خود نوشت سوانح "میری کہانی" ص ۲۳۶۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحریکوں نے سر اٹھایا تو انہیں اسی تشدد کے ساتھ نہ صرف برطانی ملوکیت کے قوانین بلکہ آتشیں اسلحے سے کچلا گیا جیسے انگریزوں کے عہد میں دبایا جاتا تھا۔[1] مہاتما جی نے اس تشدد اور انسدادی خونریزی کو جائز کر دیا۔

ستیاگرہ کی طغیانیوں میں سوراج، رام راج کے نعرے ہندو عوام کی زبانوں پر چڑھ گئے تھے۔ دلوں میں انگریزوں سے نفرت کے ساتھ اپنی حکومت قائم کرنے کا ولولہ پیدا ہو گیا تھا۔ اسی جوش و خروش سے آریہ سماج، مہاسبھا، سنگھٹن، شدھی اور آگے چل کر راشٹریہ سیوک سنگھ والوں نے فائدہ اٹھایا۔ ہندوؤں کو مسلمان ہم وطنوں کا دشمن بنا دیا۔ جب صوبوں کا انتظام کانگرسی وزیروں کے ہاتھ میں آیا تو عناد و فساد کے یہ شعلے زیادہ بھڑک اٹھے۔ اکثر متعصب حکام نے بھڑکانے میں حصہ لیا۔ ایک ہی سال میں دوآب خاص کے دونوں صوبوں کے شہر و قصبات میں کثرت سے بلوے ہوئے۔ مسلمانوں کی مساجد اور مقابر کی جگہ جگہ بے حرمتی کی گئی۔ عید، بقرعید، محرم کے تہواروں کو خصوصاً گاؤکشی کو جبراً روکا گیا۔ ان کی زمینداری، تجارت، صنعت و حرفت حتیٰ کہ مزدوری میں بھی مذہبی تعصبات کی دراندازی ہونے لگی۔ ایک ہی بستی اور محلے کے رہنے والوں کے دل ایک دوسرے سے دور ہوتے چلے گئے۔

مسلمانوں کی طرف سے ایک ذمہ دار جماعت نے گشت لگایا۔ صوبہ متحدہ میں کانگریسی وزارت کے پہلے دور کے فسادات اور مسلم آزاری کی شکایات کی تحقیقات کی۔ ان کی مفصل کیفیت راجا پیرپور کمیٹی کی روداد ۱۹۳۸ء میں چھاپی گئی ہے۔ سال آئندہ ایک اور انگریزی رسالہ آنریبل فضل الحق وزیر اعظم بنگال کے قلم سے شائع ہوا۔ "مسلم سفرنگز انڈر کانگرس رول" ۱۹۳۹ء) اس میں ہندو اکثریت کے صوبوں

---

[1] صوبہ متحدہ اور بہار میں کسانوں کے مظاہرے پولس کی تعدی سے دبائے گئے۔ سب سے سخت تشدد شولاپور کے مل مزدوروں پر ہوا کہ باثر کارخانہ داروں کی خاطر پولس نے گولیاں چلائیں کئی مزدور مارے گئے بہت سے زخمی اور گرفتار ہوئے۔ (۱۹۳۸ء)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں انہی دو سال کے مظالم بیان کیے گئے ہیں۔[1]

سی۔پی کے واقعات:

صوبہ متوسط آبادی کے لحاظ سے چھوٹا صوبہ ہے مسلمان آبادی کا تناسب اور بھی کمتر تھا، لیکن یہاں مسلمانوں سے کانگرس کی پہلی وزارت میں غالباً سب جگہ سے بدتر سلوک ہوا۔ تشدد میں مزید ناگواری کی ایک وجہ یہ تھی کہ خود مہاتما گاندھی گجرات چھوڑ کر، اسی صوبے میں آرہے تھے۔ وردھا کا آشرم ان کی ذاتی نگرانی میں تھا۔ قریب کے ایک گاؤں (سیواگرام) میں خاص ان کے قیام کا الگ انتظام کیا گیا تھا۔ دونوں جگہ عقیدتمند دولت مندوں نے راحت و ضرورت کے سامان مہیا کر دیے تھے۔[2] صوبائی وزارت میں ان کے دخل کا ثبوت یہ ہے کہ بڑے وزیر (ڈاکٹر کھرے) سے ناراض ہو کر اُسے برطرف کر دیا۔

صوبے میں خالص ہندو تہذیب و حکومت کی احیا کے پُرجوش داعی پہلے سے مسلمانوں کو عداوت کا ہدف بنا رہے تھے۔ کانگرسی وزارت کے دور میں سرکاری مدارس نے کہیں گشتی، کہیں خود مہاتما کی پوجا کا طریقہ رائج کیا۔ بندے ماترم کا گیت گانے اور کانگرسی جھنڈے کی سلامی پر مسلمان طلبہ مجبور

---

[1] انہی ایام میں سکھر اور ربتوں میں ہندو مسلم فساد ہوئے۔ کانگرس نے سندھ کی اللہ بخش وزارت پر دباؤ ڈالا اور سرحد کے ڈاکٹر خاں کی وزارت کو حکم دیا کہ ہندوؤں کی شکایات کی تحقیق صوبہ غیر کے ہندو نمایندوں سے کرائی جائے۔ ہندو اکثریت کے صوبوں میں ایسی کسی تحقیق و تفتیش کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

[2] مہاتما جی کی خوراک سادہ اور کم پوشاک اور کم تر تھی، لیکن ان کے دودھ کی بکریوں پر بھی مویشی ڈاکٹر مقرر تھے۔ دورِ جدید کی ایجادات خصوصاً مشینوں سے وہ سخت نفرت کا سبق دیتے تھے، مگر چھاپہ خانہ، ریل، موٹر، تار، ٹیلی فون وغیرہ تمام ضرورت کی چیزوں سے کام لینا جائز رکھتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیے جانے لگے۔ چند مہینے کے اندر کٹنی، جبل پور وغیرہ میں کئی فرقہ واری فساد ہوئے مسلمانوں کو جان ومال کا بہت نقصان اٹھانا پڑا حکومت نے عموماً انہی کو قصور وار ٹھہرایا اور سخت سزائیں دیں

اس بے تابو تعصب کی عجیب مثال لبسوا چاندور کا فساد اور ہندو عوام وخواص کا وہ طرزِ عمل تھا جسے وہاں کی عدالتِ عالیہ کی تحقیقات اور غیر مسلم ججوں کے فیصلے نے کم سے کم ہندوستان کی تاریخ میں یادگار بنا دیا ہے۔ لبسوا چاندور، ضلع کھام گاؤں (برار) کا ایک موضع ہے۔ آبادی تقریباً تین ہزار اور چوتھائی کے قریب مسلمان رہتے تھے۔ ایک آشفتہ سر رنگ دیو پٹیل ان کی دشمنی اور فتنہ انگیزی میں مشہور تھا۔ کانگرسی راج میں جس طرح مسٹر مسرا کا نام ملزموں کے رجسٹر سے کاٹ کر وزیری کی فہرست میں چڑھایا گیا، اسی طرح یہ مجرم پیشہ کانگرس کی شاخ ملکاپور کا صدر کر دیا گیا تھا۔

جب مذہبی چھیڑ چھاڑ اور اشتعال انگیز حرکتوں کو مسلمان صبر سے سہ گئے[1] تو مارچ ۱۹۳۹ء میں اس کے بدمعاشوں کی ٹولی نے ان کی مسجد میں حملہ کیا۔ بہت سے مسلمان زخمی ہوئے۔ اسی بلوے میں پٹیل زخم کھا کے مر گیا۔ پولس موقع پر پہنچ گئی تھی، لیکن پورے علاقے سے خدا جانے کتنے تار دوڑے کہ خود وزیر اعظم تک لبسوا کو دوڑ پڑا۔ خاص پولس تفتیش کے لیے مقرر کی اور اسمبلی میں اپنا فیصلہ سنا دیا کہ پٹیل (مسلمانوں کی) سازش کا شکار ہوا ہے۔ اس کی خاطر خواہ سراغ رسانی کی جائے گی، لائق عبرت سزا دی جائے گی۔

خاص پولس نے وہاں سب مسلمان مردوں بلکہ لڑکوں تک کو پکڑ لیا (۸ اپریل ۱۹۳۹ء) دن بھر دھوپ میں بھوکا پیاسا کھڑا رکھا۔ ان علاقوں میں اپریل کی دھوپ صحرا کی تمازت سے کچھ کم گرم نہیں ہوتی۔ رات کو جملہ ایک سو پچاس قیدی ۲۰ × ۳۰ فیٹ کے کمرے میں بند کر دیے گئے۔ گویا "بلیک ہول" کے افسانے

---

[1] جگ دیو پٹیل نے من جملہ اور ہجویات کے مرہٹی میں ایک "قرآن کی غزل" لکھ کر چھپوائی تھی جس میں کتاب اللہ اور اسلامی عقائد کا بازاری لہجے میں مضحکہ کیا تھا۔ یہ غزل لونڈے گا گا کر گاتے اور مسلمانوں کو چڑاتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو امر واقعہ بنا کر دکھا دیا۔ ان شدائد سے ایک دو کم زور قیدی جان سے گزر گئے۔ مہینہ بھر کی حوالات کے بعد ایک سو چودہ چھوڑ دیے گئے، تینتالیس[۴۳] پر سازش اور قتلِ عمد کا مقدمہ چلا۔ سشن جج نے ۶ کو پھانسی ۲۴ کو حبسِ دوام کی سزا سُنا دی۔

ناگ پور کے بعض دردمند مسلمانوں کی امداد اور تگ ودو سے عدالتِ عالیہ میں مرافعہ ہوا۔ چیف جسٹس (سرگل برٹ اِسٹون) اور دو ججوں نے مقدمے کی سماعت کی۔ تحقیقات سے سارا مقدمہ جھوٹا، سب مُلزم بے گناہ ثابت ہوئے۔ اور ایک سال سے زیادہ طرح طرح کے عذابِ قید بھگتنے کے بعد ۲ مئی ۱۹۴۰ء کو عدالتِ عالیہ کے حکم سے رہا کیے گئے۔ انگریز چیف جسٹس کے قلم کا فیصلہ قانونی نظائر سے بڑھ کر انسانی اخلاق کی تاریخوں میں ثبت کرنے کے لائق ہے۔ آغاز ہی میں وہ لکھتا ہے کہ:

> "یہ فی الواقع ایک اندوہ ناک مقدمہ اس لیے ہو جاتا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں اس میں ۴۳ آدمی الزامِ قتل میں ماخوذ ہیں، اور گواہ پر گواہ جھوٹی اور سکھائی پڑھائی گواہیاں دینے کے لیے چلے آرہے ہیں۔ ان میں سات گواہ نابالغ یا بچے ہیں جن کو جھوٹی شہادت دینے کے واسطے تیار کیا گیا ہے۔ ایسے مقدمے میں گواہی دینے یا دلوانے کے معنی یہ ہیں کہ گواہ اور اس کو سکھانے والا پوری کوشش کر رہے ہیں کہ دوسرے انسانوں کو پھانسی پر چڑھوا دیا جائے۔ اب انسانی اخلاق کی اس سے بڑھ کر پستی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اپنے مخالف کی جان لینے کی کوشش میں (معصوم) بچوں سے دروغ حلفی کرائی جائے!"

صوبے کے دوسرے واقعات کی تفصیل کے لیے کتاب "سی پی میں کانگرس راج" (مرتبہ حکیم اسرار احمد صاحب، مطبوعہ آفتاب پریس، ناگ پور، ۱۹۴۱ء) کا حوالہ دینا کافی ہوگا۔ یہاں مختصر طور پر ان حالات کو دہرانا اس واسطے ضروری ہوا کہ وہ نفسی اسباب خیال میں رہیں جن کے ٹھوکوں سے اقلیت کے صوبوں کے زخم خوردہ مسلمان تحریکِ پاکستان میں بڑھ چڑھ کر شریک ہوئے۔[۱]

---

[۱] بستواک کے مقدمے میں عدالتِ عالیہ کا فیصلہ چھپا تو ہندوستان کے اکثر (بقیہ حاشیہ آیندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قومی زبان کا مناقشہ :

اہلِ وطن، اور آئینِ فرنگ کے حربوں سے جان بچانے کی مسلمانوں نے جو تدبیریں سوچیں، ان کا بیان آگے آتا ہے۔ ہندو جاتی اور دھرم کے تعصبات نے بے زبان اُردو پر انہی دِنوں یورش کی تھی۔ پہلے اس کا کچھ حال سن لینا چاہیے کہ حملہ آوروں کو اپنے مقصد میں جتنی کامیابی ہوئی اُسی قدر مسلمانوں کو ہندوستان کی متحدہ قومیت سے خوف و بدگمانی بڑھتی گئی۔ بے شبہ یہ مخلوط زبان مسلمانوں کے ممالک پاکستان و ہند میں آنے کے بعد بنی اور انہی نے اسے شمال سے جنوب اور مغرب سے مشرق تک برِعظیم کے اقطاع میں پھیلایا۔ ہر ملک بلکہ ہر ضلعے میں بھانت بھانت کی بولیاں بولی جاتی تھیں، قریب قریب سب جگہ اسے بول چال کا مشترک وسیلہ بنایا۔ تمام اطرافِ ہند میں رواج پا جانے کی وجہ سے ہی فرنگی اُسے "ہندوستانی" موسوم کرتے تھے، مگر مسلمان اسے باہر سے نہیں لائے۔ اُس کی تہ زمین شمال مغربی ملکوں کی ہندی زبان تھی اور وہ مدتوں اُسے ہندی ہی کہتے رہے۔ اُن کی مذہبی زبان عربی ہے۔ عہدِ بادشاہی کی سرکاری درباری علمی ادبی زبان فارسی تھی، ہندو تعلیم یافتہ بھی اسی کو لکھتے پڑھتے تھے۔ انگریزوں کے دور میں فارسی کی بجائے انگریزی اختیار کرلی، لیکن بول چال کی ایک بنی بنائی وطنی زبان سے محض اس لیے نفرت کرنا کہ

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

تعلیم یافتہ مسلمان سناٹے میں آگئے۔ تھوڑے دن بعد آنریبل فضل الحق کا خط بنام گاندھی جی ولایت اور ہندوستان کے اخباروں میں شائع ہوا۔ اس میں دریافت کیا گیا تھا کہ پوری بستی کے مسلمانوں پر ایسا ہولناک ظلم ہوا جس میں اعلیٰ حکام، بلکہ کانگرسی وزیر تک شریک پائے گئے، لیکن کسی کانگرسی رہنما یا اخبار نے مظلوموں کی جھوٹے منہ بھی غمخواری نہیں کی اور مہاتما جی جو بنگالے کے ہندوؤں کی خیالی شکایت سن کر بے قرار ہو گئے تھے، اپنے ہمسایہ مسلمانوں کی نالہ و زاری سن کر اتنے متاثر بھی نہ ہوئے کہ اپنے اخبار ہی میں دو چار آنسو قلم سے ٹپکا دیتے!

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ مسلمانوں کے زمانے میں بنی تھی، معقولیت، افادیت، حبِ وطن کسی اعتبار سے جائز نہیں نظر آتا، البتہ ہم وطن مسلمانوں سے گہری عداوت کا غماز تھا اور اُن کی جداگانہ قومیت کا خواہی نخواہی ڈھنڈورا پیٹتا تھا۔ بعض فتنہ پرور انگریز حکام کی شہ سے مسلمانوں کی ایک نئی ہندی تیار کی گئی تھی، مگر یہ مصنوعی کتابی زبان تھی۔ بہار و یوپی ہی کے خاص خاص حلقوں میں محدود رہی ہندوستان کے دوسرے حصوں میں اسے کوئی نہیں بولتا تھا۔

اب مہاتما گاندھی نے اُردو دشمن لشکر کی قیادت سنبھالی۔ نو ساختہ ہندی کو ممالکِ ہند کی مشترکہ قومی زبان بنانے کا بیڑا اٹھایا۔ اس غرض کے لیے ہندی ساہتیہ سمیلن کے علاوہ بھارتیہ ساہتیہ پرشد کے نام سے ایک نیا کل ہند ادارہ قائم کیا جس کا پہلا اجلاس ناگ پور میں گاندھی جی کی صدارت میں منعقد ہوا (اپریل ۱۹۳۶ء) کانگرسی اکابر کے ماسوا ہندوستان کے چند مشہور ادیب مدعو کیے گئے تھے، چنانچہ ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب بالقابہم شریکِ اجلاس ہوئے۔ جب انہوں نے احتجاج کیا کہ کانگرس مشترکہ زبان "ہندوستانی" قرار دے چکی ہے۔ اب آپ کی یہ "نئی" ہندی (ہندوستانی) اُس قرارداد کے خلاف ہوگی۔ مہاتما جی نے کہا، کانگرس کا وہ رزولیوشن بھی میرا بنایا ہوا ہے اس میں لفظ "ہندوستانی" کا مطلب یہی ہے جو میں اس وقت بتا رہا ہوں! گویا کانگرس کی سابقہ قرارداد میں یہ لفظ عمداً مغالطہ دینے کے لیے استعمال کیا تھا، اب ریا کاری کا غلاف اتار دیا؛ دورانِ بحث میں نئی ہندی کی پرجوش حمایت کے ساتھ گاندھی جی نے اُردو کی نسبت بعض وہ باتیں کہیں جن سے مذہبی تعصب کی بو پھوٹتی تھی۔ مولوی عبدالحق کو نہایت رنج ہوا۔ انہوں نے اجلاس اور مباحثے کی پوری کیفیت اپنے سہ ماہی رسالہ 'اردو' (اپریل ۱۹۳۶ء) میں شائع کر دی جو ان دنوں انجمن ترقیٔ اُردو کے دفتر اورنگ آباد، دکن سے نکلتا تھا پورا مضمون صداقت و اخلاص، شدتِ احساس اور فصاحتِ بیان کے جواہر سے درخشاں ہے۔ بار بار اخبار و رسائل میں نقل ہوا، جلسوں میں پڑھ کر سنایا گیا۔ پھر مولوی صاحب نے جامعہ عثمانیہ حیدر آباد کی پروفیسری چھوڑ دی، دہلی کو مرکز بنایا اور زندگی کی ساری توانائی زبانِ اُردو کی مدافعت اور اسی جدوجہد کے لیے وقف کر دی۔ بر عظیم کے گوشے گوشے میں گشت پر گشت لگائے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کانفرنسیں کیں، وعظ کہے، جلوس نکالے، مظاہرے کرائے، انجمن کی شاخیں پھیلائیں۔ بیسیوں مدرسے دور دست علاقوں میں چلائے جہاں اُردو لکھنے پڑھنے کا پہلے رواج نہ تھا۔ اُن کی مسلسل، مخلصانہ سعی کم سے کم مسلمانوں میں لائقِ فخر مثال بن گئی ہے۔ بہت کچھ اسی کی بدولت اسلامی ہند میں قومی زبان مستحکم اور اس کی ملی اہمیت مسلّم ہوئی۔ جس طرح انہوں نے لسانی تحقیق اور علمی عرق ریزی سے اردو ادب کی عمرِ ماضی صدیوں بڑھائی تھی، عملی جاں فشانی سے اس کے مستقبل میں تازہ جان ڈال دی! (متعنا اللّٰہ بطول بقائہٖ)

جہاں تک ہمیں علم ہے گاندھی جی کا "ہرشد" دوسری ہنگامی مصنوعات کی طرح چند سال سے زیادہ نہیں چلا، بلکہ آخر میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے مذکورہ بالا لسانی مسلک سے ۱۹۴۲ء میں قید سے رہائی کے بعد پلٹ گئے تھے، لیکن وقت کے وقت اُن کے طرزِ عمل نے ہندو مسلمان دونوں پر گہرا اثر ڈالا۔ زبانِ اُردو کا معاملہ ایک سنگین سیاسی مناقشہ بن گیا۔ مہاتما کے یہ خیالات سن کر بہت سے گاندھی پرستوں کا عقیدہ بگڑا۔ قوم پرور مسلمانوں کی ٹکڑیاں کانگرس سے ٹوٹ کر لیگ کی لیکھ پر آنے لگیں۔

ظہورِ اقبالؒ:

برِعظیم کے مسلمان تہذیبِ جدید کے پھندوں میں بُری طرح پھنسے تھے۔ ماضی کی غفلتیں، حال و مستقبل کے لیے مصیبت کا جال بن رہی تھیں۔ انہی میں سب سے گہری غفلت یہ ہوئی تھی کہ صدیوں تک بادشاہی کی، بیسیوں نئے شہر، صدہا قلعے اور قریے تعمیر کیے مگر قومی وطن کہیں نہیں بنایا۔ بیرونی فاتحین کی نسلیں ضعف و زوال کے باوجود اپنا امتیاز بھلانا نہ چاہتی تھیں۔ خود ہندی نسل کے مسلمان اس ملی فخر میں شریک ہو جاتے تھے، بلکہ اکثر ادنیٰ جاتیوں کے افراد اسی کی خاطر اسلام کے دائرے میں داخل ہوئے۔

نئے دور میں جب حکومت کی بنا جمہوری اصول قرار پائے، تو اقتدار کا فیصلہ آبادی کی کمی بیشی پر آٹھیرا۔ مردم شماری سے ظاہر ہوا کہ مسلمان اکثر علاقوں میں جہاں ان کی تہذیب و سلطنت کے بڑے بڑے مرکز تھے، مجموعی تعداد میں کم ہیں۔ جمہوری آئین کی رو سے انہیں غیر مسلم اکثریت کے تابع ہونا پڑے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گا۔ فرقہ داری فسادات اور دشمنی کی علامات میں جتنی بیشی ہوتی گئی، اُسی قدر الیسی ماتحتی انہیں زیادہ تلخ و مخدوش محسوس ہوتی رہی۔ انہوں نے انگریزی حکومت کا سہارا سخت مجبوری سے لیا تھا، ظاہر میں وفاداری دل میں عموماً بیزاری بھری تھی۔ تحریک خلافت میں یہی دبے ہوئے جذبات بروئے کار آ گئے تھے۔ دوسرے اب مصلحت کی وفاداری سے کام نہ چل سکتا تھا۔ خود انگریز حکمرانوں میں استقامت نہیں رہی تھی، اور پر بھروسہ کرنے کا نتیجہ صریحی نقصان اور مایوسی نظر آنے لگا تھا۔

حفظ و بقا کی جو سیاسی تدبیریں ابھی تک سوچی گئیں، ان کا تذکرہ گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے۔ ۱۹۳۰ء میں تازہ نسخۂ شفا حکیم امت سر محمد اقبالؒ نے تجویز کیا جس میں بنائے پاکستان کا پہلا خاکہ قوم کے سامنے لایا گیا۔

ملتِ اسلامی کی یہ عظیم شخصیت شاعر کے لباس میں جلوہ گر ہوئی تھی (ولادت سیالکوٹ ۱۸۷۶ء [۱]) لہٰذا انہیں حالی مرحوم کا جانشین کہا گیا ہے۔ حالی کی دلگداز شاعری نے سوئی ہوئی قوم کو اپنے نالہ و فریاد سے بیدار کیا۔ وہ مسلمانوں کے ماضی وحال کا مرثیہ تھی، لیکن اصلاح و فلاح کا راستہ وہی بتاتی ہے جس کے رہنما سر سید مرحوم تھے۔ اقبالؒ، تہذیبِ جدید کے مالۂ وما علیہ سے زیادہ وسیع اور گہری واقفیت کے علاوہ، ایک مستقل فکر و فلسفہ رکھتے ہیں۔ اس اعتبار سے صحیح معنی میں دورِ نو کا مسلمان صاحب پیام شاعر انہی کو تسلیم کرنا چاہیے۔ حق یہ ہے کہ ان کی شاعری رفتہ رفتہ ملت کی تعلیم و ہدایت کا محض ایک دلپسند وجوش انگیز پیرایہ رہ گئی تھی اور انہیں شاعر کہلانا گراں گزرنے لگا تھا۔[۲] عمر کے ساتھ کلام کی پختگی اور

---

[۱] حکومتِ پاکستان نے سرکاری طور پر ۱۸۷۷ء کو اقبالؒ کا سالِ ولادت تسلیم کیا ہے۔ (ادارہ)

[۲] مشاعروں میں شرکت بہت مدت سے چھوڑ دی تھی۔ ۱۹۲۹ء میں حیدر آباد (دکن) آئے اور مہاراجہ کشن پرشاد نے اُن کے اعزاز میں مشاعرہ کیا تو بھی انہوں نے کوئی طرحی غزل نہیں لکھی۔ بہ ہم اصرار پر فارسی کا ایک قطعہ پڑھ کر سنا دیا۔ آخری مجموعے ("ارمغانِ حجاز") میں جو وفات کے بعد شائع

(بقیہ حاشیہ آیندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاثیر بڑھتی رہی۔ زندگی ہی میں ممالکِ ہند کی بستیاں اقبالؒ کے جاں آفریں نغموں سے وجد کرنے لگیں۔ نوجوان مسلمانوں کے دل و دماغ میں بلند تر مقاصد کا تلاطم اٹھا، اسلام کے احیا کی آرزوئیں کوندنے لگیں۔ پنجاب میں سچے عقیدت مندوں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا کہ اہلِ مسجد و خانقاہ سے زیادہ دینِ مبین کا شیدائی اور امتِ مرحومہ کی نشاۃِ ثانیہ اور ترفّع کے شوق میں بے تاب تھا۔

اس مفکرِ اعظم کی رحلت (۱۹۳۸ء م ۱۳۵۷ھ) کو چند ہی سال گزرے ہیں۔ سوانح حیات، کلام اور پیام کی شرح میں صدہا مضامین اور مقالات شائع ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ ہمیں اپنی مختصر تاریخ میں اُن کے صرف چیدہ سیاسی افکار و ہدایات کو یاد دلانا مقصود ہے:

لاہور کے اجلاسِ کانگرس میں لبِ راوی اہلِ ہند کی "آزادیٔ کامل" کا آوازہ بلند ہوا تھا (دسمبر ۱۹۲۹ء) مسلم لیگ کی طرف سے اگلے سال گنگا جمنا کے کنارے الٰہ آباد میں سر محمد اقبالؒ نے گویا اس کا جواب موزوں کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر مسلمانوں کو بھی اپنی تہذیب و روایات کے مطابق ترقی کرنے کی آزادی دی جائے تو وہ ممالکِ ہند کی آزادی کی خاطر ہر قسم کی قربانی ادا کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ ایسی صورت میں کہ ہندوستان کے ہندوؤں میں ہی پوری طرح یک رنگی نہیں پائی جاتی، یہاں کے دوسرے فرقوں کی (جداگانہ) ہستی تسلیم کیے بغیر فرنگی جمہوریت کا نفاذ درست نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کا ایک "اسلامی ہند" کی تشکیل کا مطالبہ قطعی جائز و صحیح ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ و بلوچستان کو ملا کر واحد مستقل مملکت قائم کی جائے۔ وہ سلطنتِ برطانیہ کے اندر رہ کر یا علیحدہ ہو کر (بہر حال) خود مختار ہونی چاہیے۔ اسی متحدہ مملکت کی تعمیر مسلمانوں کا اہم مقصد ہونا چاہیے..... میں شبہ کرنے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

ہوا۔ ایک جگہ فریاد کرتے ہیں: ؎

بہ آں رازے کہ گفتم پے نہ بُردند ز شاخِ نخلِ من خُرما نہ خوردند

من اے میرِ اُممؑ داد از تو خواہم مرا یاراں غزل خوانے شمردند!

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والوں کو واضح طور پر بتا دینا چاہتا ہوں کہ مسلمان صرف آزادانہ ترقی کرنا چاہتے ہیں جو (کُل ہند) وحدانی طرزِ حکومت کے ماتحت تقریباً غیر ممکن ہے اور قوم پرست ہندو سیاست دان اسی طرزِ حکومت کے شیدا ہیں تاکہ سارے ہندوستان پر ان کا مستقل غلبہ جمارہے۔" (ترجمہ خطبۂ صدارت، مسلم لیگ دسمبر ۱۹۳۰ء)

لیگ کو یہ تجویز اختیار کرنے میں دس برس لگے، لیکن وہ ہندوستان کے حالات اور مغربی آئینِ جمہوریت سے مطابقت رکھتی تھی۔ سر محمد اقبال "گول میز کانفرنس" میں شرکت کے لیے لندن گئے تو اس کی اپنے طور پر تشریح و تبلیغ کرتے رہے۔ مجوزہ نئی مملکت کا نام شمال مغربی صوبوں کے حرفِ اوّل کو ملا کر "پاکستان" بھی غالباً ولایت[1] میں وضع ہوا۔

ہندو حریف غضب ناک ہوتے تھے کہ یہ لفظ باقی ہندوستان کے ناپاک ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ ایک مدت بعد قائدِ اعظم کو اس ظنِ فاسد کی تردید کرنی پڑی۔ مگر ممکن ہے نام رکھنے والے شعوری یا لاشعوری طور پر ہندو اصطلاح "ملیچھ" کا جواب دے رہے ہوں؛

لندن میں مسلم طلبہ کی ایک نئی انجمن "پاکستان نیشنل موومنٹ" تیار کی گئی (۱۹۳۳ء) جس کی روحِ رواں چودھری رحمت علی تھے۔ وہ حتی المقدور چھوٹے چھوٹے رسائل، نیز اخباری مضامین کے ذریعے نئے تخیل کی نشر و اشاعت کیے جاتے تھے۔ خالدہ خانم ادیب نے اپنا ہندوستان کا سفرنامہ لکھا تو آخری ابواب میں رحمت علی صاحب سے ملاقات اور نظریۂ پاکستان پر اُن کے خیالات خاصی تفصیل سے کتاب میں شامل کیے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ باریک بین، نکتہ رس خاتون یہاں کے حالات دیکھ کر، سیاسی خصوصاً کانگریسی اکابر سے گفتگو کر کے، اسی نتیجے پر پہنچی تھی کہ واقعات کے بہاؤ کا رُخ برِّ عظیم کی تقسیم کی طرف پڑ گیا ہے۔

کبھی کبھی ہندو اور انگریزی اخباروں میں بھی یہ بحث چھڑ جاتی تھی، اگرچہ عام طور پر مسلمانوں کا ایسا مطالبہ ناقابلِ عمل، نالائقِ قبول بتایا جاتا تھا، پھر بھی سیاسی اہلِ فکر اُلجھن میں ضرور پڑ گئے تھے۔ خود

---

[1] یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ یہ نام چودھری رحمت علی نے تجویز کیا تھا۔ (ادارہ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سر محمد اقبالؒ آخر تک اپنے خیال پر جمے رہے۔ انتقال سے ایک دو سال پہلے انہوں نے قائداعظمؒ کو جو خطوط لکھے ان میں ہندو مسلم سوال کا حل اور ہندی مسلمانوں کے درد کی اصلی دوا یہی بتائی ہے۔ اُن کے یہ خطوط کتابی مجموعے اور مختلف رسائل میں بارہا شائع ہو چکے ہیں۔

قائداعظم جناحؒ[1]:

آئینِ ۱۹۳۵ء کے نفاذ کے وقت سے مسلم لیگ بلکہ ہندوستان کے اکثر مسلم سیاست دان مسٹر محمد علی جناح کے ظلِ قیادت میں آ گئے۔ لیگ کی نئی تنظیم اور حصولِ پاکستان کی جدوجہد کا انہی کی سپہ سالاری میں آغاز ہوا۔ وہ خالص ہندی نسل اور اسمٰعیلی مذہب کے خوجہ خاندان سے تھے۔ شہر کراچی مولد و موطن اور آخر میں ان کی نو مولود مملکت کا دار الحکومت بنا۔ تاریخِ ولادت ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء تھی۔ فرنگی نصاریٰ ۲۵ دسمبر کو میلادِ مسیحؑ کا مبارک دن قرار دیتے ہیں۔

ابتدائی مکتب میں قرآن مجید اور اُردو کی بھی تعلیم پانا مذکور ہے۔[2] کراچی کے مشن ہائی اسکول میں ثانوی درجے کی تکمیل کے بعد سولہ سترہ برس کی عمر میں ولایت بھیجے گئے اور ۱۸۹۶ء میں قانون کی سند لے کر واپس آئے۔ لندن میں سیاسیات کا پہلا چسکا دادا بھائی نوروجی کی صحبت میں پایا۔ جن کی سیاسی لیاقت و ذہانت مشہور رہی ہے۔ کئی سال بعد نوروجی ہندوستان میں نیشنل کانگرس کے صدر منتخب ہوئے تو نوجوان جناح اُن کے دبیر (یعنی سکرٹری) بن کر سیاسی کاموں میں مددگار رہے۔ آہستہ آہستہ بمبئی میں ان کی وکالت کو فروغ ہوا۔ طلاقتِ لسانی اور قانون دانی میں اکثر ساتھیوں سے بازی لے گئے۔ وطن اور آزادی کی سچی محبت کا جوہر سیاسی میدانوں میں چمکا۔ "منٹو مورلے اصلاحات" نے پہلی مرتبہ وائسرے کی کونسل میں منتخب نمائندوں کی جگہ رکھی تھی۔ بمبئی کے مسلم حلقے سے جناح صاحب اس

---

[1] یہ لفظ گجراتی جنا یا جینا کی تعریب ہے۔ ہماری ہندی یا اُردو میں جھنا کے معنی باریک جھر جھرا آتے ہیں۔ گجراتی میں دُبلا، نازک اندام بتائے جاتے ہیں۔

[2] حیات محمد علی جناحؒ، بقلم رئیس احمد صاحب جعفری، طبع کراچی ص ۲۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کام کے لیے چُنے گئے (۱۹۰۹ء) اور اس وقت سے برابر ہندوستان کی مرکزی مجلس وضع قوانین بمبئی کے مسلمان انہیں اپنا وکیل منتخب کرتے رہے۔

پچھلے صفحات میں اُن کی سیاسی سرگرمیاں، لیگ و کانگرس کو متحد کر کے آزادی حاصل کرنے کی کوششیں، اپنے اپنے موقع پر مذکور ہیں۔ گاندھی جی اور خلافت کی ہیجانی تحریک میں انہوں نے عملی حصہ نہیں لیا۔ قانون شکنی، اُن کے معتدل، ضابطہ پسند مزاج کے خلاف تھی۔ عوامی شورش کے بے قابو ہو جانے سے نقصان کا اندیشہ کرتے تھے۔ مسلمانوں میں عام انتشار و بے بسی کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ ملکی سیاسیات میں مہاتما جی کی کارفرمائی، اور مسندِ حکومت پر حریفِ قدیم ولنگڈن (۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۶ء) کی آمد آمد سُن کر بھی ممکن ہے ولایت چلے جانا بہتر معلوم ہوا ہو۔ اواخر ۱۹۳۰ء میں وہ ہندوستان سے گئے، اور ۱۹۳۴ء تک وہیں رہ کر یہاں کے سیاسی مسائل و مباحث میں حصہ لیتے رہے۔ آخر قومی محبت دوبارہ وطن کھینچ لائی۔ علی گڑھ یونیورسٹی کی ایک تقریر (فروری ۱۹۳۸ء) میں خود انہوں نے یہ کیفیت اس طرح بیان کی تھی:

"میں حیران ہوں میری ملّی خود داری کو کیا ہو گیا تھا، میں کانگرس سے صلح و مفاہمت کی بھیک مانگا کرتا تھا۔ میں نے اس مسئلے کے حل کے لیے اتنی مسلسل اور پے در پے کوششیں کیں کہ ایک انگریزی اخبار نے طعنہ دیا کہ مسٹر جناح کو ہندو مسلم اتحاد کی رٹ لگ گئی ہے لیکن گول میز کانفرنس کے زمانے میں مجھے اپنی زندگی کا سب سے بڑا صدمہ پہنچا جیسے ہی آزمائش کا نازک وقت آیا، ہندوئیت کا اصل دل و دماغ اس طرح آشکارا ہوا کہ اتحاد کا امکان ہی ختم ہو گیا......"

کانگرس کی بد دماغی جس نے مصالحت سے مایوس کیا، ۱۹۳۷ء میں صریحاً تحقیر و آزار کے کچوکے بن گئی۔ مسٹر جناح نے ولایت سے آنے کے بعد ہندوستان بھر میں کئی دورے کیے۔ کانگرس کی مسلمانوں سے ربطِ عوام کی تحریک اور لیگ پر طعن و تشنیع نے کہ وہ فقط جاہ طلب تن پرور، پیٹ بھروں کی ٹولی ہے، انہیں آمادہ کر دیا کہ اسے عوامی تنظیم بنایا جائے۔ کانگرس اور مجلسِ خلافت کے طرز پر رکنیت عام کی گئی، اور اس کی نئی زندگی کا پہلا عظیم الشان اجتماع لکھنؤ میں منعقد ہوا (اکتوبر ۱۹۳۷ء)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کانگریس کی ریشہ دوانیاں اور اس کے مسلمان کارندوں کی مخالفت، کہ اکثر اشتراکی مذہب کے نوجوان تھے، بری طرح ناکام ہوئی۔ مولانا شوکت علی مرحوم باقی ساتھی خلافتی گروہ کے ساتھ پہلے ہی مسٹر جناح کے حلقۂ ارادت میں آ چکے تھے۔ لکھنؤ کی دھوم دھام اور حُسنِ انتظام کا سہرا چودھری خلیق الزماں کے سر باندھا گیا جنہیں کانگرسی اکابر کی بدعہدی کا تازہ تجربہ ہوا تھا۔ اُس غیر شریفانہ طرزِ عمل کا یہ شریفانہ جواب تھا جس کے تڑاقے سے اہلِ کانگرس بھی سٹ پٹا گئے۔[1] مسلم اقلیت کے صوبوں میں لیگ کی تیز رفتاری صریحی شہادت ہے کہ وہاں کانگرسی وزارتوں کا سلوک فرقہ داری تعصب و تنگ نظری پر مبنی تھا۔ اکثریت کے صوبوں میں پہلے سندھ، پھر بنگال و پنجاب کے مسلم عمائد لیگ میں شامل ہوئے۔ سرحد کے خان برادران، کانگرس کی وفاداری میں استوار تھے اور یہ خالص اسلامی صوبہ سب کے آخر میں لیگ کی اسلامی جمعیت کا قوتِ بازو بنا۔ جمعیت العلماء (جمعیت العلماءِ ہند) آہستہ آہستہ کانگرس کی طرف جُھکتی گئی۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ علمائے دیوبند کے سیاسی مشیر تھے۔ وہ سال ہا سال کی غریب الوطنی اور حجازِ مقدس سے ۱۹۳۹ء میں واپس آنے کے بعد بھی دین و وطن پرستی کی دعوت دیتے رہے، اگرچہ ابتدا سے آخر تک شاہ ولی اللہ کے فلسفے کو دعوتِ انقلاب کی بنا قرار دیتے تھے۔

ستمبر ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگِ عظیم کے نقارے پر چوب پڑی۔ یورپ کی شامتِ اعمال نے ہٹلر کی صورت میں ظہور کیا۔ روسیوں سے سمجھوتہ کر کے اس نے چند ہفتے میں پولینڈ کو تہ و بالا کر دیا۔ فولادی گاڑیوں کے جرمن لشکر مغرب کی طرف ٹوٹ پڑے۔ فرانس کا مستحکم خطِ دفاع توڑ دیا۔ برطانیہ کی امدادی فوج ہتھیار پھینک کر فرار ہوئی۔ بندرگاہ ڈنکرک سے سمندر میں کود کود کر بچ نکلنے کو ہی اپنی

---

[1] جنوری ۱۹۴۹ء میں بھارت کے وزیر پٹیل ...... نے لکھنؤ کے بھرے جلسے میں کہا کہ پاکستان کا علم بردار اسی شہر کا باشندہ تھا۔ غالباً خلیق صاحب کو اپنی اسلامی خدمات کی ایسی داد اور کہیں نہ ملی ہوگی، بفحوائے الفضل ما شهدت به الاعداء۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہت بڑی "فتح" بیان کیا۔ ہندوستان میں مہاتما جی نے انگریز کی پریشانی سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ دھمکی دی کہ کانگرس کو پورے برِاعظم کی واحد نمایندہ مان لیا جائے، ورنہ وہ جنگِ یورپ میں کوئی تعاون نہیں کرے گی، لیکن اب انگریز چاہتے بھی تو مسلمانوں سے قطع نظر نہ کر سکتے تھے۔ مسلم لیگ کی سیاسی تنظیم خاصی طاقتور ہو گئی تھی۔ کانگرس والوں کا انگریزوں کو لیگ سے توڑنا، محال اور بے محل دشمنی کا اظہار تھا۔ مسلمانوں کو خواہی نخواہی مزید اشتعال ہوا۔ کانگرسی وزارتوں کے استعفیٰ دینے پر، مسٹر جناح نے 'یومِ نجات' منانے کا حکم دیا (نومبر ۱۹۳۹ء) لیکن زیادہ سخت اور فیصلہ کن جواب وہ تھا جو لیگ کے آیندہ اجلاس لاہور (مارچ ۱۹۴۰ء) میں دیا گیا۔ جس نے سارے برِعظیم کی تاریخ کا رُخ بدل دیا۔

اجلاس ہونے سے تین چار دن پہلے خاکسار جماعت، حکومتِ پنجاب سے ٹکرائی۔ حکمِ امتناعی کی خلاف ورزی میں کئی سو بیلچہ بردار پریڈ کر رہے تھے، پولس نے گولی چلائی، کئی سو مسلمان ہلاک اور زخمی ہوئے۔ لشکر کے سپہ سالار (علامہ صاحب) کچھ پہلے دہلی نکل آئے تھے، وہ گرفتار کر کے مدراس بھیجے گئے۔ ساری تنظیم ہی خاک میں مل گئی۔

یہ خونیں ہنگامہ اور پنجاب کے غیر مسلم عمّال کی دراندازی انتشار کا باعث تھی۔ قائدِ اعظم کی استقامت کی برکت سمجھنا چاہیے کہ پچاس ہزار سے زیادہ مسلمان اجلاسِ لیگ میں شریک ہوئے اور بالاتفاق وہ قرارداد منظور کی جسے شروع میں خود ہندو اخباروں نے "پاکستان، پاکستان!" کی دُہائی دے کر اس نام سے منسوب کر دیا ورنہ اصل قرارداد میں یہ لفظ کہیں نہیں لایا گیا تھا۔ قرارداد کا پہلا جز، دستورِ ہند ۱۹۳۵ء کے وفاقی حصے کو ناقابلِ قبول بتاتا ہے، مگر جانِ سخن تیسرا فقرہ تھا کہ مسلم لیگ کی رائے میں کوئی دستوری نظام اس ملک میں قابلِ عمل اور مسلمانوں کو منظور نہ ہوگا جب تک کہ مندرجہ ذیل اساسی اصول پر مرتب نہ کیا گیا ہو:

"ان اقطاع کو جہاں مسلمان آبادی کی اکثریت ہے (جیسے شمال مغربی اور مشرقی ہند کے اقطاع) مستقل مملکتوں کی حیثیت سے الگ شیرازہ بند کر دیا جائے ..... دفاع، امورِ خارجہ، مواصلات وغیرہ ضروری معاملات میں وہ خود مختار ہوں۔ ان میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(غیر مسلم) اقلیت کے، اور ہندوستان میں مسلم اقلیت کے مذہبی، سیاسی، معاشی، تہذیبی حقوق کے تحفظ کا آئینی انتظام کیا جائے .....،،

پنجاب و بنگال کے وہ اضلاع جن میں ہندو آبادی زیادہ تھی اور وہ ہندو اکثریت کے صوبوں سے متصل تھے، انہیں مسلم صوبوں سے الگ کرنے کی گنجائش رکھی گئی تھی، اگرچہ آگے چل کر لیگ والے چاہتے تھے کہ برطانی عہد کی صوبائی حدود بجنسہٖ قائم رہیں، مگر یہ مطالبہ نہ چل سکا اور آخر کار انہیں پنجاب و بنگال کی تقسیم قبول کرنی پڑی جس کا ذکر آیندہ تحریر ہوگا حقیقت میں لاہور کی قرارداد کا منشا خالص یا بڑی اکثریت کی مسلم آبادی کا ملک بنانا نہیں تھا، صرف معمولی اکثر اکثریت کے صوبوں کا جداگانہ وفاق تیار کرنا تھا جو ہندوستان خاص کی مرکزی حکومت سے آزاد رہے، تاکہ ہندو اکثریت برعظیم کی پوری مسلم آبادی پر دائمی اقتدار حاصل نہ کرسکے۔ قرارداد کی رو سے شمال مغرب (صوبہ سندھ، سرحد، پنجاب) میں مسلمانوں کو تقریباً باسٹھ فیصدی اور بنگالے میں فقط پچپن[55] فیصدی کی خفیف اکثریت میسر آتی غیر مسلم باشندوں کی ان صوبوں میں تنظیم، تعلیم، دولت اور چیرہ دستی پر نظر کریں تو یہ اکثریت بھی برائے نام رہ جاتی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بابِ چہاردہم

تقسیمِ ہند

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برِعظیم کی تقسیم اور آزادی

یورپ کی دوسری جنگِ عظیم (ستمبر ۱۹۳۹ء تا اگست ۱۹۴۵ء) واقعی عالمگیر جنگ بن گئی تھی۔ ایشیا میں دو چار خوش نصیب ملک اُس کے شراروں سے بچے رہے ورنہ جاپان کی سیلِ بے پناہ سنگاپور تک چڑھی۔ وہ بری و بحری جنگ کا سب سے بڑا برطانی مرکز تھا، دو تھپیڑوں کی بھی تاب نہ لایا۔ ایک لاکھ سے زیادہ بہترین انگریزی سپاہ نے ہتھیار ڈال دیے (فروری ۱۹۴۲ء) وہاں سے ایک جاپانی لشکر جزائرِ شرق الہند پر جا گرا۔ ولندیز دو چار ہفتے ہاتھ چلا کے بھاگ گئے، بے حساب دولت کی کان جسے صدیوں سے سونتتے رہے تھے، دیکھتے دیکھتے ہاتھ سے نکل گئی کہ آج تک اس خطیر نقصان پہ ہاتھ ملتے ہیں۔

کشور کشا جاپانیوں کی دوسری سپاہ نے شمال پہ یلغار کی۔ انگریزوں نے دو تین جگہ مدافعت کے مورچے بنائے تھے، وہ خزاں کے پتّوں کی طرح اُڑ گئے۔ دارالحکومت رنگون پر چڑھتے سورج کا پھریرا لہرایا (مارچ ۱۹۴۲ء) جاپانی اژدہے نے سرحدِ آسام سے پہاڑیوں سے منہ نکالا، پھنکار کلکتے تک پہنچی۔ جاپانی طیارے چند گولے مضافات پر پھینک گئے کہ سارے شہر میں تہلکہ پڑ گیا۔ دس دن میں کوئی دس لاکھ آبادی جدھر ٹھکانا ملا، اُدھر بھاگ پڑی)۔ بارے امریکی امداد و اسلحہ کے آجانے سے مدافعت میں جان آئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے مرکزوں سے ہزاروں میل کے فاصلے پر جاپانی اتنی مقدار میں گولہ بارود کے ذخیرے نہ لا سکے کہ بے تحاشا آگے بڑھتے چلے جاتے ۔ دوسرے مشہور ہے کہ کانگرسی رہنما سُبھاش چندر بوس کر نظر بندی سے چھپ کر فرار ہوا اور جاپانیوں سے جا ملا تھا، اُس نے حملہ آوروں کو رُکنے کا مشورہ دیا اور یقین دلایا کہ اندرونِ ملک میں انگریزوں کے خلاف بغاوت ہو جائے گی ۔ ملایا میں جو انگریزی فوجیں پکڑی گئی تھیں اُن کے ہندوستانی سپاہیوں سے ایک "آزاد ہند فوج" بھرتی کی گئی کہ جاپان کی مدد سے ہندوستان پر حملہ کرایا جائے ۔

سیاسیاتِ ہند پر یورشِ جاپان کا براہِ راست اثر پڑا ۔ لیکن جاپانیوں کے حملے سے بھی پہلے ہٹلر کی فتوحات نے انگریزوں کے ہوش اُڑا دیے تھے ۔ جون ۱۹۴۰ء میں حکومتِ فرانس نے شکستیں کھا کر ہمت ہار دی ۔ اطالیہ مارتوں کے پیچھے ہو لیا ۔ روس و امریکہ ابھی میدان میں نہیں اُترے تھے ۔ گویا جرمنوں سے لڑنے کی ساری ذمہ داری برطانیہ پر آ گئی تھی ۔ اُس کے حکمران یقین رکھتے تھے کہ آج ہٹلر سے صلح کر لیں تو کل جرمانیہ کی بڑھتی ہوئی طاقت کی ٹکر کو جھیلنا بہت مشکل ہو جائے گا ۔ وزیرِ اعظم چرچل اپنی قوم کی برتری قائم رکھنے کے جذبے میں جنونی ہٹلر سے کم نہ تھا ۔ علمی فضیلت، ذہن و ذکاوت میں کہیں بلند تھا ۔ اُس نے ٹھان لی تھی کہ چاہے خون کی ندیاں بہ جائیں، ایسے خطرناک حریف کا خاتمہ کیے بغیر نہ چھوڑے گا ۔ زندگی کی پوری توانائی، دل و دماغ کی ساری قوتیں اسی کوشش میں لگا دی تھیں ۔ شبانہ روز طویل و شدید جنگ کی تیاریوں میں منہمک ہو گیا تھا ۔ ایسے سرداروں کا قوم بھی دیوانہ وار ساتھ دیتی ہے ۔ ایسی ہمت کا خدا بھی مددگار ہو جاتا ہے ۔

برطانیہ کی جنگی تیاریوں میں ہندوستان کو حصہ دار بننا ضرور تھا ۔ یہاں کی کثیر آبادی سے جتنی چاہیے فوج، بھیڑ مزدور نفری بھرتی کی جا سکتی تھی ۔ مرکزی حکومت نے بیسیوں نئے محکمے، دفتر، شعبے، شاخیں قائم کر دیں کہ سپاہی اور مزدور لاکھوں کی تعداد میں بھرتی کیے جائیں ۔ معمولی پڑھے لکھے جنہیں پہلے کوئی نہیں پوچھتا تھا، ہزاروں کی تعداد میں ملازم بنائے گئے ۔ اِن سب کی ضروریات کی سربراہی، خام اجناس کی فراہمی، بعض جنگی مصنوعات کا بننا، بٹنے بکنے کا انتظام ہوا ۔ نئی دہلی کی آبادی سال بھر میں چھ لاکھ سے بڑھ کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کم و بیش دس لاکھ ہو گئی۔ دوسرے صوبائی مرکزوں میں بھی یہی حال تھا۔ دیہات، شہروں میں اُمڈے چلے آتے تھے۔ جگہ جگہ عارضی مکانات، ڈیرے، خیمے، ٹین چھپر ڈال کر اُن کے قیام کا بندوبست کیا جاتا تھا۔ تمام برّعظیم میں ایک تمدنی تلاطم کی کیفیت پیدا ہو رہی تھی۔

اتنے وسیع ہنگامی انتظامات کے مصارف کے واسطے حکومت کو خواہی نخواہی کاغذ کے ارب ہا روپے بنانے پڑے۔ مصنوعی سکّے نے زر کی قوّتِ خرید گھٹائی، اجناس کی قیمت تین چار گنی زیادہ بڑھا دی۔ حکومت نے سونا چاندی سمیٹ سمیٹ کر ولایت بھیجا کہ غیر ممالک خصوصاً ریاستہائے متحدہ امریکہ سے سامانِ حرب خریدا جائے۔ اسی داد و ستد نے سلطنتِ برطانیہ کی اقتصادی قوّت کمزور کی۔ حکومتِ ہندوستان بے حساب قرض کے بار میں دب گئی۔ ان جُملہ اسباب نے بالآخر اس کا سیاسی نظام متغیر کرنے میں حصّہ لیا۔

سعیِ اصلاح کا برعکس نتیجہ:

برطانی حکومت نے ہٹلری یورش کے پہلے دباؤ میں آ کر ایک اعلان شائع کیا جسے "اگست ۱۹۴۰ء کی پیش کش" کہتے تھے۔ تشریح وائس رائے نے کی کہ خاتمۂ جنگ پر آبادی کے بڑے بڑے عناصر کے نمائندے بلا کر مجلسِ دستور ساز مرتب کر دی جائے گی، وہی ہندوستان کا آئین تیار کرے گی۔ کانگرس کا سب سے اہم مطالبہ یہی تھا، مگر اعلان میں ریاستوں اور اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کا قطعی اشارہ تھا۔ مسلم لیگ نے پسندیدگی کا اظہار کیا۔ کانگرس نے بہت پیچ و تاب کھایا۔ علانیہ ترکِ تعاون پر تیار ہو گئی۔ مہاتما جی نے "انفرادی ستیاگرہ" کی نئی ٹکنیک بنائی تھی، وہ اشتہاری دواؤں سے زیادہ کارگر نہ ہوئی۔ البتہ اگلے سال ۱۹۴۱ء کے آخر میں جاپان کا بم پھٹا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا مارچ ۱۹۴۲ء میں، چنگیز خاں کے ان بھائی بندوں نے برطانی ہند کے مشرقی پھاٹک آ جھڑ جھڑائے۔

برطانیہ کی طرف سے دوبارہ کوشش کی گئی کہ ہندوستان کی تمام سیاسی جماعتوں کا تعاون حاصل کیا جائے۔ وائسرائے (لنلتھگو) کانگرس کو رضامند کرنے کے درپے تھا۔ کاذپر دری تک شاید

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملوکی مصلحت میں شامل ہو گئی تھی۔ اواخر ۱۹۴۱ء میں چین کے صدرِ حکومت چیانگ کائی شیک نے ہندوستان آئے تو انگریزوں ہی کے اشارے سے اکابرِ کانگرس کے ساتھ اخلاصِ برادرانہ کے پینگ بڑھائے۔ اب ماہِ مارچ ۱۹۴۲ء میں وزارتِ برطانیہ کے ایک رکن کو بھیجا گیا کہ کانگرس والوں سے مصالحت کی صورت نکالے۔ یہ صاحب (راسٹے فرڈ کرپس) کانگرس کے دوست مانے جاتے تھے۔ انہوں نے سرکاری طور پر نئی تجاویزِ اصلاح پیش کیں جن کا ملخص یہ تھا:

(۱) محکمۂ جنگ کے سوا مرکزی حکومت کے سب شعبے بلا تاخیر اہلِ ہند کے سپرد کر دیے جائیں گے۔

(۲) جنگ کے کامیاب اختتام پر برِ عظیم کی دستور ساز مجلس منتخب کی جائے گی کہ وفاقی آئین تیار کرے۔

(۳) ہندوستان کو برطانی مستعمرات کا درجہ اور یہ اختیار حاصل ہو گا کہ چاہے تو سلطنتِ برطانیہ سے علیحدہ ہو جائے۔

(۴) وفاق میں شریک ہونے والی ولایات یا ریاستوں کو حق ہو گا کہ دس برس بعد واحدۂ ہند سے الگ ہو جائیں اور اپنا جداگانہ وفاق بنا لیں۔

تالیفِ قلوب کے ان جوڑ توڑ نے کانگرسی ذہنیت پر بظاہر الٹا اثر کیا۔ کرنل جونسن امریکہ سے آئے اور یقین دلانا چاہتے تھے کہ امریکی فوج اور اسلحہ انگریزوں کی پشت پناہی کریں گے۔ بایں ہمہ مہاتما جی کرپس کی پیش کش کو "دوالہ نکلے ہوئے بنک کا چیک" بتلاتے رہے۔ کانگرس نے اپنے بیان جواب میں سخت احتجاج اس بات پر کیا کہ وفاقی اجزا کو علیحدگی کا حق دیا گیا تو ہندوستان کے ٹکڑے کٹ جائیں گے۔ مادرِ وطن کا مثلہ کر دیا جانا، کانگرس ہرگز گوارا نہیں کر سکتی۔ دوسرے لفظوں میں ساری مخالفت کی تان لیگی مطالبے پر ٹوٹتی تھی۔

نفاق کے سرگم میں کسی کانگرسی نے اتحاد و آشتی کا راگ چھیڑا، تو وہ گاندھی جی کے سمدھی راج گوپال اچاری تھے۔ جاپان کی تیز پیش قدمی دیکھ کر یہ دوراندیش محبِ وطن اپنی قوم کو سمجھاتا تھا کہ ابھی وقت ہے، گھر بچاؤ۔ کانگرس کو چاہیے کہ مسلم لیگ کا مطالبہ (پاکستان) تسلیم کر کے ہندو مسلمان اتحاد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو کر جاپان سے لڑیں۔

یہ سُن کر پُرجوش کانگرسی بہت بگڑے۔ کرپس کے ناکام جانے کے بعد بہار کے ایک نوجوان اشتراکی (جگت نرائن لال) کی قرارداد باقاعدہ کمیٹی کے جلسے میں منظور کی گئی کہ ہم کسی ایسی تجویز کو قبول نہیں کرسکتے جس میں ہندوستان کے کسی حصے کے علیحدہ ہو جانے کی گنجائش ہو (جلسہ الٰہ آباد۔ مئی ۱۹۴۲ء) کانگرس کے اکثر ارکان انگریز کے ساختہ "ہندوستان" کے ازلی ابدی ہونے پر گویا ایمان رکھتے تھے۔ سب نے واہ واہ کی۔ لال سُرخ رو ہوئے، راجاجی نے کانگرس کی مجلس عاملہ سے استعفا دیدیا۔

اسی زمانے میں گاندھی جی کے عدم تشدد کے بنیادی عقیدے میں فرق نمایاں ہوا۔ مشہور ہے کہ جاپان سے خفیہ نامہ و پیام ہو رہے تھے۔ یو۔پی، بہار وغیرہ میں گولہ بارود کے ذخیرے چھپائے گئے تھے۔ کانگرسی کارندوں نے یقین دلایا تھا کہ ہندو جاتی بغاوت کے لیے تیار ہے۔ اپنے بل بوتے پر حکومت کو اُلٹ دے گی۔ مہاتما جی نے "ہندوستان چھوڑو" کا نعرہ لگایا۔ اہنسا کا روحانی اُپدیش بھلا دیا۔ صاف صاف "کرو یا مرو" کا سبق پڑھانے لگے۔ درپردہ مسلمانوں کو دھمکیاں دیتے جاتے تھے کہ اگر خانہ جنگی کرنی پڑی تو ہم اسے بھی گوارا کرلیں گے!

اپنے سابقہ مذہب سے اُن کے صریحی انحراف پر جسے متحیر ہونا ہو وہ مئی تا اگست ۱۹۴۲ء کے اخبار "ہریجن" میں مہاتما جی کے مقالاتِ عالیہ کا مطالعہ کرے۔ اسی جولائی میں وائسرائے نے ۱۵ میں سے ۱۱ محکمے ہندیوں کے حوالے کردیئے مگر انگریزوں کی مصالحت کانگرس کو مزید مخالفت پر دلیر کرتی تھی۔ شورش سرائی کی لے آخر ۸ اگست ۱۹۴۲ء کی قرارداد بن گئی۔ مجلس عاملہ کانگرس نے گاندھی جی کو صاف صاف تحریک بغاوت چلانے کا مجاز کردیا۔

وائسرائے کو چاروناچار اقدام کرنا پڑا۔ اجلاس عاملہ کے ارکان گرفتار ہوئے۔ ساری کانگرس خلاف قانون جماعت قرار دی گئی۔ ایک خونی بغاوت کا ظہور ہوا۔ بہار، یوپی اور سی پی کے تین چار ضلعوں میں واقعی عوام نے ہنگامہ مچا دیا۔ ریل کی پٹریاں، تار کے کھمبے اکھاڑے۔ تحصیلوں کو لوٹ لیا۔ تمام علاقے میں انگریزی فوج اور طیاروں سے کام لینے کی نوبت آئی۔ سی پی میں مدراس کے دو تین دستے اور جنگی پولیس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے جبرا شورش فرو کی. تشدد کا تجربہ کچھ کامیاب نہیں رہا۔

مہاتما جی نے قید خانے سے واپس ہونے کے ساتھ پھر فلصانہ خط کتابت شروع کر دی۔ سیاسیات کا ہنر یہی ہو گیا تھا کہ دوستی میں دشمنی اور دشمنی میں دوستی کا حق ادا کیا جائے۔

مسلم لیگ کا فروغ :

تنظیم جدید کے بعد مسلم لیگ دیکھتے دیکھتے ممالکِ ہند میں پھیل گئی. تحریکِ خلافت کے زمانے میں مسلمانوں نے کچھ بڑھ چڑھ کر ہی گرم روی دکھائی تھی، لیکن نئی لیگ میں انضباط اور اسی نسبت سے زیادہ استحکام تھا. لاہور کی قرارداد نے منزلِ مقصود کو خاص طرح واضح اور متعین کیا، ہندو تعصبات جوش کی آگ پر تیل چھڑکتے رہے. انگریزی حکومت سے پہلی نبرد آزمائی جولائی ۱۹۴۱ء میں پیش آئی. وائسرے نے ایک نئی مجلس دفاعِ ہند قائم کی تھی. کئی لیگی ارکان اور صوبائی وزیر اس میں شریک کر دیئے حالانکہ لیگ اپنے مطالبات منوائے بغیر مجلس میں حصہ لینے سے انکار کر چکی تھی. قائدِ اعظم نے شریک ہونے والوں سے مواخذہ کیا اور مجلسِ دفاع سے استعفے دلوا دیے. وزیرِ اعظم بنگال (مسٹر فضل الحق، سر سلطان احمد وغیرہ تین چار صاحبوں نے استعفے نہیں دیے. وہ بے تکلف لیگ سے نکال دیے گئے اور مسلمانوں میں ایسے نامقبول ہوئے کہ برسوں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔

پھر کرپس کی پیش کش نامنظور کی گئی کہ لیگ کا دعویٰ صاف لفظوں میں تسلیم نہیں کرتی تھی (اجلاس الٰہ آباد ۱۹۴۲ء) یہ دعویٰ اگلے سال (اپریل ۱۹۴۳ء) دہلی کے اجلاسِ لیگ میں تازہ قوت کے ساتھ دہرایا گیا. قائدِ اعظم کا دو میل لمبا جلوس اکثر دیکھنے والوں کو یاد ہو گا کہ کس شان و شوکت سے شہر کے بازاروں سے گزرا. ہزاروں وردی پوش رضا کار نظم و مرتب ہو کر مصروفِ انتظام تھے. بارہ ہزار کے قریب مندوب باضابطہ منتخب ہو کر تنظیم کے ہر گوشے سے شرکت کے واسطے آئے تھے. عام حاضرین کا شمار کم و بیش ایک لاکھ تھا۔

اسی اجلاس میں یہ تجویز پاس کی گئی کہ حاضرین کی جماعت ایک اسلامی ملت ہے نا کہ تاریخ ...

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمان عوام خصوصاً اہلِ حرفہ کے حالات کا جائزہ لیا جائے۔ ان کی معاشی اور معاشرتی اصلاح کی تدابیر سوچی جائیں۔ دیہاتی اور شہری طبقات میں بے جا امتیازات و فرقہ بندی کے غیر اسلامی شعائر کا خاتمہ کیا جائے۔

لیگ کی بڑھتی ہوئی قوت و قبولیت سے اب انکار ناممکن ہو گیا تھا۔ "پاکستان" خواب و خیال کی بجائے واقعی آزادیٔ ہند کا ایک سیاسی حل نظر آنے لگا تھا۔ غیر مسلم اہلِ قلم، اہل الرائے اسے سوچنے سمجھنے بلکہ ماننے پر مجبور ہوتے جاتے تھے۔ ان میں پروفیسر کوپ لینڈ، ڈاکٹر امبیڈکر، بیورلی نکلس کی اس موضوع پر کتابیں مشہور ہیں۔ خود قائدِ اعظم مرحوم کی استقامت، بے لاگ بے باک تقریر، تحریر، اخباری بیانات اپنی عظیم ملی تنظیم کو تازہ حیات و حرارت بخشتے رہتے تھے۔

اسی ۱۹۴۳ء میں ایک خاکسار نوجوان، رفیق نامی نے اُن پر بمبئی کے مکان میں قاتلانہ حملہ کیا۔ مرحوم نے لاغری اور پیرانہ سالی کے باوجود، خونی حملہ آور کا ہاتھ جس میں بڑا سا چاقو تھا، پکڑ لیا۔ جس طرح ان کے ذاتی سوانح میں یہ سب سے خطرناک موقع تھا، اُسی طرح اُن کی شخصی ہمت اور ضبطِ حواس کا سب سے حیرت انگیز ثبوت پیش کرتا ہے۔ رفیق کو ملازموں نے پکڑ کر پولس کے حوالے کر دیا تھا۔ اگر زیادہ تن دہی سے تفتیش تحقیق کی جاتی تو ممکن ہے اقدامِ قتل کے اور معاون و محرک گرفت میں آجاتے، مگر قائدِ اعظم اور ان کی تاکید سے مسلم رائے عامہ جادۂ اعتدال سے آگے نہیں بڑھی۔ یہ بھی مرحوم کی شرافت و عالی ظرفی کی نظیر تھی۔ مجرم کو صرف پانچ سال قیدِ بامشقت کی سزا ملی۔

سالِ مذکور کا ایک مشہور و مشتہر واقعہ گاندھی جی کا فاقہ تھا کہ دوستانہ خط لکھتے لکھتے وائسرائے کو دھمکی دی کہ مجھے قید سے رہا کرو ورنہ فاقہ کر کے جان تک دے دوں گا۔ وائسرائے نے جواب میں اشارہ کیا کہ یہ آپ کا مظاہرہ ہی سمجھا جائے گا، مگر گاندھی جی کے فاقہ کرنے پر اعتدال پسند سپرو، ڈیسائی وغیرہ پھر

۱؎ اچھوت لیڈر۔ اس نے اعلان کیا تھا کہ کروڑوں اچھوتوں کے ساتھ اسلام قبول کرلے گا، لیکن پھر کانگریس سے سودا بازی کرلی۔ (ادارہ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دو ٹھتے پھرے۔ مرکزی مجلس انتظامی کے تین ہندو ارکان مستعفی ہوگئے۔ وزیراعظم چرچل ایسی دھمکیوں میں آنے والا نہ تھا۔ آخر مہاتما کو برت توڑ دینا پڑا، تاہم ایک مدت بعد وہ رہا کر دیے گئے اور راجاجی وغیرہ کے اصرار سے مسلم لیگ کے صدر سے ملاقات کی کہ کوئی مفاہمت کی صورت نکل آئے (ستمبر ۱۹۴۴ء) بہت دن تک کئی کئی گھنٹے باتیں ہوئیں۔

گاندھی جی نے مسٹر جناح کی ذاتی تکریم اور اپنے مخلصانہ تعلقات کے اظہار میں کوتاہی نہیں کی، مگر اصل اُلجھنٹی میں کچھ اور گرہیں پڑ گئیں۔ وہ ممالکِ ہند کے سب باشندوں کو جو انگریزوں کے زیرِ حکومت رہے واحد "قوم" قرار دیتے تھے۔ برطانوی حکومت میں سارا ہندوستان ایک ملک بنا دیا گیا تھا، لہٰذا یورپ کے جدید فلسفے کی رو سے وہاں کے سب رہنے والے ایک قوم بن گئے تھے۔

جناح صاحب سیاسی اصطلاحوں کی بجائے واقعی اختلافات پر زور دیتے تھے جو انگریز اجانب کے عہد میں گھٹے نہیں بلکہ ترقی کر گئے تھے، خصوصاً ہندو مسلمان کا فرق بہت سخت ہو گیا تھا۔ اُدھر ۳۸ کروڑ مخلوق میں مذہب، نسل، زبان کی کوئی یکسانی نہیں تھی۔ متحدہ قومیت یا اقوام انہی عناصر سے تیار ہوتا ہے۔ ان کی دانست میں سب سے اچھا حل یہی تھا کہ جن قریبی اقطاع میں مسلمان آباد ہیں، وہاں اُن کو اپنی الگ حکومت قائم کرنے دی جائے۔ جس طرح بھائی بڑے ہو کر موروثی جائیداد تقسیم کر لیتے ہیں، اپنا اپنا گھر الگ بسا لیتے ہیں، اسی طرح صلح صفائی سے یہ برعظیم دو ملکوں میں بخوبی بٹ سکتا ہے۔

گاندھی جی سارے ہندوستان کا واحد مرکز قائم رکھنے پر تُلے رہے۔ گفتگو بے نتیجہ ختم ہوئی۔ نئے وائسرائے (ویول ۱۹۴۳ء تا ۱۹۴۷ء) کی مجلس مصالحت (یعنی شملہ کانفرنس، جولائی ۱۹۴۵ء) اور بھی بے مزہ نکلی۔ کانگرس والے اپنی تائید کے لیے مسلم لیگ کے خلاف کئی علماء، احرار وغیرہ مسلمان قوم پرستوں کو چڑھا لائے۔ ابوالکلام صاحب آزاد کو کئی سال سے کانگرس کا صدر متحدہ قومیت کا نشان بنا رکھا تھا۔ ویول نے ان سے بچ کر انہیں بھی مجلس مشاورت میں وہاں بلوایا، مگر لاٹ صاحب سے ملاقاتوں میں کوئی سنت کوئی بات خود جی نذر رسا نہ ہو جاتے، بلکہ وہی جناب صدر کی طرف سے بات چیت کیا کرتے تھے۔

گورنر پنجاب (گلینسی) نے سکندر حیات خاں کے انتقال پر سر خضر حیات کو وزیراعظم بنایا تھا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنہیں ملی مقاصد ایک طرف سیاسی مسائل ہی سے چنداں دلچسپی نہ تھی۔ وہ بھی لیگ کی مانندگی پر سرفرازی فرماتے تھے۔ ان خبروں کے شائع ہونے سے مسلمانوں میں ہیجان سا پیدا ہو گیا۔ نہ صرف لیگ بلکہ مختلف اداروں، انجمنوں، برادریوں نے بے شمار تار وائسرائے کو بھجوائے کہ ہمارا وکیل مختار جناح ہے بالغیر اُس کی رضامندی کے کوئی فیصلہ ہمیں منظور نہ ہوگا۔

کانگرس بڑی بلند امیدوں کے ساتھ شملہ پہاڑی پر چڑھی تھی۔ لارڈ ویول کی قصیدہ خوانیاں کی تھیں[1] ویسی ہی مایوس ہو کر گالیاں دیتے ہوئے نیچے اُتری۔ بھولا بھائی ڈیسائی پر اپنا غصہ اتارا۔ وہ اعلیٰ درجے کے قانون دان، فصیح البیان مقرر، مجلس وضع قوانین میں کانگرسی گروہ کے پیشوا تھے۔ انہوں نے نواب زادہ لیاقت علی خاں سے مفاہمت کی، پھر گاندھی جی کے اذنِ خفی سے لارڈ ویول کو مجلس مصالحت طلب کرنے پر آمادہ کیا۔

کانگرس کے اکثر اکابر حکومت میں حصہ لینے کیلیے خاصے بے قرار معلوم ہوتے تھے اور شروع میں لیگ کو مساوی نمایندگی دینے پر آمادہ ہو گئے تھے، مگر پھر بحث کی باریکیوں میں فریقین اُلجھ گئے۔ ایک طرف نرمی نہ تھی، دوسری طرف صاف دلی نہ تھی۔ مصالحت کے ناکام ہونے پر ڈیسائی جیسے لائق رکن کو کانگرس کی آیندہ نمایندگی سے خارج کر دیا گیا۔ حکومت نے سیاسی تعطل کا فیصلہ تازہ انتخابات پر ڈال دیا (ستمبر ۱۹۴۵ء)

آزادی اور تقسیم ہند کے مؤیدات :

اسی سن ۱۹۴۵ء میں تازہ دم اتحادی افواج نے جدید ترین اسلحہ سے دشمنوں پر نرغہ کیا۔ پہلے مسولینی کی اطالیہ کی گردن سوسی پھر تین طرف سے جرمانیہ کو دبوچا۔ ہٹلر کی خودکشی پر یورپ کی جنگ ختم ہوئی (مئی ۱۹۴۵ء) تین مہینے بعد امریکہ کے جوہری بم نے جاپان کا دم خم نکال دیا (اگست) اس خونریز، انسانیت کش

لہ مہاتما جی اور راجا جی دونوں کے بیان ۲۰ جون ۱۹۴۵ء کے سب انگریزی روزناموں میں چھپوائے گئے تھے۔ دونوں میں لاٹھ صاحب کو آسمان پر چڑھایا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقابلت کے لیے ایک سے ایک خوفناک ہتھیار تیار کیے گئے تھے۔ سب سے بڑھ کر نئی ایجاد یہ ہوائی جنگ کے واسطے ہوئیں۔ امریکہ نے ہزاروں کی تعداد میں عفریت طیارے بنائے جو کئی کئی میل اونچے اڑتے اور آندھی سے چہار چند تیز رفتار کے ساتھ، چار منزل میں ساری دنیا کے گرد گھوم آتے تھے۔ کرۂ ارض آدمی کو چھوٹا ملک معلوم ہونے لگا۔ طئ ارض کی روحانی کرامت عملی حقیقت بن گئی۔ جدید مواصلات نے مختلف ممالک وملل کو ایک دوسرے سے زیادہ قریب ومربوط کر دیا۔ لامحالہ سیاسی افکار وتصورات میں تبدیلیاں واقع ہوئیں۔

ولایاتِ متحدہ امریکہ کی طاقت ور جمہوری حکومت "پرانی دنیا" سے کھنچی کھنچی رہتی تھی۔ اس مرتبہ جنگ کا زیادہ بار اُسی نے اٹھایا۔ یورپ وایشیا سے علائق کی زنجیروں میں جکڑی گئی۔ جنیوا (یعنی یورپ) کی سابقہ جمعیۃ اقوام کی بجائے "اقوامِ متحدہ" کے نئے ادارے کا مستقر وہیں (امریکہ) بنا۔ مغربی یورپ کی دونوں بڑی شہنشاہی طاقتیں اس کی مقروض و دستِ نگر ہو گئیں۔

برطانی ملوکیت کو ایک ناگہانی صدمہ یہ پہنچا کہ ۱۹۴۵ء (جولائی) کے نئے انتخابات میں "مزدوروں" نے دکن سرد ے ٹوری" امیروں" کو شکستِ فاحش دی۔ جنگ کا سورما چرچل عین فتح کے وقت اقتدار کے زین سے گھسیٹ لیا گیا۔ حکومت کی باگ لیبر (یا اشتراکی) فریق کے ہاتھ میں آ گئی۔ اس فریق کے سرخیل مدت سے کانگرس کے حامی تھے۔ کرپس کی پیشکش میں برطانی مستعمرات کا درجہ دینا اصولاً قبول کیا جا چکا تھا، صرف تعمیل ہونی باقی تھی۔ پس کانگرس والوں کو یقین ہو گیا کہ اب ہندوستان کی بادشاہی اُن کی جھولی میں آ جائے گی۔ شادمانی کی تازہ قوت کے ساتھ نئے انتخابات کے معرکے میں داخل ہوئے۔

یہ انتخاب صریحاً "پاکستان" اور "اکھنڈ ہندوستان" کے مسئلے پر لڑا جا رہا تھا، لہٰذا اکثر غیر مسلم گروہوں کے لشکر لیگ کے خلاف صف آرا ہوئے تھے۔ کانگرس اپنے تمام وسیع وسائلِ تبلیغ، تنظیم، تشہیر سے کام لے رہی تھی۔ مولوی صاحبان کا ایک گُنی دستہ اس کے ساتھ آ ملا تھا اور مسلم لیگ خصوصاً مسٹر جناح کے خلاف لعن طعن کی کیچڑ اچھالتا پھرتا تھا۔ ان حضرات نے جس قدر زیادہ مبالغے سے کام لیا، اُسی قدر ان کے اعتراضات کی وقعت گھٹی اور معترض مولویوں سے تعلیم یافتہ مسلمانوں کی نفرت بڑھی۔ بعض

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقامات پر ان بزرگوں کی بڑی بے آبروئی ہوئی۔

آخر سال ۱۹۴۵ء میں مرکزی مجلس کے نتائج انتخابات کا اعلان ہوا۔ مسلمانوں کی کل تیس نشستیں تھیں۔ تیس کی تیس لیگ نے جیت لیں۔ ہر مقام پر مخالف امیدواروں کو دس فیصدی رائیں بھی نہ مل سکیں اور اُن کی ضمانتیں ضبط ہوگئیں۔ ایسی قطعی اور نمایاں کامیابی، کانگرس کو غیر مسلم حلقوں میں بھی حاصل نہیں ہوئی۔ مسلم حلقوں میں اس کی ساخت باز بالکل ناکام رہی۔ قائداعظمؒ کا ایسی غیر معمولی فتح پر فخر کرنا بجا تھا۔

جنوری ۱۹۴۶ء میں بڑی دھوم سے یوم فتح منایا گیا۔ صوبائی انتخابات کے سلسلے میں پنجاب، سندھ، سرحد کا قائداعظمؒ نے دوبارہ دورہ کیا۔ کانگرس نے مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے میں کچھ کمی نہیں کی۔ اتنی دریا دلی سے روپیہ بہایا کہ شاید ہندو نشستوں کے واسطے کبھی خرچ نہ کیا تھا۔ بایں ہمہ سرحد کے سوا ہر صوبے میں لیگ بڑی اکثریت سے انتخاب جیت گئی۔ دکن کے تین صوبوں میں (= بمبئی، سی پی، مدراس، علیٰ ہذا اڑیسہ میں اُسے سو فیصدی کامیابی ہوئی۔ بہار و آسام میں کوئی ۹۱ فیصدی، صوبہ متحدہ میں ۸۲ فیصدی۔

مسلم اکثریت کے صوبوں میں سب سے بڑی تعداد کا انتخاب (متحدہ) بنگالے میں ہونا تھا۔ یہیں لیگ کو سب سے بڑی کامیابی میسر آئی۔ مجموعی طور پر تمام صوبوں کی ۵۰۰ مسلم نشستوں میں، ۴۲۰ اُسے ملیں۔ باقی سولہ فیصدی (یعنی کل ۸۰) میں بھی ایسے کم تھے جو علانیہ کانگرس کے بلّے لے کر مقابلے میں آئے، ورنہ زیادہ تر دوسرے ناموں کی جماعتیں بنا کر لڑے تھے۔ بہر حال مسلمانوں کی عظیم اکثریت نے ڈنکے کی چوٹ پکار دیا کہ وہ متحدہ قومیت پر اعتبار نہیں رکھتی، اپنے حصے کی الگ حکومت بنانے کی آرزومند ہے۔

بہت سے جید کانگرسی مسلمان اُدھر سے ٹوٹ کر لیگ میں آملے۔ ان میں پنجاب کانگرس کے صدر (میاں افتخار الدین)، صوبہ کرآلا کے صدر (محی الدین کٹی)، سلہٹ کانگرس کے صدر (مولوی عبدالحمید[1])

[1] مولوی عبدالحمید بھاشانی۔ اُس وقت ان کی وجہ سے مسلم لیگ کو بہت (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرکزی اسمبلی میں کانگرسی فریق کے نائب صدر (عبدالقیوم خاں سرحدی) شامل تھے۔

صوبہ سرحد، کانگرس کا مضبوط قلعہ خان برادران کی جاگیر بن گیا تھا۔ قائدِ اعظمؒ نے خود وہاں کا دورہ کیا (نومبر ۱۹۴۵ء) اور اسی حملے میں آدھے مورچے چھین لیے۔ تلِ آزادی کی دلگداز صدائیں پیر صاحب مانکی جیسے خانقاہ نشینوں کو میدانِ سیاست میں کھینچ لائیں۔ انہی مساعی کی برکت سے آخری معرکہ (ریفرنڈم) جیتنا سہل ہو گیا، جب کہ اہلِ سرحد نے بالاتفاق مملکتِ پاکستان میں شریک ہونے کا فیصلہ کیا ۱۹۴۷ء۔ اُس وقت بھارت کے حامی تھے بھی تو مقابلے میں نکلنے کی جرات نہ کر سکے۔

تقسیمِ ہند کی یہ کھائی پھلانگنے سے پہلے انگریزوں نے ایک اور انتہائی کوشش کی تھی کہ برطانی ہندؔ کی عمارت سلامت رہ جائے۔ نئی مزدور حکومت کے تین وزیروں کا وفد ہندوستان بھیجا گیا کہ رائے عامہ کے رہنماؤں سے مل کر ہندوستان میں حکومت خود اختیاری کو جلد بروئے کار لانے کی راہ نکالے (مارچ ۱۹۴۶ء)

وفد کی روانگی کا اعلان کرتے وقت وزیر اعظم (رائٹ لی) نے پارلیمنٹ میں یہ بھی سنا دیا "ہم اپنے راستے میں کسی اقلیت کو رکاوٹ ڈال دینے کی اجازت نہ دیں گے!" کانگرس والوں کی باچھیں کھِل گئیں۔ پٹیل صاحب نے شادیانے بجائے کہ وزیر اعظم کا مطلب یہ ہے کہ اس مرتبہ لیگ کی مخالفت کی پروا نہیں کی جائے گی۔

حقیقت میں مزدور وزارت کے تیور کہتے تھے کہ وہ کانگرس کے حسبِ منشا کام کرنا چاہتی ہے۔ پست اقوام اور دیسی ریاستوں کو اُن کی قسمت کے حوالے کر دے گی، مسلمانوں کو سمجھا بجھا کر کانگرس کے ساتھ معاملہ کرنے پر دباؤ ڈالے گی۔ وزیر اعظم کی تقریر پھر تین تین وزیروں کا مقتدر وفد بھیجنا، اسی مخفی دباؤ کے کھلے ہوئے پیرائے تھے۔

قائدِ اعظم (رحمۃ اللہ علیہ) نے پشاور کی تقریر (نومبر ۱۹۴۵ء) میں فرمایا تھا:

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) قوت ملی تھی، لیکن افسوس ان کا انجام پاکستان دشمنی پر ہوا۔ (ادارہ)

(حاشیہ صفحہ ہذا) لہ "انڈیا ٹوڈے" (طبع ثانی ۱۹۴۹ء ص ۵۲۹ وما بعد) کے مصنف کا قول ہے کہ ہندوستان کے نوساختہ بحری بیڑے کی بغاوت سے جو اواخر فروری میں ہوئی، انگریز گھبرا گئے، خود سرمایہ دار کانگرس عوامی جوش و خروش دیکھ کر پریشان تھی کہ کہیں اس کی قیادت ہاتھ سے نہ نکل جائے، چنانچہ پٹیل

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"یہاں کوئی (غیر مسلم) ہمارا دوست نہیں۔ نہ انگریز ہمارے دوست ہیں نہ ہندو۔ ہمیں یہ صاف نظر آرہا ہے کہ ہمیں ان دونوں سے جنگ کرنی ہے۔ اگر یہ دونوں اپنی قسم کے بنیے ہمارے خلاف متحد ہو گئے، تو بھی ہم ان کی متحدہ طاقت سے لڑیں گے اور انشاء اللہ آخر میں فتح ہماری ہوگی!"

متحدہ دشمن سے جنگ کرنے کا واقعی موقع آگیا۔ قائداعظم کی ایک آواز پر چار سو چیدہ قائدین دہلی کے اینگلو عربک کالج کی تاریخی عمارت میں جمع ہوئے اور یہ تاریخی میثاق مرتب کیا کہ ہندوستان کے مسلمان اپنی علیحدہ مملکت (پاکستان) قبول کرائے بغیر کسی آئینی فیصلے کو قبول نہیں کریں گے! (اپریل ۱۹۴۶ء)

عبوری دور کی خونی ندیاں:

برطانوی وزراے مختار نے بھی سیاسی فرقوں اور جماعتوں سے گفتگو کی۔ صدہا اکابر و عمائد سے ملے، اُن کے خیالات معلوم کیے۔ لیگ و کانگرس کے ترجمانوں کو دہلی، پھر شملے میں ایک ہی میز پر بٹھایا۔ آپس میں راضی نامہ کر لینے کے موقعے دیے، تاہم بے یاب اکثریت کو اپنا فائدہ اسی میں نظر آیا کہ خود صلح نہ کریں بلکہ وطن کی تقدیر کا فیصلہ انگریز کی قلم سے لکھوائیں۔ برطانی وزیروں نے اعلان کیا (مئی ۱۹۴۶ء) کہ ہندوستان کے سیاسی رہنما باہمی مصالحت نہیں کر سکے، نئے آئین کی تشکیل ہمیں کو کرنی پڑے گی۔ برطانی مستعمرات کا مرتبہ دینا پہلے طے ہو چکا تھا۔ اب نئے آئین کا خاکہ وزراء کے وفد نے کھینچا، جس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) متحدہ برعظیم کی مرکزی حکومت صرف دفاع، امور خارجہ اور مواصلات کی ذمہ دار بنائی جائے۔ مرکزی حکومت کو مذکورہ بالا محکموں کے مصارف کے لیے مالی وسائل مہیا کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ اس آنٹی کو کانگرس کے پتنگ باز کھینچ کر اتنا بڑھاتے رہے کہ مصالحت کی ڈور ہی ٹوٹ گئی۔ دوسری طرف جملہ اقوام کو مرکزی مجلس میں نہ صرف مناسب نیابت کا حق دیا تھا، بلکہ مسلمانوں کو مزید اطمینان دلایا تھا کہ کوئی "اہم فرقہ وارانہ مسئلہ" بغیر ان کی اکثریت کے، محض پوری مجلس کی کثرت رائے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

وغیرہ کانگرسی رہنماؤں نے علانیہ انگریز حکومت کا ساتھ دیا اور اسی موقع پر گاندھی جی نے ہندو مسلم عوام کے اتحاد کو "ناپاک" کی صفت سے موصوف کیا تھا۔

[illegible] اخبار [illegible] ۱۹۴۶ء)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ہٹنے نہ دے گا۔

(۲) صوبوں کے تین مجموعے تجویز کیے گئے:

الف۔ ہندو اکثریت کے صوبے۔

ب۔ بنگال و آسام۔

ج۔ سرحد، سندھ، بلوچستان، پنجاب۔

ہر مجموعے کو جداگانہ مجلس وضع قوانین اور اپنی حکومت منتخب کرنے، اندرونی نظم و نسق کو آزادانہ چلانے کا مجاز کر دیا تھا۔

(۳) ہر دس لاکھ باشندوں پر ایک چیدہ مندوب کے حساب سے دستور ساز مجلس بنانے کی تجویز کی تھی، مسلمانوں اور سکھوں کو اپنی آبادی کے اسی حساب سے مندوب منتخب کرنے کا حق رکھا گیا تھا۔

صوبوں کے مجموعوں کو اور مجموعے کے ہر صوبے کو آئندہ مجلسی انتخابات اور حکومتیں قائم ہو جانے کے بعد اجازت تھی کہ چاہیں تو مرکز یا مجموعے کے مرکز سے الگ ہو جائیں جس طرح خود مرکزی حکومت کا یہ حق مان لیا گیا تھا کہ وہ چاہے تو سلطنت برطانیہ سے اپنا تعلق منقطع کر لے۔

وفد کی ہدایت تھی کہ اگر لیگ اور کانگرس یہ منصوبہ قبول کر لیں، تو مرکزی حکومت کے محکمے (بشمول فوج) اہل ہند کے حوالے کر دیے جائیں۔ منصوبے کے شروع میں برطانوی وزیروں نے پاکستان کے لیگی مطالبے کو انتظامی، اقتصادی، فوجی وجوہ سے بہت مضر بتایا اور لکھا تھا کہ ایسی تقسیم دیرینہ روایات پر کاری ضرب لگائے گی۔

یہی تمہیدی فقرے پڑھ کر کانگرس والے پھڑک اٹھے۔ اخباروں نے جلی قلم عنوانات سے پاکستان کے رد کرنے کا فیصلہ چھاپا۔ گاندھی جی کی پرارتھنا ان دنوں سیاسیات کی وعظ گاہ بن گئی تھی۔ موصوف نے وفد کے اعلان کو پیام انشاط و طرب قرار دیا۔[1] مگر چند ہی روز میں مسلم لیگ کے اجلاس خاص کا فیصلہ

---

[1] حیات محمد علی جناح، ص ۶۷۵، بحوالہ اخبار بمبئی کرانیکل، مورخہ ۱۸ مئی ۱۹۴۶ء۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شائع ہوا کہ برطانوی منصوبہ ہمیں قبول ہے (جون ۱۹۴۶ء) بعض سربرآوردہ کانگرسی محبانِ وطن خوش ہوئے کہ بالآخر باہمی صلح کی صورت نکل آئی۔ ولایت و امریکہ تک بااثر اخباروں نے قائدِ اعظم کے ضبط و اعتدال کی تعریف بھی کی[1]۔ کانگرس پر اُلٹا اثر پڑا اور اب سمجھ میں آیا کہ اسلامی اکثریت کے صوبوں کی مجموعہ بندی پاکستان کی منزلِ بلند کا زینہ بن جائے گی، لہٰذا وہ پہلی رائے سے پھر گئی۔ ہندو مسلم اتحاد اور برِ عظیم کی سیاسی سالمیت کا آخری موقع ہاتھ سے کھو دیا۔

فریقین کی ہندکو دیوں کی حرکتیں جنگ کا راستہ دکھاتی تھیں۔ ۲۰ جون کے خط میں قائدِ اعظم سے تحریری وعدہ کیا کہ کانگرس نہ مانے گی تو بھی جملہ محکمے ہندوستانیوں کے سپرد کر دیے جائیں گے۔ ایک حد تک یہی تحریر مسلم لیگ کے مذکورہ بالا فیصلے کی ممد ہوئی تھی۔ کانگرس نے تردد میں شریکِ حکومت ہونے سے انکار کیا۔ پھر ایک طرف نئے منصوبے کے خلاف ادھم مچاتی رہی، دوسری طرف خفگی کے زینوں سے نیچے اُترتی چلی۔ اُدھر لاٹ صاحب لغزش میں آئے۔ برطانوی منصوبے کا جزِ دگر یہ ملتوی کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ قائدِ اعظم نے ویوِل اور انگریزوں کو ایسے سخت الفاظ میں وعدہ خلافی پر ملامت کی کہ غیرت مند آدمی تاب نہ لا سکتا تھا، مگر سیاسیات کی نئی شریعت میں اصلی ثواب کام نکالنا ہے۔ صداقت نہ ہو تو غیرت غارت ہو جاتی ہے۔

لیگ نے بگڑ کر ترکِ تعاون کا فیصلہ کیا (اجلاس بمبئی، جولائی ۱۹۴۶ء) مسلمانوں میں پھر مدافعت کے جذبے نے جوش مارا۔ حکومت کے بڑے بڑے سابقہ حامیوں نے خطابات چھوڑ دیے۔ آئینی جنگ پر تیار ہو گئے۔ ترکِ خطابات کا سبق گاندھی جی نے پڑھایا تھا، مگر ان کی انتہائی کوشش بھی ایسے اور اتنے خطاب یافتوں سے تعمیل نہ کرا سکی تھی۔ جتنی بمبئی کے جلسے میں قائدِ اعظم کے ایک حکم

---

[1] ان میں مدراس کے کانگرسی وزیرِ اعلیٰ مسٹر گری، امریکہ کی انڈیا لیگ کے صدر راجے جے سنگھ، لارڈ سنہا وغیرہ ہندو اکابر شامل ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر ہو گئی ہے۔ لیگ کا انگریزوں سے بگاڑ سنتے ہی کانگرس ان سے دوستی کے لیے دوڑ پڑی۔ فوراً سرکاری خدمات قبول کر لیں، پنڈت نہرو نے ملک معظم کی وفاداری کا حلف اٹھایا۔ بقول شخصے وہ ملک معظم کے خدا کے حلف کے بالکل قائل نہ تھے مگر اس وقت تینوں پر ایمان لے آئے۔"

سیاسی اکابر کا شدید عناد، عوام کے خونی فساد کی شکل میں رونما ہوا۔ وسطِ اگست ۱۹۴۶ء سے آخر نومبر تک شمالی ہند کے مختلف اضلاع میں ایسے ایسے بلوے اور قتلِ عام ہوتے رہے کہ پہلے کبھی دیکھنے سننے میں نہ آئے تھے۔ لیگ کی کنارہ کشی اور کانگرس کے مرکزی محکمے سنبھال لینے کی خبر نے ہندو عوام کو باور کرا دیا کہ پورے ہندوستان پر اب ہماری حکومت ہے۔ ہزاروں سپاہی جنگ عظیم کے ظالمانہ منظر آنکھوں سے دیکھ کر، کانوں سے سن کر آئے تھے۔ مہذب قوموں سے تہذیب و اخلاق کا نیا مذہب سیکھا تھا کہ خدا کا خوف وہم اور انسانی ہمدردی محض نامردی ہوتی ہے۔ ہزاروں بندوق طمنچے چھپا کر لائے تھے۔ بہت سے اسلحہ سیٹھ ساہوکاروں نے چوری سے خرید کر خونیوں کو مسلح کیا۔ باقاعدہ فوجی دستے بنائے۔ زمانۂ جنگ میں بے حساب دولت سمیٹی تھی۔ وہ شیطانی کمائی ان کاموں میں کام آئی۔

سرمایہ داروں کے سب سے بڑے مخزن کلکتہ، بمبئی تھے۔ نئی خونی فوجوں نے سب سے پہلے یہیں اپنے ہاتھ دکھائے۔ مسلمان عورتوں بچوں بوڑھوں کو نہایت بے دردی سے حلال کیا۔ کسی فرنگی بلکہ دوغلے فرنگی پر بھی کسی نے ہاتھ نہ اٹھایا۔ ہندو مسلم (اور سکھ) ہزاروں کی تعداد میں مقتول و مجروح ہوئے، لوٹ لیے گئے، آبروریزی کی گئی، کوٹھیوں، کارخانوں، محلوں میں آگ لگا دی گئی۔ یہی انگارے جھوٹے تاروں اور اخباروں نے ایسے اچھالے کہ جگہ جگہ فرقہ واری فساد بھڑک اٹھے۔ نواکھالی میں مسلمانوں کی زیادتی کو بنگالی اخباروں نے بلامبالغہ ہزار گنا بڑھا چڑھا کر ہندوؤں

لہ سر غلام حسین (سندھ) سر فیروز خاں نون (پنجاب) سر عزیز الحق (بنگال) سر سعد اللہ (آسام) نے اسی وقت سری کی پگڑی اتار پھینکی۔ راجا محمود آباد، نواب چھتاری بہت سے معززین کی طرف سے بعد میں اعلان ہوتے رہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اشتعال پھیلایا اور انہوں نے ایک نواکھالی کا بدلہ لینے کے فساد کا انتقام بہار کے سات ضلعوں میں بے گناہ مسلمانوں سے لیا (ستمبر اکتوبر ۱۹۴۶ء)۔ اتنے وسیع پیمانے پر قتلِ عام اور آتش زنی کی کہ صوبائی مسلم لیگ کی تحقیق کے مطابق کئی ہزار مسلمان مارے گئے جن میں اسی فیصدی تعداد عورتوں اور صغیر سن بچوں کی تھی۔ ہزاروں خانماں برباد بنگال، یوپی اور دور دراز سندھ میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ کراچی کی بہار کولونی انہی مہاجرینِ سابقین کی بستی ہے۔

لیگی تحقیقات کے نتائج کوئی چار مہینے کے بعد کتابی صورت میں شائع کیے گئے۔ اس میں کانگرسی وزارت پر خون و فساد کے ۵۶ سنگین الزام لگائے تھے، جن کی تردید کیا کرتے، تحقیق کرنے کی بھی کانگرس والوں کو جرأت نہیں ہوئی۔[۲]

زیرِ نظر سلسلے کا آخری معرکہ گڑھ مکتیسر کو سمجھنا چاہیے جہاں کمبھ کے میلے میں کئی لاکھ جاتری مقدس گنگا میں اشنان کرنے اور پاپ دھونے کے لیے جمع ہوئے تھے (نومبر ۱۹۴۶ء)۔ میرٹھ، مراد آباد اور نواح کے دو چار ہزار مسلمان دکانداروں نے حسبِ معمول دکانیں لگائی تھیں۔ ہندو مجاہدین کا لشکر پہلے اُن پر حملہ آور ہوا پھر قصبے کے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا۔ ضلع کانگرس کے صدر بڑے راسخ العقیدہ کانگرسی مسلمان تھے، انہیں بیوی بچوں سمیت مار ڈالا۔ انہوں نے مسلمانوں کے ہتھیار لے کر خود ہی پولس کے حوالے کر دیے تھے۔ اس خوش اعتقادی کی جزا میں جان سے گئے۔ صدہا مسلمانوں کو ہلاک اور ان کی بہو بیٹیوں کو بے آبرو کرایا۔ کئی دن تک مسلمان بیبیوں کی گلی سڑی لاشیں کنوؤں سے نکالی جاتی رہیں۔

---

[۱] بنگال و بہار میں ۱۹۴۶ء

[۲] کتابچے کا نام "بہار اسٹیٹ کلنگ ۱۹۴۶ء" ہے۔ ہندو خونیوں کو شہ دینے والوں میں کانگرس کے ممتاز رہنما، وزراء، حکام، حتیٰ کہ راجندر پرشاد تک کا نام مذکور ہے۔ پنڈت نہرو نے سرسری معائنے کے بعد ہندوؤں کی سفاکی اور قتلِ عام کا اعتراف اور ندامت کا اظہار کیا تھا۔ اس ہولناک فساد کے موقع پر انہیں گورنر بہار کے عہدے سے باہر نکالا گیا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آخری برطانی فیصلہ :

بنگال و بہار میں ۱۹۴۶ء کی برسات گویا خون برسانے آئی تھی۔ ولایت میں ملوکیت پسند انگریز، فسادات کا سارا الزام اشتراکی وزارت کے سر تھوپتے تھے۔ مسٹر چرچل نے انہیں ایام کی کسی تقریر میں بہار کے قتل عام کو آرمینیا کی خونریزی سے چند در چند زیادہ بنایا اور کہا کہ آرمینیا کے لیے ہم ترکوں سے لڑنے پر تیار ہو گئے تھے، آج وہاں سے کہیں زیادہ خوں باری ہماری سلطنت میں ہو رہی ہے، اس کا مواخذہ موجودہ حکومت سے ہونا چاہیے۔

حقیقت میں اگرچہ صوبوں کی گورنری اور بڑے عہدوں پر انگریز حکام برقرار تھے، مگر ان فسادات کو روکنے میں انہوں نے کوئی مستعدی نہیں دکھائی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے اور ایسی روایتیں مشہور ہیں کہ انگریز درپردہ فریقین کو بھڑکاتے اور باہم لڑا کر خوش ہوتے تھے۔ ظاہرا انتظام و انسداد کی ساری ذمہ داری دیسی وزیروں کے حوالے کر دی تھی۔

بنگالے میں وزیر اعلیٰ مسٹر شہید سہروردی نے فسادات کو بڑی مستعدی سے فرو کیا۔ بہار کے مقامی حکام کی مدد کے لیے مہاتما گاندھی کو جانا پڑا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ اگر فساد نہیں رکے گا تو میں مرن برت رکھ کر جان دے دوں گا۔

پنڈت نہرو نے سرکاری وزیر کی حیثیت سے دھمکی دی کہ خونی بلوائیوں پر جنگی توپوں اور طیاروں سے آگ برسائی جائے گی۔ صوبائی کانگرس کے رہنماؤں کی شرارہ انگیزی دھیمی پڑ گئی۔ انہی خونیوں کو ادھر ادھر بھیج کر چھپایا اور منتشر کیا گیا۔ بہت سے کانگرس کا ساتھ چھوڑ کر راشٹریہ سیوک سنگھ کے خفیہ اکھاڑوں میں بھرتی ہو گئے۔ کلکتہ، بمبئی میں چھرے بھونکنے کی مشق جاری رہی بلکہ غالباً یہیں سے الٰہ آباد، دہلی اور دوسرے شہروں میں ساری ہوئی۔

کلکتہ اور بہار کی خونریزی نے لیگی اکابر کو خاصے خلفشے میں ڈال دیا۔ انہوں نے راست اقدام کا دن منایا اور وہی کلکتہ میں فساد کا [illegible] بن گیا۔ [illegible] کی گئی تھی۔ اس کے بعد میرٹھ کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک بیرسٹر جاگیردار صاحب تھے۔ وہ کلکتہ اور بہار گیا جاتے، اپنی نواح کی قتل گاہ، گڑھ مکتیسر تک نہ گئے البتہ بعض دوسرے ارکانِ لیگ نے بہار کا دورہ کیا۔ قائدِ اعظم کی طرف سے خانہ برباد پس ماندوں کے لیے امدادی سرمایہ جمع ہوا۔ اسی سلسلے میں وہ دوبارہ کانگرس کے ساتھ مفاہمت کرنے پر رضامند ہوئے۔ نواب صاحب بھوپال (حمید اللہ خاں) بیچ میں پڑے مہاتما گاندھی سے ایک تحریری مصالحت نامے پر دستخط لے آئے، مگر پٹیل اور پنڈت نہرو نے اُسے نہ مانا، مہاتما جی پلٹ گئے، پھر انگریز حاکم درمیان آیا لیگ اسی سے قول قرار کرکے مرکزی حکومت میں شریک ہوئی (اکتوبر ۱۹۴۶ء) قائدِ اعظم نے کانگرس کی تنگ چشمی کا کشادہ دلی سے بدلہ لیا کہ اپنے حصے کے پانچ ارکان میں بنگالے کا نمائندہ وہاں کے اچھوت جوگندر ناتھ منڈل کو نامزد کیا۔

وائس رائے کی مجلس انتظامی میں لیگ کی منڈلی الگ قائم ہوئی۔ اس کے سربراہ نوابزادہ لیاقت علی خاں تھے۔ رکنِ فنانس کی حیثیت سے ۱۹۴۷ء کا میزانیہ انہی نے مرتب کیا اور دوست دشمن دونوں سے داد لی۔

کانگرس کی ضد نے دوسرا پیرایہ اختیار کیا۔ وفدِ وزرا کی تجویز کے مطابق، دستور ساز مجلس کے مندوب چنے گئے، تو اُس نے صوبوں کی مجموعہ بندی کا جز تسلیم نہیں کیا۔ دسمبر میں وزیرِ اعظم برطانیہ کے بلاوے پر پنڈت نہرو لندن گئے، مگر بھلانے پھسلانے کے باوجود کانگرس کی پیچ کرتے رہے۔ مسلمانوں کی طرف سے قائدِ اعظم اور لیاقت علی خاں شریکِ گفتگو ہوئے۔ پنڈت جی وزیروں کے اعلان کے وہ معنی بتلاتے رہے جس سے اعلان کرنے والے انکار کرتے تھے۔ یہ نئی قسم کی دھاندلی تھی۔ انگریز وزیر کبھی ان کا، کبھی ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے۔ پنڈت جی ۹ دسمبر کو مجلس دستور ساز میں شریک ہونے کے لیے پلٹ آئے۔ اُن کے انگریز حامیوں کو قائدِ اعظم کے سامنے خفت اٹھانی پڑی اور بالآخر مزدور وزارت کو تقسیم ہند کا لیگی مطالبہ تسلیم کیے بغیر کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہا۔

کچھ مدت پہلے ہندوستان کے چھوٹے سے بیڑے میں شورش کی موج اٹھی اور شہر بمبئی میں مزدوروں نے حکومت کے خلاف ہڑبونگ مچا دیا تھا۔ مسٹر پام دت کا بیان ہے کہ اس فساد سے دیسی سرمایہ داروں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو خوف ہوا کہ ہندو مسلم عوام مل کر اقتدار کی جاگیر نہ چھین لیں لہٰذا انگریزوں سے تقسیم ہند کا فیصلہ ہونے کرایا۔[1]

خفیہ ساز باز سے قطع نظر، وہ مجلس دستور ساز یا جمہوری آئین پورے ہندوستان میں نافذ نہ ہو سکتا تھا جس کا مسلمانوں کی عظیم تعداد مقاطعہ کر رہی تھی۔ آغاز سال نو (۱۹۴۷ء) میں ایک بڑا معرکہ پنجاب میں پڑا۔ گورنر (جینکنس) نے تمام غیر مسلم طاقتیں مجتمع کر لیں۔ جاہ طلب، غرض پرست مسلمانوں کی ٹولی ساتھ ملا لی۔ کانگرس کی قیادت عظمیٰ لیگ کی اندھی دشمنی میں سارے سیاسی اصول اور اپنا مذہب بھول گئی، انگریز گورنر، سر خضر حیات، ہندو اور سکھ فرقہ پرستوں سے اتحاد کر لیا۔ سازش پکانے کے لیے کانگرس کی طرف سے ابوالکلام آزاد لاہور بھیجے گئے تھے۔ انہیں بھی "وطن پرور" یا کانگریسی مسلمانوں کا نمائندہ سمجھنا چاہیے۔ مسلم لیگ کے خلاف اس سے زیادہ جامع اور مکمل محاذ کبھی قائم نہیں ہوا تھا۔ بایں ہمہ قومی رضاکاروں[2] کے معاملے میں لیگ نے حکومت کا مقابلہ کیا۔ بلا تشدد قانون شکنی شروع کی۔ صوبے کے ہزاروں مسلمان مرد و عورت جیل میں گئے۔ حکام کی سختیوں کے باوجود ان کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ حکومت کو جھک جانا پڑا۔

کم تر پیمانے پر اسی قسم کی جنگ صوبہ سرحد میں لڑی گئی۔ ان واقعات نے بدترین مخالفوں کو قائل کر دیا کہ مسلم لیگ بدمزاج مسٹر جناح اور چند بے عمل بلند آرزو قائدین کا نام نہیں ہے بلکہ مسلمانوں

---

[1] دیکھو انڈیا ٹوڈے طبع ثانی (۱۹۴۹ء) باب آخر ۵۱۲۔ دت مشہور ہندو نژاد اشتمالی ہے جو انگلستان میں بس گئے ہیں۔ بیڑے کی بغاوت (۱۹ تا ۲۲ فروری ۱۹۴۶ء) کا حوالہ اوپر ایک حاشیے میں آ چکا ہے۔

[2] خاکساروں اور ہندوؤں کی عسکری تنظیم گینگی دل کے ساتھ حکومت نے سیاسی جماعتوں کی رضاکار تنظیموں پر بھی پابندی لگا دی تھی اور اس لپیٹ میں مسلم لیگ نیشنل گارڈ بھی آ گئے تھے۔ لیگ نے اس حکم کو چیلنج کیا اور گرفتاریاں دیں۔ (ادارہ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے جذبات خود قائدین کو دھکیل کر آگے چلاتے ہیں۔ لیگ کی مجلس عمل نئی دہلی میں سوچ بچار ہی کرتی رہی، لیگی پنجاب نے عمل کر کے دکھا دیا۔

۱۰ فروری ۱۹۴۷ء کو وزیر اعظم برطانیہ نے اپنی پارلیمنٹ میں دنیا کو حکومت کا ثالثی فیصلہ سنا دیا، جس کے اجزائے ثلاثہ یہ تھے:

(۱) برطانی حکومت اپنے قطعی ارادے کا اعلان کر چکی ہے کہ ممالک ہند کا اقتدار ذمہ دار ہاتھوں میں منتقل کر دے گی۔ اس کی تکمیل و تعمیل میں جون ۱۹۴۸ء سے زیادہ تاخیر نہیں کی جائے گی۔

(۲) حکومت کو اعتراف ہے کہ اس بات کا کوئی قرینہ نہیں نظر آتا کہ وفدِ وزرا کے پیش کردہ نقشے کے مطابق نئی آئین ہند پر وہاں کی سب جماعتیں متفق ہو جائیں گی۔

(۳) برطانی حکومت اب اعلان کرتی ہے کہ تاریخِ موعودہ تک وہ یا تو ہندوستان کی ایک مرکزی حکومت کو اقتدار سونپ دے گی، یا بعض صوبائی حکومتوں کو جو پہلے سے قائم ہیں اور یا کسی اور طرح جو ممکن ہو، اختیارات منتقل کر دے گی۔[1]

فیصلے کی تعمیل:

لارڈ ویول اگرچہ فوجی آدمی تھے، تاہم مشہور ہے کہ برطانی وزیروں کی تیز روی میں ساتھ نہ دے سکے۔ عہدہ چھوڑنا پڑا۔ ان کی جگہ مزدور وزارت نے ماؤنٹ بیٹن کو چنا جو انگلستان کے شاہی خاندان کے

---

[1] ۲ مارچ ۱۹۴۷ء کی تاریخ، اخبار مارننگ نیوز کلکتہ، میں راقم الحروف کا ایک مضمون چھپا تھا کہ انگریز اگر واقعی اہل ہند کو آزادی دینا چاہتے ہیں تو انہیں چاہیے پہلے مختلف صوبوں کو آزادی دیں جہاں کا نظم و نسق اہل ہند چلا رہے ہیں۔ اس کے بعد پورے ہندوستان کی وفاقی یا وحدانی حکومت کا فیصلہ خود یہی صوبے کر لیں گے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رشتہ دار ہیں۔ (مارچ ۱۹۴۷ء) جنگِ عظیم کے اواخر میں ایشیا کے برطانی بیڑوں کے امیرالامرا بنائے گئے تھے۔ انہوں نے آتے ہی اندازہ کر لیا کہ مجلسِ انتظامی کے اندرونی اختلافات مرکزی حکومت کی گاڑی نہیں چلنے دیں گے۔ دستور ساز ہی لیگی شراکت کے بغیر معطل ہو جائے گی۔ کانگرس والوں کی بھی سمجھ میں آ گیا کہ تین چار صوبوں کی خاطر سارے ممالکِ ہند کی بادشاہی کھٹائی میں پڑ گئی ہے۔ تقسیم ہند پر راضی ہو گئے مگر شرط یہ کی کہ پنجاب و بنگال کے اضلاع جہاں مسلمانوں کی اکثریت نہیں ہے ہند و علاقے کے ساتھ ملحق کر دیے جائیں۔ یہ بات لیگ والوں کو ناگوار تھی، لیکن اسی اصول کے مطابق تھی جس پر انہوں نے تقسیم ہند کا مطالبہ کیا تھا، البتہ کانگرس اسے تسلیم نہیں کرتی تھی اور مذہب کے فرسودہ تعصبات کہتی رہی تھی۔ وہ گویا مسلمانوں کی ضد میں مسلمان ہو گئی۔

اس طرح پنجاب کی تقسیم سے جو ہل چل پڑی اور لکھو کھا انسان بے گھر ہو کر آندھی کے پتوں کی طرح کہیں سے کہیں اُڑتے پھرے اور بہت سے اب تک آوارہ اور پریشان ہیں، اس کی ذمہ داری زیادہ تر کانگرس کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

تقسیمات کی قرارداد اصولاً طے ہو گئی۔ وائسرائے اُڑ کر ولایت گیا۔ وزارت سے مشاورہ اور منظوری لے کر دو ہفتے کے اندر پلٹ آیا۔ ۳ جون ۱۹۴۷ء کے دن آزادی اور تقسیم ہند کا وہ نقشہ جو اسی کے نام سے منسوب ہے شائع کر دیا کہ برِعظیم کی تاریخ میں پتھر کی لکیر ہو گیا ہے۔ اس کے اہم خطوط یہ تھے:

۱۔ ہندوستان کے دو حصے کر دیے جائیں گے۔ دونوں کو نوآبادیاتی مرتبہ حاصل ہو گا۔ دونوں اپنے اپنے علاقوں کے لیے آئینِ حکومت اور قوانین خود بنائیں گے، اپنے حاکمِ اعلیٰ (گورنر جنرل) کا انتخاب کریں گے۔ دونوں کو سلطنتِ برطانیہ کے حلقے میں رہنے یا اسے چھوڑ دینے کی آزادی ہو گی۔

۲۔ بنگال اور پنجاب کے صوبے ہندو اور مسلم اکثریت کے اضلاع میں تقسیم کیے جائیں گے۔ ان اضلاع کے ارکانِ مجلسِ وضع قوانین کو اختیار ہو گا کہ جس متعمرہ کے ساتھ چاہیں اپنا الحاق کرائیں۔ تقسیم کی حد بندی ایک جماعتِ مامورین (کمیشن) تعین کرے گی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ سلہٹ میں اور دوسری طرف صوبہ سرحد میں وہاں کے مسلمانوں کی رائے لے کر ان علاقوں کے ہندوستان یا پاکستان میں الحاق کا فیصلہ کیا جائے گا۔

۴۔ آسام اور سندھ کی مجلس وضع قوانین اپنے ارکان کی اکثریت سے اپنے الحاق کا فیصلہ کرے گی۔

۵۔ ہندوستان کی ریاستوں کو کسی ایک مستعمرہ میں شامل ہو جانے یا آزاد رہنے کا حق ہو گا۔

اس آخری فقرے نے والیانِ ریاست کی امیدوں پہ ناگہانی بجلی گرا دی۔ وہ سمجھتے رہے تھے کہ ریاستوں کا مجموعہ ایک جداگانہ مستعمرہ بنا دیا جائے گا، اُن کی اندرونی آزادی دولتِ برطانیہ کے زیرِ سایہ رہے گی۔ یکایک معلوم ہوا کہ عہدِ ملوکیت کے ساتھ اس کی ذریات، نوابی و راجگی بھی چلی۔ نئی دنیا کی تماشا گاہ میں اقتدارِ شاہانہ کسی دوسرے بھیس میں جلوہ دکھائے گا! وائس روئے نے اعلان کی تشریح میں صاف کہہ دیا کہ ہم سب ریاستوں کو ملا کر جداگانہ مستعمرہ بنانے کا ذمہ نہیں اٹھاتے۔ سیادتِ سلطانی کو جس طرح برطانی ہند کے سپرد کرتے ہیں اسی طرح ریاستوں کو واپس دے دیتے ہیں؛ اپنا انتظام خود کریں اور بہتر ہے کہ اپنے محلِ وقوع کے لحاظ سے کسی ایک نئی مستعمرہ میں شامل ہو جائیں۔

ماؤنٹ بیٹن بھونچال کی طرح چلا جا رہا تھا۔ حد بندی کی جماعت ۲۸ جون کو مقرر کی، ایک انگریز جج ریڈکلف سرِ پنچ بنایا گیا۔ ۲۸ جولائی کو ہند (بھارت) اور پاکستان کے مستعمرہ بنانے کا قانون برطانی پارلیمنٹ میں منظور ہوا۔ وائس روئے نے اعلان کیا کہ ۱۹۴۸ء تو دور رہے، انگریز اسی ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو اختیارات منتقل کر کے رخصت ہو جائیں گے۔ دستور ساز مجلس کے پاکستانی مندوب نئی دہلی میں کچھ روز ٹھہر کر ابتدائی تنظیم کرنا چاہتے تھے، کانگرس والے اس کے روادار نہ ہوئے۔ مرکزی محکموں کے مسلمان عملے تک کو عملاً پاکستان جانے پر مجبور کیا۔ نئی مملکت کا دارالحکومت کراچی منتخب ہوا تھا، ہوائی جہازوں سے اہلِ عملہ مع اہل و عیال مارا مار اُدھر ڈھلنے لگے۔ دہلی، نواحِ دہلی اور پنجاب میں پہلے ہی سکھوں نے طوفان اٹھا رکھا تھا۔ ملازمینِ سرکار کے جوق در جوق رخصت ہونے سے اور بھی شہر میں ہل چل مچ گئی۔ آئندہ باب میں ہم اس ہنگامۂ رستخیز پر دوبارہ نگاہ ڈالیں گے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برطانوی قانون کے نفاذ کے ساتھ پاکستان اور ہند (بھارت) کے ہندوؤں نے اپنے گورنر جنرل منتخب کیے۔ کانگرس والوں نے ماؤنٹ بیٹن کو چنا۔ لیگ نے قائدِ اعظم جناح کا نام پیش کیا۔ حکومت برطانیہ کو منظوری دینی پڑی۔ جناح صاحب اپنی نئی مملکت کے نئے پائے تخت میں ۷ اگست کو پہنچے۔

جوتشی پنڈت ۱۴ اور ۱۵ اگست کا دن ہندوستان کے لیے منحوس بتاتے تھے، لہٰذا وائسرائے نے پہلے کراچی آکر انتقالِ حکومت کی رسم ادا کی (۱۴ اگست ۱۹۴۷ء) بادشاہ سلامت کی طرف سے مبارکباد کہی۔ اپنی تقریر میں قائدِ اعظم پر تحسین کے پھول نچھاور کیے کہ اتنی بڑی تحریک اتنی جلد نظریے سے حقیقت بن گئی۔ انہوں نے کہا:

"پاکستان کا قیام تاریخ کا ایک عظیم الشان واقعہ ہے۔ تاریخ عموماً پار دن کی طرح رس رس کر بہتی ہے مگر کبھی کبھی آبشار کی دھار بن جاتی ہے اور اچھل اچھل کر قدم بڑھاتی ہے۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب پانزدہم

پاکستان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاکستان

اس عظیم الشان واقعے کی مسلمانوں کو بھاری قیمت بھرنی پڑی۔ لیگ پر عام الزام یہ لگایا جاتا تھا کہ مذہبی اختلاف کی بنا پر اس نے دو قومی نظریے کا افسانہ تراشا ہے۔ اب اس نظریے پر عمل کا تماشا ہند اور سکھ قوم نے کر دکھایا۔ مسلمانوں کو ممالک ہند میں بارہ سو برس تک حکومت کرنے کا غرور شاید اتنا نہ تھا، جتنا سکھ فرقے کے دل میں پنجاب پر صرف ایک پشت کی سکھا شاہی سے بھر گیا تھا۔

جمہوریت کے نئے اصول کی چکی نے کم تعداد مسلمانوں کے دعوے دل دیے۔ اسی کی رگڑ اب پنجاب کے سکھوں کو محسوس ہوئی۔ مسلمانوں کو وسعت آباد ہند میں ایسے قطعات مل گئے جہاں ان کی عددی اکثریت موجود تھی۔ بے چارے سکھوں کو اپنے ہی صوبے میں ایک ضلع بھی ایسا نہیں ہاتھ آیا جہاں ان کی تعداد زیادہ ہو۔ مسلم لیگ نے اُن کی استمالت کرنی چاہی مگر ایسے فن فریب کرنے نہ جانتی تھی کہ سکھوں میں کسی وطن پرست جماعت کو مرتب کرے اور ان میں سے اپنا کوئی گُدّا صدر بنا کر لیے پھرے۔

پُرجوش سکھ اپنی بے بسی پر پیچ و تاب کھا رہے تھے، فساد انگیز انگریز اور فتنہ جُو ہندو نے ان کا سارا غیظ مسلمانوں کے خلاف مرتکز کر دیا۔ ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کا برطانی اعلان، لیگ کے مقابلے میں وزارت برطانیہ کی شکست کا اعتراف تھا۔ سر خضر حیات اور ان کے مسلمان رفیق عہدوں سے مستعفی ہو گئے، جیلنکس ابوالکلام کی ساختہ وزارت کے پر ٹوٹ گئے (۲ مارچ)، پھر بھی انگریز گورنر ڈٹا رہا اور یہ کہہ کر کہ کوئی دوسری وزارت نہیں بن سکتی، صوبے کے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ ممکن ہے اُسے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں سے کوئی ذاتی عناد ہو گیا ہو، بظاہر فرنگی حکام کے اسی گروہ کا جُہرا مہرہ تھا۔ بوں نے چلتے چلتے سیاسیات کی بساط کو خانہ جنگی کا اکھاڑہ بنتے دیکھ لیا۔ کم سے کم پنجاب کی خونریزی سے جینکنس کے ہاتھ پاک سمجھنا دشوار ہے۔ اُس کی ساختہ مخلوط وزارت کی تیلیاں بکھرتے ہی سکھوں نے علانیہ تلواریں سونت لیں۔ ہندو وزیر تک مذہبی جنگ کا سنکھ پھونکتے پھرتے تھے۔ ماسٹر تارا سنگھ کو انیا سپہ سالار بنایا اور کانگرس کے اکابر خصوصاً پٹیل کی پوری امداد کا یقین دلاتے تھے۔ آدمی، روپیہ اسلحہ کی مدد کم ہی شور مچانے، بہکانے، بڑھاوے دے کر لڑانے میں پورا زور صرف کر رہے تھے۔

ہر طرف سے سرکاری اطلاعات انگریز حکام کو پہنچ رہی تھیں کہ سکھوں نے ایک ایک ضلع میں اکالی فوج، شہیدی جتھے اور نہنگوں کے دل تیار کیے ہیں آشفتہ سر جوانوں کو مرنے مارنے کے حلف دے کر ہر طرح کے ہتھیاروں سے لیس کر رہے ہیں۔ سکھ ریاستوں سے آتشیں اسلحہ اور فوجی سردار بکثرت آتے اور سکھ جتھوں کو باقاعدہ لڑاتے ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ راولپنڈی، ڈیرہ غازیخان تک کے اضلاع و بلاد میں سکھوں ہی نے اپنی دولت و تنظیم کے زور پر پیش دستیاں کیں اور جب وہاں کے مسلم عوام نے چھوٹے موٹے دستے بنا کر جواب میں لوٹ مار کی تو گورنر نے بڑی مستعدی سے غیر مسلم فوجیں بھیج دیں جنہوں نے اقلیت کی حفاظت کے بہانے سے مسلمانوں کا خوب خون بہایا۔

خانہ جنگی کے سب سے بڑے معرکے خاص گورنر کے صدر مقام اور برابر کے شہر امرتسر میں لڑے جا رہے تھے۔ لاہور میں ہندو سکھ جتھے کا وہ زور تھا کہ سرکار دربار میں، بازار میں، مسلم اکثریت بالکل دبی ہوئی نظر آتی تھی۔ امرتسر سکھوں کا سب سے بڑا مقدس مقام تھا، وہاں ان کی تعداد، مذہبی جوش، جنگی سازوسامان کا کیا پوچھنا ہے شہیدی جتھوں کے پہلے بڑے بڑے چھاپے یہیں کے مسلمانوں پر مارے گئے۔ واضح رہے کہ مسلمان اکابر و امرا، سرکاری حکام و عمال ان معرکوں سے عموماً الگ رہے۔ تارا، کرتار، اودھم سنگھوں کی دلیرانہ وار فوجی تیاریوں اور سچر دھبار گو کی مریحی آتش افروزیوں کے جواب میں مسلم لیگ والے فقط امن و آشتی کے وعظ سناتے پھرتے تھے۔

اپریل تک پولس کے سرکاری کاغذوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ صوبائی مجلس کے اجلاس میں روپیہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وصول نہ ہونے کی شکایتیں اور صرف اس مطالبے کی تجویزیں کی جا رہی تھیں کہ جس طرح سکھوں کے کرپان رکھنے کا حق مسلّم ہے، مسلمانوں کو بھی تلواریں لگانے کی اجازت دی جانی چاہیے! غرض ابتدائی خانہ جنگی کا سارا بوجھ غیر منظم عوام اور متوسط الحال مسلمانوں کو اٹھانا پڑا۔ خصوصاً امرت سر کے مزدوروں، اہلِ حرفہ اور معمولی دکانداروں نے ایسی سرفروشی سے مقابلہ کیا کہ خالصہ بہادروں کے چھکے چھڑا دیے۔ یہاں بھی انہی کو دہائی دینی، فوج اور جنگی پولس کی مدد منگوانی پڑی۔ اُن کے خوفناک بم اور آتش گیر گولوں کے توڑ پر مسلمانوں نے ایک ایسا مصالحہ تیار کیا کہ پتھر کی عمارتوں تک کو کوئلہ بنا دیتا تھا۔

کہتے ہیں لاہور والوں کی طرف سے لڑنے کے لیے بھی امرت سر کے پہلوان اکھاڑے میں کود پڑے اور دو ہفتے میں ہندو سکھ مجاہدین کا زور توڑ دیا۔ پھر سرکاری مشین تیزی سے حرکت میں آئی۔ جبر و قوت سے فسادات رد کیے جانے لگے۔ انہی دنوں ماؤنٹ بیٹن گویا اپنے گورنر کی کارگزاری دیکھنے پنجاب آئے۔ طیارے میں لاہور و امرت سر کی آتش زنی، تاراجی کے نتائج ملاحظہ کیے۔ واپس آکر نئی دہلی میں فرمایا کہ ان شہروں کا کوئی دسواں حصہ ہی برباد و خراب ہوا ہے۔ پچھلی جنگ میں یورپ کے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بج گئی تھی۔ اس کے مقابلے میں یہ تباہی کچھ حقیقت نہیں رکھتی! شاید لاٹ صاحب کو یاد نہیں رہا کہ وہ فرانس و جرمانیہ کی جنگ کے مقامات کا نہیں بلکہ ایسے صوبے کا ذکر کر رہے ہیں جہاں ابھی تک یکیں بری ٹانیکا کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔[1]

مشرقی پنجاب کا اُشتلم:

جنگ جو سکھوں کا ابتدائی جذبہ محض مسلم اکثریت سے عناد و حسد پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔

---

[1] یہ سب قریبی واقعات اخبار پڑھنے والوں کے حافظے میں تازہ ہیں۔ سرکاری خصوصاً پولس کی اطلاعات کے لیے ملاحظہ ہو "نوٹ آن دی سکھ پلین" اور "دی سکھس ان ایکشن"۔ یہ انگریزی رسالے ۱۹۴۸ء میں مغربی پنجاب کے سرکاری مطبع سے شائع ہوئے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیلوک سنگھ[1] والوں نے شریک ہو کر اسے بامعنی بنانے کی کوشش کی۔ وسطِ پنجاب کے اضلاع میں چناب تک مسلمانوں کی تعداد دس بارہ فیصدی بیش تھی۔ سنگھ والوں نے مفصل تجاویز تیار کیں کہ قتلِ عام اور جبریہ اخراج کے ذریعے اکثریت کو اقلیت بلکہ معدوم کر دیا جائے۔ بعد سکھوں کا قتل و غارت گری میں ہاتھ بٹایا اور مشرقی پنجاب نیز دہلی سے مسلمانوں کے جبری اخراج میں حصہ لیا کیونکہ مرکزی حکومت میں بھی سنگھ اور مہاسبھا خاصا رسوخ پا گئے تھے۔

ادھر الور، بھرت پور، گوالیار کی ریاستیں سنگھیوں کی تربیت گاہیں بن گئی تھیں جہاں راج کی سرپرستی میں انہیں فوجی تعلیم اور جدید ترین اسلحہ فراہم کیے جاتے تھے۔ سکھوں کا دوسرا منصوبہ جمنا سے چناب تک خالصہ راج قائم کرنا بتایا جاتا ہے جس کا صدر مصدر مہاراجہ پٹیالہ تھے۔ کہتے ہیں گرنتھیوں نے الہامی تحریریں دکھائیں جو تشیلوں نے حکم لگائے کہ مذکورہ بالا سارا علاقہ سکھوں کے زیرِ نگیں ہونا لکھا ہے اور مہاراجہ ہی وہ شخص ہیں جن کے سر پر ملکِ موعود کا تاج دھرا جائے گا۔

وادیٔ جمنا کی جاٹ ریاست بھرت پور کو غالباً یہ کہہ کر منصوبے میں شامل کیا گیا کہ سکھ بھی جاٹ قوم سے ہیں۔ وسطِ مارچ ۱۹۴۷ء میں جاٹ مہاسبھا کا بڑا بھاری اجلاس بھرت پور میں منعقد ہوا۔ راجا نے دل کھول کر مہمانی کی۔ خود مرکزی حکومت کے سکھ وزیر سردار بلدیو سنگھ مہاسبھا کے صدر تھے۔ سبھا نے صاف صاف "جاٹ راج" قائم کرنا اپنا مقصد بنایا۔ نواح کے انگریزی اضلاع آگرہ، متھرا، بلند شہر تک جاٹ فوجوں کی بھرتی ہونے لگی۔ دو ہفتے کے اندر ضلع گڑگانوہ کے تیس مَیو دیہات پر بھرت پور کی فوجی ٹولیوں نے حملہ کیا۔ انگریز ان تیاریوں سے بے خبر ہوں یہ قیاس میں نہیں آتا۔

مہینہ بھر بعد خاص دہلی (ہندو مہاسبھا کے ایوان) میں سو سے زیادہ راجا مہاراجا مجتمع ہوئے۔ (آخر اپریل) اس اکھاڑے کے اندر مہاراجا الور تھے۔ مسلمان میووں کا باقاعدہ قتلِ عام انہی کی ریاست

---

[1] اس گروہ نے ۱۹۲۵ء میں ناگ پور کی بانی سے سر نکالا۔ پراچین ویدک دھرم اور مظلوم ہندو قوم کا احیاء زندگی کا عزیز ترین مقصد قرار دیا۔ شریک ہونے والوں پر جنگ کی تعلیم اور تیاری لازم کی۔ ۱۹۴۰ء میں گول وال کر سنگھ کا گرو بنایا گیا اور سارے ہندوستان میں اس کی شاخیں پھیل گئیں۔ سرکاری اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری دو تین سال کے اندر پنجاب میں تقریباً ساٹھ ہزار

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں شروع ہوا مشہور امریکی رسالہ "ٹائم" کا نامہ نگار یہاں کے خونیں مناظر دیکھ گیا تھا۔ مہاراجہ اور مہاسبھائی دیوان ڈاکٹر کھرے کی کارگزاری کی داد دیتا ہے کہ پار پانچ مہینے میں ریاست کی کوئی ایک تہائی (یعنی اڑھائی لاکھ سے زیادہ) مسلمان آبادی بالکل معدوم کر دی گئی۔[1] یہیں کے خانہ برباد ہزاروں کی تعداد میں ماؤنٹ بیٹن کے دارالسلطنت میں آئے، مہینوں جامع مسجد اور لال قلعے کے درمیان پڑے رہے۔

بھرت پور کا جاٹ راجا "نسل کشی" (= جینوسائڈ) کی دوڑ میں کچھ پیچھے نہیں رہا۔ وہاں کی ایک لاکھ دس ہزار کے قریب قدیم مسلمان آبادی میں غالباً اب ایک ہزار بھی باقی نہیں ہیں۔[2]

جاٹوں کی گہاریں میوات سے انگریزی گڑھے میں اتنی کامیاب نہیں ہو سکیں۔ یہاں کے مسلمان مدافعین جم کر لڑے بلکہ خود جاٹوں پر حملے کیے اور ان کے دیہات میں جگہ جگہ آگ لگا دی (اپریل تا جون ۱۹۴۷ء)

گرمیوں میں بھی لاہور نیز مغربی پنجاب کے مختلف گوشوں میں فساد کے انگارے چٹخنے رہے خون برستا رہا۔ لیکن اکثر ہندو سرمایہ دار اور سکھ منقولہ اموال کے ساتھ جنوب کی طرف کھسکنے لگے۔ جون میں صوبے کی تقسیم کا فیصلہ سن کر فرار کی رفتار تیز ہو گئی۔ ممکن ہے مشرقی پنجاب کو ملیچھوں سے پاک کرنے کا منصوبہ جولائی میں مرتب کیا ہو جبکہ پاکستان کی جداگانہ مملکت کو برطانی حکومت نے سرکاری طور پر تسلیم کر لیا۔

جینکنس کی اس منصوبے میں شرکت کا اندازہ یوں ہوتا ہے کہ مشرقی اضلاع میں تقریباً سب انتظامی

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

جوان سنگھ میں بھرتی ہو گئے تھے۔ انہیں مسلمانوں سے خاص عداوت تھی اور اسی دشمنی کے جوش میں اکالی سکھوں کی اعانت پر کمربستہ ہوئے (دیکھو رسالہ آر ایس ایس ان دی پنجاب، مطبوعہ گورنمنٹ پریس لاہور ۱۹۴۸ء)

(ایضاً حاشیہ گزشتہ صفحہ)

ضمیمہ کتاب مذکور جس میں سنگھ کی شاخ لاہور کا گشتی مراسلہ نقل کیا گیا ہے۔

[1] دیکھو رسالہ مذکور، فروری ۱۹۴۸ء

[2] یہ اعداد سید اظہر حسین زیدی وکیل بھرت پور نے احتیاط اور غیر مسلم ماخذوں سے اپنے انگریزی کتابچے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

عہدوں سے مسلمانوں کا تبادلہ کر دیا۔ تحصیل اور تھانوں تک سے مسلمان عمال اور سپاہی ہٹا لیے گئے۔ رہے بھی تو بندوقیں لے لیں۔ پولس اور دیوانی نظم و نسق کی کلیں ہندو سکھ ہاتھوں میں دے دی گئیں۔ بڑی بستیوں میں غلہ، شکر اور تیل پر زمانہ جنگ سے راشن بندھا ہوا تھا، دکانیں زیادہ تر غیر مسلم بقالوں کی تھیں۔ لڑائی ٹھنتے ہی مسلمانوں کو ان اجناس کا ملنا دشوار ہو گیا، سرکاری عہدہ دار شکایتیں سُن کر کھوکھلے وعدے کر دیتے اور مطلق توجہ نہ کرتے تھے۔

جون جولائی ۱۹۴۷ء سے گورہ فوجیں رخصت ہونے لگیں۔ مشرقی پنجاب خصوصاً دہلی کے گرد کی چھاؤنیوں میں جاٹ، سکھ، راج پوت عساکر نے ان کی جگہ سنبھالی۔ نئی دہلی میں ہر طرف جنگی پولس کے سپاہی تک انہی قوموں کے افراد نظر آتے تھے۔ مسلمان فوجی دستے دور دور پھینک دیے گئے۔ یہ جیلنکس کی بجائے مرکزی حکومت کے اعلیٰ انگریز حکام کی کاری گری ہو گی کہ وزیرِ دفاع بلدیو سنگھ کی آڑ میں کام کر رہے تھے۔

خونریزی کی وسیع تیاریوں کی ایک اور شق لائقِ ذکر ہے کہ جنگی اسلحہ کے فالتو ذخیرے بڑی مقدار میں ہندو سکھ ریاستوں کے ہاتھ فروخت کیے گئے اور انہوں نے "قومی مجاہدین" کو پہنچائے۔ احسان کا احسان کیا، چور بازاری کا نفع مفت میں کمایا۔

اتنے میں اگست کا ماہِ معظم آ گیا جس میں انگریز ایسی عظیم فیاضی اور عجیب ایثار کی نظیر دنیا کو دکھانے والے تھے کہ ہندوستان جیسے زرنگار مجموعۂ ممالک کو لڑے بھڑے بغیر چھوڑ رہے تھے۔ ادھر نسل کشی اور خانہ براندازی کا سارا انتظام مکمل تھا۔ شاید مسلم لیگ کے بار بار اصرار کرنے پر جنرل ریس کی سپہ سالاری میں ایک سرحدی سپاہ مقرر کی گئی تھی، لیکن مہاجر قافلوں کی روایتوں کے بموجب وہ حفاظت سے زیادہ ہلاکت کا باعث ہوئی۔ جس حالتِ زار میں امرتسر، فیروزپور، جالندھر، پھر ہوشیارپور، انبالہ کے لٹے کٹے قافلے پاکستان پہنچے، وہی ان روایتوں کی بدیہی گواہی دیتے تھے۔ ممکن ہے انہی بدنامیوں کے عام ہونے کی وجہ سے یہ فوج (دو تین مہینے ہی میں) برطرف کر دی گئی۔ بہر حال اگست کا پورا مہینہ لہو کی جھڑی کا زمانہ تھا۔ سارے مشرقی پنجاب میں بے دست و پا، کم تعداد مسلمانوں کا خون بہایا گیا۔ ہر جگہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پولس، فوج اور انتظامی عملے نے حصہ لیا، بلکہ خونیوں کی رہنمائی اور پوری پشت پناہی کی۔ رسالہ دی سکھس ان ایکشن کے ضمیمہ الف میں ۱۰۰ ایسی نظیریں قلم بند کی گئی ہیں[1]۔

حقیقت میں مسلم آبادی کی ہمت اسی لیے ٹوٹی کہ انہوں نے دیکھا خود سرکار مقابلے میں ہے۔ نقل مکانی اور ترکِ وطن کے سوا کوئی راستہ باقی نہ رہا۔ دیہات کے دیہات، علاقے کے علاقے اکھڑنے لگے۔ حکومت کی طرف سے پناہ گیروں کے پڑاؤ بنائے گئے اور بڑے بڑے پیادہ قافلے بنا کے یا خصوصی ریل گاڑیوں میں انہیں پاکستان روانہ کیا گیا۔ گویا صریحاً مسلمانوں کی جبریہ جلا وطنی میں حکومت حصہ دار ہو گئی۔ یہ بھی اخباروں میں چھپا تھا کہ لیگ و کانگرس حکومتوں کے درمیان تبادلۂ آبادی کا تصفیہ کر لیا گیا ہے۔

سکھ ریاستوں میں قتلِ عام:

انگریزی اضلاع میں مدت کی تیاریوں، سلح شوریوں، آتشیں ہتھیاروں اور حملہ آوروں کی بڑی بھاری بھیڑ کے باوجود، مسلمان اُس وقت تک غالباً کہیں نہیں دبے جب تک کہ سرکاری فوج اور پولیس چڑھ کر نہ آ گئی۔ جب یہ صورت پیش آئی تو کم سامانی سے زیادہ حکومت کی پشتینی مرعوبیت نے اُنہیں بری طرح مروا دیا۔ سب سے نمایاں مثال سکھ ریاستیں فراہم کرتی ہیں جہاں مسلمان رعایا کے تصور میں بھی نہ آتا تھا کہ خود راج ان کے خون کا پیاسا ہو جائے گا۔ ان والیانِ ریاست کی سفاکیاں تارا سنگھ

---

[1] محولہ بالا سرکاری اطلاعات میں لکھا ہے (ص۳) کہ مشرقی پنجاب کے مقاتل عامہ کا سب سے قابلِ نفرت واقعہ یہ تھا کہ غیر مسلم ملازمین سرکار کیا فوجی، کیا پولس اور انتظامی عمال، عموماً سب سرگرمی سے مسلم عوام کا خون بہانے میں شریک رہے ہے۔ سرکاری مسلمانوں کی طرف سے بہت کم ایسی حرکت ہوئی۔ سبب یہی تھا کہ ہندو سکھ قومی منصوبے کے مطابق قتلِ عمد کے مرتکب ہوئے۔ دوسری طرف پہلے سے کوئی دفاعی تدبیر و تبلیغ تک نہیں کی گئی تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے خونی جنون سے زیادہ روشن ہوئیں کہ حفاظت کے دلاسوں سے غریب رعیت کو جگہ جگہ مجتمع کرتے اور پھر پہرہ داروں ہی کی مدد سے انہیں قتل کرا دیتے تھے۔[1]

یورپ کے بھیڑیوں نے بھی جہاں تک معلوم ہے دشمنوں کو ایسے روباہی فریب دے کر ہلاک نہیں کیا تھا۔ نہ ایسی عجیب مستعدی ان عیش پرست رئیسوں نے کسی اور کام میں کبھی دکھائی ہوگی کہ چار پانچ ہفتے میں کئی لاکھ انسانوں کا صفایا کر دیا۔ پٹیالے میں نارنول، سرہند وغیرہ مسلمانوں کی مشہور بستیاں تھیں۔ جہاں بزرگانِ صوفیہ کی قدیم درگاہیں اور مزارات ہیں۔ تقریب قریب سب خالی کرا دی گئیں۔

رسالہ "نیو نا تسیز" میں ۱۹۴۱ء کی مردم شماری سے باحتیاط مقابلہ کر کے معدومین کی تعداد اڑھائی لاکھ تحریر کی ہے (ص۵۴)، مگر کپورتھلہ کا روشن خیال راجہ خونِ ناحق کی بازی میں سب سے اوّل رہا۔ کہ وہاں اکثریت مسلمانوں کی تھی (= دو لاکھ تیرہ ہزار)، اب کوئی قدر قلیل تک باقی نہیں رہی۔ آخر میں وہاں سے تقریباً ایک لاکھ خانہ بربادوں کا قافلہ پاکستان چلا تھا (۱۵ ستمبر)، فاصلہ پچاس ساٹھ میل سے زیادہ نہ تھا۔ راجہ کے "حُسنِ انتظام" سے فقط ۴ ہزار جانیں سلامت گئیں۔ عورت، مرد، بوڑھے، بچے وطنِ مالوف ہی میں کھیت رہے۔

سکھ منتظمین کپورتھلہ کی ایک اور کارگزاری مذکور ہے کہ مجبور مہاجرین کو شکر میں زہر کھلاتے تھے۔

---

[1] بعض ہندو اور کمیونسٹ اخبارات میں عینی بیانات چھپے تھے کہ کس طرح احاطے کے پھاٹک پر سکھ تلوار لیے کھڑے ہوتے، اندر سے ایک ایک مسلمان باہر آتا۔ پوچھتے "پاکستان جائے گا؟" اور گردن اُڑا دیتے۔ ہم نے سنا کہ ایسے ہزاروں مقتولوں میں کسی نے پاکستان جانے سے انکار نہیں کیا۔ بڑھ بڑھ کر گردنیں کٹوا دیں! کچھ مدت ہوئی کسی سردار سجن سنگھ کی کتاب "کانگرس راج کے تین سال" چھپی ہے جس میں قتل کرنے، زندہ جلانے کے چشم دید واقعات اور مسلمان مردوں عورتوں کے صبر سے جان دینے کی مثالیں درج کی ہیں۔ (مطبوعہ جالندھر، ۱۹۵۱ء)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتے تھے مسلمانوں کو اصطلاحاً "کبوتر" کہا جاتا تھا حقیقت میں وہ بے آب و دانہ کبوتروں سے زیادہ کمزور بے بس ہو گئے تھے۔ ستمبر میں عین نئی دہلی کے پل پر سکھوں نے مدراس کی ڈاک گاڑی روک لی، مسلمان مسافروں کو طپنچوں سے مارا، لوٹ لیا۔ ہندو مسافر بھی گھبرا کر بھاگ گئے۔ ساری ریل لٹ گئی۔ تین ہفتے تک یہ راستہ ہی بند رہا۔

شہر کی بدامنی اور جان و آبرو کے ان خطروں کے باعث مسلمانوں کو گھر چھوڑ کر نکلنا پڑا۔ اس آڑے وقت میں ہندوستان کے پہلے بادشاہ قطب الدین کی پرانی عمارت ہی آڑے آئی۔ خونیوں کے شب خون اور ناگہانی چھاپوں سے پناہ ملی۔ جو کچھ مختصر سامان اٹھا سکے، لے لے کر کوئی ایک لاکھ نفوس افتاں وخیزاں پرانے قلعے میں آپڑے۔ ہزاروں نظام الدین اور آس پاس کے کھنڈر قبرستانوں میں جہاں جگہ ملی جا گھسے۔

آگے دیہات میں شہر سے زیادہ بدامنی اور قتل و غارت گری ہو رہی تھی۔ پرانے قلعے کو پڑاؤ بنا کر تھوڑے بہت راشن کا انتظام تھا۔ کراچی کے مخیّر تاجر روٹیاں پکوا کر طیاروں سے بھیجتے تھے۔ کبھی کبھی کوئی امریکی یا فرنگی نوس بسکٹ بانٹ جاتا تھا۔ خوراک کی کمی سے زیادہ تکلیف پانی کی تھی کہ پندرہ بیس نل کی ٹونٹیاں لگی تھیں، ان پر صدہا پانی لینے والے ٹوٹ کر گرتے تھے۔ مشک بھر پانی کی قیمت تین چار روپے ہو گئی تھی۔ اسی حال میں موسلا دھار بارشیں ہونے لگیں۔ اتنا مینہ برسوں میں یہاں برستا ہو گا جتنا مہینہ دو مہینے میں بے گھرے پناہ گزینوں پر عذاب کی بوچھاڑ بن کر گرا۔ بے چاروں کو سر چھپانے کی جگہ نہ ملتی تھی۔ ٹین، ٹٹے، سرکی تک میسّر نہ آتی تھی۔ مجموعی طور پر اتنی تکلیفیں چند روز میں اٹھانی پڑیں کہ غالباً ساری عمر میں نہ اٹھائی تھیں۔

جبری نقل مکانی:

مشرقی پنجاب اور دہلی کے اقطاع میں وطنی حکومت کے ابتدائی دو مہینے اسی لانظمی اور خونریزی میں گزرے۔ ستمبر میں ریلوں کی آمد رفت بند، مواصلات کا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔ لوٹ مار پلانے والے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گروہ اب ہندو مسلمان کا امتیاز نہیں کرتے تھے۔ مال گاڑیاں، تھانے، تحصیلیں تک لوٹ لیتے تھے۔

وزیرِ اعظم پنڈت نہرو کو شہر دہلی کے حادثات کا خصوصاً صدمہ ہوا کہ یہاں کی خبریں دنیا بھر میں شائع ہو کر حکومت کی نااہلی کا ڈھنڈورا پیٹتی تھیں۔ اسی اثنا میں مہاراجہ پٹیالہ نئی دہلی پہنچے۔ کمیونسٹ اخباروں کے بیان کے مطابق وزرا سے فرمائش کی کہ شہر کا انتظام ہمارے سپرد کر دیا جائے۔ نہرو کو سخت غصہ آیا۔ والیانِ ریاست اور سکھوں کے منصوبے چھپے ہوئے نہ تھے۔ کانگرس کو کیل کی نوک گڑتی ہوئی اب محسوس ہوئی۔

نہرو کی مدد کے لیے مہاتما گاندھی بنگالے سے آگئے اور یہ بے قابو خون خرابہ دیکھ کر بہت پریشان ہوئے۔ دہلی اور نواح کی حفاظت کے واسطے مدراس و دکن کی فوجیں اور باہر کی پولس بلوائی گئیں۔ شہری رضاکاروں کو بندوقیں دلوائی گئیں کہ خونی سکھ اور سنگھی ڈکیت کو مار دینے میں تامل نہ کریں۔ سرکاری جبر و تشدد اور کچھ نہرو گاندھی فریق کی کوشش و کاوش سے اکالی دل اور سنگھی جتھے منتشر ہوئے۔ پھر بھی دوسرے علاقوں خصوصاً میرٹھ، آگرہ، روہیل کھنڈ کے اضلاع میں مقامی فسادات کراتے رہے۔

خون کرنے کا ایک ہنر غالباً سکھوں نے یہ سیکھا اور سکھایا تھا کہ چلتی ریل سے بے خبر مسافروں کو باہر پھینک دیتے تھے۔ اس قسم کی بے شمار وارداتیں مہینوں تک کلکتہ بمبئی تک مختلف مقامات پر ہوتی رہیں تاہم دہلی اور نواح میں فی الجملہ انتظام بحال ہوا۔ ریل، تار، ڈاک آنے جانے لگے اگرچہ مسلمانوں کے ساتھ سرکاری عمال کے ہر طبقے میں دشمنی کا سلوک ہوتا رہا۔

مہاتما گاندھی نے مشرقی پنجاب سے ان کا عام اخراج رد کرنے کی کوشش کی تھی، مگر اسے ہندو اہلِ حکومت نہیں مانے۔ صرف میوات کی دو تین تحصیلیں جہاں میو برادری کی مسلسل بستی آباد تھی، بچ گئیں۔ وہ معمولی کاشت کار لوگ تھے، ان سے ہندوؤں کا کوئی سیاسی یا اقتصادی نوعیت کا جھگڑا نہ تھا۔ جبراً اٹھانے میں بڑی فوجی قوت خرچ کرنی پڑتی۔ غرض ان کے دو اڑھائی لاکھ افراد ابھی تک اپنے قدیم مسکنوں میں مقیم تھے باقی چالیس لاکھ مسلمان قریب قریب ہر جگہ غیر مسلم اکثریت میں گھرے ہوئے تھے۔

اُدھر ریڈکلف کا فیصلہ شائع ہوتے ہی سکھ اور ہندو بڑے بڑے قافلے بنا کر پاک پنجاب سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نکل پڑے، لہذا مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کو رہنے دینا محال تھا۔ فرق یہ ہے کہ سرکاری اطلاعات کے بموجب:

"مغربی پنجاب کی غیر مسلم اقلیت (اپنے جانے کی) قریب قریب آخری گھڑی تک جارحانہ اقدام کرتی رہی۔ مختلف دیہات کے لوگ کسی بڑے اڈے پر مجتمع کیے جاتے تو اس حالت میں بھی راتوں کو نکل نکل کر مسلمانوں پر چھاپے مارتے تھے ......"[1]

اس کے برعکس دہلی یا اضلاع پنجاب کے مسلمان باشندوں کو سکھ، سنگھیوں کے مقاتل سے بڑھ کر سرکاری حکام اور ہندو فوج و پولس گھر چھوڑنے پر مجبور کرتی تھی۔ دوسرے غیر مسلم ہم وطنوں نے جس قسم کی شدید وحشیانہ عداوت کا بنا ڈ کیا۔ اُس کے گہرے زخم آسانی سے مندمل ہونے والے نہ تھے۔ کانگریس کا ایک قومی فلسفہ کم سے کم پنجاب میں کسی کو زبان پر لانے کی ہمت نہ ہو سکتی تھی۔

آزادیٔ ہند کے سلسلے کا یہ عظیم تلاطم، طرح طرح کے مصائب و شدائد، جرائم و خباثت کا اتنا بڑا مجموعہ ہے کہ ہزاروں ورق کے مجلدات میں بھی تفصیل و تحقیق سے انہیں شمار کرنا غیر ممکن ہے، البتہ یہ سب جانتے ہیں کہ آبادیوں کے اس وسیع تبادلے میں طرفین کے کم و بیش ایک کروڑ افراد بے گھر ہو کر دور دراز غیر مقامات میں بہہ گئے۔ مقتول و معدوم ہونے والوں کی تعداد دس لاکھ سے کم نہ ہو گی۔ اس میں کئی گُنا حصہ مسلمانوں کا تھا جن کا کوئی منصوبہ، کوئی ضابطہ، کوئی تنظیم (جنگ کرنے کے لیے) نہ تھی۔ کہیں کہیں مشتعل ہو کر انہوں نے (پاکستانی مقامات میں) حملے کیے مگر یہ محض محدود اور ہنگامی تھے ورنہ وہ ہر جگہ حملے روکنے کے لیے لڑے اور اکثر مواقع پر بالکل بے خبری یا بے بسی میں ہلاک ہوئے۔

غیر مسلم اخبار و اکابر اپنے مارے جانے والوں کی تعداد بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں، لیکن صرف پناہ گزینوں کی ریلوں پر جو حملے اور کشت و خون ہوئے، اور اُن کی صحیح تعداد محفوظ ہے، اسی کا موازنہ کیجیے تو فریقین کے نقصانات کا فرق اندازے میں آجائے گا:

---

[1] سکھس ان ایکشن صفحہ ۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۔ مسلم مہاجرین کی ریلوں پر حملے ——— ۵۴

مقتولوں کی تعداد ——— بیس ہزار سے زیادہ

۲۔ غیر مسلم مہاجرین کی ریلوں پر حملے ——— ۲۵

مقتولوں کی کل تعداد، پوری ایک ہزار بھی نہیں[۱]

ایک اور اہم فرق تاریخ میں ثبت ہونا چاہیے کہ سخت اشتعال کے وقت بھی مسلمان حمدہ آور بچوں بوڑھوں، عورتوں پر قاتلانہ حملے سے پرہیز کرتے تھے۔ اس کے برعکس سکھ سنگھی مجاہدین کا خاص ہدف یہی کمزور طبقے رہے اور اس باب میں انھوں نے عورتوں کی بے عزتی کرنے، بوٹیاں کاٹنے میں، بچوں کو دو پارہ چوپارہ کرنے اور دے دے کے مارنے میں جیسی وحشت دکھائی وہ اسی زمانے کی مشہور جاپانی اور فرنگی سفاکیوں سے دو قدم آگے معلوم ہوتی ہے۔ انسانیت کو ذلیل کرنے والے ایسے صدہا واقعات پیش آئے تھے۔ ہم اپنے مجمل جائزے میں دو مثالوں پر اکتفا کریں گے:

دہلی سے کوئی اٹھارہ میل جنوب میں جمنا کے قریب کھیڑی کلاں کا گاؤں تھا جس میں صرف ایک تہائی (۲: سات آٹھ سو) مسلمان کسان اور چھوٹے چھوٹے زمیندار بسے ہوئے تھے۔ گاؤں کی ہندو آبادی سے ان کے تعلقات پشت ہا پشت سے برادرانہ رہے۔ معاشرت میں کچھ فرق نہ تھا۔ ان پڑھ نام کے مسلمان تھے، بلکہ بعض کے نام تک ہندوانی تھے۔ سیلوک سنگھ کے لشکر نے ان پر بھی حملہ کیا۔ ان لشکروں میں زیادہ تر جمنا پار کے جاٹ، ریاست بھرت پور کے فوجی قائد، ایک دو تعلیم یافتہ

---

[۱] سکھس ان ایکشن ضمیمہ ۱ و ۲۔ مسلم مہاجرین کی ریلوں پر ۲۶ اگست سے ۵ اکتوبر تک حملے کیے گئے۔ جواب میں غیر مسلم مہاجرین پر ۱۱ اگست سے ۵ ا ستمبر تک حملے ہوئے۔ ضمیمہ ۲ میں وہ حملے الگ درج ہیں جو سرحد جموں پر غیر مسلم جتھوں اور کشمیر کے سرکاری فوجیوں نے مسلم مہاجرین پر کیے۔ ۱۰ ستمبر سے ۲۱ نومبر تک ۴۲ گنوائے گئے ہیں گو مقتول و مجروح کی مجموعی تعداد دو ہزار سے کچھ اوپر لکھی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آریہ سماجی اور مقامی پولس کے ہندو سکھ حوالدار، تھانیدار شامل ہوتے تھے۔

کھیڑی کے مسلمان مرد مدافعت کے لیے گاؤں کے باہر نکلے۔ بیوی بچوں کو دو تین گھروں میں جمع کر دیا۔ سامنے کا حملہ ابھی نہیں ہوا تھا کہ گاؤں کے ہندو بھائیوں نے ان گھروں میں آگ لگادی۔ عورتوں بچوں پر اندر سے ہلہ بول دیا۔ کم تعداد، بے ہتھیار مدافعین کی ہمت ٹوٹ گئی اور وہ فرار ہو کر گرتے پڑتے فرید آباد میں آئے۔ رات کو سخت بارش، کچے راستے، گڑھے، کیچڑ کے باعث مدد لے جانی محال تھی۔ دوسرے دن فرید آباد سے مسلمان فوجی امداد لے کر گئے۔ کوئی سوا سو زخمی عورتوں بچوں کو بچا کر فرید آباد لائے۔

کھیڑی کی بہت سی عورتیں ایک بڑے کنوئیں میں کود کر مر چکی تھیں۔ ان کی لاشیں تیرتی دیکھیں آدھی سے زیادہ آگ میں جلادی یا بھگادی گئیں۔ زخمیوں میں شیر خوار بچے بھی تھے جن کو بھالوں برچھوں چھروں سے کچوکا تھا۔ وہ مسلمان تک جنہیں برادران ہنود سے کسی رحم و انصاف کی توقع نہ تھی، ان کی ایسی ظالمانہ عداوت دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ گاندھی جی نے اپنی پرارتھنا میں کھیڑی کلاں کا ذکر کیا اور یہ بھی کہا کہ خدا جانے کتنے ایسے سانحے ملک میں ہو رہے ہیں جن کی ہمیں اطلاع تک نہیں ملتی۔

(روزنامہ تعمیر)

دوسرا عجیب تر واقعہ خاص نئی دہلی میں پیش آیا۔ خونی سکھ سنگھی کئی جگہ مدرسوں کے مسلمان بچوں کے گلے کاٹ کر تلواریں آزما چکے تھے۔ فتح مندی کے اسی جوش میں ایک حملہ ولنگڈن ہسپتال پر کیا، اور سو سے زیادہ عنت بیمار یا زخم دار مسلمانوں کو ہلاک کر ڈالا۔ جے ہند کے نعرے بلند کیے جن کی گونج تار خبروں سے دنیا کے ہر گوشے میں سنی گئی ہوگی۔

مسلمانوں کی نئی حکومت:

کانگریس کو انگریز مرتب منظم حکومت دے کر گئے تھے، جس کے کل پرزے اپنی جگہ جمے جمائے اور چلانے والے خاصے سدھے ہوئے موجود تھے۔ پاکستان اسم بلا مسمیٰ تھا، صرف پاکستانی صوبوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے اسی بیاسی مندوب دستور سازی کے لیے نامزد ہوئے تھے۔ نئی مملکت میں حکومت چلانے والی اور کوئی آئینی جماعت نہ تھی، کُل ہند مسلم لیگ خود بخود ٹوٹ گئی۔ بالفعل مجلس دستور ساز سے پارلیمنٹ کا کام لینا پڑا۔ تادمِ تحریر (جنوری ۱۹۵۲ء) وہی جمہوریۂ پاکستان کی حکمران ہے۔ اگرچہ اس کے کچھ غیر مسلم ارکان ملک چھوڑ چکے ہیں۔ کئی مسلمان سفارت و گورنری کے عہدوں پر مامور ہیں۔

اس وقت جو مغربی طرز کی قومی حکومت کے لیے بالکل نئی تھی، پاکستان کا دو حصوں میں منفصل ہونا ہے۔ دونوں کے درمیان ہزار میل کا فاصلہ اور بھارت کی ریاستیں حائل ہیں۔ دنیا کے کسی غیر ملک سے گزرنے میں شاید ایسی دشواری پیش نہ آتی ہوگی جس قدر اہلِ پاکستان کے لیے آج کل بھارت کے سفر میں ڈال دی گئی ہے۔ ناچار ہوائی یا بحری جہازوں سے مشرقی بنگال جاتے آتے ہیں۔

نئی مملکت کا مجموعی رقبہ تین لاکھ ستر ہزار مربع میل سے کچھ زیادہ اور ۱۹۵۱ء کی مردم شماری میں کُل آبادی سات کروڑ ساڑھے اٹھاون لاکھ سے اوپر بتائی گئی ہے۔ ان اعداد میں کشمیر و جوناگڑھ کے علاقے محسوب نہیں ہیں۔

بعض اسلامی ملکوں کے رقبے زیادہ ہیں لیکن کسی کی آبادی پاکستان کے برابر نہیں۔ اس اعتبار سے وہ دنیا کے ممالک میں پانچواں ملک شمار ہوتا ہے۔ تقسیم ہند کے برطانوی فیصلے کے بعد اتنی بڑی مملکت کی از سرِ نو حکومت قائم کرنی پڑی۔ پہلا سوال دارالحکومت کا پیش آیا۔ شروع میں راولپنڈی کا نام لیا جاتا تھا، مگر حکومتِ سندھ نے قائدِ اعظم کو کراچی آنے کی دعوت دی۔ حکام اور دفاتر کے لیے بہت سی عمارتیں پیش کیں۔ عملے کے لیے صدہا نئے مکان بنوا دیے۔ مجلسِ دستور ساز نے شکریے کے ساتھ وزرائے سندھ کی پیشکش قبول کی۔ جیسا کہ گزشتہ باب میں بیان ہوا۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے نئے دارالحکومت میں نئی حکومت کا باضابطہ آغاز کر دیا گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دارالملک کراچی

کراچی کا جدید شہر اسی صدی کی تعمیر ہے۔ سیمنٹ کی چوڑی سڑکیں اور یہاں کی صفائی (ہندوستان بھر میں مشہور تھی۔ محفوظ بندرگاہ اور ایشیا کی ایک بڑی طیران گاہ ہونا، اس کے انتخاب کی سفارش کرتے تھے، ممکن ہے قائداعظم کی ولادت گاہ ہونا بھی کشش کا سبب ہو گیا ہو لیکن ملّتِ اسلامی کی تاریخ میں سیاسی اہمیت کے علاوہ یہ ایک نادر حُسنِ اتفاق تھا کہ برّ عظیم کے نقشے میں یہی وہ نقطہ ہے جہاں تقریباً تیرہ سو برس پہلے مسلمانوں کا قدم آیا۔ فتوحاتِ سندھ کی ابتدا دیبل سے ہوئی۔

ہم اپنی تاریخ کی پہلی جلد (باب اوّل) میں سرہنری ایلیٹ وغیرہ کی تحقیقات نقل کر چکے ہیں کہ قدیم دیبل موجودہ منوڑہ کی جگہ واقع تھا۔ فتح ہونے کے بعد یہاں کئی ہزار عرب آباد کار بسائے گئے تھے۔ عربی مصادر سے پتا چلتا ہے کہ ان میں قبائلِ قریش (ہباری، تمیمی وغیرہ) بھی تھے۔ حکومتِ عرب کے دور میں جب کہ بحری تجارت میں غیر معمولی ترقی ہوئی، بالکل قرینِ قیاس ہے کہ نئے گودام اور کشتیوں کے گھاٹ دیبل کے مقابل بنے اور وہیں کوئی قریش کی بستی "قریشی" یا "قرشی" کے نام سے موسوم ہو گئی ہو، جسے اب انگریزوں نے بگاڑ کر "کراچی" کر دیا ہے۔ سولہویں صدی (نصف اوّل) کے تُرک امیر البحر سیدی علی کی کتاب "محیط" سے اس قول کی تائید ہوتی ہے[1] اور اٹھارہویں صدی کے

---

[1] بحریات پر یہ مشہور ترکی کی کتاب تھی جس کا ایک انگریزی ترجمہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالے میں چھپا (۱۸۳۶ء، صفحہ ۴۵۹) دوسرا جرمن ترجمہ فان ہیرن ہیمر نے کیا تھا جس میں بظاہر ترکی تلفظ کے مطابق یہ نام "کورلیشی" یا "کراشی" لکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو اے، ایف بیلی کی کتاب "کراچی: پاسٹ، پریذنٹ اینڈ فیوچر" طبع لندن ۱۸۹۰ء صفحہ ۲) مقدم الذکر رسالے کے اقتباس کے لیے میں جناب قاضی احمد میاں صاحب کا ممنون ہوں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دو معتبر فرنگی اس نام کے ہجے (CROCHEY) تحریر کر گئے ہیں[1] قریب زمانے میں ماہی گیروں کی کسی برادری "کلانچی" سے شہر کا نام منسوب کیا گیا ہے، مگر قُریش کی آبادکاری اور قریشی یا قُرشی کا زیادہ دور تک سُراغ مل سکتا ہے[2]۔

تنظیمِ مملکت :

نئی مملکت کی تنظیم وفاقی آئین کے خطوط پر شروع ہوئی، جس کا انگریز حکام خاکہ کھینچ گئے تھے۔ سب محکمے، سررشتے، ان کے ضوابط، طریقِ عمل، برطانی ہند کے نمونے پر بنائے گئے۔ ناکافی ساز و سامان، مکانوں کی نامیسّری، ان سب سے بڑھ کر، کارواں افراد کا فقدان تھا۔ متحدہ ہندوستان کی مرکزی حکومت میں مسلمان کم اور اونچے عہدوں پر خال خال ہی رکھے جاتے تھے۔ اب پاکستان میں بڑی سے بڑی ذمہ داری انہی کو اٹھانی تھی۔ جہاں تک ہو سکا دہلی کے عملے سے کام لیا گیا۔ ہندوستان سے جو کام کرنے والے مل سکے انہیں لگایا۔ عارضی مکانات میں ٹین اور خیموں کی چھتوں کے نیچے صدہا دفتر کھولے گئے۔ جس طرح ممکن تھا، حکومت کا وسیع کارخانہ جمایا اور چلا لیا گیا۔

انگریزوں کے بنائے ہوئے کارخانے میں بہت سی پیچیدگیاں اور خامیاں تھیں۔ اہلِ ہند کے مفاد سے زیادہ برطانی مصالح کا لحاظ رکھا گیا تھا۔ نو آموز نقل کرنے والوں سے بھی غلطیاں ہوئی

---

[1] یعنی ایک بحری کپتان جے پورٹر جو ۱۷۵۴ء میں ان سواحل کی سیاحت کے لیے آیا تھا اور دوسرا ایسکل جس کا نقشہ ۱۷۷۴ء میں یورپ میں شائع ہوا اور مستند سمجھا جاتا تھا (ملاحظہ ہو بیلی کی محولہ بالا کتاب ص ۱۸ و ۲۱)

[2] یہاں خالص تاریخی قیاس پیش کیا گیا ہے۔ ممکن ہے بعض انگریزی داں حضرات کا ذوق قرشی کے عربی تلفظ سے سازگار نہ ہو۔ مگر اسے اختیار کرنے میں انہیں انگریزی ہجے بدلنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو گئی، مگر کوئی دوسرا نمونہ اُن کے سامنے نہ تھا اور اصلاح یافتہ نقش ثانی تیار کرنے کی کسی میں قابلیت ہو بھی تو اس وقت بالکل فرصت نہ تھی۔ مشرقی پنجاب و دہلی کی خونریزی، لاکھوں مسلمانوں کی وہاں سے نقل مکانی اور انہیں بسانے کے مسائل نہایت پریشانی کا موجب ہوئے۔ اسی اثنا میں کشمیر کی جنگ پہلے میدانوں میں، پھر اقوام متحدہ کے ایوانوں میں چھڑ گئی۔

قائد اعظم نے ضعفِ جسمانی کے باوجود حکومت کا سارا بار اٹھا لیا تھا۔ اسی نے اُن کی صحت کو اور خراب کیا۔ بایں ہمہ مشکلات وہ اور اُن کے رفقاء پاکستان کی خیالی مملکت کو مادی حقیقت بنا دینے میں کامیاب ہوئے۔ سال بھر کے اندر پورا کارخانہ اس طرح چلنے لگا کہ اپنوں کو فخر، غیروں کو تعجب ہوتا تھا۔

سب سے اہم اور بنیادی ضرورت مالیات کا نظام قائم کرنا تھا۔ مغربی پاکستان کی تجارت اور دولت زیادہ تر غیرمسلم آبادی کے ہاتھ میں تھی۔ سارے بینک وہی چلاتے تھے۔ تقسیم ہند کا فیصلہ ہوتے ہی پنجاب کے ہندو اور سکھ سرمایہ دار بھارت کو چل پڑے۔ سندھ و سرحد کا تخلیہ دو چار مہینے بعد تک ہوتا رہا۔ تمام دولت اور جس قدر ممکن تھا مالِ منقولہ ساتھ لے گئے۔ ہندوستان کے محفوظ سرمائے میں ۵۵ کروڑ پاکستان کا حق تھا، حکومتِ بھارت نے اسے بھی روک رکھا۔ ان دشوار عقدوں کو وزیرِ خزانہ مسٹر غلام محمد بالقابہم کے ذہنِ رسا نے حل کیا اور قائدِ اعظم سے اپنے کارنامے کی داد لی۔

تجارت کے سب خلا دہلی، یوپی، بمبئی، گجرات کے مہاجر تاجروں نے دیکھتے دیکھتے پُر کر لیے۔ مال کی درآمد برآمد میں بڑی سرعت سے اضافہ ہوا۔ پہلے سال (۱۹۴۸ء۔ ۱۹۴۹ء) کے موازنے میں وزیرِ خزانہ ۶۶ کروڑ ۶ لاکھ کی آمدنی دکھا سکے تھے۔ تین برس میں یہ مقدار ڈیڑھ ارب کی سطح پر آگئی۔ اسی مدت میں سرکاری اور نیم سرکاری بینک اتنے اور اس پیمانے پر جاری ہوئے کہ مسلمانوں کی نسبت یہ شہرت باطل ہو گئی کہ وہ حساب کتاب کے فن سے عاری ہوتے ہیں۔ پاکستانی سکے اور نوٹ دو اڑھائی سال کے اندر ملک بھر میں پھیل گئے۔ پاکستانی زر کی ساکھ دنیا کی منڈیوں میں قائم ہو گئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حتیٰ کہ انگریزی پونڈ اور اس کے بہت سے سابقی سکوں کی سرکاری قیمت گری (ستمبر ۱۹۴۹ء) تو بھی حکومت پاکستان کو اپنے روپے کی قیمت گھٹانے کی ضرورت نہیں پڑی اور وہ بھارت کے روپے سے تیس فیصدی گراں مایہ تسلیم کیا جاتا ہے۔

دوسرے مرکزی محکموں میں دفاع، مواصلات، امورِ خارجہ کی توسیع و ترقی ہم برابر اخباروں میں پڑھتے، آنکھوں سے دیکھتے رہتے ہیں خصوصیت سے مغربی پاکستان کا محکمۂ ریلوے تحسین کا مستحق ہے کہ انگریزی دور میں کبھی کبھی خسارے سے چلتا تھا، اب معقول نفع کما رہا ہے۔ اوقات کی پابندی میں بھی اُن ایام کی نسبت کارکردگی بہتر پائی جاتی ہے۔

محکمۂ خارجہ نے بیرونی ملکوں میں پاکستانی سفارت خانے قائم کیے۔ اُن کے سفیر کراچی میں مقیم ہیں۔ پہلے ہی سال، پاکستان ادارۂ اقوامِ متحدہ کا رکن منتخب ہوا[^1]۔ اور اس کے مباحث میں ناموری حاصل کی۔ جن امور میں لوگ حکومت کی تاخیر و تقصیر کی شکایتیں کرتے ہیں، وہ ہم ضمناً ایک آئندہ فصل میں سنیں گے۔

قائدِ اعظم کا انتقال:

اپنے مقصودِ ملی کو منزل پر پہنچانے کے ساتھ کارواں سالار نے دوسری دنیا کی راہ لی۔ قائدِ اعظم گرمیوں میں بلوچستان گئے تھے۔ صحت کی خرابی کے باوجود سرکاری کام انجام دیے جاتے تھے۔ یکم جولائی ۱۹۴۸ء کو کراچی آکر اسٹیٹ بینک کا افتتاح کیا۔ واپس جانے کے کچھ روز بعد سے علالت نے زور پکڑا، بے ہوشی کے دورے پڑنے لگے۔ حکم دیا کہ کراچی لے چلو۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کی شام کو دار الحکومت میں لائے گئے اور اسی رات دار الآخرت میں پہنچ گئے۔

لوگوں کو آخری علالت اور کراچی آنے کی خبر نہیں دی گئی تھی۔ یکایک علم ہوا تو دھک سے رہ

---

[^1]: جملہ اقوام حتیٰ کہ بھارت کے نمایندے نے بھی پاکستان کے حق میں رائے دی، حکومت افغانستان کا رکن تنہا اُس کی رکنیت کا مخالف تھا!

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گئے۔ شہر شہر کہرام پڑ گیا۔ دو لاکھ سے زیادہ مسلمان جنازے کے ساتھ روتے ہوئے چلے، انہی کی نام کی سڑک کے کنارے ایک وسیع میدان میں دفن کیا، ابھی تک قبر زیارت گاہِ عام و خاص بنی ہوئی ہے۔[۱]

جُدِّدَ لہٗ مغفِرہ ۱۳۶۷ھ، وفات کی تاریخ ہے۔

مسلمانوں میں کوئی خالص سیاسی رہنما غالباً محمد علی جناح کے برابر مقبول و محترم نہیں گزرا۔ ملّتِ اسلامی کی تاریخ میں تقویٰ، علم وفن، عسکریت، تجدیدِ مذہب کے دائروں میں بڑے بڑے چاند سورج چمکے ہیں۔ مسٹر جناح کا ان شعبوں میں نام درج نہیں ہے۔ خود وہ منزلِ مقصود جس تک قوم کو لے چلنے کے باعث قائدِ اعظم کا خطاب ملا، اُن کی دریافت کردہ نہ تھی۔ مرحوم کا کارنامہ اسی قدر ہے کہ نجات و فلاح کی متعین منزل پر جب قدم رکھا، تو پھر صدہا مشکلات و خطرات کے باوجود پیچھے نہ ہٹایا۔ خدائے حکیم نے اُس جسمِ لاغر میں عجیب طرح کا قوی دل جما دیا تھا کہ ہارنے، تھکنے، جھکنے کا نام نہ لیتا تھا۔ ایسی غیر معمولی قوت، صداقت اور کامل دیانت کے بغیر نہیں آیا کرتی۔ مسلمانوں کے عہدِ ضعف و زوال میں ایک ایسے شخص کا، فریب و ریاکاری کی سیاسی دنیا میں نمودار ہونا جس کی بات کی سچائی پر دشمن تک ایمان لاتے تھے، حقیقت میں ملّتِ اسلامیہ کے فخر کا سرمایہ ہے۔ رہا کام، اس کی عظمت سے فقط وہ حضرات انکار کر سکتے ہیں جنہیں ہندی مسلمانوں کی آزاد حکومت کا قیام ہی ناگوار ہے۔

بھارت کی عداوتیں:

اکثر مسلمان سمجھتے تھے کہ تقسیمِ ہند کے فیصلے سے ہندو مسلم فساد کا خاتمہ ہو جانا چاہیے۔ پنجاب و دہلی کے اُشتُلم کا الزام بھی مو در از، کوتاہ عقل سکھوں کے سر منڈھتے تھے، لیکن سندھ و سرحد نیز مشرقی بنگال سے ہندوؤں کی نقلِ مکانی کانگرس والوں کی تحریک سے عمل میں آئی۔ بھارت کے

---

[۱] اب یہ عظیم الشان مقبرہ ہے اور اسے مزید پُر فضا بنانے کے لیے منصوبہ بنایا گیا ہے۔ جس پر کام شروع ہو چکا ہے (ادارہ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اخباروں نے بڑی شورش مچائی۔ پاکستان کے ہندوؤں کی تباہی پر دہائیاں دیں۔ نتیجے میں جابجا بھارت کے بے دست و پا مسلمانوں پر حملے ہوئے اور اس کا سلسلہ آج تک کم و بیش شدت کے ساتھ جاری ہے۔ ہفتے میں ایک دو فرقہ واری فساد کی خبریں بھارت ہی کے اخباروں سے آجاتی ہیں۔ پاکستان میں ایسے فساد بالکل مفقود ہیں۔ اس بدیہی فرق اور اپنی صریحی مسلم آزاری کے باوجود بھارت کے سیاسی جرائد و عمائد حقیقت کے برعکس تحریر و تقریر کرنے سے نہیں شرماتے۔

مغربی پاکستان سے غیر مسلم آبادی کو ایک دم بھارت منتقل کرنے کی بڑی وجہ یہ معاندانہ امید تھی کہ یہاں کی تجارت اور سب کاروبار درہم برہم ہو جائے گا۔[1] دوسرے یہ اندیشہ کہ بھارت کے مسلمانوں پر ظلم کا بدلہ پاکستان میں وہاں کے ہندو باشندوں سے نہ لیا جائے؛ حسد اور کینہ پروری کے دونوں نشانے بظاہر خالی گئے، البتہ کشمیر، جوناگڑھ، دکن حیدرآباد میں حکومت بھارت کو مسلمانوں کی دشمنی میں نمایاں کامیابی ہوئی:

ا۔ کشمیر کے جنوبی حصے، یعنی جموں میں مسلمانوں کی اکثریت کمتر (کوئی ۵۹ فیصدی) تھی۔ ساری ریاست تقریباً ۸۴½ ہزار مربع میل پر پھیلی ہوئی تھی۔ اتنے وسیع رقبے میں مسلم اکثریت کی نسل کشی اور جبری اخراج کا عمل دشوار ہوتا، لہٰذا ان خونیں منصوبوں کا شکار جموں کو بنایا گیا۔ پنجاب کی سکھ ریاستوں سے بھی چند روز پہلے سے مسلم دیہات کو اجاڑنا، جمع کر کے دھکیلنا، قتل کرنا شروع ہوا۔ اگست ۱۹۴۷ء کشمیر کے تقریباً چھ لاکھ مسلمان پاکستان میں پناہ گزیں ہوئے[2] جس سے

---

[1] اسی جنوری ۱۹۵۲ء میں حیدرآباد دکن کے سالانہ اجلاس کانگرس میں پنڈت نہرو کی ایک تقریر اخباروں نے چھاپی ہے جس میں آپ نے وثوق سے فرمایا کہ پاکستان کا اقتصادی نظام تباہ ہو گیا ہے!

[2] "لندن ٹائمز" کے خصوصی نامہ نگار کا بیان۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۸ء کے اخبار میں چھپا تھا کہ ریاست

(بقیہ حاشیہ آیندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اندازہ ہوتا ہے کہ والیٔ ریاست اور اس کی باقاعدہ فوج و پولس نے کتنے بڑے پیمانے پر نسل کشی کی مہم چلائی تھی۔

جب سردار عبدالقیوم کی قیادت میں مسلم رعایا نے خون کے پیاسے راجا کے خلاف تلوار اٹھائی اور ان کی مدد کے لیے افغانی قبائل کشمیر میں گھس پڑے، تب پردہ گرا اور خود بھارت کی فوج باقاعدہ تماشا گاہ پر نمودار ہوئی (اکتوبر ۱۹۴۷ء)، مہاراجا نے اسی ہفتے بھارت سے الحاق کی درخواست کی۔ کانگریسی اکابر پکار پکار کے کہتے رہے تھے کہ نواب و راجا کی بجائے رعایا کی عام رائے مانی جائے گی۔ اس موقع پر الحاق کے جملہ مراحل و مراسم دو تین دن میں طے ہو گئے۔ انگریزی اخباروں نے یہ کہانی بار بار مشتہر کی کہ پنڈت نہرو کا آبائی وطن کشمیر تھا، وہ اسے بھارت سے کٹتا نہیں دیکھ سکتے۔ مذہب اہنسا کے داعی مہاتما گاندھی نے کشمیر جانے والی فوجوں کی دعائے نصرت و برکت سے ہمت مضبوط کی۔

ادھر پاکستان کم سامانی کے باوصف لڑنے پر کمر باندھ رہا تھا۔ پٹھان مجاہدین سکھ ڈوگرا فوجوں کو ٹھونک رہے تھے۔ دونوں نئی مملکتوں میں جنگ سر پر تلی معلوم ہوتی تھی۔

اہل الرائے کا ایک گروہ دنیا کے اکثر فسادات کی جڑ میں انگریزوں کی ریشہ دوانیاں دیکھتا ہے۔ یہاں ماؤنٹ بیٹن کا پشتہ آنکھوں کے سامنے تھا۔ حد بندی جماعت کے سرپنچ ریڈ کلف نے گرداسپور کا ضلع کاٹ کر بھارت سے کشمیر کا راستہ بنا دیا تھا۔ یہ نقشہ بنانے والے بھی جینکنس اور ماؤنٹ بیٹن معلوم ہوتے ہیں[1]۔ بالفاظ دیگر، سب کٹ پتلیوں کے تار انگریز کے ہاتھ میں تھے اور وہ چاہتا

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

کی ڈوگرا افواج نے جس کی کمان خود مہاراجا کر رہا تھا، سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق مسلمانوں کو نیست و نابود کیا۔ ڈوگرا فوج کی مدد کے لیے ہندو اور سکھ جتھے تھے۔ اس طرح دو تہائی آبادی کے ختم ہو جانے سے مشرقی جموں کی صورت ہی بدل گئی ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] مشہور ہے کہ ریڈ کلف کا پہلا مسودہ قائد اعظم کے (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو اسی دلدلے میں بھارت اور پاکستان کو لڑا دیتا۔ بارے برطانی یا امریکی عالمی سیاست بظاہر آڑے آئی۔ مقدمہ اقوام متحدہ کی عدالتِ عالیہ میں پیش کر دیا گیا (جنوری ۱۹۴۸ء) وہاں سے پے در پے تحقیقات اور صلح صفائی کرانے کی خاص جماعتیں مامور ہوئیں۔ ایک مدت کی کوشش و کاوش کے بعد فریقین تا تصفیہ جنگ روکنے پر رضامند ہوئے (جنوری ۱۹۴۹ء) الحاق کا فیصلہ اہلِ کشمیر کی عام رائے پر منحصر کر دیا گیا، مگر استصوابِ عامہ کی شرطوں پر بھارت متفق نہیں ہوتا۔ کشمیر کے بڑے حصے پر اسی کا فوجی قبضہ قائم ہے۔

بڈھے مہاراجا کے (انگریزی) زمانے میں پنڈت نہرو کو ایک بار کشمیر میں آنے سے جبراً روکا، حراست میں لے لیا گیا تھا۔ یہ راجا نکال دیا گیا۔ نظم و نسق ایک وطن پرست مسلمان شیخ عبداللہ صاحب کے سپرد ہے۔ وہ بھارت کی خیر خواہی میں خود ہندوؤں سے بڑھ کر سرگرم ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔[۵]

۲۔ بھارت کا دوسرا چھاپا جونا گڑھ پر چلا۔ سرسبز گجرات میں یہ اور بھی سرسبز ریاست ہے۔ رقبہ چار ہزار مربع میل سے اور آبادی آٹھ لاکھ سے زیادہ تھی۔ نو پشت سے ایک مسلم خاندان (عرف بابی)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ہاتھ آ گیا اور انہوں نے برطانی حکومت کو سخت سست کہہ کر دل ٹھنڈا کیا۔ اس مسودے میں تقسیمِ پنجاب کی حدود دوسری تھیں جنہیں بدل کر موجودہ نقشہ بنوایا گیا۔ گزشتہ سال ریڈکلف کے عذرات کے جواب میں پاکستانی اخبارات نے ٹوک کر پوچھا تھا کہ کیا کسی دباؤ میں آ کر اس نے پہلے نقشے میں ردّ و بدل نہیں کی؟ جج صاحب کو انکار کرتے نہ بن پڑی، سکوت کیا۔

۵ (حاشیہ صفحہ ہذا)

اسی جنوری ۱۹۵۲ء میں آپ کی دہلی کے عام جلسے کی تقریر چھپی ہے۔ بھارت سے مفرط محبت اور پاکستان سے سخت نفرت کے اظہار میں شیخ صاحب اپنے ہم مذہبوں میں ممتاز مانے جاتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومت کرتا ہے۔ اسی ساحل کے حاشیے پر کئی اور چھوٹی بڑی ریاستیں صدیوں سے مسلمانوں کی میراث چلی آتی ہیں۔ برطانی اعلان کے مطابق جوناگڑھ نے پاکستان سے باضابطہ اپنا الحاق کرایا۔ (ستمبر ۱۹۴۷ء) بھارت والوں نے ہندو رعایا، اور ہمسایہ راجگان میں مذہبی تعصبات بھڑکائے، خود فوج لے کر جا چڑھے۔ مسلم باشندوں کو تباہ و تاراج کیا۔ نواب جوناگڑھ (سر مہابت خاں) اہل و عیال سمیت نکل آئے، کئی مسلمان رئیس (: مانگرول، مانا وادر وغیرہ) بھارت کی نظر بندی میں پڑے رہے۔ حکومت پاکستان ان کے حفظِ حقوق کی فقط قانونی لڑائی اقوامِ متحدہ کی عدالت میں لڑ رہی ہے۔ مرحوم رئیس اور ان کے ہزاروں متوسّل اُجڑ کر کراچی اور مختلف اضلاع میں منتشر ہیں۔

۲۔ بھارتی دراز دستی کو سب سے شاندار فتح "حیدر آباد دکن میں میسر آئی۔ برِّ عظیم کی یہ سب سے بڑی ریاست، رقبہ، آبادی، آمدنی کے ماسوا اپنے باقاعدہ وسیع نظم و نسق کے اعتبار سے ایک شاہانہ حکومت کا مرتبہ رکھتی تھی۔ خاندانِ آصف جاہی موروثی حاکم تھا جس کے حالات ایک گزشتہ باب میں نظر سے گزر چکے ہیں۔ ہندوستان کے بھی مسلمان حیدر آباد کو مغلیہ سلطنت کی آخری یادگار جانتے اور محبت و احترام کرتے تھے۔ عہدِ حاضر میں اکثر شعبوں کی نئی تنظیم و تجدید کی گئی۔ سب سے بڑھ کر تہذیب و تعلیم کے خانوں میں رنگ بھرا۔ حیدر آباد کے علمی ذخیرے، مطبوعات، جامعہ عثمانیہ، جدید عمارات نفیس صنائع، دنیا کے تہذیبی مرکزوں میں اس کا نام چمکاتے تھے۔ ان ترقیوں پر ہندوستان کے سچے محبانِ وطن کو مسرور و نازاں ہونا چاہیے تھا، لیکن والیٔ ریاست مسلمان اور ساری ترقیاں زیادہ تر مسلمانوں کی کارکردگی تھیں۔ اکثریت کو خوشی کی بجائے حسد ہونے لگا۔ مذہبی تعصبات کی سیاہ دلی، ایک قومی فلسفے کی روشن خیالی پر غالب آئی۔ حیدر آباد کو بھارت سے جبراً الحاق و اطاعت قبول کرانے پر جنگی تیاریاں شروع ہوئیں۔

رئیسِ وقت اور امراء موروثی دولت کے امراض میں گرفتار تھے۔ اتنی جان ہی نہ تھی کہ حکومت کے لیے اُس کی بازی لگاتے۔ حیدر آباد کی عزت و آزادی قائم رکھنے کا بوجھ متوسط پُر جوش مسلمانوں نے اٹھایا۔ ان کی تعداد غیر مسلم آبادی میں دس گیارہ فیصدی سے زیادہ نہ تھی۔ اعلیٰ طبقے کے بہت سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افراد اتحاد المسلمین کے ساتھ نہ تھے۔ نوخیز قائدین کو اپنی قوت کا صحیح اندازہ نہ تھا، یا جان کر مبالغہ کرتے تھے۔ عین اس وقت جب کہ پاکستان میں قائد اعظم کی رحلت کا ماتم ہو رہا تھا (وسط ستمبر ۱۹۴۸ء) بھارت نے مملکت آصف جاہی پر فوج کشی کی۔ حیدر آباد کے فوجی حکام اور سپہ سالار کم سامانی کے عذر پر جنگ سے جان چراتے تھے۔ کہیں کہیں جاں باز رضا کاروں نے مقابلہ کیا اور شدید نقصان برداشت کیے۔ بھارتی فوجوں نے ملک میں گھس کر ہتی رعایا پر اچھی طرح اپنی بہادری آزمائی۔ محتاط اندازوں کے مطابق تقریباً دو لاکھ مسلمان وحشیانہ تشدد کا شکار ہوئے۔ ہزاروں خاندان اجڑ کر کہیں سے کہیں آوارہ و سرگرداں رہے۔ ایک بڑی تعداد کسی نہ کسی طرح پاکستان پہنچ گئی۔ کراچی اور نواحی اضلاع میں رہنے لگی ہے۔

نظام میر عثمان علی خاں نے فوراً ہتھیار ڈال دیے تھے، لہٰذا شہر حیدر آباد میں کسی بڑے پیمانے پر قتل و غارت گری کی نوبت نہیں آئی، البتہ مسلمان حکام کثرت سے برطرف کر دیے گئے۔ نظام کے اختیارات سلب ہوئے۔ کروڑہا روپے کی پونجی کہ ناگفتہ بہ ترکیبوں سے جوڑی تھی، چھن گئی۔ سارا ملک ہندوایا گیا۔ مسلم تہذیب کے نشانات ابھی تک رگڑ رگڑ کر دھوئے جا رہے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے وہ کپڑا ہی پھٹ جائے گا۔[1]

. . . .

بھارت میں رہنے والے مسلمانوں کا کیا حشر ہوگا؟ ۱۹۵۱ء کی تازہ مردم شماری میں ان کی تعداد سوا چار کروڑ سے اوپر تخمین کی گئی ہے مگر یہ کل آبادی میں آٹھویں حصے سے بھی کم ہے۔ ان سے عناد و فساد کے عناصر میں بظاہر کمی نہیں آئی۔ مہاتما گاندھی جیسے ہندو قوم کے محبت و محسن کے خون

---

[1] کانگرس کے سالانہ اجلاس حیدر آباد (جنوری ۱۹۵۳ء) میں پنڈت نہرو کی بعض تقریریں اخباروں میں چھپی ہیں جن میں یہ اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ریاست حیدر آباد کی انفرادیت مٹائی گئی تو سارے جنوبی ہند کا اقتصادی (اور سیاسی؟) توازن بگڑ جائے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناحق (جنوری ۱۹۴۸ء) کی ایک وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ مہاسبھائی اور سنگھی فرقے انہیں مسلمانوں کا طرفدار سمجھتے تھے۔ پنجاب میں خون کی ندیاں بہ گئیں۔ پھر بھی ماسٹر تارا سنگھ اور ہم خیال اکالیوں کو سیری نہیں ہوئی۔ برابر جنگ و قتال کے نعارے بجاتے اور مزید خون خرابے کا علانیہ پرچار کرتے رہتے ہیں۔ اخباری مبالغوں سے قطع نظر، فرقہ داری ہوئے مسلمانوں پر حملے کسی طرح کم ہونے میں نہیں آتے۔ عام شکایت ہے کہ ماتحت حکام اُلٹے انہی کے ساتھ سختی کرتے ہیں۔

سرکاری طور پر جداگانہ نیابت کا حق سوخت ہوا۔ بھارتی پارلیمنٹ میں نشستوں کی کوئی مقررہ تعداد نہیں منظور کی گئی۔ شخصی معاملات میں قانونِ شرع کا رواج تھا، اب وہ بھی موقوف کر دیا ہے۔ دوسری طرف سرکاری ملازمت کے دروازے مسلمانوں پر بند کیے جا رہے ہیں۔ زمینداری مدت سے دم توڑ رہی ہے[1]۔ تجارت میں پہلے ہی ان کا حصہ کم تھا۔ ملکی اور معاشی پریشانیوں کی دلیلِ ناطق سمجھنا چاہیے کہ بھارت سے نقلِ مکانی کا سلسلہ نہیں رکتا، دو تین ہزار مسلمان ہر مہینے کسی نہ کسی طرح پاکستان پہنچ جاتے ہیں۔ ان پریشان کن واقعات کو ہم ایک حد تک انہی زلزلوں کی جاتی ہوئی گڑگڑاہٹ خیال کر سکتے ہیں جنہوں نے انگریزوں کے پاتال تک گڑے ہوئے پاؤں اکھاڑے اور مسلمانوں کے کثیر گروہوں کو دھکیل کر پاکستان کی مملکت میں مجتمع کر دیا۔

اتنے بڑے تلاطم کے بعد پانچ سال کی مدت غالباً کافی نہیں ہے کہ بھارتی مسلمانوں کے مستقبل پر کوئی واثق رائے لگائی جائے۔ وہاں کے اونچے طبقوں میں جہاں مغربی تعلیم و تمدن دلوں میں گہرا اتر گیا ہے دین دھرم کے تعصبات جمے نہیں رہ سکتے۔ بھارت کے لادینی جمہوریہ بنانے کا اعلان ہو چکا ہے۔ نئے دستورِ حکومت میں چھوت چھات اور جات پات کی تفریق خلاف قانون قرار دی گئی ہے[2]۔

---

[1] اتر پردیش (سابق یو پی) میں مسلمان زمینداروں اور تعلقہ داروں کی قابل لحاظ تعداد تھی۔ خاص قانون بنا کر انہیں بے دخل کر دیا گیا اور یوں مسلمانوں کی ایک مؤثر قوت ٹوٹ گئی (ادارہ)

[2] ملاحظہ ہو نئے دستورِ حکومت کا حصہ سوم دفعہ ۹ و ۱۱۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہیں ہندو جاتی کے سناتن دھرم کا آخری سہارا مانا جاتا تھا علیٰ ہذا۔ قدیم ویدک تہذیب کے احیاء کا منصوبہ تعلیم یافتہ، دنیا شناس ہندوؤں میں بظاہر کوئی خاص دل کشی نہیں رکھتا۔ قرینہ کہتا ہے کہ مسلم کشی کا غلیان بتدریج ہلکا پڑ جائے گا، ممکن ہے ایک موثر اقلیت بن کر مسلمانوں کو بھارت میں رہنے کی جگہ مل جائے۔

مسلم پاکستان کے ساتھ بھارت ابھی تک نہ صرف غیر، بلکہ اکثر مخالف قوم کا سا برتاؤ کرتا ہے۔

پاکستان کے ابتدائی مسائل:

قائداعظم کے انتقال پر مشرقی بنگال کے وزیراعظم خواجہ ناظم الدین بالقابہم کو مجلس وزارت نے نیا گورنر جنرل منتخب کیا۔ نظم و نسق عملاً وزیراعظم لیاقت علی خاں کے ہاتھ میں منتقل ہوا (۱۹۴۸ء) انگریزی آئین کی رو سے وہی وزارت و حکومت کے ذمہ دار ہوتے، مگر مرحوم قائداعظم نے جیتے جی یہ بار خود اٹھا رکھا تھا۔ ان کی شخصیت کے سامنے رسمی آئین کی وقعت نہ تھی اور حقیقت میں وہ ساری قوم کے محترم معتمد علیہ تھے۔ دفتری تنظیم سے قطع نظر، نئی حکومت کو مہاجرین کی آباد کاری، کشمیر، جوناگڑھ نیا آئین اور انتخابات کے اہم معاملے طے کرنے تھے۔ پہلا کام بہت کچھ صوبائی حکومتوں نے، خصوصاً پنجاب نے انجام دیا۔ سرکاری بیانات میں ان خانہ برباد آنے والوں کے حسب ذیل صوبہ واری اعداد مجملاً بتلائے گئے ہیں[1]:

پنجاب	۵۵ لاکھ
سندھ	۶ ؍؍
کراچی	۱۰ ؍؍
مشرقی بنگال	۵ ؍؍

[1] ہمارا ماخذ سرکاری مطبوعہ "پاکستان کے پانچ سال" ہے۔ جس میں مختلف صوبوں کے ذکر میں یہ معلومات منتشر ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ریاست بہاولپور	۲½ لاکھ
صوبہ سرحد	۶۵ ہزار

لکھو کھا اشخاص کے اُکھڑ کر جانے، اور ان سے زیادہ تعداد میں فوج در فوج مہاجرین کے آنے سے پاک پنجاب میں مہینوں تک عجب طرح کی افراتفری مچی رہی۔ مسلمان عوام اور حکام نے مہاجرین کی ہمدردی میں کمی نہیں کی۔ تقریباً ایک برس تک لاکھوں اشخاص کی دل کھول کر مہمانی کرتے رہے۔ مگر سندھ و سکھ جانے والے غیر منقولہ جائیداد، اراضی، مکانات، کارخانوں کے علاوہ جگہ جگہ بھاری سازوسامان فرش فروش، برتن وغیرہ چھوڑ گئے تھے، کروڑہا روپے کی تجارت، ٹھیکہ داری، پھر ہزارہا نوکریاں خالی ہو گئی تھیں۔ ان کی تحویل و تقسیم کا باقاعدہ انتظام نہ ہو سکا۔ مہاجرین کے دلوں میں اپنے مصائب کے باوجود خوف خدا کی نرمی نہیں آئی۔ مقامی عوام اور قابو یافتہ حکام کا کسی وطنی جذبے نے ہاتھ نہیں تھاما۔ پہلے لوٹ مار پھر خود غرضی کی قربات: چور بازاری، فریب کاری، خیانت، رشوت، خویش پروری وبائی جراثیم کی طرح ملک میں پھیل گئیں۔ دولت بہت سی اخلاقی آفتیں مٹھی میں چھپا لاتی ہے۔ پنجاب میں عمائد و ارکان حکومت کے باہمی نفاق کے باعث مجلس وضع قوانین کا جگ ٹوٹا (۱۹۴۹ء)، دو سال تک گورنری راج رہا۔ ۱۹۵۱ء میں نئے انتخابات اور منتخب وزارت قائم کی گئی۔

اس عرصے میں مہاجر زمینداروں کو، عاوضے میں متروکہ اراضی اور کاشتکاروں کو قطعات دے کر صوبوں میں بسایا گیا۔ سکنی جائیدادیں لوگوں کو تفویض کر دیں مگر ان کی ملکیت کا ہنوز تصفیہ نہیں ہو سکا۔

کشمیر کی لڑائی تیغ و تفنگ کی بجائے زبان و قلم سے لڑی جانے کی مقدمہ اقوام متحدہ کی عدالت میں پیش ہے۔ اگرچہ قابو یافتہ فریق اپنے خلاف منشا کسی فیصلے کو ماننے پر آمادہ نہیں معلوم ہوتا۔ جونا گڑھ اور حیدرآباد دکن کے استغاثے اسی عدالت کی مثلوں میں کہیں دبے پڑے ہیں۔ بہت دن سے ان کا نام سننے میں نہیں آتا۔

مرکزی مجلس دستور ساز کے ارکان کی تعداد اور اجلاس کے ایام کم ہوتے ہیں، اگرچہ وضع قوانین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی اہم ذمہ داری بھی وہی انجام دیتی ہے۔ اتنی محدود جماعت میں کوئی بااثر فریق اختلاف مرتب نہیں ہوا۔

چودھری خلیق الزماں صاحب بھارتی ہم وطنوں کی دشمنی سے اندیشہ مند ہو کر پاکستان آئے اور یہاں کی مسلم لیگ کی تنظیم کی۔ یہ شروع سے حکومت کی حامی رہی۔ لیاقت علی خان کے زمانے سے مرکزی لیگ میں وزیراعظم اور صوبائی شاخوں میں وہاں کے وزیر صدر ہونے لگے۔ عوام کی طرف سے حکومت پر کھلا تنقید اور برا بھلا محاسبہ کرنے والے آزاد اخبار رہ گئے۔ ان کی تعداد اور قوت کچھ زیادہ نہیں ہے۔

پنجاب کے گزشتہ انتخابات میں ایک نئی سیاسی جماعت جناح عوامی لیگ بنی جسے حزب اختلاف کی ابتدا کہہ سکتے ہیں۔ مرکزی مجلس یا پارلیمنٹ کے نئے انتخابات نیا دستور حکومت بننے پر منحصر کیے گئے۔

مذہبی خیال کے لوگوں کا مطالبہ تھا کہ ملک میں اسلامی نظام حکومت نافذ کیا جائے۔ لاہور کی جماعت اسلامی اُن کی وکیل ... دینی سیاسیات کی پرجوش مبلغ ہو گئی تھی ... وہ کئی مہینے نظر بند رہے لیکن مارچ ۱۹۴۹ء میں مجلس دستور ساز نے ایک قرارداد مقاصد منظور کی کہ پاکستان کی حکومت اسلامی ہوگی۔ اس کے آئین و قوانین قرآن و سنت کے منشا کے مطابق نافذ کیے جائیں گے۔

انہی ابتدائی چار پانچ سال میں بعض بین الاسلامی تحریکیں ظہور میں آئیں ... ممالک سے اخوت کے رشتے تازہ کیے گئے۔ ۱۹۵۰ء میں بادشاہ ایران تشریف لائے ... سلطنت کے مسلم تاجدار ... بیدار مسلم مملکت نے بڑی دھوم سے خیر مقدم کیا ... اسلامی کی ... مفتی اعظم سید امین الحسینی کے ورود سے مشرف ہوئی۔ مراکش سے انڈونیشیا تک اکثر مسلمان خطوں کے اعاظم اور وفود آئے اور پاکستانی نمائندے اُن ملکوں میں اخلاص و ارتباط کا پیام لے گئے ... تمام اسلامی کے افراد کا ایک ... مقام اتصال بن گیا۔

اندرونی تنظیم کو ایک ... لیاقت علی خان کے قتل سے لگا۔ جون ۱۹۵۱ء ... مرکز میں سیاسی انقلاب ... ناظم الدین ... جنرل معززوجی سردار پکڑے گئے۔ وہ وقتی احتمالی ...

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذہب کے داعی شریک پائے گئے۔ ان سب کو حیدر آباد سندھ میں نظر بند کیا، اور صیغۂ راز میں مقدمہ چلایا گیا۔[1] اسی سال اکتوبر میں وزیر اعظم راولپنڈی آئے اور لیگ کے جلسۂ عام میں تقریر کرنے کھڑے ہوئے۔ ابھی صرف حرفِ خطاب: "برادرانِ ملت" زبان سے نکالا تھا کہ تڑ اتڑ دو گولیاں سینے پر لگیں" ہسپتال لائے جانے کے تھوڑی دیر بعد انتقال ہو گیا۔ کہتے ہیں ہوش کے آخری دقیقے تک خدا سے پاکستان کی بقا کی دعا کرتے ہوئے جان دی — انا للہ وانا الیہ راجعون ط۔ قاتل کو پولس اور غضب ناک رضا کاروں نے جلسے ہی میں مار ڈالا، لہٰذا اس کے کسی معین محرکات جرم کا سراغ چلانا اور دشوار ہو گیا۔

موقع پر کوئی صوبائی وزیر یا اعلیٰ عہدیدار موجود نہ تھے۔ ضلع کا انگریز ڈپٹی کمشنر اور مقامی حکام پولس حاضر تھے۔ قاتل (سید اکبر)[2] حدودِ کابل کا سردار زادہ ثابت ہوا جو کئی سال پہلے حکومتِ کابل سے لڑ جھگڑ کر ہندوستان آ گیا تھا۔ انگریزوں نے سیاسی پناہ گزیں کے طور پر معقول وظیفہ دیا اور ایبٹ آباد (صوبہ سرحد) میں زیرِ نگرانی رکھا تھا۔ یہی انتظامات حکومتِ پاکستان کی طرف سے بحال رہے۔

قتل کی تحقیقات دو اعلیٰ عہدیداروں کے تفویض ہوئی تھی۔ اس کی پوری روداد سیاسی مصالح کی بنا پر شائع نہیں کی گئی۔ بظاہر کسی اور سازش یا شرکت کا پتہ نہیں لگ سکا۔ قتل کی خبر سے ملک بھر کو سناٹا آ گیا۔ نئی مملکت میں یہ پہلا سیاسی قسم کا قتل تھا جو روزِ روشن اور بھرے جلسے میں واقع ہوا۔ لیاقت علی خاں نہ صرف وزیر اعظم، بلکہ قوم کے نہایت ممتاز و آزمودہ کار سیاسی رہنما تھے۔ پچھلے دو سال میں انہوں نے بین الاقوامی شہرت حاصل کر لی تھی۔ اسلامی ملکوں میں عام طور پر سے اس سانحے پر افسوس

---

[1] حال میں اس مقدمے کا فیصلہ سنایا گیا ہے۔ ایک خاتون کے سوا جملہ ملزمین کو عدالتِ خاص سے کم و بیش مدت کی سزائے قید ملی۔ (دسمبر ۱۹۵۲ء)

[2] ایک تاثر یہ ہے کہ اصل قاتل دوسرے لوگ تھے۔ انہوں نے ڈھال کے طور پر سید اکبر کو استعمال کیا اور پھر مار ڈالا۔ (ادارہ)

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا گیا۔ خواجہ ناظم الدین صاحب نے وزارت عظمیٰ کی باگ اپنے ہاتھ میں لی۔ مسٹر غلام محمد بالقابہم نئے گورنر جنرل مقرر کیے گئے (اکتوبر ۱۹۵۱ء)

پاکستان کو گزشتہ چند سال میں آفاتِ ارضی و سماوی سے سابقہ پڑا۔ بنگال و سندھ میں سیلاب آئے اور سب سے بڑھ کر پنجاب میں راوی نے ایسی طغیانی دکھائی کہ صدہا دیہات غرقاب کر دیے۔ جانیں کم ضائع ہوئیں مگر اموال و امکنہ کا لوگوں نے بہت نقصان اٹھایا۔

تین چار سال ملک میں غلے کی فراوانی تھی، جب کہ بھارت کے اکثر اقطاع میں قحط پڑ رہا تھا۔ محصول چوروں نے ہزاروں من غلّہ چھپا کر سرحد پار بھیجا اور خوب نفع کمایا، لیکن سالِ گزشتہ مغربی پاکستان کی فصل کم اٹھی تو ذخیرے نہ رہنے سے جگہ جگہ غلّہ کم یاب ہو گیا۔ حکومت کو باہر[1] سے گیہوں منگانا پڑا پھر بھی گرانی سے نجات نہیں ملی۔

....

واقعاتِ بالا ختمِ کتاب تک سلسلہ ملانے کی غرض سے مجملاً قلم بند کر دیے گئے، ورنہ پاکستان ابھی نوزائیدہ بچہ ہے اس کی جداگانہ تاریخ ہی کیا؛ البتہ اس کا مستقل وجود دنیا کو تسلیم کرنا پڑا اسی لیے انگریزی ساخت کے "ہندوستان" کو "پاکستان و بھارت" کہنا ضروری ہوا۔

ملتِ اسلامی کی نمو پذیر حیات میں پاکستان کا ظہور بلاشبہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ عہدِ انحطاط کے اخلاقی امراض، عام جہالت اور برطانی محکومی کی ذہنی زنجیروں سے ابھی پاکستانی مسلمانوں کو مخلصی نہیں ملی،

---

[1] اس موقع پر امریکہ نے بہت بڑی مقدار میں تحفے کے طور پر گندم فراہم کی۔ یہ عطیہ سیاسی حربے کے طور پر بھی استعمال ہوا۔ ایک مدت امریکہ اور پاکستان کی دوستی کے چرچے رہے۔

(ادارہ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمت بالخیر

04802

لہ اس کتاب کی تصنیف ۱۹۵۳ء سے اب تک (۱۹۸۹ء) پاکستان کی تاریخ میں بہت اتار چڑھاؤ آیا۔ ایک بڑا المیہ یہ ہوا کہ پاکستان کا ازلی دشمن بھارت ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے بھارت نے اپنی مسلح افواج مشرقی پاکستان میں داخل کر دیں اور بین الاقوامی سطح پر پروپیگنڈہ کی ایسی مہم چلائی کہ عالمی برادری نے اس کی اس بالکل غیر منصفانہ کارروائی کا نوٹس نہ لیا۔ تاہم اپنی فطری صلاحیتوں کے بل پر نوزائیدہ پاکستان برابر ترقی کرتا رہا اور اب ماشاء اللہ ایسا جوانِ رعنا ہے کہ عالمی برادری میں اُس کی عزت کی جاتی ہے۔ پاکستان کا دفاع، تجارت اور صنعت و حرفت خدا کے فضل سے اس قدر استوار اور مضبوط ہے کہ شاید وہ لوگ سرنگوں ہوں گے جو اس کے ٹوٹ جانے کی پیش گوئیاں کرتے تھے۔ ان باتوں میں سب سے زیادہ مسرت انگیز بات یہ ہے کہ پاکستان کا اسلامی تشخص نمایاں ہو رہا ہے۔

(ادارہ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ادارہ معارفِ اسلامی
منصورہ - لاہور - پاکستان